رفاقت جاوید

انجانی راہیں

PP
PAKISTANI POINT
AIK RABTA APNO SE
پاکستانی پوائنٹ

انجانی راہیں

رفاقت جاوید

القریش پبلی کیشنز
سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور
فون: 042-37652546, 37668958

پیش لفظ

تمام قارئین کو میرا عقیدت بھرا سلام پہنچے۔ آپ سب کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے آج مجھے یہ لکھتے ہوئے بے پناہ خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ اُس پاک ذات کی مہربانیوں سے میرا چھٹا ناول آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

میں نہیں جانتی کہ میرے ناول کہاں کہاں تک پہنچے ہیں؟ کن قارئین نے پڑھے ہیں؟ مگر اتنی خبر ضرور رکھتی ہوں کہ میرے وسیع حلقۂ احباب میں انہیں خوب پڑھا گیا۔ اگر کسی ایک نے ناول خریدا تو بیسیوں دوستوں کے ہاتھوں میں گیا اور خوب سراہا بھی گیا۔ میں ان تمام دیکھے اور اَن دیکھے قارئین کی تہہ دِل سے مشکور ہوں' جنہوں نے ہر ناول پڑھنے کے بعد مجھ سے ایسا سوال کیا کہ اگلے ہی لمحے میں قلم اُٹھانے پر مجبور ہو گئی۔ بعض اوقات فقط ایک چھوٹا سا سوال جذبات و خیالات کی عکاسی کرنے کے لئے بہت بھاری ہوتا ہے۔ ایک لکھاری کے لئے چاشنی اور لطافت سے بھرپور سوال کہ اگلا ناول کب آ رہا ہے؟ اپنی اہمیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

اس لئے میرا یہ ناول اُن تمام اَن گنت پُرخلوص سہیلیوں کے نام تو ہے ہی' جو میری ہر تحریر کا انتظار کرتی ہیں اور پڑھنے کے بعد بے پناہ حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔ اگر وہ تمام نام تحریر کرنے لگوں تو ناول اُنہی ناموں کی نذر ہو جائے گا' اس لئے ہر نام میرے لئے مقدم ہے۔

اس ناول کی کہانی در کہانی سچائی پر مبنی ہے۔ آج بھی ہمارے گرد و پیش ایسے کیریکٹرز موجود ہیں اس لئے انہیں ڈھونڈنے' دیکھنے اور پرکھنے کے لئے زیادہ دور جانے کی ضرورت ہی نہیں۔ اپنی ہم جنس چاہے کسی بھی خطے سے تعلق رکھتی ہو' وہ ہماری اپنی ہے کیونکہ اُن میں ہم اور ہماری ذات میں وہ موجود ہیں۔ ہمارا نسوانی وقار و کروفر ایک ہے' ہمارے جذبات و احساسات میں مطابقت ہے کیوں نہ ہم اپنی عزت نفس کے بچاؤ کی خاطر یکجا ہو کر اپنے تمام مسائل حل کرنے میں ایک دوسرے کی مددگار ثابت ہوں۔ یکجائی ہماری سٹرنتھ ہے۔

یاد رکھئے کہ معاشرے کو موردِ الزام ٹھہرانے کا وقت گزر چکا ہے۔ میڈیا' انٹرنیٹ' اخبارات و

ادبی رسالے اور کتابیں ہماری رہنمائی کرنے میں پیش پیش ہیں۔ اپنی کمزوریوں کا موازنہ کیجئے تا کہ غلطیوں کا تدارک ہو سکے اور مثبت سوچ کے ساتھ پہلا قدم اٹھائیے۔

لاکھوں قدم آپ کے ہمراہ ہوں گے۔ آخر اس دنیا میں ہماری تعداد صنف قوی سے زیادہ ہی ہے۔ کم ہرگز نہیں پھر ہم بے ذات و بے وقعت کیسے ہو گئیں۔

میں محمد علی قریشی صاحب کا تہہ دِل سے شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے ہر موقع پر میرے ساتھ تعاون کیا۔ اللہ کرے آپ دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی سے ہمکنار ہوں اور آئندہ بھی آپ کے زیر سایہ میرے قلم کی حیات بڑھتی چلی جائے اور میرے مالک کی مرضی شامل حال رہے۔
(آمین)

ایک بار پھر سے آپ سب کا شکریہ

رفاقت جاوید

پاکستانی
وقار عظیم

جاھدو المشر کین باموالکم و انفسکم و النتکم (ابوداؤد)

ترجمہ:''مشرکوں کے خلاف اپنے مالوں' اپنی جانوں اور اپنی زبانوں کے ذریعے جہاد کرو۔''

''مجھے اس سے انکار نہیں' لیکن میرا اس پر پکا ایمان ہے کہ ہماری موت کا اِک وقت مقرر ہے۔اُس سے ایک پل آگے پیچھے ہونے پر آپ کو بھی پکا یقین ہے۔ پھر آزمائش کی اس گھڑی نے آپ کا ایمان متزلزل کیسے کر دیا۔آپ موت سے ڈر کر یہاں سے فرار ہونا چاہتی ہیں۔

میں آپ کے ان خیالات سے اتفاق نہیں کرسکتی۔''

زرتاش نے ماں کو تیاری کرتے ہوئے دیکھ کر تاسف بھرے لہجے میں کہا تو ماں خاموشی سے گھر کی ہر چیز کو بوسہ دیتی ہوئی اپنے بیٹوں اور اپنے سرتاج کی تصویروں کو اُٹھا کر صاف کرنے لگی اور پھر اُنہیں اپنے کپڑوں میں لپیٹ کر اٹیچی میں سیٹ کرتے ہوئے بولی۔

''جب اولاد والدین سے بڑا اور عقلمند ہونے کا انکشاف کرنے لگے تو ایسی اولاد اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور فضل و کرم کے سائے سے محروم ہو جاتی ہے۔ بہتر ہے تم اس گناہ کبیرہ سے باز ہی رہو اور جاؤ اپنی پیکنگ کرو۔ مجھے نصیحت کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ میں تمہاری ماں ہوں۔تم میری ماں نہیں ہو۔'' ماں قہر و غضب سے بولی۔

''اگر آج تمہارے آغا صاحب زندہ ہوتے تو میں یہاں سے ہجرت کرنے کا فیصلہ کبھی نہ کرتی۔تم لوگوں کی جوانی دیکھ کر دہل جاتی ہوں۔اپنا گھر چھوڑنا اور نئی اَن دیکھی جگہ اور انجانے لوگوں میں جا بسنا قطعاً آسان نہیں۔''

''بی بی جان یہ میرا گھر ہے۔ میرا وطن ہے۔ بھلا ہم اِسے چھوڑ کر غیروں اور انجانے لوگوں کے ملک میں کیونکر جائیں۔ ہم نے اپنی دھرتی پر ہی جینے اور مرنے کے عہد و پیمان کئے ہیں۔ میں اپنی اس سرزمین کو تنہا نہیں چھوڑ سکتی۔'' زرتاش نے مستحکم لہجے میں کہا۔

''بیٹا! حالات درست ہونے پر ہم واپس آ جائیں گے۔اس وقت رُکنا سراسر احمقانہ فعل ہے اور ہماری خام خیالی ہے کہ ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ہمیں پریکٹیکل ہونا چاہئے۔ میں پانچ

بیٹیوں کو باپ اور بھائیوں کے بغیر تحفظ نہیں دے سکتی۔ پاکستان میں تمہارے خان ماما کو گئے سالہا سال ہو گئے ہیں۔ اُنہوں نے بتایا ہے خوب سیٹ ہو گئے ہیں۔ اگر تمہارے آغا صاحب میری بات مان جاتے تو ہم بھی آج وہاں کے قابل عزت رہائشی گردانے جاتے۔ اب تم باپ کے نقش قدم پر چل نکلی ہو۔ بیٹا میرے پاؤں کی زنجیر مت بنو۔ یہ جو تھوڑی بہت جمع پونجی ہے ناں وہ بھی یہاں ہی قربان ہو جائے گی۔ حالات بتا رہے ہیں کہ بہت جلد یہ علاقہ کھنڈرات میں بدلنے والا ہے۔ اندرون کابل ہمارا قیام ہوتا تو شاید بچنے کے امکان ہوتے۔ اب تو ہمیں یہ گھر چھوڑنا ہی پڑے گا' ورنہ ہم اسی کے اندر دفن ہو جائیں گی۔ بیٹا جن کے سر پر تاج نہ رہے وہ دوسروں کی نظروں میں بے قیمت ہو جاتی ہیں۔ ہمارے سر ننگے ہو چکے ہیں۔ ہمیں اپنی عزت اور جان کی سلامتی کی خاطر یہاں سے جانا ہوگا۔" ماں نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"بی بی جان! جس دِن میرا وطن افغانی قوم سے خالی ہو گیا تو میں تنہا اپنی اس دھرتی کا ساتھ دوں گی۔ مگر اسے چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ آخر اس دھرتی کی مٹی میں میرے چار بھائیوں اور باپ دادا کے خون کی آمیزش ہے۔ ہمیں ہر حال میں اسی مٹی کا ذرہ بن کر اپنوں کی قربت کو پا لینا چاہئے۔ ہم بزدل نہیں ہیں بی بی جان۔ ہماری دلیری اور بہادری کی مثالیں دنیا بھر میں مشہور ہیں۔" زرتاش نے فخریہ انداز میں کہا۔

"بیٹا اپنی حاکمیت کے زوال کو فراخدلی سے قبول کر لو۔ اسی میں ہماری بہتری ہے۔ اُٹھو میرے بچے تیاری کر لو۔ کل کا سورج ہمارے لئے نئی زندگی لے کر طلوع ہونے والا ہے۔"

ماں نے التجائیہ لہجے میں کہا تو زرتاش خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی گئی اور جب صبح اُسے جگانے کے لئے ماں کمرے میں گئی تو زرتاش وہاں موجود نہیں تھی۔ گھر کا ہر کونہ چھان مارا' مگر وہ کہیں نہ ملی۔

فرشتے نے موبائل پر اس کا میسج پڑھا اور چکرا سی گئی۔ بی بی کی طرف بھاگنے کے انداز میں پہنچی اور میسج سنانے لگی۔

"میری پیاری بی بی جان!

آداب! بی بی جان میں دل اور ذہن کے ہاتھوں بہت مجبور ہوں۔ میں آپ کا ساتھ دینے کو سراسر نادانی اور کم ہمتی سمجھتی ہوں۔ مجھے اپنے وطن سے بے پناہ محبت ہے۔ یہاں میرے آباؤ اجداد کی تاریخ سمائی ہوئی ہے۔ میں اسے نہیں بھلا سکتی۔ جس وطن نے ہمیں شاہانہ زندگی دی۔ ہماری عزت افزائی کی۔ میں اس کے بغیر جینے کو موت تصور کرتی ہوں۔ آپ جانتی ہیں کہ انسان موت سے بھاگنے کے لئے کتنے حیلے کرتا ہے۔ یہی حال میرا ہے۔ میری مجبوری سمجھنے کی کوشش کیجئے گا اور جلد واپس آ جایئے گا خان ماما سمیت۔ اُنہیں میرا پیغام دینا مت بھولیے گا کہ عالم برزخ کی اذیت کا سودا تو

موت سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔ افسوس کہ آپ نے اپنے وطن سے بے وفائی کرنے کی سزا بذاتِ خود ہی اپنے لئے تجویز کر لی۔ بی بی جان مجھے افغانی قوم پر بہت ترس و رحم آتا ہے۔ اپنے ہاتھوں اپنا ہی قتال کرنے کے بعد وہ خوش و خرم کیسے رہ سکتے ہیں؟

پلیز بی بی جان! آپ تو بہت سمجھدار ہیں۔ اپنی سزا میں کمی کرنے کے تمام اصول اور طریقے آپ کو آتے ہیں۔ اُن پر غور کیجئے گا۔

آپ کی دعا گو بیٹی۔ زرتاش"

"فرشتے اب کیا کروں؟ اُسے کہاں سے ڈھونڈ نکالوں؟" ماں یہ پڑھ کر تڑپ کر بولی۔ "اس علاقے کو خالی کرایا جا رہا ہے۔ بھلا وہ یہاں کیسے رہ سکتی ہے؟"

"بی بی جان! وہ جذباتی اور پاگل ہوگئی ہے۔ آپ کا فیصلہ غلط نہیں ہوسکتا۔" فرشتے نے ماں کو پیار کرتے ہوئے کہا۔

زرمین خاموشی سے تمام حالات کا تجزیہ کر رہی تھی۔ ریشم اپنی کم عمری کی وجہ سے اس تبدیلی پر اکسائیٹڈ تھی۔ اپنا بیگ کھول کر بار بار اپنے کپڑے دیکھتی اور اُن میں ایک اور جوڑا لا کر ٹھونسنے کی کوشش کرنے لگتی اور پلوشہ کبھی ایک ڈریس اُٹھاتی تو کبھی دوسرے کو غور سے دیکھ کر واپس الماری میں لٹکا دیتی۔ ریشم کے علاوہ سب کے چہروں پر حد درجے کی اداسی، خاموشی اور خوف تھا۔

❖ ◆ ❖

کابل سے ہجرت کرنے والوں نے اپنے گھروں کو الوداع کہتے ہوئے بیک زبان ہو کر اپنے وطن سے وفاداری نبھانے کا عہد کیا۔ ٹوٹے ہوئے دل اور لامتناہی سوچوں کے ہمراہ افغانی مردوں، عورتوں اور بچوں کے گروہ جتھے کی صورت میں پاکستان میں داخل ہو رہے تھے۔ ہر طبقے سے تعلق رکھنے والی افغانی قوم اپنی حیثیت کے مطابق یہاں سر چھپانے کی تگ و دو میں مختلف شہروں، گاؤں اور کچی آبادیوں کی طرف انجانی اور اَن دیکھی منزل کی طرف گامزن تھے۔ اسی تلاطم خیزی میں ہر ذی روح نفسانفسی کے عالم میں ایک دوسرے سے بے خبر تھا۔ سالہا سال تک ہجرت کا یہ سلسلہ جاری رہا، کیونکہ وہاں کی فضا سے سکون اور چین غارت ہو چکا تھا۔ دہشت گردی اور بمباری کے سلسلے بتدریج بڑھتے جا رہے تھے۔ کئی ایسے قبیلے ابھی تک وہاں موجود تھے، جو ابھی تک ڈینائل میں ہی تھے۔

آخر سب کچھ گنوانے کے بعد شاہ عبدالعزیز کی بیوی اور بچیوں نے ہجرت کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ طورخم چیک پوسٹ پر پہنچ کر فرشتے نے اپنی تینوں بہنوں کو جو کہ رو رو کر نڈھال ہونے کے بعد سو چکی تھیں۔ انہیں آہستگی سے ہلا کر جگانے کی کوشش کی تو انہوں نے نیم غنودگی میں اپنی ورم شدہ آنکھیں کھولیں اور خود کو گاڑی میں پا کر آس پاس کا جائزہ لینے لگیں۔ ایک دم اپنا گھر چھوڑنے کا کرب ان کے رگ و ریشے میں دوڑ کر انہیں بے دم سا کر گیا۔

''ہم پاکستان پہنچ گئی ہیں۔'' فرشتے نے اُن کے سروں کو چادروں سے ڈھانپتے ہوئے کہا۔
''انسانوں کے اس ریلے میں خان ماما کو کیسے ڈھونڈیں گے؟'' فرشتے کے لہجے میں فکرمندی عود کر آئی تھی۔ ڈرائیور پرانا خدمت گار تھا۔ نگاہیں نیچی کئے مؤدبانہ لہجے میں بولا۔ ''آپ کو خان ماما کے سپرد کرنا میری ذمہ داری ہے۔ ورنہ میں واپس نہیں جاؤں گا۔''

فرشتے نے اِک طویل سانس لے کر باہر متلاشی نظروں سے دیکھنا شروع کیا۔ مگر ماما کہیں نظر نہ آئے۔ تین گھنٹوں کے انتظار کے بعد ڈرائیور کے ساتھ آتے ہوئے شخص کو دیکھ کر یہ پہچان نہ سکیں۔ انہیں ڈرائیور پر حیرت کے ساتھ غصہ آنے لگا تھا کہ یہ کس فقیر کو ماما سمجھ کر پکڑ لایا ہے۔

فرشتے شاہ عبدالعزیز کی بیٹیوں میں نمبر دو پر تھی۔ مگر اپنی دانشمندی کی وجہ سے والدین کی نظروں میں اُس کا مقام اول درجے کا تھا۔ اس سے بڑے چار بھائی اور تین بہنیں چھوتی اور زرتاش بہنوں میں سب سے بڑی تھی۔ پانچوں بہنوں کا ایک ایک سال کا فرق ہونے کی وجہ سے سب ہم عمر ہی لگا کرتی تھیں۔ سن بلوغت سے جوانی تک کا سفر نہایت دلنشین اور سہل تھا۔ فرشتے کے علاوہ باقی چاروں بہنوں میں لااُبالی پن' خود پسندی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ زرتاش نے کمپرومائز کرنا سیکھا ہی نہ تھا۔ حد درجے کی سیٹلر واقع ہوئی تھی۔ فرشتے غور وخوض اور نشیب وفراز کی شناخت رکھنے والی لڑکی تھی۔ باقی سب کو زمانے کی شد بد نہ تھی' نہ ہی سوچ میں گہرائی تھی۔ ہر وقت ناز و انداز میں مگن رہ کر ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں کوشاں رہتی تھیں۔

ان کا خاندان ماڈرن اور خوبصورت شہر کابل میں صدیوں سے آباد تھا۔ چند کلومیٹر کے فاصلے پر ان کی بے شمار فیکٹریاں اور ملیں ان کے لئے بہترین ذریعہ معاش کا کام کر رہی تھیں۔ رزق کی فراوانی اور عزت ورتبے کی بہتات تھی کہ یکدم ملکی سیاسی حالات نے پلٹا کھایا اور افغانستان دھماکوں کے شعلوں کی نذر ہونے لگا۔ فیکٹریاں اور ملیں' ہسپتال اور سکول اس ظلم وستم سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ شاہ عبدالعزیز سیاسی سرگرمیوں میں ہی مارے گئے۔ دو بیٹے سول سروسز میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو کر باپ کا داہنا بازو بنے ہوئے تھے۔ دو آرمی میں اپنے فرائض خوش اسلوبی سے نبھا رہے تھے۔ بدقسمتی سے سبھی کو یکے بعد دیگرے نشانہ بنا کر موت کی نیند سلا دیا تھا۔ شاہ عبدالعزیز کی بیگم نے ان کے جانے کے بعد کئی سال تک افغانستان کی سرزمین کو نہ چھوڑا تھا' لیکن جب ان کے تمام علاقوں کو خالی کرایا جانے لگا۔ کابل کی روشنیوں کو تاریکیوں میں بے دردی سے بدل ڈالا تو ہر قبیلے کے لوگ اپنی جان بچا کر پاکستان کی طرف چل نکلے۔ بیگم عبدالعزیز اپنا گھر' اپنا وطن اور اپنے لوگوں کو چھوڑنے کے لئے قطعاً تیار نہ تھی' جبکہ اُس کے تمام خونی رشتے کئی سالوں سے مختلف ملکوں کی طرف ہجرت کر کے جا چکے تھے۔ انہوں نے وقت شناسی سے کام لے کر اپنا تمام پیسہ افغانستان سے نکال لیا تھا۔ مگر شاہ عبدالعزیز نے کسی کی ایک نہ سنی تھی۔ اُنہیں اپنے اسٹیٹس کے کبر و پندار نے وہاں سے

ملنے نہ دیا تھا۔ اب جب حالات مزید ناگفتہ بہ ہو گئے۔ گھر بیٹھے بٹھائے پیسہ بھی ختم ہو گیا تو بیگم عبدالعزیز نے اپنے چھوٹے بھائی سے رابطہ کیا' جو حیات آباد میں آباد تھا۔ بھائی نے فراخدلی کا ثبوت دیتے ہوئے انہیں اپنے پاس پناہ دینے کا وعدہ کر لیا' جبکہ ان کی اپنی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ ایک جوان بچی اور لاڈلی بیوی کا ساتھ ان کے لئے آزمائش سے کم نہ تھا۔ بیٹے اپنے ملک پر جان نثار کر چکے تھے۔ جوان بیٹوں کی موت باپ کے لئے کبھی نہ ختم ہونے والی قیامت اور عذابِ الٰہی کا مربوط تسلسل تھا۔

اُسے سہتے ہوئے وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر رہ کر اپنی زندگی کے دِن پورے کر رہے تھے۔ بہن کی آمد کا سن کر دِل میں ہلکی سی خوشی کی کرن پھوٹی تھی' جو اُن کی بیگم کو بہت ناگوار گزری تھی۔ مگر انہوں نے اُس کی چپقلش کی پروا کئے بغیر اُنہیں اپنے پاس آنے کی دعوت دے ڈالی۔

زرتاش کے علاوہ سب ہی ہجرت کے تمام دُکھوں' اذیتوں اور آزمائشوں کو سینے سے لگائے خان ماما کے پاس جانے کے لئے تیار ہو گئیں۔ پورچ میں گاڑی کھڑی تھی۔ اس میں انہوں نے ضروری سامان رکھا کہ والدہ کو باہر لان میں ہی گولی نے داغ دیا۔ وہ نجانے کہاں سے سُرعت سے وارد ہوئی تھی۔ جس پر ان کی والدہ کا نام کندہ کیا گیا تھا۔ اُس نے بے بسی سے اپنی جوان' حسین و جمال بیٹیوں پر نظریں جما کر ٹوٹتی ہوئی آواز میں کہا۔

''زرتاش کے انتظار میں خود کو برباد نہ کر لینا۔ ابھی اور اسی وقت ڈرائیور چاچا کے ساتھ نکل جاؤ۔ اس کی موجودگی میں مجھے موت آسانی سے آ جائے گی۔ جب تک حالات بہتر نہیں ہو جاتے۔ خان ماما کے پاس ہی قیام رکھنا۔ ڈرائیور چاچا کو زرتاش کے لئے واپس بھیج دینا۔ ہو سکتا ہے وہ بھی تم لوگوں کو جوائن کر لے۔''

''طورخم چیک پوسٹ پر خان ماما انتظار کر رہے ہوں گے۔ انہیں میرا الوداعی سلام کہہ دینا۔ اللہ کو ملاپ منظور نہیں تھا اور اسے سنبھال کر استعمال کرنا۔ آج سے تم ان تین بہنوں کی ماں ہو۔'' وہ نقدی اور سونے کے زیورات کا بیگ فرشتے کے حوالے کرتے ہوئے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بولی اور اگلے لمحے سانس کی ڈوری ٹوٹ گئی۔ وہ چار جوان خوبصورت بیٹیوں کو اکیلا چھوڑ کر دور بہت دور چلی گئی تھی۔ سب دہائی دیتی ہوئی وہاں سے نکل پڑیں۔ ڈرائیور چاچا نمک حلال انسان تھا۔ اُس کی نگرانی میں پلوشہ' زرمین اور ریشم فرشتے کے ہمراہ طورخم پہنچ گئیں۔ ڈرائیور ماما کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گیا۔ ڈرائیور کی زبانی تمام داستان سن کر وہ سکتے میں چلے گئے اور ڈرائیور کو فوراً زرتاش کی تلاش کے لئے واپس بھیج دیا۔ بھانجیوں کو دُکھے دِل کے ساتھ ریسو کرنے کے بعد وہ جیپ سادھے پشاور کے نزدیک حیات آباد کی کچی آبادی میں لے گئے۔ چاروں چادروں میں لپٹی لپٹائی حیراں و پریشان آس پاس کا جائزہ لیتے ہوئے خان ماما کے پیچھے گھر کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

یہ وہ ماما تھے جو کنبہ پرور تھے۔ سب کو اکٹھا رکھنا اور سب کے مشکل وقت میں کام آنا ان کی خاصیت تھی۔ ان کے مالی حالات قابل ستائش بھی نہ تھے اور دِل کی فراخی نے بھی کمال کر ڈالا تھا۔ آج خستہ حال ماما کی فطرت تو وہی تھی' مگر ظاہرانہ طور پر وہ کہیں سے انہیں اپنا خان ماما نہیں لگ رہے تھے۔ وہ تو بہت شاہانہ شخصیت کے مالک تھے۔ مگر آج کسی بھکاری' فقیر اور غربت کے مارے ہوئے شخص سے بڑھ کر ان کی حیثیت نہ تھی۔ دو عدد کچے بوسیدہ کمرے جن کے باہر ایک عدد مٹی کا بنا ہوا چولہا کچن کی نشاندہی کر رہا تھا۔ صحن کے کونے میں کچی اینٹ کی چار دیواری اور دروزے پر ٹاٹ سے پردے کا انتظام غسل خانے کا حصہ تھا اور تین چار پائیوں کے برابر ان کی صحن یہ کل کائنات تھی۔ جسے تحفظ کے لئے ٹین کی ٹیڑھی میڑھی سال خوردہ چادر کی چار دیواری کھینچ کر اپنے گھر کے احاطہ کو الگ کر رکھا تھا۔ خان ماما نے اپنا پیٹ کاٹ کر سر چھپانے کی جگہ بنانے کے بعد گھنٹوں سجدے سے سر نہ اٹھایا تھا۔ بہنوں نے چادریں اُتار کر پائپ کی چارپائی پر پھینک دیں۔ فرشتے کی طرف دیکھ کر تینوں نے ناک سکیڑا' منہ بنایا اور پُر آشوب نگاہوں سے مامی کی طرف بے بسی و لاچارگی سے دیکھنا۔ وہ مامی جو ہر وقت زرق و برق لباس اور سونے کے زیورات میں لدی ہوئی مغلئی خاندان کی پروردہ معلوم ہوا کرتی تھی۔ اُسے آج میلے کچیلے کپڑوں میں پہنچاننا مشکل تھا۔

''سب کچھ ٹھیک تو ہے ہم یہاں اپنی عزت اور جان کے تحفظ کے لئے آئی ہیں۔ دِل بُرا نہ کریں۔'' فرشتے نے تسلی و تشفی دیتے ہوئے نرماہٹ سے کہا۔ ''ورنہ ہم بھی بی بی جان کی طرح ابھی تک گولیوں کا نشانہ بن گئی ہوتیں۔ کیا ویسی موت چاہئے تھی ہمیں۔''

''دیدی! ہمیں اپنے کابل جانا ہے۔ ہم پاکستان میں نہیں رہیں گی۔ پاکستان تو بہت گندا ہے۔ دیدی یہاں میرا دم گھٹنے لگا ہے۔''

ریشم روتے ہوئے فرشتے سے لپٹ گئی۔ ریشم فطرتاً حساس تھی۔ دوسروں سے پہلے اور بڑھ کر ہر تبدیلی کو محسوس کر لیا کرتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جلد باز بھی بے پناہ تھی۔

''ہم سب واپس جائیں گے۔ ہمیں بھلے وقت کا انتظار ہے۔'' خان ماما نے پُر امید لہجے میں کہا۔

''جس ملک پر ہمارے پیاروں کی جانیں نثار ہوئی ہوں' مال و دولت کی لوٹ کھسوٹ ہوئی ہو اور ہم دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہو گئے ہوں تو کیا ایسے ملک کو چھوڑ سکتے ہیں' ہرگز نہیں۔ اس وقت مصلحتاً ہمیں اپنے کمزور دلوں کو ذہن کی طرح مضبوط اور اپنے اس فیصلے پر مستحکم رہ کر نئی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش میں ایک دوسرے کا ساتھ دینا ہے۔ ہم سلامت رہیں گے تو اپنے وطن جاسکیں گے۔ اس لئے آج کے بعد میں آپ سب کی آنکھوں میں بے چارگی کے آنسو نہ دیکھوں۔ ہم غیرت مند' غیور اور بہادر قوم ہیں۔ یہ مت بھولنا چاہئے ہمارا پہناوا یہ چیتھڑے ہوں' یہ کچا گھر ہو'

سوکھی روٹی ہو' مگر ہمیں اپنے جد امجد کے فخر' غرور و تکبر کی مشعل کو اپنے ساتھ لے کر چلنا ہے۔ اسی میں ہماری بقا ہے اور اسی کی روشنی میں ہم اپنے حسب و نسب کی نشاندہی کریں گے۔''

''مگر ہم ایسے گھر میں رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔'' پلوشہ نے حقارت سے کہا۔

''سانس لینے کے لئے ایک وقت کی روکھی سوکھی روٹی اور چھت کی ضرورت ہے۔ اللہ کا شکر ادا کرو دونوں نعمتیں یہاں موجود ہیں اور ماما کو تنگ مت کرو۔ تھوڑے عرصے کی تو بات ہے۔'' فرشتے نے بہنوں کی طرف کھا جانے والی نظروں سے دیکھ کر کہا۔ تو تینوں بہنیں منہ بسورتی ہوئی خاموش ہو گئیں۔

خان ماما کے چار خوبرو جوان بیٹے شہید ہو چکے تھے۔ وہ اپنی بیوی اور ایک عدد بیٹی کے ساتھ اپنے دوست واحباب کے ساتھ پاکستان پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

''انسان ہر حال میں خود کو بہت جلد ایڈجسٹ کر لیتا ہے۔ اوپر والے نے جب انسان کے اندر روح پھونکی تو اس کے انگ انگ اور رگ و پے میں امید' آس اور سانس لینے کی چاہ کو مضبوط کر ڈالا۔ ہر طرح کی کٹھن آزمائشوں اور ہر طرح کے جان لیوا طوفانوں سے مقابلہ کرنے کی قوت کا معیار بلند کر کے ہر حال میں جینے کی تمنا کو سلامت رکھا اور اسی لئے خودکشی کو حرام قرار دے دیا گیا' کیونکہ یہ انسانی فطرت اور ہمارے دین کے اصولوں کے خلاف ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو میرے بچو۔'' ماما نے پیار سے کہا اور انہیں گلے لگا کر اپنے آنسو ضبط کرنے لگے۔

❖ ❖ ❖

مغرب کی اذان سے پہلے اس کچی بستی میں دھواں چار سو پھیل جایا کرتا تھا' کیونکہ رات کے کھانے کا یہی تو وقت تھا۔ نہ یہاں بجلی' نہ ہی گیس کی سہولت موجود تھی۔ اس بستی میں فقط تین ہینڈ پمپس تھے' جن پر ہر وقت بچوں اور عورتوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی اور اس دھکم پیل میں آپس کے جھگڑے اور گالی گلوچ بھی عروج پر رہتی۔ ہینڈ پمپس بھی مسلسل استعمال سے دِل برداشتہ ہو چکے تھے۔

گھرر گھرر کرتے ضد پر اُتر آتے تو منوں بھاری ہو جاتے۔ پھر پانی کے طلبگار اپنا دنگا فساد چھوڑ کر ایک دوسرے کی مدد کو آگے بڑھ جاتے۔ نلکے کے ہتھے پر کئی ہاتھ پاؤں تک زور لگاتے' مگر پانی کے حصول کی تمام کاوش اکارت جاتی تو سبھی پاکستان کو جس نے انہیں پناہ دی تھی اسے ہی جی بھر کر گالیوں سے نوازا جاتا۔ یہ روز کا ہی معمول تھا۔

جب سے فرشتے' پلوشہ' زرمین اور ریشم اس بستی میں آئی تھیں تو محض پیتل کی زنگ آلود گھاگر سے پینے کو چند گھونٹ پانی نصیب ہونا بھی قابل مسرت گردانا جاتا تھا۔ غسل کرنے اور وضو کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ ان کے بھیجے میں آج یہ بات بیٹھ پائی تھی کہ غریب اتنا گندہ اور میلا کچیلا

کیوں ہوتا ہے؟ وہ عموماً سوچا کرتی تھیں کہ ذاتی صفائی کا غربت سے کیا تعلق اور رشتہ ہے' جو دونوں چیزیں یکجا نظر آتی ہیں۔ جہاں غربت ہے وہاں غلاظت کیوں ہے؟ سب ان کی سستی ہے' ورنہ پانی سے خود کو صاف ستھرا رکھنا کونسا مشکل اور مہنگا سودا ہے۔ دراصل گرد و غبار اور دھول کو خود پر چسپاں کر کے اپنی کسمپرسی کے اظہار سے ہمدردیاں وصول کرنے کے تمام ہتھکنڈے ہیں۔ آج ان کی اس سوچ پر ندامت کی چھاپ لگ چکی تھی۔ پلوشہ نے مامی سے چوری چھپے گاگر سے ایک پیالہ پانی نکالا اور بیگ سے صابن کی ٹکیہ نکال کر بازو اور چہرے پر رگڑ رگڑ کر سیاہی مائل میل کو اُتارنے کی کوشش کرنے لگی۔ پانی میں اُس کے ساون بھادوں کی مانند آنکھوں سے اُمڈی ہوئی جھڑی بھی اضافہ کرنے میں کمال کا کام کر رہی تھی کہ مامی کی آواز پر چونکی۔

''پلوشہ پاگل ہوگئی ہو۔ پینے کو پانی ملتا نہیں تم چلی ہو خود کو چمکانے اور نکھارنے۔ ایسی بھی کیا مجبوری آڑے آگئی ہے۔ فرشتے تم بڑی ہو بہنوں کو سمجھاؤ اس ماحول میں یہ اُجلا پن سراسر بدنامی اور رسوائی ہے۔ یہ کابل نہیں کم بختو پاکستان ہے۔ کچھ سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہاں اپنا کوئی نہیں یہ تمام افغانی بھی غیر ہیں۔'' مامی کی زبان میں زہر تھا' اتنی کڑواہٹ تھی کہ وہ حق دق اُسے دیکھنے لگی۔

''مامی آپ فکر نہ کریں۔ بچیاں ہیں لاڈ و پیار میں پلی ہوئی۔ اس نئی زندگی کو تسلیم کرنے کے لئے کچھ وقت چاہئے انہیں۔'' فرشتے نے آنسو ضبط کرتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ اس وقت وہ اپنی نانی کی عمر کے لہجے میں بات کر رہی تھی۔ چند دنوں نے اسے عمر رسیدہ کر ڈالا تھا۔

''مجھے نماز پڑھنی ہے مامی۔ مٹی سے تیمم کر کر کے یوں محسوس ہونے لگا ہے جیسے میں بذات خود مٹی کا تودہ بن چکی ہوں۔'' پلوشہ نے صابن زمین پر پھینک کر خود کو حقارت سے دیکھ کر کہا۔ اس دوزخ سے کابل کی دوزخ بدرجہا بہتر تھی۔ ہم یہاں کیوں چلی آئیں؟ بی بی کو اپنے بھائی کا پیار کھینچ لایا ہے یہاں۔ بہت خوب رہی یہ بات اچھا ہے۔ مٹی کا تودہ مٹی کا حصہ بننے میں دیر نہیں لگائے گا۔ ورنہ اس بدن کا گوشت و پوست کیڑے مکوڑوں کی غذا ہی بنتا۔''

مامی نے بے دھیانی اور بے نیازی سے کہا تو پلوشہ کچے صحن سے اُٹھ کر کچی کوٹھری میں جا کر چارپائی پر لیٹ کر روتی چلی گئی۔ فرشتے اُس کے پیچھے اندر چلی گئی۔ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ٹٹولتی ہوئی پلوشہ کے قریب کھڑی ہو کر اس نے ماچس جلائی اور کیروسین آئل کا چراغ دان ڈھونڈنے لگی۔ اسے دیا سلائی سے جلا کر ہلکی سی زرد روشنی اُسے غنیمت معلوم ہوئی۔ اسی سمے مامی اندر داخل ہوئی۔ چیختی چلاتی زخمی شیرنی کی طرح بپھر کر غرائی اور قہر سے بھرپور پھونک سے دیوٹ کو بجھا کر فرشتے کو توہین آمیز نظروں سے گھورتے ہوئے بولی۔

''تیل ختم ہوگیا تو کیا تمہاری ماں قبر سے ارسال کرے گی۔ خدا کے لئے ہماری جان چھوڑ دیں۔ ہم سے تم لوگوں کا نخرہ اور ناز و انداز نہیں اٹھایا جاتا۔ میری جان بخشی کر دو کم بختو بھلا ہم ان

حالات میں چار کے ساتھ کیسے چل سکتے ہیں۔ نجانے زندگی میں مجھ سے کونسا گناہ سرزد ہوا ہے کہ نند کی بگڑی ہوئی اولاد کو پالنا پڑ گیا ہے۔ تمہارے خان ماما کا دماغ تو ہمیشہ سے ہی خراب تھا۔ گھر پر کبھی توجہ نہ دی۔ خاندان بھر کی واہ واہ وصول کرنے کے لئے اپنی جیب کو اُٹھائے رکھا۔ ابھی بھی وہی حال ہے۔ بھلا فطرت بھی کبھی بدل پائی ہے۔ کوڑی کوڑی کو محتاج ہو گئے ہیں۔ دریا دلی نہ گئی۔ اٹھا لائے ہیں چار عدد سوتنیں میرے لئے۔" اُس کے لہجے میں اتنی کڑواہٹ تھی کہ ان کی خاموشی میں بھی زہریلے چشمے اُبل پڑے تھے۔ وہ ٹوٹے ہوئے سلیپر گھسیٹتی ہوئی باہر نکل گئی۔

زرمین اور ریشم بھی اندر آ کر بہن کے پاس بیٹھ کر رونے لگیں۔

"دیدی! ہم یہاں نہیں رہیں گی۔ سر چھپانے کے لئے ایک کمرہ چاہئے۔ ہم کونسا کسی محل کی ڈیمانڈ کر رہی ہیں۔ بی بی جی نے جو زیور پیسہ دیا ہے اسی مقصد کے لئے تو ہے۔ اس گھر پر صرف کرنے کے باوجود ہم پر احسان عظیم ہے مامی کا۔ کیوں نہ ہو انہوں نے ہمیں یہ ٹوٹی پھوٹی خستہ حال چھت جو دے ڈالی ہے۔ ماما بھی بیوی کے سامنے مجبور ہیں۔ جب تک ہمارے پاس یہ پونجی ہے یہاں قیام رہے گا۔ اس کے بعد جو ہوگا ناں ہمارے ساتھ قابل رحم ہوگا۔ دیکھئے گا کہ یہی زہریلی اور خودغرض مامی ہمیں دھکے دے کر گھر سے باہر نکال دے گی۔ دیدی پھر ہم خالی ہاتھ کچھ بھی کر نہیں پائیں گی۔ آپ بڑی ہیں، تنگدستی سے پہلے ہی یہاں سے مراجعت کا سوچیں۔ خدا کے لئے دیدی یہاں سے نکل چلیں۔" پلوشہ نے آہستگی سے فرشتے کا ہاتھ پکڑ کر التجائیہ انداز میں کہا۔

"ابھی ہم اپنے لئے بہتر فیصلہ کرنے کی مجاز ہیں۔ یہ وقت گزر گیا تو سوائے ذلالت بھری زندگی اور عبرتناک موت کے ہم کہیں کی نہیں رہیں گی۔"

"تم ہمیشہ سے ہی منفی سوچ، غیر مثبت نیت اور غیر محفوظ ارادوں سے خوفزدہ رہتی ہو والدین کے سائے تلے بچوں کی لاتعداد خامیوں اور برائیوں کی پردہ پوشی ہو جاتی ہے۔ اب ہم چاروں کھلے آسمان تلے دنیا کی نظروں کے سامنے ہیں۔ زبان میں نرمی، مزاج میں لچک اور ہر قدم اُٹھانے میں محتاط رہنے میں ہی ہمارا بچاؤ ہے۔ خان ماما ہمیں تین وقت کا کھانا کہاں سے کھلا سکتے ہیں۔ اُن کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔ جونہی خان ماما کے حالات بہتر ہوئے تو پھر ہم یہاں سے چلی جائیں گی۔ میرا تم تینوں سے پکا اور سچا وعدہ ہے۔ میں اپنے خان ماما کو اس حالت میں چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔ اُن کا ساتھ بھی تو ہمارے لئے بہت اہم ہے۔" فرشتے نے اندھیرے میں ہی سرگوشی کے انداز میں کہا تو تینوں نے ایک لمبی دُکھ بھری آہ بھری اور کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

❖❖❖

ہر جگہ کی خاک چھاننے کے بعد خان ماما کو ایک سٹور پر نوکری ملی تو خوشی کے ساتھ اُن کی تاریک کوٹھری میں صف ماتم بچھ گئی۔ فیکٹری کے مالک خان ماما سب کو تسلی و حوصلہ دینے کی ناکام

کوشش کر رہے تھے۔ جلد ہی انہوں نے چودہ سالہ بیٹی کا نکاح ایک مقامی ادھیڑ عمر پشتو سپیکنگ پٹھان سے کر کے بیٹی کی طرف سے مطمئن ہو گئے۔

اب ان کی تمام تر توجہ کی مرکز اُن کی چار عدد بھانجیاں تھیں۔ جن کے فرائض سے وہ جلد از جلد سبکدوش ہونا چاہتے تھے۔ وہ ان کے لئے بھی قابل قبول رشتہ کی کھوج میں تھے۔ اس کسمپرسی اور جلاوطنی کی وجہ سے اچھے بھلے خاندانوں کی لڑکیاں سر بازار بکاؤ بن گئی تھیں۔ ان کی لاوارثی اُن کا سب سے بڑا گناہ تھا۔ اس گناہ کو دنیا والے کبھی معاف نہیں کرتے۔ سزا سنا کر دم لیتے ہیں۔ اسی لئے خان ماما اپنی جوان بھانجیوں کو اذیت ناک اور شرمناک سزا سے محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ جب انہیں ان کے ارادوں کی خبر ہوئی تو فرشتے نے سب کو خاموش رہنے کی تلقین کی۔ ریشم نے کم عمری کی وجہ سے دیدی کی بات مان لی' مگر پلوشہ اور زرمین نے آسمان سر پر اُٹھا لیا اور فرشتے کو اُس کا وعدہ یاد دلانے لگیں کہ وہ یہاں ایک پل کے لئے رُکنا نہیں چاہتیں۔ فرشتے نے لاکھ سمجھایا' مگر جوان جوشیلا خون کسی قیمت پر ٹھنڈا ہونے کے لئے تیار نہ تھا۔ خان ماما کی ناراضگی کے باوجود فرشتے کو بہنوں کا ساتھ دینا پڑا اور آخر کار یونیورسٹی ٹاؤن میں انہوں نے ایک چھوٹی سی کوٹھی کے بالائی حصے پر ایک کمرہ کرائے پر لے لیا اور ماما کو بتائے بغیر وہاں شفٹ ہو گئیں۔ گھر کی چھت پر بیٹھے اللہ تعالیٰ چھپر پھاڑ کر عنایات و نوازشات کیسے کرتا؟ کچھ حیلہ ان کی طرف سے ہوتا تو وسیلے تک بات پہنچتی۔ ماں کی دی ہوئی جمع شدہ پونجی تیزی سے ختم ہونے لگی۔ کمسنی اور ناتجربہ کاری کے اثرات تھے کہ کھانے پر ہاتھ کھلا رہا اور لاکھوں ایک دیگچی کی نذر ہونے لگے۔ فرشتے کبھی سمجھانے کی کوشش بھی کرتی تو اُسے منہ کی کھانی پڑتی۔ ریشم پر بھی دو بہنوں کا رنگ چڑھنے لگا تھا۔ حالانکہ کمرہ ابھی تک بنیادی ضرورتوں سے خالی تھا۔ فرش کی سختی پر دو کمبل بچھے ہوئے تھے۔ تکئے کی جگہ بیگز نے لے لی تھی۔ اوپر اوڑھنے کو میلی کچیلی دو رضائیاں تھیں' جو مالک مکان نے ان پر ترس کھا کر انہیں بھجوا دی تھیں۔ کھانا پکانے کے لئے محض دو دیگچیوں کا سہارا لیا گیا تھا۔ یہ ان کی پراپرٹی تھی جو انہیں کابل میں فیکٹریوں کے عوض ملی تھی اب سب نے نوکری کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنا شروع کر دیا تھا۔ ہاتھ پھیلانا اور ہر وقت دوسروں سے اپنی حاجات و ضروریات کا تذکرہ کرنا اور رو رو کر ہمدردیاں وصول کرنا ان کی شان کے منافی تھا۔ نوکری میں کوئی قباحت نظر نہ آئی۔ ایسا کرنے سے کم از کم زندگی کا روزگار تو رواں دواں رہنے کی امید تھی۔ چھوٹی تینوں بہنوں نے اپنے اردگرد ہر جگہ نوکری کے لئے درخواستیں بھیج ڈالیں' مگر کسی طرف سے خاطر خواہ جواب موصول نہ ہوا۔ طوعاً کرہاً پلوشہ نے بیوٹی پارلر میں نوکری کرنے کا فیصلہ کیا تو فرشتے نے سختی سے روک دیا' کیونکہ وہ ٹیچنگ کی نوکری کو فوقیت دیتی تھی۔ تعلیم کی کمی کی وجہ سے ایسا ناممکن ہو گیا تھا' مگر کوشش میں کیا مضائقہ تھا۔ پلوشہ نے فرشتے کے تمام اعتراضات کے باوجود پارلر کی نوکری پکڑ لی۔

زرمین کو بھی پلوشہ کی شہہ پر جم کی ریسپشنسٹ کی جاب مل گئی اور ریشم نے مونٹی سری میں ٹیچر کے ساتھ ہیلپ کرنے کی جانب کو خوشی خوشی قبول کر لیا۔ فرشتے کو گھر میں رہنا پسند تھا۔ وہ دن رات افغانی جیولری بنانے میں مصروف رہنے لگی اور پلوشہ یہ جیولری پارلر کے اونر کے پاس بیچ دیا کرتی تھی مگر اُجرت محنت سے بہت کم تھی۔ پھر بھی اِس معمولی سے پیسے کو غنیمت جان کر فرشتے خوش ہو کر اپنی محنت میں اضافہ کر دیتی۔ فرشتے حسب عادت اُٹھتے بیٹھتے اُنہیں راہِ راست پر رہنے کے لمبے چوڑے لیکچرز دیتی۔ یہاں کے جابرانہ اور سفاکانہ ماحول کو سمجھنے کے درس دیتی اور خود کو دوسروں کی نظروں سے بچنے کے طریقے سمجھاتی رہتی تھی۔ آخر وہ ان تینوں سے عمر میں بھی بڑی تھی۔ عقل و فہم میں بھی ان سے بہت آگے تھی۔ سمجھانا بجھانا اُس کے فرائض کے زمرے میں آتا تھا۔ اِس وقت اُس کا رول اِک ماں کا تھا۔ ہمدرد، بے لوث اور پُر خلوص ماں کا۔

پلوشہ تو اِس کی کسی نصیحت پر کان نہ دھرتی۔ فطرتاً خودسر اور نافرمان تو تھی ہی، چھوٹی بہنوں پر بھی اُسی کا رنگ چڑھ جانا حیرت کی بات ہرگز نہیں تھی۔ آخر خربوزہ رنگ تو خربوزے کا ہی پکڑتا ہے، چاہے شکل و جسامت میں فرق ہی کیوں نہ ہو۔

گھر میں کہنے کو تین تنخواہیں آنے لگی تھیں، مگر وہ اتنی کم تھیں کہ فقط جینے کے لئے دو وقت کی روکھی سوکھی روٹی مل پاتی تھی۔ سب کی زبان افغانی اوزبکی پلاؤ، تکہ، سیخ کباب، تکہ چرپی، ریشم کباب، دو پازہ، کباب دیگی کی شناسا تھی۔ اس کے برعکس فرشتے روزانہ چنے کی پتلی دال سے ان کی خاطر و تواضع کیا کرتی تھی۔ اُس میں صبر و شکر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ وہ اِسی پر خوش رہتی کہ کم از کم رزقِ حلال ان کو باعزت طریقے سے اس مشکل وقت کو کاٹنے میں مددگار ثابت ہو رہا ہے۔

❖ ❖ ❖

”دیدی اب تو گھر میں تین تنخواہیں آ رہی ہیں۔ چند سکے تمہاری کمائی کے بھی شامل ہیں، مگر افسوس کی بات ہے کہ دن رات تمہاری کنجوسی اور کھینچا تانی ختم نہیں ہوتی۔ خدا کے لئے کمرے میں دو چار پائیاں ہی ڈال دیں کیا اس کی توفیق بھی نہیں۔“

”نہ ڈھنگ کا بستر ہے، نہ ہی کھانے کو تین وقت کی روٹی ہے۔ ہم گوشت خور لوگ محلوں میں رہنے والے خاندان سے ہمیں۔ شکر کریں کہ پھر بھی محنت مزدوری پر راضی ہو گئیں۔ ہماری نوکریوں کا کیا فائدہ کہ دونوں چیزیں ہی میسر نہیں ہیں۔ جسم اکڑ گئے ہیں۔ پیٹ شکاری کتی کی مانند اندر دھنس گئے ہیں۔“ پلوشہ نے زہر آلود لہجے میں کہا۔

”دیدی اتنی محنت کی وجہ سے ہماری شکلیں ملاحظہ فرمائیں۔ جب کھانا پینا ہی درست نہ ہو تو اِن چہروں پر غربت تو جھلکے گی ناں۔ آنکھیں اندر کو دھنس گئی ہیں۔ ہونٹوں پر پیپڑی جم گئی ہے۔ ہماری چال ڈھال میں مسکینیت رچ بس گئی ہے۔ دیدی اپنی اس حالت پر مر جانے کو دل چاہتا

ہے۔'' زرمین نے روتے ہوئے کہا۔

''میں اس مفلسی کی زندگی سے تنگ آ گئی ہوں۔ جی چاہتا ہے کہ اسی چھت سے کود کر جان دے دوں۔ دیدی مجھے اس سوال کا جواب دیں کہ سکول میں سارا دن چھوٹے بچوں کو باتھ روم لے جانے کی ڈیوٹی ہمارے معیار کے مطابق ہے کیا؟ ہمیں واپس چلے جانا چاہئے اپنے کابل۔ آپ ہمت پکڑیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' ریشم بھی روتے ہوئے بولی۔

''وہاں کے حالات درست نہیں ہیں۔ ہاں یہ چوائس ابھی بھی اوپن ہے۔'' وہ طنزیہ بولی۔

''تو بہنا ایسے کرتے ہیں خان ماما کے پاس واپس چلے چلتے ہیں۔ یہاں کی گھٹیا نوکریوں سے جان بھی چھوٹ جائے گی۔ ہماری شادی بھی ہو جائے گی۔ تمام مسائل بھی حل ہو جائیں گے۔ شادی کے بعد جیسے تیسے بھی ہو ہم کم از کم گھر کے اندر سکیور تو ہوں گی۔ کھانے کے لئے بھی کچھ نہ کچھ فری میں مل جائے گا اور ہم ہر سال ایک عدد بچہ پیدا کر کے اپنا مقام بھی حاصل کر ہی لیں گی۔ میں آج ہی خان ماما کو اطلاع دیتی ہوں کہ ہمیں لینے آ جائیں۔ وہ بھی خوش ہو جائیں گے اور ہمارے بھی تمام دلدر دُور ہو جائیں گے۔'' فرشتے نے سنجیدگی سے کہا۔

''مگر اس وقت کابل جانے کا تصور بھی نہ کرو۔ ہم خان ماما کے پاس چلتے ہیں۔''

''وہاں ہم کیونکر جائیں گے۔ مامی کے ظلم سہنے کی آپ میں ہمت ہو گی ہم میں تو ہے نہیں۔'' ریشم نے آنسو صاف کرتے ہوئے غصے سے کہا۔

''ریشم جان غصہ نہیں کرتے۔ فکر نہ کرو یہ آزمائش کے دِن کٹنے آسان ہو جائیں گے بشرطیکہ ہم چاروں بہنوں میں ایکا رہے۔ خیالات میں ہم آہنگی رہے اور ایک دوسرے کے احساسات و جذبات کو مدنظر رکھ کر اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا جائے تو بہتر رہے گا۔ ایک دوسرے کو کچوکے لگانے کا کیا فائدہ۔''

''ابھی تم بہت چھوٹی ہو۔ سترہ سال کی عمر میں تو بیٹی ماں کی بغل میں منہ دبا کر سویا کرتی ہے۔ تمہیں نوکری کرنی پڑ گئی۔ مانتی ہوں کہ تم پر زیادتی ہے۔ پلوشہ اور زرمین آپ دونوں کا مسئلہ سمجھ نہیں آ رہا کہ اتنی خفگی اور تلخی کیوں؟ اور مجھ پر بے جا غصہ و تنقید کا ہے کو۔ میٹرک اور ایف اے تو اِک بیسک تعلیم ہے۔ اب ہمیں اعلیٰ ارفع نوکریاں تو ملنے سے رہیں۔ اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ عزت کی روٹی مل رہی ہے۔ ہاں اگر میرے گھر رہنے پر آپ سب کو اعتراض ہے تو میں بھی کسی سکول میں نوکری پکڑ لیتی ہوں۔ ہماری انکم میں اک آدھ ہزار کا اضافہ تو ہو ہی سکتا ہے ناں۔''

وہ تحمل سے بولے جا رہی تھی۔

''آپ کو نوکری کرنے کی ضرورت نہیں۔ بس آپ کا تعاون چاہئے۔ ہماری مجبوریوں کو سمجھیں دیدی۔ ہر روز کی نوکری کی بھی کچھ ری کوائرمنٹس ہوتی ہیں۔ ہمارے کپڑے کسی بھکارن کے چیتھڑوں

سے کم ہرگز نہیں۔ پاکستانی ہمیں نیچی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ حقارت اور نفرت ہوتی ہے اُن کی باتوں میں۔ دِل کٹ کر رہ جاتا ہے۔ یہ ہمیں قبول نہیں۔'' پلوشہ نے زہرخند سے کہا۔''ہم وہ ہیں جنہیں سب رشک سے دیکھا کرتے تھے۔ ذرا یاد تو کریں وہ وقت۔''

''پریشان ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ میں بھی تم لوگوں کا ساتھ دینے کو تیار ہوں۔ میری تنخواہ سے سب کے کپڑے خریدے جائیں گے۔ اب تو سب مسکرا دو بھئی۔ غصہ اور غم تھوک دو۔'' وہ پیار بھرے لہجے میں بولی۔''غم نہ کھائیں یہ ٹھنڈا پانی پئیں اور خوش ہو جائیں۔''

''دیدی ہمیں واپس کابل جانا ہے۔'' ریشم دھاڑیں مار کر رونے لگی۔

''مجھے اپنا کمرہ ہر وقت یاد آتا ہے۔ میں نے وہاں جانا ہے دیدی۔''

''کابل ہمارے لئے پرایا ہو گیا ہے۔ ہم وہاں جا کر کیا کریں گی۔ ہماری فیکٹریاں بمباری میں نیست و نابود کر دی گئی ہیں۔ اب تک گھر کی دیواریں اور چھتیں بھی زمین بوس ہو چکی ہوں گی۔ گل دادی کہا کرتی تھی جب تک بیٹی اپنے سسرال میں میکے واپس جانے کے منصوبے بناتی رہتی ہے۔ تب تک وہ اُس ماحول میں نہ خوش رہتی ہے نہ ہی وہاں کے نئے رشتوں سے لگاوٹ و اپنائیت ہو پاتی ہے۔ پاکستانی قوم سے ہمارا رشتہ نیا سہی' ایک رشتہ اور تعلق و ربط تو سانجھا ہے۔ اُن اصولوں کے مطابق ہم سب ایک ہیں۔ بہن بھائی ہیں۔ ایک دوسرے کے ہمدرد اور غمگسار ہیں۔ اس کی بے شمار مثالیں ہمیں اسی معاشرے میں نظر آتی ہیں۔ ہماری پناہ کے لئے اس ملک کی ہر سرحد کھلی رہی۔ ورنہ ہم موت کا پیالہ پی چکے ہوتے۔ ان کا احسان عظیم ہے افغانی قوم پر۔ حالانکہ ہم تو بن بلائے مہمان ان کے لئے بھی وبال جان بن چکے ہیں۔ اس کے باوجود ان کی فراخدلی اور مہمان نوازی قابل تحسین ہے کیونکہ اس چھوٹے سے ملک کا شمار ترقی پذیر ملکوں میں ہوتا ہے اس لئے ان سے یہ شکوہ کرنا کہ ہمیں بجلی' گیس اور پانی سے محروم رکھا گیا ہے۔ روزگار اور باعزت نوکریاں ہمارے لئے میسر نہیں' محنت مزدوری پر تو کوئی پابندی نہیں۔''

فرشتے نے تینوں کو اپنے گلے لگا کر تسلی و تشفی دی۔

''بس دیدی ہم یہ مشکل وقت کاٹ لیں گی۔ اگر آپ واپس جانے کے بارے میں سوچا تو ہم ہر امتحان میں کامیابی سے نکل جائیں گی۔'' تینوں مسکرا کر بولیں۔

''دیدی! بی بی جان نے آپ کو ہماری ماں کا رتبہ ایسے تو نہیں بخشا۔ آپ بہت سمجھ دار باتیں کرتی ہیں۔ بہت مثبت سوچ ہے آپ کی بی بی جان کی طرح۔''

''ماں جب بیٹی پیدا کرتی ہے تو اس کی فطرت کو ایک لمحے میں پہچان جاتی ہے۔ اس میں میرا کمال نہیں۔ بی بی جان کی دور اندیشی ہے۔ ایک بات یاد رکھنا اگر ہم لوگوں کا کردار مضبوط رہا تو پھر واپسی کے رستے ہم پر کھل جائیں گے۔ اگر ہم نے اپنی عیاشی و آرام کی خاطر عزت نفس کو قربان کر

دیا تو پھر ہم اسی ملک کی دھول بن کر ہواؤں میں تحلیل ہو جائیں گی۔" وہ نرماہٹ سے پھر سمجھانے لگی۔

"دیدی! آپ نے نوکری پکڑ لی تو ہمارے لئے کھانا کون بنائے گا؟ دھلائی اور استری کون کرے گا؟"

"دیدی بنائے گی اور کون بنائے گا۔" ریشم معصومیت سے بولی۔ فرشتے نے ہلکی سی چپت رسید کرتے ہوئے کہا اور پیار بھری نظروں سے اُسے دیکھنے لگی۔ "تم ابھی بہت چھوٹی ہو۔ غم، فکر اور ڈر زندگی سے نکال دو۔ ہم تین بہنیں ہیں ناں سوچنے کیلئے۔"

"سب اپنی اپنی باری لیں گی۔ کوئی چیٹنگ نہیں ہوگی۔ سب غور سے سن لیں۔ دیدی نے ہماری بہت خدمت کی ہے۔ اب ہمیں بھی تو اپنا کام خود کرنے کی عادت ہونی چاہئے۔" پلوشہ نے فیصلہ سنایا۔ "لیکن دیدی نوکری نہیں کریں گی۔"

"تو سب سے پہلے تم تو اپنی باری دو۔" پلوشہ میرا تو کابلی قہوہ پینے کو دل چاہ رہا ہے۔" زرمین نے چھیڑنے کے انداز میں کہا۔

"ہاں ہاں ہم سب کے لئے گوشت چربی ہضم کرنا لازم جو ہو گیا ہے۔ قہوہ نہ پیا تو بدہضمی ہونے کا اندیشہ ہے نا۔"

پلوشہ نے طنز کا تیر چھوڑا تو سب کے چہرے پھر لٹک گئے۔

وہاں کے رنگ میں رنگ جانے سے پہلے اُنہوں نے کٹھن مشکلات کا سامنا کیا تھا۔ پارلر میں کام کرنے کی اجرت پوری نہ دی جاتی تھی۔ اُس کا اونر مرد تھا۔ ہر وقت پلوشہ کو پھنسانے کے جال بنتا رہتا۔ جب کامیابی نہ ہوتی تو ہر کام پر تمام ورکرز کے سامنے دھر کر بے عزت کرتا اور کئی بار اسے فارغ کرنے کی دھمکی دے کر اس کی عزت نفس کو ٹھوکہ لگانے سے باز نہ آتا۔ اس نے فرشتے کو تمام روئیداد سنائی تو اس نے نوکری چھوڑ کر کسی دوسری جگہ ٹرائی کرنے کا مشورہ دیا تو پلوشہ کی جان میں جان آئی۔ یہ بات تو سو فیصدی درست تھی کہ اُسے پارلر کا کام قطعاً نہیں آتا تھا۔ بیوٹیشن تو ان کے گھر آ کر ان کے تمام ناز و نخرے اٹھایا کرتی تھی اور ان سے بھاری رقم رصول کر کے پھر سے آنے کی تاریخ لے کر چلی جایا کرتی تھی۔ بیچاری پلوشہ کیا جانے کے پارلر میں کام کیسے کئے جاتے ہیں۔ کلائنٹ کو کیسے خوش کیا جاتا ہے۔ مگر پھر بھی وہ حتی الامکان اپنے کام کی نوعیت کو سمجھنے کے لئے پُر جوش نظر آیا کرتی تھی۔

اونر سیٹ سے پیڈی کیوری، مینی کیور، فیشل کی ٹپس لینے سے اسے بے تحاشہ فائدہ تو ہوا تھا، مگر اونر کے اعتراضات کا مقصد کچھ اور تھا۔ وہ اسے نوازنا چاہتا تھا۔ بے جا احسانات سے اس کی نگاہ کو نیچا کر کے منہ پر چپ کی پٹی باندھنا چاہتا تھا، جو اسے منظور نہ تھا۔

زرمین ہوٹل میں بطور ریسپشنسٹ اپنے ماڈرن لباس' گورے چٹے بے داغ رنگ و روپ کی وجہ سے اپائنٹ ہوئی تھی بلکہ اس پر اونر نے احسان عظیم کر دیا تھا کہ وہ اُس نااہل کو ٹریننگ دلوا کر اسے ہمیشہ کے لئے اپنے ہاتھوں میں رکھنا چاہتا تھا۔ تین ماہ کے ٹرائل پیریڈ میں ہی اسے ہوٹل کے تمام قواعد وضوابط سیکھنے کا جو ٹارگٹ اسے دیا گیا تھا اس میں کامیاب ہوگئی۔ وہ ذہین اور حد درجے کی تیز اور پھرتیلی تو تھی سب کچھ بہت جلد ہی سیکھ گئی۔ ہوٹل میں لوکل اور بین الاقوامی سطح پر جو بھی پروگرام چلتے وہ انہیں خوش اسلوبی سے نبھانے اور داد وصول کرنے کے تمام طریقے سیکھ گئی تھی۔ وہ طور واطوار' محنت ومشقت اور اخلاق حسن کی وجہ سے کسی کو شکایت کا موقع نہ دیتی تھی۔ اس لئے اونر خوش تھا۔ ہمیشہ لانگ سکرٹ اور فٹڈ بلاؤز میں ہر ایک کی آنکھوں کا محور بنی رہتی۔ اسسٹنٹ منیجر کو تو ایسی خوش فہمیاں گھیرے رکھتیں جیسے وہ تو پل بھر میں اُس کی پاکٹ میں سمانے کے لئے بے چین ہو۔ ذرا معمولی سی لفٹ کرانے کی دیر ہے۔ وہ اس پر فریفتہ ہو جانے کے لئے تیار ہو جائے گی۔ اسی خام خیالی میں مبتلا جب اُسے منہ کی کھانی پڑی تو اس کی نوکری کو خطرہ لاحق ہوگیا۔ وہ اتنی اعلیٰ نوکری چھوڑنے کے لئے ہرگز تیار نہ تھی۔ فرشتے سے مشورہ نہ کیا کیونکہ وہ ان کے بیرونی مسائل حل کرنے سے قاصر تھی۔ وہ بھی تو مشاہدات وتجربات سے نابلد تھی۔ زرمین نے بہت جلد اس حقیقت کو پا لیا تھا کہ وہ جہاں بھی اپنی حاجت مندی' مجبوری اور بے بسی کا رونا رو کر نوکری حاصل کرنے میں کامیاب ہوگی وہاں اس کے مسائل کا نوکری سے تعلق لازم وملزوم کی حیثیت رکھے گا۔ وہ ان مسائل سے کب تک بھاگ سکتی ہے۔ در در کی ٹھوکریں کھانے اور بھوکا مرنے سے بہتر ہے کہ اپنی اسی نوکری کے ساتھ ایڈجسٹ ہونے کی کوشش کرے۔ تنخواہ بھی بڑھ جائے گی۔ شان وشوکت میں بھی اضافہ ہونے کے روشن امکانات ہیں تو اس میں ہرج ہی کیا ہے جبکہ والدین اولاد کی زندگیوں کو سنوارنے کی تمام تر ذمہ داری اپنے کندھوں پر اُٹھایا کرتے ہیں۔ بدقسمتی سے جب ایسے حالات ہی نہیں رہے تو پھر ہمیں جینے کے لئے اپنی پارسائی اور خاندانی عظمت کو ہر صورت میں قربان کرنا پڑے گا۔ وہ خود کو سمجھا بجھا کر منیجر کے بجائے اونر کی ہر آفر کو قبول کرنے پر رضامند ہوگئی کیونکہ آسامی تگڑی تھی۔ اس کے برعکس پلوشہ نوکری کے بغیر تین مہینے تک ہر جگہ ماری ماری پھرتی رہی تھی۔ اگر نوکری ملتی تو وہاں کا ماحول پسند نہ آتا تھا۔ جہاں کا ماحول پسند آتا وہاں کام کے تجربے کا سوال اس کے سامنے فولادی دیوار بن جاتا۔ آخر خدا خدا کر کے اسے شہر کے مشہور پارلر میں جاب مل گئی۔ ورکنگ آورز بہت طویل تھے۔ پک اینڈ ڈراپ کی سہولت خاصی پرکشش لگی تھی۔ اُس نے صبح نو بجے سے لے کر رات بارہ بجے تک کی روٹین کو خوشی خوشی قبول کر لیا تھا اور اِسے وہاں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ اس کی مدح سرائی میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے۔ تنخواہ بھی قابل قبول تھی۔ اُسے اپنے مقدر پر اس قدر بے یقینی تھی کہ وہ تنخواہ کا چیک وصول کرتے وقت خوشی سے رو دی تھی۔ جب نصیب پلٹا کھاتے ہیں تو نہ چاہتے ہوئے

بھی تکنے دکھ خوش آمدید کہنے کو تیار ملتے ہیں' کیونکہ انسان کو مکمل طور پر دنیا کی ہر نعمت و آسائش سے مالا مال کرنے کا عہد ہی نہیں کیا گیا۔ ایک خوشی کے پیچھے بیسوں درد پنہاں ہوتے ہیں۔ جب اس بھید سے پردہ اُٹھتا ہے تو وہیں خوشی ناگوار گزرنے لگتی ہے۔ جس کے لئے شب و روز اللہ تعالیٰ کے حضور التجائیں کی تھیں۔ پھر اُس سے جان چھڑانے کو دِل چاہنے لگتا ہے۔ اپنے پرانے مسائل بہت معمولی لگنے لگتے ہیں۔ اس لئے دُعا مانگتے وقت بھی حد سے تجاوز عذاب کا سودا ہے۔ پلوشہ اپنی نوکری پر بے پناہ خوش تھی کیونکہ دعا پوری ہو گئی تھی۔ دل تسلی میں تھا۔ بے شک نیند پوری نہ ہو پاتی تھی۔ بہنوں کے ساتھ مل بیٹھنے اور اپنی خوشی و غم شیئر کرنے کا وقت نہ ملتا تھا۔ پھر بھی اپنی جاب سے مکمل طور پر مطمئن اور شاداں تھی۔ چال' ڈھال اور اندازِ گفتگو میں خود اعتمادی نے اُسے اور حسین بنا ڈالا تھا۔

وہ رات کے بارہ بجے اپنا بیگ اٹھا کر جانے کے لئے تیار ہوئی تو اونر نے اُسے روک لیا۔

''پلوشہ ہمارے پارلر میں لڑکیاں جذبہ شوق سے کام کرنے نہیں آتیں۔ ان کی بھوک اور پیاس انہیں میرے پاس کھینچ لاتی ہے۔ میں تمہاری مجبوریوں سے باخبر ہوں جانی۔ تمہاری مدد کرنا چاہتی ہوں کیونکہ مجھے تمہاری جوانی کو یوں دیمک لگتے دیکھ کر بہت دُکھ ہوتا ہے۔ اس لئے تم نے نوٹ کیا ہوگا کہ جب اس پارلر میں نئی لڑکی آتی ہے تو دیکھنے کے قابل نہیں ہوتی۔ پھر میں اُسے گروم کر کے عیش و عشرت کی زندگی کی طرف لے آتی ہوں۔ تم تو ماشاء اللہ پہلے سے ہی ویل گرومڈ گرل ہو۔ مجھے اس پر محنت نہیں کرنا پڑی۔ اگر میری آفر تمہیں درست نہ لگی تو میری جانی مجھے کسی اور ضرورت مند لڑکی کو تمہاری جگہ لانا پڑے گا۔ اس کے الفاظ اُس کے کانوں میں زہر گھول گئے۔ اُس نے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے کہ کہیں اگلا تیر اس کے کانوں کے پردے ہی نہ پھاڑ دے۔

''میڈم میں اِسے یہاں کے کچھ اصول سنائے دیتی ہوں۔ پلوشہ بہت سمجھ دار لڑکی ہے۔ اپنی سوچ کو آزاد کر دے گی ورنہ میں صدقہ جاریہ کے لئے کسی مسکین اور حاجت مند کو ایک گھنٹے میں آپ کے سامنے کھڑا کر سکتی ہوں۔ لڑکیاں بہت ہیں۔ فکر نہ کریں۔ بہتات ہے حسین اور ضرورت مند لڑکیوں کی۔ کیوں پلوشہ میں نے سچ کہا ہے نا۔''

''میڈم آپ مطمئن رہیں اور کافی انجوائے کریں۔'' پارلر کی ریسپشنسٹ نے خاصے تلخ لہجے میں کہا تھا۔ یہ یکدم ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔ کل تک تو ٹھیک تھیں۔ ضرور کسی کی غلط نظر مجھ پر پڑ گئی ہو گی۔ وہ گہری سوچوں میں ڈوبتی چلی گئی۔ دل تھا کہ خدشات میں گھر چکا تھا۔ آنکھوں کے سامنے پھر سے سوکھی روٹی اور دال گھوم کر مضطرب کر گئی۔ اس نے بے چارگی سے دونوں کی طرف دیکھا۔

''زیادہ سوچو گی ناں تو فیصلہ سراسر غلط ہی کرو گی۔'' وہ اُسے اپنے پاس بٹھا کر سرگوشی کے انداز میں بولی۔ ''ایک بہت اچھا پرپوزل آیا ہے تمہارے لئے' تمہارے وارے نیارے ہو جائیں گے۔ آخر تمہیں شادی کر کے اپنا گھر تو بسانا ہی ہے۔ کوشش کر دیکھو پلوشہ اس پارلر میں کام کرنے والی جو

لڑکی عقلمند اور دور اندیش نکلی اس کے مقدر کھل گئے۔ آج تمہارے نصیب بھی کھلنے کا وقت آ گیا ہے۔ اسے ضائع مت کرنا۔ ایسے چانس نصیبوں والیوں کو ہی ملتے ہیں۔ اپنے اس حسن کے جادو سے جو تم نے کسی کو گھائل کیا ہے۔ ایسا کمال تو آج تک کسی لڑکی نے نہیں کیا۔ تمہارا ابھی جواب نہیں پلوشہ۔'' اونر نے اُس کے ملائم چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''آگے بولئے۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''ہمارے منسٹر صاحب کا اکلوتا بیٹا تمہارے حُسن پر فریفتہ ہو گیا ہے۔'' وہ آہستگی سے اپنائیت سے بولی۔

''وہ کئی دنوں سے میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا ہے کہ تم تک اس کا پیغام پہنچا دوں۔''

''میں...... وہ کیوں؟ شادی کرنا چاہتا ہے کہ......'' وہ اچنبھے میں بولی۔

''شادی کرنا ان کے لئے کونسا انہونا کام ہے۔ اگر تُم نہیں کہو گی تو تمہاری یہ خواہش بھی پوری کر دیں گے۔ فی الحال تو ان کو انٹرٹین کرنا ہوگا۔ انڈرسٹینڈنگ بہت ضروری ہے ناں شادی سے پہلے۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔ ''کابل کا ماحول بھی تو خاصا ایڈوانس ہے یہاں سے کہیں زیادہ۔''

''میڈم مجھے کیا کرنا ہوگا۔ فون پر بات یا...... یا...... یا...... میرا گھر تو اس قابل نہیں کہ انہیں اپنے گھر مدعو کر لوں۔ بہتر تو یہی تھا کہ وہ میرے غریب خانے پر تشریف لاتے۔ میرے گھر کا سادہ سا ماحول دیکھ لیتے اور میری بہنیں بھی اپنا مؤقف پیش کر سکتیں۔ میں اکیلے فیصلہ کیسے کر سکتی ہوں۔ ایک غیر ناآشنا اور انجان لڑکے سے ملنے کا۔''

وہ متذبذب ہو کر اٹک اٹک کر بول رہی تھی۔ مگر دل میں خوشیوں بھرا طوفان متلاطم تھا۔ سچ مچ میری تو قسمت ہی کھل گئی ہے۔ وہ خوشی اور شرم سے لال ہو رہی تھی۔

''کیسی دقیانوسی باتیں کرتی ہو۔ تم پر زیب نہیں دیتیں۔ گھروں میں سب کے سامنے سب کی موجودگی میں تو انڈرسٹینڈنگ ہونے سے رہی۔ پہلے اس سے مل تو لو۔ اگر پسند آ گیا تو پھر بہنوں سے مشورہ لینا۔''

''پلوشہ اگر تم اجازت دو تو کل کے ڈنر کی کمٹ منٹ کر لوں۔ اس میں مجھے تو کوئی قباحت نظر نہیں آ رہی۔''

''ان کے ساتھ گھومو پھرو۔ خوبصورت ڈریسز اور جیولری خریدو پھر ان کے ساتھ فائیو سٹار ہوٹل میں افغانی کھانا کھاؤ۔ جس کے لئے دن رات محنت کرتی ہو۔ آگے تم پر چھوڑتی ہوں کہ گپ شپ میں کتنا ٹائم لیتی ہو۔ کب واپس گھر جانا پسند کرو گی۔ اس معاملے میں میری دخل اندازی نہیں ہونی چاہئے۔ تم بالغ ہو اپنا بُرا بھلا خوب جانتی ہو۔'' وہ چہک لہک کر بولے جا رہی تھی۔

''دیدی سے مشورہ کر کے کل بتاؤں گی۔'' وہ سوچتے ہوئے بولی۔

''تمہاری دیدی...... ہوں نری تھرڈ کلاس لڑکی۔ لمبے گاؤن او حجاب میں ہر وقت نظر آتی ہے۔ وہ تمہیں اجازت کیونکر دے گی۔ دقیانوسی کہیں کی اور پھر یہ سن کر آگ بگولہ ہو جائے گی۔ جلن اور حسد سے کہ اُسی کی چھوٹی بہن پر اتنے اعلیٰ ارفع خاندان کا خوبرو جوان اپنا دِل نچھاور کر چکا ہے اور میں رہ گئی پیچھے۔'' اُس نے ایک اور پتہ پھینکا۔ ''اپنا کام خوشی سے کرو۔ جب تمام معاملات سیٹ ہو گئے تو پھر تمام دنیا کو اس خوشی میں شامل کر لینا بھئی۔''

''دیدی ایسی نہیں۔ وہ ہماری بڑی بہن اور بہت غمگسار اور ہمدرد دوست بھی ہے۔ اُسے حجاب میں رہنا پسند ہے۔ ہمارا گھرانہ مذہبی اصولوں کا دلدادہ تھا' حالانکہ ہماری کلاس کے لوگ حالات بدلنے سے پہلے ماڈرن اصولوں کے پرچارک تھے۔ کھلم کھلا گھومتے پھرتے تھے۔ کوئی پابندی نہیں تھی۔ مگر ہمارے ہر عمل پر والدین کی کڑی نظر ہوا کرتی تھی۔ شرافت و انسانیت کے دائرے میں رہ کر اسلامی قانون کو مدنظر رکھنا ہمارے لئے بہت ضروری تھا۔ ہم شاہوں کے خاندان کی عزت و وقار کو اپنی بیکار خواہشوں کی بھینٹ نہیں چڑھا سکتی تھیں۔ اب تو ہم نے حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر نوکریاں بھی پکڑ لیں۔ خود کو ان بدلتے ہوئے حالات کے مطابق ڈھالنا جان جوکھوں کا کام ہے میڈم۔ آپ کو کیا معلوم کہ اس دِل پر کتنے چرکے لگے ہیں۔ ہم چاروں کا انگ انگ گھائل ہے۔ ہر وقت زخموں سے خون رستا رہتا ہے۔ آپ کو اندازہ نہیں ہو سکتا کیونکہ آپ پر ایسی قیامت گزری نہیں۔ جو نعمتیں ہم سے اللہ تعالیٰ نے واپس لے لی ہیں۔ اُن پر ہمارا حق تھا۔ وہ سب ہم سے چھین کر آپ کا محتاج کیوں بنا دیا۔'' حسرت اور کرب اُس کی آنکھوں میں اُتر آیا تھا۔

''پلوشہ اللہ تعالیٰ تمہیں تمام نعمتیں واپس دینا چاہتا ہے۔ یہ سب تمہارے صبر کا پھل ہے۔ اس میں ہمارا کوئی کمال نہیں۔ تمہارے زخموں پر مرہم رکھا جا رہا ہے۔ میری بات مان جاؤ جب آپ دونوں کی انڈرسٹینڈنگ ہو جائے گی تو پھر دیدی کو بتا دینا۔ پہلے ہی کیا ڈھنڈورا پٹوانا۔ جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں یہ مقولہ تو جانتی ہوناں۔ فارسی میں بھی ضرور ہوگا اور پشتو وحدی میں بھی بولا جاتا ہوگا۔'' وہ نہایت لگاوٹ سے بولی۔

''ٹھیک ہے پھر بھی سوچنے کا موقع تو دیں میڈم۔ اگر وہ بندہ مجھے پسند نہ آیا تو پھر...... کہیں مجھے رسوا تو نہیں کر ڈالے گا۔ ہر مرد عورت کی طرف سے ریجکشن کو ایگو پرابلم بنا لیتا ہے۔ میری پہلی نوکری میں بھی ایسا ہی مسئلہ درپیش آیا تھا۔ مگر وہ تو شادی کا نام بھی نہیں لیتا تھا۔ فقط عیاشی' حرام اور بدمعاشی کے چکروں میں تھا۔'' وہ اس کی ہمدردی کو محسوس کرتے ہوئے بولے چلی گئی اور وہ اس کے اندر کی تمام باتیں تمام سوچیں اور خیالات کو پڑھ کر ہر وہ بات کر رہی تھی جو پلوشہ سننا چاہتی تھی۔

✥ ❖ ✥

پلوشہ اتنے ڈھیر سارے اتنے مہنگے ڈریسز کہاں سے آئے ہیں؟ ذرا میں بھی تو سنوں؟ کیا

پروموشن ہو گئی ہے؟ تنخواہ بڑھ گئی ہے جو دن بدن تمہاری شاپنگ میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔'' فرشتے نے شاپرز کھولتے ہوئے حیرت و اشتیاق سے کہا۔

''اتنے مہنگے ڈیزائن ڈریسز۔ میرا دل بے چین سا ہو گیا ہے پلوشہ۔ یہ کہاں سے آئے ہیں؟''

''دیدی! پارلر میں تو بوتیک پر سیل تھی بلکہ مجھے تو بہت ہی سستے پڑے ہیں۔''

''تو پھر ایسے کرو زرمین اور ریشم کے لئے بھی خرید لو۔ مجھے تو ان کی ضرورت نہیں تم لوگوں کی اترن بھی پہن سکتی ہوں۔ گاؤن کے نیچے سب کچھ ہی چھپا ہوتا ہے۔ گاؤن کا سب سے بڑا فائدہ یہی تو ہے۔'' وہ خوشگوار لہجے میں بولی۔

لوٹ سیل زیادہ دیر نہیں چلتی۔ ان دونوں کو بھی ایسے چانس ضرور ملیں گے۔ وہ اسے مطمئن کر کے سوچنے لگی۔ اپنے بارے میں سوچنا شروع کریں۔ اپنا اسٹیٹس بدلنے کی کوشش تو کریں۔ انہیں فی الحال اتنے مہنگے ڈریسز کی ضرورت نہیں۔ دیدی ان کے لئے فکر مند ہونا چھوڑ دیں۔ وہ خوبصورت ہیں جوان ہیں' یہ پاکستانی گورے رنگ پر مرتے ہیں۔ وہ وقت دور نہیں جب اَن گنت پروانے شمع پر منڈلاتے ہوئے جان قربان کرنے کی پروا نہیں کریں گے۔ اس نے بھرپور انگڑائی لے کر دل میں سرگوشی کی اور لیٹ گئی۔ زرمین اور ریشم گہری نیند سو چکی تھیں اور پلوشے آنکھیں بند کئے مہارانی بننے کے سپنے دیکھے جا رہی تھی۔ منسٹر صاحب کا بیٹا اس پر اسیر ہو گیا تھا۔ ہر شام رات ایک بجے تک وہ اس کے ساتھ گزارنے لگی تھی۔ دیدی کے فرشتوں کو بھی شک نہ ہوا کہ پلوشہ سراب کا پیچھا کرتے ہوئے اپنا سب کچھ گنوانے کو پانے کا نام دینے لگی ہے۔

جب زرمین کا پرس بھی نوٹوں سے بھرنے لگا تو فرشتے فکر مند ہونے کے بجائے ان کی پروموشنز پر خوشی سے پھولی نہ سماتی۔ ریشم ابھی تک چند بوسیدہ نوٹ گن کر آہ بھر کر رہ جاتی کہ اس کی پروموشن میں دیر کیوں ہے؟ اب مالک مکان بھی انہیں مہنگے لباس جس میں میکسی' فراک' لانگ سکرٹ' فٹڈ چھوٹی بڑی شرٹس دیکھ کر ان کے کردار کی کمزوری کا اندازہ لگا چکا تھا۔ اُس کے تیور بھی انہیں بنا سنورا دیکھ کر بدلنے لگے تھے۔ ایک دن وہ بغیر ناک کئے فرشتے کے کمرے میں آ گیا۔ وہ چارپائیوں پر نئی چادریں بچھا رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ اس پر حملہ آور ہوتا وہ بھاگ کر کمرے سے باہر نکل گئی اور باہر چھت پر کھڑی ہو کر چیخنے لگی۔ اُس نے آگے بڑھ کر اس کا منہ اپنے ہاتھوں سے دبا کر ہتک آمیز لہجے میں کہا۔

''ذرا بہنوں کے بارے میں باہر نکل کر پوچھو کہ کیا کرتی پھر رہی ہیں تو مجھ پر اعتراض کیوں؟ جس ندی میں سب نہانے کے مزے لوٹ رہے ہیں پھر مجھ پر پابندی کیوں؟'' وہ پھنکارتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ وہ حیرت سے اُسے دیکھنے لگی۔ اتنے بڑے دل کو ہلا دینے والے سندیسے نے اُسے گونگا کر دیا تھا۔ صرف ذہن میں سابقہ اور حالیہ حالات گھوم گئے تھے۔ بہنوں کی بدلتی ہوئی حالت' شاہانہ

لباس، جیولری، میک اپ کا قیمتی سامان، برینڈڈ جوتے اور پرس، امپورٹڈ شیمپو اور صابن، یہ سب کیا تھا؟ کہاں سے آ رہا تھا؟ اور اب بنگلہ کرائے پر لینے کے پلان اور حیات فرنیچرز شوروم سے امپریس ہو کر امیرانہ وشاہانہ سامان کا آرڈر اور ٹویوٹا کرولا کی بکنگ۔ تمام معاملہ سمجھ آ چکا تھا کہ یہ پیسہ صرف جاب کی طرف سے نہیں آ رہا معاملہ کچھ اور ہے۔ اب اس نے ان کی روٹین اور روپے کو اور بھی گہرائی سے دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ ان کی ہر حرکت میں جھوٹ، مکاری اور فریبی کی جھلک نمایاں طور پر نظر آنے لگی تھی۔ اس کے دن کا سکون اور رات کی نیند حرام ہو کر رہ گئی تھی کہ وہ بھی غیر محفوظ ہو چکی ہے۔

❖ ❖ ❖

''آپ ہماری مخبری کرنا چھوڑ دیں۔ خوش رہیں اور خوش رہنے دیں۔'' پلوشہ نے بیزاری سے کہا۔

''مجھے اپنی ماں کو جوابدہ ہونا ہے۔ آپ کی نگہداشت میری مجبوری ہے۔'' فرشتے ناگواری سے بولی۔

''دیدی! آپ کو گھر بیٹھے بٹھائے ہر چیز ہم مہیا کر رہی ہیں۔ پھر تکلیف کیوں ہے؟ یہ ناشتہ جو اس وقت ٹیبل کی زینت اور شان بنا ہوا ہے یہ کابل میں میسر تھا۔ یہ جو کپڑے ہم نے پہن رکھے ہیں ہمارے خاندان کی غمازی کر رہے ہیں۔ گو کہ گھر اپنے کابل کے محل جیسا تو نہیں مگر قابل قبول تو ہے'' پلوشہ نے فخر سے کہا۔ ''دیدی مان جائیں میری عقلمندانہ سوچ کو اس تبدیلی میں میرا ہاتھ ہے۔''

''تمہاری جاب سے تو یہ شاہانہ زندگی حاصل کرنا ناممکن ہے۔ زرمین تم بھی بہت دانشمند اور دور اندیش ہو گئی ہو کیا؟'' وہ طنزیہ بولی۔ تو دونوں بہنیں مسکرا کر سوچ میں چلی گئیں کہ وہ اس درد و کرب سے آشنا ہو چکی تھیں کہ نوکری چھوٹنے کا خدشہ کس قدر جان لیوا ہوتا ہے جیسے عزرائیل فرشتہ سینے پر کھڑا کسی وقت بھی روح قبض کر لے اور پھر انہوں نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ انہیں ہر قدم پر شکرے اور بھیڑیئے ہڑپ کرنے کو تیار ملیں گے۔ وہ خود کو کہاں تک محفوظ رکھ سکتی ہیں۔ ایک نہ ایک دن تو کسی کا نوالہ بن کر رہیں گی۔ وہ اپنی ضروریات زندگی کو پورا کرنے اور اپنی دیرینہ خواہشوں اور حسرتوں کے کمزور پل پر کب تک چل سکتی تھیں۔ کہیں سے امید کی ہلکی سی کرن بھی تو نظر نہیں آ رہی تھی۔ پلوشہ نے تو منسٹر کی بہو بننے کے لالچ میں اور زرمین نے نوکری چھوٹنے کے ڈر سے مرنجان مرنج ہونے کو فوقیت دی تھی۔ ان کی سوچ کے مطابق حالات کا تقاضا یہی تھا کہ وہ فرشتے کو ہر وقت سمجھانے اور رام کرنے کی کوشش میں لگی رہتیں کہ کامیاب انسان اسے کہتے ہیں جو حالات کے دھارے میں بہتا چلا جائے۔ خود کو اُس کے حوالے کر کے عقلمندی اور دانشمندی کا خطاب حاصل کر لے۔

فرشتے طوعاً کرھاً تینوں کے ساتھ تین بیڈ روم کی ماڈرن کوٹھی میں شفٹ ہو گئی کیونکہ اس گھر میں بھی ان سکیورٹی کا احساس اُسے ہر وقت کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔ مالک مکان کی نگاہوں میں سؤر

کا بال آ چکا تھا۔ گھر کو افغانی ماڈرن طریقے سے سجایا گیا۔ پورچ میں کار بھی ان کی شان و شوکت کو بڑھانے کے لئے پہنچ چکی تھی۔

دونوں بہنیں حالات کی سفا کی کا بری طرح شکار ہو چکی تھیں۔ جسے وہ کامرانی کا نام دیا کرتی تھیں۔ فرشتے کو ان پر بے پناہ ترس آتا۔ کبھی دُکھ کی کیفیت میں مبتلا ہو جاتی تو کبھی غیظ و غضب سے چیخ اٹھتی۔ آہ و بکا کرتی انہیں جی بھر کر طعنے و تشنے دیتی۔ انہیں اپنے خاندان کے اصولوں کا واسطہ دے کر مری ہوئی غیرت میں روح پھونکنے کی کوشش کرتی اور انہیں باعزت طریقے سے شادی کر کے عام لڑکیوں کی طرح پاکیزہ زندگی گزارنے کی تلقین کرتی۔ مگر ان پر رتی بھر اثر نہ ہوتا تھا۔

ان کے کسی عمل سے بے سکونی اور اضطراری کیفیت کی ہلکی سی جھلک بھی نظر نہ آتی تھی۔ چہرے پر ذہنی و دلی اطمینان اور آنکھوں میں فتح مندی کی چمک کہ انہوں نے دنیا کی ہر آسائش کو حاصل کر لیا ہے۔ اس میں کمال تو ان دونوں بہنوں کی قربانی کا تھا۔ ریشم ابھی تک ان کی گرفت سے بچی ہوئی تھی۔ جس پر ہر وقت دونوں اپنا وقت اور پیسہ صرف کر کے اسے اپنی ڈگر پر لانے کی کاوش میں مصروف رہتی تھیں۔ اب نوکری انہیں معیوب لگنے لگی تھی۔ چند ہزار کی خاطر مہینے بھر کی مشقت انہیں منظور نہ تھی۔ ایک کا اونر ہاتھ میں تھا۔ دوسری منسٹر کی بہو بننے کی کوشش میں تھی۔ راوی چین ہی چین لکھتا تھا۔ انہوں نے بہت جلد وہ سب کچھ پا لیا تھا جسے انہوں نے بچپن سے ہی دیکھا تھا۔

انہیں رہنے کے لئے بڑا گھر، پہننے کے لئے قیمتی لباس، کھانے کے لئے ذائقے دار کھانے کی تمنا تھی۔ ایسی تمام نعمتیں انہوں نے غلط طریقوں سے حاصل کر لی تھیں، لیکن فرشتے سے یہ سب غلاظت نگلی نہیں جا رہی تھی۔ اُس نے آخری بار پھر سمجھانے کی کوشش کی کہ جو شخص انہیں اس حد تک نواز رہا ہے اسے شادی پر مجبور کر کے اپنا گھر بسا لیں اسی میں ان کی عزت و تکریم ہے۔

زندگی حلال میں گزارنا عبادت ہے اور پھر پسند بھی تم لوگوں کی اپنی ہی ہو گی۔ کسی قسم کا پچھتاوا نہیں ہوگا۔ وہ یہ سن کر طنزیہ مسکرا دیتیں تو وہ غصے میں پھٹ جاتی۔

''تم دونوں کو والدین کی بددعا نے نسوانی پاکیزگی اور حیا و وقار سے بے بہرہ کر دیا ہے۔ ذلتوں اور برائیوں کو اپنے مقدر کی تختی پر لکھ کر زندگی کو برباد کرنے پر اس قدر فخر۔ بدقسمتی ہے یہ ہمارے خاندان کی۔ نجانے کس گناہ کی پاداش میں ہمارے خاندان کا ہر فرد تباہی و بربادی کا شکار ہو گیا اور تم دونوں بھی اسی کے دہانے پر کھڑی ہو۔ میری مان جاؤ ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا۔ ابھی خوش آئند فیصلہ کرنے کا وقت باقی ہے۔''

''دیدی! آپ ابھی تک عقل و سمجھ کے لحاظ سے ہم دونوں سے بہت چھوٹی ہیں۔ ہم وقت شناس نکلیں اور وقت کو اپنے تئیں ڈھال لیا۔ مگر افسوس کہ آپ ابھی تک اپنے خاندانی ڈھانچے سے فرار حاصل نہیں کر سکیں۔ خود کو کیا باور کرانا چاہتی ہیں۔ یہ تو آپ سرے سے بھول ہی جائیں کہ کوئی

آپ سے گھر کی چار دیواری اور اس حجاب میں شادی کرنے کا خواہشمند ہوگا۔ اجڑے ہوئے ہجرت کرنے والے خاندان اگر سر اٹھا کر دو گام بھی چلنے کی کوشش کریں تو طعنوں و تشنوں سے ان کے سروں کو کچل دیا جاتا ہے۔ ہمارا تعلق غلاظت کے ڈھیر سے ہے دیدی۔ اس سچائی اور حقیقت کو جتنی جلدی تسلیم کرلیں گی۔ آپ کے لئے بہتر ہوگا۔ کسی موٹی اور بڑی آسامی کا انتخاب کرلیں۔ ایک کا ہو کر رہنے میں حرج ہی کیا ہے۔ پھر شادی کی امید رکھی جا سکتی ہے۔ دیکھیں میری طرف مرسیڈیز میرے قدموں کے نیچے ہوتی ہے۔ کم خواب اور زرق برق لباس میرے اس غلیظ وجود کو ڈھانپ کر مجھے باعزت و باوقار بنا دیتا ہے اور میری مارکیٹ ویلیو اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ اس مسلم ملک کے بڑے بڑے پارسا اور نیک طینت حضرات میرے قدموں پر جھکنے پر تیار ملتے ہیں۔ مگر میں صرف ایک کی ہوں۔ کسی دوسرے کو لفٹ نہیں کراتی۔ میرے لئے دعا کریں منسٹر کی بہو کہلانا چھوٹی بات نہیں میرے جیسی لاوارث لڑکی کے لئے تو اک معجزہ ہوگا۔ یہ گھٹ گھٹ کر زندگی گزارنا گناہ کبیرہ ہے۔ زندگی سے ناانصافی اور ستمگری ہے۔ ہم نے اپنا پیشہ اپنی ساکھ کے عین مطابق منتخب کیا ہے کیونکہ وقت نے ہم پر ستم ڈھائے ہیں۔ اب ہم اپنے والد کی شان و شوکت سے دور جا چکی ہیں۔ تونگری پر فقیری نے غلبہ پالیا ہے۔ اسے ہی وقت شناسی کہتے ہیں۔ ہمیں جوائن کرلو۔"

پلوشہ نے دکھ بھرے مستحکم لہجے میں کہا۔

"دیدی آپ ہمارے سینے گولیوں سے چھلنی کر دیں۔ ہماری تکہ بوٹی کر کے سیخوں پر سینک دیں۔ ہمیں زندہ درگور کر دیں۔ سب منظور ہے لیکن مفلسی نامنظور ہے۔"

"ٹھیک ہے تو میں ہی کسی دوسرے شہر چلی جاتی ہوں۔ بے شک یادوں سے پیچھا چھڑانا میرے بس میں نہیں ہوگا۔ سوچتی ہوں تم سب بن سانس کیسے لوں گی۔ مگر یہاں سے جانا ہی بہتر ہے۔ تم لوگوں کی بدکاریوں کے بھیانک انجام دیکھنے کی مجھ میں ہمت نہیں ہے۔ یہ ظاہری شان و شوکت چاؤ چونچلے ناز نخرے سب جوانی کے ساتھ ہی ڈھل جائیں گے۔ جیسے حالات پر ہمارا زور نہیں اسی طرح وقت پر بھی اختیار نہیں۔ یہ سب عارضی اور غیر پائیدار ہے۔ جہاں کی زندگی میں ہمیشگی اور پائیداری ہے۔ اُس پر دھیان دیں۔ اُس کی فکر کریں۔ آخر اللہ تعالیٰ کو ہمیں جوابدہ ہونا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ بیج بدکاری کا بونے کے بعد توقع نیکوکاری کی فصل اٹھانے کی رکھیں۔ روز آخرت بابا اور بی بی کے سامنے چہرے کی سیاہی کے ساتھ کیسے ملاقات کریں گی آپ۔" وہ تاسف بھرے لہجے میں بولی۔

"دیدی ہمارا کوئی جرم نہیں۔ ہر انسان منفرد مزاج کا مالک ہے۔ ہم میں تم جیسا نہ تو صبر و تحمل ہے نہ ہی دال روٹی پر شکرانہ ادا کرنے کی بیہودگی ہے۔ تمہاری یہی خرابی اور خوداعتمادی کی کمی تمہیں مروائے گی۔ نجانے تم ان حالات کے پیش نظر آنکھیں، کان، ذہن و قلب پر قفل لگائے کن خوش

فہمیوں میں مبتلا ہو۔تم سے کون کرے گا شادی۔تمہاری پاکیزگی پر کون یقین کرے گا۔کوئی بھی نہیں کیونکہ ہم اپنے سائبان اپنے تحفظ سے نکل کر بیچ چوراہے میں کھڑی ہیں۔ ہمارے جسموں کی بولی تو لگ کر رہے گی۔ جلد یا بدیر تو پھر ابھی ہی یہ سودا کیوں نہ کریں۔ ہمیں جوائن کرلیں دیدی۔ زندگی عیش وعشرت میں گزرے گی۔ ہمیں شادی اور بچوں سے کیا لینا دینا ہے۔ محض پھٹکار نفرت وحقارت کا سودا کرنا عقلمندی اور دور اندیشی نہیں ہے۔لولا' لنگڑا' اندھا بہرہ شوہر روپ میں کسی جلاد سے کم نہیں ہوگا۔ اگر تم نے شادی نہ کرنے کی عقلمندی کر لی تو کسی لچے لفنگے آوارہ اوباش کی ہوس کا نشانہ بن جاؤ گی۔ ہم نے جبر وتشدد اور زور آوری کا سودا نہیں کیا۔تم پر جبر ہوگا۔میری بات یاد رکھنا تم نے کافرانہ حسن پایا ہے دیدی۔ ہم تو کچھ بھی نہیں تمہارے سامنے۔ پھر بھی ہمارے ناز نخرے اٹھائے جاتے ہیں۔ امرا کی محفلوں اور پرائیویٹ پارٹیز میں ہمارے محافظ ہمارے ساتھ ہوتے ہیں۔ یہ بنگلہ' کار' رہن سہن ہم نے اپنی حیثیت کے مطابق چنا ہے۔ ہم بیچے سے فقیرنیاں نہیں ہیں کہ ایک سو روپے میں دس مسکینوں کا پیٹ بھریں گی۔ ہم نے اپنا سٹینڈرڈ مین ٹین کیا ہے دیدی۔ ہمیں اس پر فخر و مسرت ہے۔ایک کا ہو کر رہنے میں کوئی گناہ نہیں۔ اللہ نے چاہا تو شادی بھی ہو جائے گی ورنہ ایک کی ہو کر زندگی گزار دوں گی۔ بولئے کہ یہاں ہمیں اور کیا چاہئے؟ پل بھر میں نعمتوں کا انبار لگ جائے گا۔"

"یہ زندگی فقط ایک بار کا ڈرامہ ہے۔ سمجھنے کی کوشش کرو دیدی۔" ہمیں اس ڈرامے کے اہم کردار کو بخوبی سرانجام دینا ہے۔

زرمین نے فخر سے کہا اور دونوں بہنوں نے تمسخرانہ قہقہہ لگایا جو فرشتے کی کانوں میں زہر گھولنے کے بجائے شہد جیسی مٹھاس سے ہمکنار کرنے لگا تھا کیونکہ آج اس نے ان سے تمام ناطے توڑ لینے کی قسم اٹھائی تھی۔ اُس نے حقارت سے چائے کے لوازمات سے بھری ہوئی ٹرالی کو دھکا دیا اور ان کے ایرانی قالین پر تھوک کر باہر نکل گئی۔ یہاں سے شفٹ ہونے کے منصوبے بناتی ہوئی تصورات کی دنیا میں پہنچ گئی۔ میرا گھر جہاں فرشتوں جیسی پاکیزگی اور تقدس ہوگا۔ اپنا وجود' اپنی سوچ اور خیالات اپنے ہی جذبے اور احساس اور اپنی ہی گفتار و زبان سب کچھ میرا اپنا ہوگا۔ اس پر کسی کا کوئی حق نہ ہوگا۔ وہ اپنے نیک ارادے اور مستحکم فیصلے پر مطمئن تھی۔ وہ ادراک جو اسے شاہوں کے خاندان سے سونپا تھا۔ برقرار تھا۔ ماں کی گود کی پاکیزہ اور شگفتہ خوشبو میں نہال ہوتی ہوئی وہ ان کی ہر طرح کی منفی سوچوں سے برگشتہ ہو چکی تھی۔ مگر افسوس کہ ریشم نے اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ وہ بہنوں کے ساتھ ہی رہنا چاہتی تھی۔ فرشتے اسے سمجھاتی رہی' مگر وہ ایک نہ مانی۔

❖ ❖ ❖

اسلام آباد پہنچ کر اس نے اِک طویل پُرسکون سانس لیا کیونکہ وہ آزاد خیال آلودگی میں بسی

ہوئی اور پستی میں گری ہوئی بہنوں سے چھٹکارا حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ وہ اُن کی لغزشوں‘ گمراہی اور سرکشی پر باری تعالیٰ کے سامنے سربسجود ہو کر انہیں بھول جانے کی دعائیں مانگتے ہوئے مضطرب سی ہو کر رہ گئی۔ دِل ہی دِل میں لاکھوں التجاؤں میں امید و آس کی چاشنی گھول کر انہیں بھی راہ راست پر لانے کی عرضداشت باری تعالیٰ کے حضور بھیج کر مطمئن سی ہو گئی۔

وین سے اُتر کر اُس نے آس پاس کا جائزہ لیا اور ایک ادھیڑ عمر ڈرائیور کی ٹیکسی میں بیٹھنے کے لئے اس کی طرف بڑھ گئی۔

اسے ایڈریس نہایت خود اعتمادی سے بتا کر خاموشی سے باہر کا جائزہ لینے لگی۔ ڈرائیور پکی عمر کا تھا۔ اس کے پُر اعتماد لہجے میں خوف کی جھلک کو محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔

اردو تلفظ بھی افغانی چغلی کھا رہا تھا۔ لباس اور انداز بھی اپنا نہ تھا۔ گو کہ حجاب میں چھپا ہوا تھا۔ طویل خاموشی کے بعد گویا ہوا۔

''بیٹا تم اکیلی ہو دنیا بڑی خراب ہے۔ یہاں پھونک کر قدم اٹھانا ہوگا۔ میرا فون نمبر اپنے پاس رکھ لو۔ کبھی اِدھر اُدھر آنے جانے کی ضرورت پڑی تو مجھے فون کر دینا۔ تمام سواریوں کو چھوڑ کر تمہیں لینے پہنچ جاؤں گا۔'' اُس نے نہایت ہمدردی سے کہا۔

''بیٹا ان آنکھوں نے یہاں افغانی لڑکیوں کی عصمت دری ہوتے دیکھا ہے۔ اس دنیا کے ہر خطے میں بے سہارا اور مجبور حاجت مندوں کی بیساکھی بننے کے لئے کوئی تیار نہیں ہوتا۔ اپنے مفادات کو بروئے کار لایا جاتا ہے اور انہیں استعمال کرنے پر فخر و گھمنڈ کا سہارا لے کر اپنی برائی کی پردہ داری کی جاتی ہے۔ اور معصوم بچیوں کی تمام تر حیات دلدل کی نظر ہو جاتی ہے۔ جس کے اندر دھنسے جانے کا عمل کبھی اختتام پذیر نہیں ہوتا۔

بہادر‘ بلند‘ حوصلہ اور عزت دار عورت جنگل میں بھی درندوں سے محفوظ رہتی ہے۔ میری یہ بات اپنے پلے باندھ لو۔ میں غریب تمہاری مالی مدد کرنے سے تو قاصر ہوں‘ مگر سمجھا تو سکتا ہوں۔'' وہ متحمل لہجے میں بول رہا تھا۔

''بہت بہت شکریہ چاچا......'' کالے نقاب میں اس کی دو آنکھیں ہی اس کے بھرپور‘ دلکش حسن و جوانی کی غمازی کر رہی تھیں۔ احتراماً جھک گئیں۔

جب نیکی کی جانب ایک قدم بڑھتا ہے تو دھیرے دھیرے انجانے میں زمانہ آپ کے ساتھ چل نکلتا ہے اور احساس تنہائی‘ مایوسی اور پچھتاوا ذہن کے ہر گوشے سے دور ہوتا چلا جاتا ہے اور جب برائی کی طرف فقط آنکھ اُٹھا کر دیکھا جاتا ہے تو نیلی چھت والا ڈور ڈھیلی چھوڑ دیتا ہے اور ہر لمحے ایک نئی برائی جنم لینے لگتی ہے۔ جس کی کوئی حد نہیں۔ شیطانیت کی بدنما اور بھونڈی صورت میں دلکشی اور خوبصورتی دل کو تسکین دینے لگتی ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب آنکھوں پر پردہ پڑ جاتا ہے اور شیطان

کا شکنجہ اتنا مضبوط اور سنگین ہو جاتا ہے کہ پسلیاں ٹوٹتی ہوئی محسوس ہونے لگتی ہیں۔ سانس رُکتا ہوا' آنکھیں مندمل اور زبان تالو کو جا لگتی ہے۔ دماغ کی تمام شریانیں پھٹنے لگتی ہیں۔ جوانی گزرنے کے بعد اپنے نفس پر ظلم وستم کا احساس سر چڑھ کر بولنے لگتا ہے۔ رہی سہی کسر ضمیر کے تازیانے پوری کر دیتے ہیں۔ مگر وقت گزر چکا ہوتا ہے۔ گناہوں کی تلافی و معافی اور توبہ استغفار کے تمام در بند ہو چکے ہوتے ہیں۔ وہ سوچ جا رہی تھی کہ اس ناشناس انسان میں تو فرشتوں کی مشابہت ہے۔ اُس نے نہایت احترام سے اس کی طرف دیکھ کر سر جھکا لیا اور کرایہ تھما کر ہوسٹل کے گیٹ سے اندر داخل ہو گئی۔

سستا ترین' بوسیدہ اور سال خوردہ ہوٹل۔ نیا ماحول' نئی پاکستانی لڑکیاں' ورکنگ لیڈیز اور ان سب میں ایک چھپن سالہ عمر کی خاتون اس ہوسٹل کی مالک تھی۔ وہ ہر وقت برف جیسے چمکتے ہوئے سفید لباس میں نظر آیا کرتی تھی۔ اُس خاتون کا وہاں رہنا اسے بہت عجیب لگا تھا۔ اسے ایسے محسوس ہوا جیسے وہ کسی چڑیا گھر میں آ گئی ہے۔ جہاں ہر قماش اور ہر عمر کی خواتین تھیں۔ اس لئے اس کا یہاں قیام کرنا کسی کو کھٹکا تھا نہ ہی سوالات کی بھرمار تھی۔ مگر یہاں کے قیام میں ہر وقت سکون و اطمینان کی کیفیت میں بھی بے سکونی' بے قراری اور بے تابی اسے لہولہان کرتی رہتی کہ کہیں اس کا ردعمل شدید اور ظالمانہ تو نہیں تھا۔ ضد' ہٹ دھرمی اور اَنا میری ذات کا ناسور تو نہیں بن گیا تھا۔ جلد بازی میں تو فیصلہ نہیں کر ڈالا۔ کیا ماں اپنے نافرمان اور عیاش بچوں کو اتنی آسانی سے چھوڑ سکتی ہے۔ ہاں ماں سب سے پہلی ہستی ہوتی ہے۔ جو بچوں کی خودسری کو معاف نہیں کرتی۔ صبر کا گھونٹ پی کر شکر ادا کر لیتی ہے اور اس کے لئے ہر وقت دعا گو رہنے کو اپنا فرض سمجھتی ہے۔ ہماری ماں نے تو الفتوں کے بیج بو کر اس کی کونپلیں پھوٹتے ہی اسے اپنے پاک' خالص اور صاف خون سے سینچا تھا۔ جب یہ پودے پروان چڑھ گئے تو پھر ان میں حرام کی آمیزش کہاں سے آ گئی؟ سیپی میں بند موتی کی طرح محفوظ رہنے والی بیٹیوں میں اس قدر بے حیائی' بے شرمی اور بے باکی کا زہر آلود خون وجود میں گردش کیسے اور کیوں کرنے لگا؟ کہاں گئیں وہ کہاوتیں کہ لڑکی کو پرکھنا ہو تو اس کی نانی کو دیکھیں' پھر ماں کا جائزہ لیں۔ بیٹی کو بالکل ویسا ہی پائیں گے۔ میری ماں تو بہت پاکیزہ عورت تھی۔ باپ بہت نرم مزاج' مگر سیاسی نام کے حصول کی خاطر اُن جیسا جابر اور طناز مرد شاید ہی پیدا ہوا ہو۔

وہ سوچتے ہوئے تڑپ اٹھی۔ بہنیں بے قصور نظر آنے لگیں۔ مگر اگلے ہی لمحے اپنا موازنہ کر کے تینوں بہنیں لالچی اور خود غرض ہو کر آنکھوں کے سامنے گھوم گئیں۔ اس کے اندر کی ہر رگ و پے بہنوں کی بے راہ روی' ناپاکی اور غلاظت پر لرزاں ہو گئی۔ وہ خزاں رسیدہ پتے کی مانند بے قابو تھی۔ آنسو خشک تھے۔ اس کا دل چاہا کہ جی بھر کر رو دے اور دنیا کے ہر بے بس و لاوارث عورت اس کے دکھ و درد میں شمولیت اختیار کر کے اس کے دل کے کرب کو کم کر دے۔ آہ ہمارے جیسی کتنی ہی پاکباز اور

مضبوط کردار کی لڑکیاں حالات کے ہاتھوں کمزور پڑ گئیں۔ ورنہ ہمارا خون تو ایسا ہرگز نہیں تھا۔ جب کسی عمارت کی بنیاد کاغذ کے نوٹوں پر رکھی جاتی ہے تو وہ پائیدار کیسے ہوسکتی ہے۔ شاید ہماری بنیادیں بھی کمزور تھیں۔ بنیادوں میں ہلکے سے پانی کی روانی نے عمارت کو مسمار کر ڈالا۔ کاش ماں نے اپنی محبتوں کے ساتھ اس میں فولادی آمیزش بھی ڈال دی ہوتی تو آج انجام ایسا نہ ہوتا۔ آج ننگے فرش پر سونا اور جینے کے لئے کھانا ہمارے لئے کافی ہوتا۔ عروج کے بعد زوال برحق ہے۔ پھر ہمیں اس نقطے کو مدنظر رکھ کر پروان کیوں نہ چڑھایا گیا ہے۔ وہ ہر زاویے پر سوچ جا رہی تھی۔ کبھی خود کو تو کبھی بہنوں کو اور کبھی ماں کی تربیت کو اور کبھی باپ کے رویے کو موردِ الزام ٹھہراتی نیند کی گہری کھائیوں میں بھٹکنے لگی۔

❖ ❖ ❖

دوپہر کس قدر غمگین اور پژمردہ تھی۔ حالانکہ تھکن کی وجہ سے بستر پر وہ لمبی تان کر دوپہر تک سوئی تھی۔ بجھے ہوئے دل کے ساتھ چونک کر گردوپیش کا جائزہ لینے لگی۔ وہ ہاسٹل میں اپنے چھوٹے سے کمرے میں موجود تھی۔ بالکل تنہا' خاموش اور ہراساں و پریشان۔ دُکھے ہوئے دل کے ساتھ وہ بستر سے اٹھی اور کمرے کی چھوٹی سی گلاس ونڈو سے پردہ ہٹا کر باہر دیکھنے لگی۔ باہر شگفتگی کا نام ونشان تک نہ تھا۔ ویرانگی اور اجاڑ پن براجمان تھا۔ اُس نے اس سے پہلے ہاسٹل کی شکل تک نہ دیکھی تھی۔ یہاں نفسانفسی کے عالم میں ہر پودے کا پتہ پتہ دہائی دے رہا تھا۔ درخت بھی بیمار اور لاغر لگ رہے تھے۔ ان کی کیئر اور لک آفٹر کرنے والا کوئی نہ تھا۔ سب یہاں وقت گزاری کے لئے آتی تھیں۔ پھر یہاں سے اٹیچ منٹ کیونکر ہوتی۔ وہ سوچتی چلی گئی۔

باہر کی ویرانگی اس کے من کو اور ویران کرتی چلی گئی۔

اس کی آنکھیں جاڑے کی تھمی ہوئی بارش کی مانند دھیرے دھیرے برسنے لگی تھی۔ وہ پھر سے بہنوں کی یادیں اور ان کے فکرات و خدشات میں گھر گئی۔

وارڈن نے دروازہ ناک کیا تو وہ چونک کر پلٹی اور دروازہ کھول دیا۔ سامنے وارڈن کو دیکھ کر سنبھلنے کی کوشش کرنے لگی۔

''آج سوتے رہنے کا ارادہ ہے کیا؟'' وہ مسکرا کر بولی۔ ''ناشتے کا وقت تو نکل چکا ہے۔ لنچ میرے ساتھ کرلو۔ تم جانتی ہو کہ اس ہاسٹل میں کھانا پینا ہماری ذمہ داری نہیں۔ ہم صرف قیام کے پیسے وصول کرتے ہیں۔''

''جی اماں جانتی ہوں۔'' وہ آنکھیں مسلتے ہوئے بولی۔ ''آپ اپنا کھانا تناول فرمائیں۔ فی الحال میں ڈرائے فروٹ پر ہی گزارہ کرلوں گی۔''

''نئی جگہ ہے بہنا۔ میں تمہارے ساتھ چوکیدار کو بھیج دیتی ہوں۔ اپنا ضروری سودا سلف خرید

لاؤ۔ کمرے کو تالا لگا کر رکھنا۔ یہاں چوریاں بہت ہوتی ہیں۔ خاص کر کھانے پینے کا سامان تو کوئی چھوڑتا ہی نہیں۔'' وہ ہمدردی سے بولی۔

''اچھا ہوا آپ نے مجھے بتا دیا ہے۔ ورنہ مجھے تو تالا لگانے کی عادت ہی نہیں۔ نہ اپنے کمرے کو اور نہ ہی اپنی الماری کو تالا لگانے کی ضرورت محسوس کی۔ ہر چیز کھلی اور آزاد تھی۔'' وہ کسمسا کر بولی۔

''بھئی غریبوں اور مسکینوں کو کیا لگے تالوں اور چابیوں سے۔ یہ امیرانہ شغل ہیں۔ اپنی تجوریوں کو بچانے کے چکروں میں تالے لگانا انہیں ہی زیب دیتا ہے۔''

اس نے اپنی جہاندیدہ نگاہوں سے اس کے لباس سے ورتھ کا اندازہ لگا لیا تھا۔

فرشتے جھینپ سی گئی۔ وہ کیا بتاتی کہ امیروں کے پاس دنیا جہاں کی نعمتیں موجود ہوتی ہیں مگر تالے کی عادت نہیں پڑتی کیونکہ لٹ جانے کے باوجود بھی ان کے خزانے بھرے رہتے ہیں۔ یہ عادت تو غریبوں کو گھٹی میں ملی ہے۔'' وہ اندر ہی اندر بڑبڑائی۔

''یہاں تمہیں ہر طرح کی مدد ملے گی۔ بس مجھے پکار لینا۔ پھر دیکھو کہ ہر کام کے لئے جادو کی چھڑی گھمانے کے تمام گر۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

اس کے چہرے پر نحوست تھی۔ مسکراہٹ ذومعنی اور آنکھوں میں لالچی اور ہوس زدہ چمک تھی۔ فرشتے اچنبھے سے اُسے دیکھنے لگی۔ وہ باہر جا چکی تھی۔ مگر فرشتے سکتے کے عالم میں وہیں کھڑی اُسے جاتے ہوئے دیکھے جا رہی تھی۔ اسے سمجھ نہ پائی تھی کہ وہ کس فطرت کی عورت ہے۔ وہ ایک دم سے سہم گئی۔ یعنی ہر جگہ شیطان اپنے پر پھیلائے کمزور اور بزدل لوگوں کو پناہ دینے کے لئے تیار کھڑا ہے۔ میں کہیں غلط جگہ پر تو نہیں پہنچ گئی۔

وہ بڑبڑاتی ہوئی دروازہ لاک کر کے بستر پر بیٹھ کر سوچنے لگی۔ اسی کیفیت میں دوپہر بھی ڈھل چکی تھی۔ پیٹ میں بھوک کے مرغولے اِسے تنگ کرنے لگے تھے۔ اُس نے بیگ سے ڈرائی فروٹ کا شاپر نکالا اور سوچتے ہوئے چبانے لگی۔ پیاس نے آدھ موا سا کیا تو وہ باہر برآمدے میں رکھے ہوئے واٹر کولر سے پانی پینے نکل گئی۔ اب ہاسٹل میں گہما گہمی سے شام ہونے کا اندازہ ہونے لگا تھا۔ سب اپنی نوکریوں اور پڑھائی سے فارغ ہو کر رات گزارنے واپس آ چکی تھیں۔ کچھ نے کچھ پر دھاوا بول دیا تو کچھ اپنے ساتھ ہلکا پھلکا ڈنر لے کر وارد ہوئی تھیں اور چند اپنے بوائے فرینڈز کے ساتھ ڈنر ریسٹورنٹ میں کرنے کے پروگرام بنا رہی تھیں۔ درمیانی عمر کی مالکہ جس کا نام زینت تھا وارڈن اس کے لئے کھانا پکا رہی تھی۔ فرشتے نے گیٹ سے باہر کھڑے ہو کر اردگرد کا جائزہ لیا کیونکہ شام ڈھلے جب وہ ہاسٹل میں پہنچی تھی تو باہر کے تمام مناظر پر اُس نے توجہ بھی نہیں دی تھی۔ دوسری وجہ مناظر پہ تاریکی کا دھندلا سا غلبہ بھی تھا۔

گیٹ سے چند گز کے فاصلے پر گلی کے کونے پر چھابڑی والا فروٹ سبزی اور ڈبل روٹی انڈوں کے ساتھ ملک پیک بھی رکھے ہوئے اپنی روزی کما رہا تھا۔ اس نے دِل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ اُسے اپنے کھانے کے لئے دور جانا نہیں پڑا۔ کمرے میں واپس آ کر اُس نے خود کو کالے گاؤن اور حجاب میں چھپایا اور پرس اُٹھا کر باہر نکل گئی۔ اپنی ضرورت کا سامان خرید کر جب وہ کمرے میں پہنچی تو یہ دیکھ کر دنگ رہ گئی کہ اس کے دونوں بیگز سے کپڑے ننگے فرش پر بکھرے ہوئے تھے اور ڈرائی فروٹ کا شاپر سرے سے غائب تھا۔

اس کی خبر تو صرف وارڈن تارا کو تھی تو کیا وہ؟؟

اس سے آگے سوچنا اسے بے کل سا کر گیا تھا۔ آج اسے پلوشہ کی ہر پیش گوئی میں سچائی نظر آ رہی تھی۔ تینوں نے یہاں کے معاشرے کی تمام برائیوں اور خامیوں کو اس سے پہلے ہی بھانپ لیا تھا' کیونکہ اس کے قدم گھر سے باہر نہ نکلے تھے جبکہ تینوں نے پیٹ بھرنے کے لئے نوکریاں کی تھیں۔ گرم سرد ماحول کا سامنا کیا تھا۔ نشیب وفراز کے تمام تماشے انہوں نے کم عمری میں ہی دیکھ لئے تھے لیکن پھر بھی اس نے اس اندھیر نگری کو اپنا مسکن بنانا جائز نہ سمجھا تھا۔ بہنیں زمانے کے سامنے ہار گئی تھیں اور ان پر تمام راہیں خاردار اور دنیا محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ اُف تم سب اتنی بزدل اور ڈرپوک نکلیں ان شاء اللہ میں تم لوگوں کو اس ظالم دنیا سے مقابلہ کر کے اپنی جبلت کے مطابق ڈھال کر دکھاؤں گی۔ پھر میرا اگلا مشن تم تینوں کو واپس لانے کا ہوگا۔ اپنی بانہوں میں سمیٹ کر تم لوگوں کو پوتر بنا دوں گی۔ ہم قصوروار نہیں ہیں پلوشہ تم درست کہا کرتی تھی۔ مگر تم نکلی بہت کم ہمت اور کم حوصلہ ذرا صابر وشاکر ہو کر تو دیکھتی۔ وہ وہیں کھڑی تار پور بنتی ان کی یادوں کی شدت میں روتی چلی گئی۔

❖ ❖ ❖

آج موسم بھی بے حد حسین تھا۔ سردی آخری سسکی لے رہی تھی۔ بہار کی آمد آمد تھی۔ چار سو موسمی پھولوں کا راج تھا۔ ٹنڈ منڈ درختوں نے نیا پیراہن اوڑھ کر ماحول کی خوبصورتی میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ پلوشہ نے عظیم خان کی فرمائش پر اس کی پسند کا ڈریس پہن رکھا تھا۔ پنک اور لائٹ گرین کی کمبی نیشن میں وہ بہار کا نوخیزہ پھول ہی تو لگ رہی تھی۔ اُس نے خود کو آئینے میں ستائشی نظروں سے اپنا جائزہ لیا اور شعر اس کے لبوں کو چھونے لگے۔ محفلوں میں اشعار سنانے کا طرز بیاں تو کوئی ان بہنوں سے سیکھے۔ حسین لبوں پر مچلتے ہوئے اردو کے اشعار جن میں تڑکہ پشتو دری اور فارسی کا ہوتا تھا۔ بہت سجتے تھے۔

بسنت بہار کی نرم ہنسی
آنگن میں چھلکی
بھیگ گئی میری ساری
پھر پروا کی شوخی
کیسے اپنا آپ سنبھالوں
آنچل سے تن ڈھانپوں......تو
زلفیں کھل جائیں
زلف سمیٹوں
تن چھلکے گا

آج پلوشہ عظیم خان کے فارم ہاؤس اس کے دوستوں اور ان کی نئی نویلی بیگمات کے ساتھ شام گزارنے کے لئے یکسوئی کے ساتھ تیار ہوئی تھی کیونکہ آج ڈنر کے بعد عظیم خان با قاعدہ اور باضابطہ طور پر سب کے سامنے اعتراف محبت کا اعلان کر کے شادی کی ڈیٹ دوستوں کے مشورے سے طے کرنا چاہتا تھا۔ اس پارٹی کا مقصد یہی تھا۔ اس فنکشن میں اس کے خاندان کے ایک فرد کی بھی

شمولیت نہیں تھی کیونکہ ایسے بے جوڑ اور نامناسب رشتوں میں اپنا خالص اور کھرا نکھرا اجلا خون گرمائش وحدت سے کوسوں دور ہوتا ہے۔ اس لئے ایسے غیر موزوں اور بے ثبات فیصلے اپنوں سے چوری چھپے دوستوں کی موجودگی میں ہی کیئے جاتے ہیں۔

پلوشہ کا پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہا تھا۔ وہ عظیم خان کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے ہواؤں میں اڑے جا رہی تھی۔ خوابوں کی دنیا کی باسی بنے ہارن کی آواز پر اپنی سوچوں سے باہر نکلی اور اپنے بالوں کو پھر سے برش سے درست کرتی ہوئی خود کو آئینے میں ہر زاویے سے دیکھتی ہوئی چار انچ ہیل کی سینڈل پہن کر کمرے میں گھوم گئی اور لہکتی ہوئی پرس اٹھا کر باہر نکل گئی۔ پورچ میں مرسیڈیز کھڑی دیکھ کر اپنے نصیب پر نازاں ہوتی آگے بڑھی۔ سفید نکھری اجلی وردی میں ملبوس شوفر نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور وہ شان بے نیازی سے ایک مالکن کے تصور سے نہال ہوتی اس میں بیٹھ گئی۔ گاڑی فارم ہاؤس کی جانب جا رہی تھی۔ وقت تھا کہ کٹنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

آج زرمین بھی اپنے باس کے ساتھ ڈنر کے لئے جا چکی تھی۔ اُس نے کبھی شادی کا تصور بھی نہ کیا تھا۔ ایسا سوچنا اسے حماقت لگا کرتا تھا۔ وہ پلوشہ کو بھی محتاط رہنے کی تلقین کیا کرتی تھی، مگر وہ تو عظیم خان پر اعتماد اور بھروسے کے رشتے کو اتنا مستحکم اور پائیدار بنا چکی تھی کہ زرمین کی ہر بات کو نظر انداز کر کے اسے جھوٹی کا خطاب دے کر قہقہہ لگا اٹھتی اور گفتگو کا اختتام اس نصیحت پر ہوتا کہ وہ بھی باس سے شادی کی ڈیمانڈ اس کے سامنے پیش تو کر کے دیکھے۔ ہو سکتا ہے کامیابی ہو جائے کیونکہ باعزت رتبہ مالکن کا ہی ہوتا ہے۔ رکھیل کا ہرگز نہیں۔ وہ جونہی فارم ہاؤس کے سامنے مین گیٹ پر پہنچی تو حیرت سے اس کی آنکھیں کی کھلی رہ گئیں۔ وہاں کسی پارٹی کا دور دور تک نام ونشان نہ تھا۔ گن مین نے گیٹ کھولا اور گاڑی پورچ میں جا رکی۔ وہاں چھ گاڑیاں کھڑی دیکھ کر اس کی حیرت میں اور اضافہ ہو گیا۔ عظیم نے تو کہا تھا کہ وہ اپنے سینکڑوں دوستوں کو اس فنکشن میں بلا رہا ہے۔ اُس نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا۔ مبالغہ آرائی سے کام لینے کا جواز کیا تھا۔ وہ سوچ ہی رہی تھی کہ عظیم کا دوست احمد یار سامنے سے آتا ہوا نظر آیا۔ وہ مزید حق دق اُسے دیکھنے لگی۔ اُس نے نہایت اپنائیت سے دروازہ کھولا اور اسے باہر نکالنے کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا۔ جسے پلوشہ نے نظر انداز کرتے ہوئے گاڑی سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

''خیریت تو ہے عظیم کہاں ہیں؟''

''وہ تھوڑی دیر میں پہنچنے والا ہے۔ منسٹر صاحب نے اُسے کسی کام کے لئے روک لیا ہے۔ اُس نے موبائل پر وقت دیکھا۔ بس آتا ہی ہوگا۔ یہ منسٹروں کی اولادوں کا بھی کوئی حال نہیں۔ دایاں دکھا کر بائیں سے کام کر جاتے ہیں۔ بس آپ کا پالا ایسے ہی خاندان کے لاڈلے سے پڑا ہے لُطف لگے۔'' وہ مسکراتے ہوئے اسے ڈرائنگ روم میں لے آیا۔ اس نے جونہی اندر قدم رکھا۔ اسے

خطرے کی بو نے مضطرب سا کر دیا۔ وہاں اس کے دس دوست ڈرنک کرنے میں مصروف تھے۔ اسے دیکھ کر فوراً کھڑے ہو گئے۔ ان کی آنکھوں میں ہوس کی منحوس سی چمک اور لبوں پر بیہودہ مسکراہٹ دیکھ کر وہ باہر کو لپکی' مگر احمد یار نے سرعت سے دروازہ لاک کر دیا اور وہ بے بس و لاچار وہیں صوفے پر اوندھے منہ گر کر چیخنے لگی۔ سب کچھ لٹ جانے کا کرب اُسے شب و روز بے چین رکھتا اور وہ مہینہ بھر کے لئے بستر سے نہ اٹھ سکی۔ زرمین اُسے اٹھتے بیٹھتے سمجھایا کرتی۔ ریشم گھنٹوں معصومانہ سے لیکچر سے اس کا دل بہلانے کی کوشش کرتی۔ مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوتا۔ اُسے عظیم خان سے ایسی توقع ہرگز نہ تھی۔ وہ تو اس سے بے پناہ پیار کرتا تھا۔ پھر یہ سب کیسے اور کیوں ہو گیا؟ اس نے اس سانحے کے بعد اس سے رابطہ بھی نہ کیا تھا۔

آخر وہ اپنی حیثیت کو پہچانتے ہوئے بستر سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ ایک مرد کی بے وفائی اور زیادتی پر اپنی زندگی تج دینا کونسی عقلمندی ہے۔ یہی سوچتی ہوئی اس نے اپنے وجود کے بوجھ کو اٹھایا اور بغیر سہارے کے باتھ روم میں چلی گئی۔ جب وہ باہر نکلی تو پلوشہ سر سے لے کر پاؤں تک بدل چکی تھی۔ کالے رنگ کے کامدانی ڈریس میں اُس کی گوری چٹی رنگت اور نکھر گئی تھی اور چال میں نہ تو لاغر پن تھا' نہ زبان میں نقاہت تھی۔ ہشاش بشاش ہو کر زرمین کے ساتھ پارٹی اٹینڈ کرنے چلی گئی۔ ریشم نے خوشی سے مغلوب ہو کر باہیں اس کے گلے میں ڈال کر اُسے چوم لیا۔

ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب انسان اپنے دکھوں کی اذیت سے نکلنے کے حیلے بہانے تراشنے لگتا ہے۔ پھر گناہ کا روپ بدنما اور بدصورت معلوم نہیں ہوتا۔ اس کی قربت میں بے پناہ فرحت و راحت عود کر آتی ہے اور دکھوں اور غموں کا الاؤ کم ہوتا محسوس ہونے لگتا ہے اور انسان پھر سے زندگی کی جانب گامزن ہونے کو اولیت دیتے ہوئے شیطانیت کی سفاکیت کو فراموش کر بیٹھتا ہے۔ اعلیٰ ارفع بلند ترین خصلتوں پر برائیاں اور خامیاں اپنا مسکن بنانے میں فتح پا جاتی ہیں اور تقدس اور پاکیزگی کا پہناوا جگہ جگہ سے داغدار ہو کر تار تار ہو جاتا ہے۔ معصومیت اور بھولا پن قصور اور گناہ کی صورت میں زمانے کے سامنے نمایاں ہو جاتا ہے اور تمام خوبیوں پر بے حیائی' بے باکی اور بے لحاظی کی چھاپ لگ جاتی ہے۔

اس کی سچائی اور حقیقت کو سمجھنے کی نہ تو کوئی کوشش کرتا ہے' نہ ہی معافی و تلافی کی نوبت آتی ہے۔ آکاش کی مانند بے کنار حدیں اور رات کی تاریکی کی مانند مضطرب و بے قرار لمحے ختم ہونے میں نہیں آتے۔ سرودِ سحر کا نغمہ سننے کو کان ترس جاتے ہیں اور آخر انسان ہار مان جاتا ہے۔ وقت اور حالات کے دھارے کے ساتھ بہتا ہوا حرام' غلاظت اور گناہ پر زعم اور کبر و پندار منجمد ہو کر اسے بے قصور ماننے پر مجبور کر دیتا ہے۔ وہ سر جھکا کے ایسی ہی سوچوں میں الجھی ہوئی تھی۔

✤ ✤ ✤

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی زمین روڈ پر نکل آئی تھی۔ اسے وہیں کھڑے گھنٹہ بیت گیا تھا۔ ہر ٹیکسی اس کے قریب رکتی اور جواب نہ پا کر آگے نکل جاتی۔ دِل میں خوف سرائیت کر گیا تھا۔ کسی ٹیکسی میں بیٹھنے کی ہمت نہ تھی۔ ڈر سے لرز رہی تھی۔ ایکدم سے اُسے ٹیکسی ڈرائیور کا خیال آ گیا۔ اس نے پرس کو بے تابی سے کھولا اور اُس کا نمبر ڈھونڈنے لگی۔ جوں جوں وہ پرس میں ہاتھ مار رہی تھی اضطراری کیفیت بڑھتی جا رہی تھی۔ آخر اس کے ہاتھ کاغذ کا بوسیدہ سا ٹکڑا لگا تو اس نے پرسکون طویل سانس لے کر نمبر پڑھا اور موبائل پر بیلنس دیکھ کر نمبر ملا دیا۔ نجانے چاچا آتا بھی ہے یا نہیں؟ ہو سکتا ہے اُس نے مروتاً ہی آفر کی ہو۔ ایسا ہرگز نہیں پاکستان انہی پاکستانی لوگوں کی وجہ سے بہت اچھا ہے۔ ہمدرد اور پُرخلوص لوگوں کی یہاں کمی نہیں۔ پرکھنے کو عقابی نگاہ چاہئے۔ وہ سوچ میں مکمل طور پر کھوئی ہوئی تھی کہ ٹیکسی اُس کے قریب آ کر رُک گئی۔ شناسا شکل کو دیکھ کر اُس کی زبان سے شکرانے کے کلمات نکلنے لگے تھے۔ چاچا نے پچھلی سمت کا دروازہ کھولا اور اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ پہلے تھوڑا سا گھبرائی' پھر خود کو تسلی دے کر بیٹھ گئی۔ یہ ادھیڑ عمر ڈرائیور کافی بھلے مانس معلوم ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے میرے لئے فرشتہ بن کر نازل ہوا ہو۔ واہ میرے رب تیری بھی شان کا جواب نہیں۔

''کہاں اتاروں؟'' سوال مختصر تھا۔

''کسی بھی سکول کے سامنے۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''نوکری کرو گی یا پڑھائی جاری رکھنے کا ارادہ ہے؟'' وہ سٹیئرنگ گھماتے ہوئے شیشے سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

''نوکری......ضرورت ہے اسی کی۔'' وہ اس کی نظروں سے بچنے کی خاطر ونڈو سے باہر دیکھنے لگی۔ چھٹی حس کی پکار پر دل کی دھڑکن بند ہوتی محسوس ہوئی۔

''نوکری میں کچھ نہیں رکھا۔ اگر تم اجازت دو تو تمہارے بھاڑے کا انتظام کروا دوں۔ یہ دنیا بڑی ظالم ہے۔ کس کس سے بچو گی۔ میرے گھر چلو تمہیں جان اور عزت کا مکمل تحفظ دوں گا۔ میری بیوی کو مرے بہت سال ہو گئے ہیں۔ میں بھی اپنی بہو کا محتاج ہوں۔ تم ساتھ۔''

''چاچا مجھے یہاں ہی اُتار دیجئے۔ میری منزل آ گئی ہے۔'' اُس نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ تو ڈرائیور نے گاڑی روک کر باہر دیکھا۔ وہ اتنی دیر میں سرعت سے باہر نکل کر بھاگنے کے انداز میں اُس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ اُس نے ایک طویل ہوں کر کے سر کو جھٹکا دیا۔

''یہاں وارثوں اور مالکوں کی حسین لڑکیاں چند میٹھے بول کے عوض بک جاتی ہیں تم کہاں تک اپنی قیمت لگانے سے بچو گی۔ کب تلک؟'' اس نے نخوت سے کہا اور چل دیا۔

اُف یہاں تو ہر قدم لٹیرے' ڈاکو' چور اور اُچکے ہڑپ کرنے کو تیار ہیں۔ ایک کی ہو کر رہنے میں ہی میرا فائدہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں لیکن ایسے گنوار کے ساتھ تو ہرگز نہیں۔ چرسی اور افیمی

جی کہیں کا۔ دو ٹکے کا جاہل اور اناڑی ڈرائیور۔ وہ خود کلامی کرتی ہوئی چلی جارہی تھی۔ آج کے بعد ہر چمکتی چیز کو سونا سمجھ کر بھروسہ نہ کر لینا۔ آج کا باہر نکلنا میرے لئے بہت کارآمد اور کارگر ثابت ہوا ہے۔ آج کے درس نے میرے چاروں طبق روشن کر دیئے ہیں۔ کبھی ظاہرانہ شرافت اور میٹھی باتوں پر یقین نہ کرنا۔ میں کیا جانوں کہ دلوں میں کیا چھپا ہے؟

وہ اتھل پتھل سانسوں کے سنگ چلتی جارہی تھی۔ پیاس سے حلق خشک ہو چکا تھا۔ ہلکا سا ناشتہ بھی ہضم ہو چکا تھا۔ اُس نے ایک اچٹتی نظر چاروں سمت دوڑائی۔ سامنے ہی ایک انگلش میڈیم سکول کا بورڈ دیکھ کر شکر ادا کرتی گیٹ تک پہنچ گئی۔ چوکیدار نے اُسے وہیں روک لیا۔

''شناختی کارڈ......'' اُس نے ہاتھ آگے بڑھا کر مختصراً کہا۔

''وہ وہ تو نہیں ہے۔'' فرشتے اضطراری لہجے میں بولی۔

''افغانی ہو۔'' وہ ایکدم سے اس کے لب و لہجے سے پہچان گیا۔ تو وہ پاؤں تک لرز گئی۔ ڈر کے مارے کچھ نہ بولی واپس پلٹ گئی۔ افغانی ہونا اِک غلیظ گالی کی طرح اُس کا پیچھا کر رہی تھی۔ یہ سوچ کر حجاب میں اُس کے رخسار غصے اور افسوس میں آگ کی مانند حدت زدہ اور شعلوں جیسی سرخی سے بھڑک اٹھے تھے۔ ہمت کر کے وہ بھوکی اور پیاسی نوکری کی تلاش میں پیدل چل چل کر نڈھال ہو گئی تھی۔ تھک ہار کر شام ڈھلتے ہی ہاسٹل پہنچ کر بستر پر جو اوندھے منہ گری تو کئی گھنٹے تک ہوش نہ آئی۔

اگلی صبح وہ پھر اپنے مشن کے بارے میں سوچنے لگی۔ ڈبل روٹی کے ایک سلائس پر اس نے جیم لگایا اور ملک پیک کا چھوٹا ڈبہ کھول کر اُس نے اپنے سامنے رکھا اور کھانے کے لئے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ بہنیں اور ان کی کڑوی کسیلی باتیں کانوں میں گونجنے لگیں۔ چھوٹے سے کمرے کی تنہائی کاٹ کھانے کو دوڑنے لگی۔ بے چارگی اور بے بسی کے احساس سے وہ تڑپ اٹھی تھی۔ سچ مچ باہر کی دنیا کتنی سفاک اور بے درد ہے۔ آج پھر نجانے کن کن مشکلات سے گزرنا پڑے۔ یہ تو ہوگا' کیونکہ لاوارثی کا دھبہ تاریک نہیں ہوتا۔ اُس کی چندھیا دینے والی روشنی سب کو اپنی طرف متوجہ کر کے متذبذب میں ڈال دیتی ہے اور ہر ایک اُس روشنی میں پناہ لینے کا خواہاں ہو جاتا ہے۔ اس روشنی کے اردگرد اپنی پاکدامنی اور شرافت کا حصار باندھ کر اس کی روشنی کو بکھرنے سے بچا لینے میں ہی ہماری نسوانی عزت و وقار کی سلامتی ہے۔ پھر یہ آزمائش ایک کھیل تماشے کی طرح ہمارے سر سے گزر جائیں گی۔

افسوس کہ میری معصوم بہنوں نے لاوارثی کا یہ دھبہ اپنی پیشانی پر چسپاں رہنے دیا۔ اسے لوگوں کی نظروں سے اوجھل نہ کر سکیں اور اسی چندھیا دینے والی روشنی نے ان کی عقل و سمجھ کو سلب کر لیا۔ میری ہر نصیحت انہیں فضیحت لگی۔ میرا ہر مشورہ انہیں غیر مناسب لگا۔ میری بہنوں ایک دن میں تم

تینوں کو گناہوں کی اس دلدل سے نکالنے ضرور آؤں گی۔ تم تینوں میں بھی تو اسی خاندان کا باغیرت خون گردش کر رہا ہے۔ وہی سرشت اور وہی اخلاقیات آج بھی ہمدم ہوں گی۔ واپس پلٹ آؤ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے۔ ناسمجھی میں کیے جانے والے گناہوں کو وہ ہنس کر معاف فرما دیتا ہے۔

وہ انہی سوچوں میں مقید باہر نکل گئی اور تیزی سے چلتی ہوئی مین روڈ پر نکل آئی کہ پیچھے سے کسی نے کندھوں پر اپنا بازو رکھا تو اُسے یوں لگا جیسے وہ اُس کے ناقابل برداشت بوجھ سے زمین میں دھنس جائے گی۔ جنبش کی ہمت نہ رہی تھی۔

''میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں۔ مجھے تمہارا ہی انتظار تھا۔'' جانی پہچانی مکروہ سی آواز اس کے کانوں میں سیسہ انڈیل گئی۔

وہ اچھل کر دور کھڑی ہوگئی۔ ''چاچا میری کمزوری اور کم مائیگی کا فائدہ اٹھانے کی کوشش مت کریں۔ میں خود جا بھی سکتی ہوں اور اپنے کام خود کرنے کا حوصلہ بھی رکھتی ہوں۔ آج کے بعد میرے رستے میں آنے کی غلطی کی تو بہت بُرا ہوگا۔'' وہ تاسف بھرے لہجے میں بولے جا رہی تھی۔

''بے شک پاکستان میرا اپنا ملک نہیں ہے۔ کیا پردیسوں کے ساتھ پاکستانی ایسا سلوک روا رکھتے ہیں۔ بڑے افسوس کا مقام ہے چاچا۔ میرے زخموں اور گھاؤ کو مزید کریدنے کی کوشش مت کریں۔ اف اس ذلالت سے بہتر تھا کہ میں وہیں ماں کے ساتھ کسی گولی کا نشانہ بن کر اپنے وطن کی مٹی کے ساتھ مل جاتی۔ میں یہاں درندوں سے پناہ لینے اور مدد لینے کیوں پہنچ گئی۔ چاچا مجھے مجبوراً واپس جانا پڑے گا۔ اگر تم جیسا معتبر اور قابل بھروسہ مرد اتنا گھٹیا اور نیچ ہوسکتا ہے تو پھر یہاں کسی پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔''

ڈرائیور خاموشی سے اپنی ٹیکسی کی طرف بڑھ گیا۔ مارے ندامت اور پچھتاوے کے اُس کے قدم منوں بھاری ہو گئے تھے۔ فرشتے نہ تو چونکی' نہ ہی ڈری۔ خود اعتمادی سے آگے بڑھتی چلی گئی۔ بدبخت بڈھے کھوسٹ تُو کب تک میرے رستے میں آئے گا۔ میں فرشتے ہوں۔ پلوشہ' زرمین اور ریشم نہیں ہوں کہ فوراً پٹری سے اُتر جاؤں گی۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی جا رہی تھی۔ اُس کا دل پُرسکون اور روح مطمئن تھی۔ ثابت قدم رہنا اُس کے مشن کا حصہ جو تھا۔

✣ ❖ ✣

ایک مہینہ یوں ہی سڑکوں کی خاک چھانتے بیت گیا۔ پرس بھی خالی ہونے کو تیار ملا۔ اب جو پریشانی لاحق ہوئی تو وہ بیمار پڑ گئی۔ ساتھ والے کمرے میں زینت رہتی تھی۔ طبعاً شوخ مزاج اور خاصی باتونی خاتون تھی۔ عبادت گزار بھی حد درجے کی۔ اپنی تنہائی سے مقابلہ کرنے کی تگ و دو میں مصروف یہ خاتون جب بلند آواز میں فجر کی نماز کے بعد قرآن کی تلاوت کرتی تو ہاسٹل کی تمام مقیم لڑکیاں نہ چاہتے ہوئے بھی نماز کی ادائیگی کے لئے بیدار ہو جایا کرتی تھیں۔ فرشتے دو دِن سے اپنے

کمرے میں ہی رہ کر اپنی طبیعت کے سنبھلنے کا انتظار کر رہی تھی۔ اپنی آشفتہ ہمت کو بحال کرنے میں کوشاں تھی۔ مگر ناامیدی کا زہر اس کے انگ انگ کی توڑ پھوڑ کرنے میں محو تھا۔ وہ جب تک ذہنی طور پر نارمل نہیں ہو جاتی وہاں سے قدم باہر نہیں نکالے گی۔ جب انسان پر ناامیدی غلبہ پا جاتی ہے تو وہ بہت کمزور پڑ جاتا ہے۔ دوسروں کی ہلکی سی ہمدردی کی کھوج میں خود کو گنوا دیتا ہے۔ اپنی سوچ کو ضائع کر دیتا ہے۔ دوسروں کے تمام مشورے کامیابی کا پیغام سناتے ہوئے قوت ممیزہ پر حاوی ہو جاتے ہیں۔ وہ سوچ جا رہی تھی کہ دروازے پر دستخط ہوئی تو اس نے دروازہ کھول دیا۔ سامنے سفید کپڑوں میں ملبوس آنٹی کو دیکھ کر وہ بوکھلا سی گئی۔ اُسے محسوس ہوا جیسے آسمانی حور اپنی تمام تر پاکیزگی اور تقدس کے ہمراہ اس کی بیمار پرسی کرنے آئی ہو۔

"فرشتے بے حد خوبصورت نام ہے۔" لہجے میں بلا کی لگاوٹ تھی۔ "سنا ہے طبیعت ناساز ہے۔ بیٹا یوں تنہائی میں وقت نہیں کٹے گا۔ ہنسنا بولنا اور دوسروں میں مکس اپ ہونا سیکھو۔"

"جی...... جی...... آنٹی۔" وہ بوکھلاہٹ بھرے لہجے میں بولی۔ کیونکہ وہ ابھی تک اُس کی آمد پر سنبھل نہ پائی تھی۔

"تارا وارڈن بتا رہی تھی کہ تمہیں جاب نہیں مل رہی۔ ان حالات میں اپنا گھر، اپنے لوگ یاد آ رہے ہوں گے۔ ایسے ہی ہے ناں۔" وہ پھر نرماہٹ سے بولی۔ "اپنے خونی رشتے ہوش وحواس سے نکلتے ہی کب ہیں۔ یہ رشتے بڑے ظالم ہوتے ہیں۔ مار ڈالتے ہیں۔"

اس کا سارا خوف وحیرت اس کے نرم وملائم لہجے کو محسوس کرتے ہوئے فوراً رفوچکر ہو گیا۔ اتنی ہمدردی پانے سے آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

"سنا ہے بہت طویل روزے رکھتی ہو کچھ کھاتی پیتی ہو نہ ہی آرام کرتی ہو۔ اسی لئے تو بیمار پڑ گئی ہو۔ بیٹا تم تو اک معصوم فرشتہ ہو۔ روزے رکھ کر اپنے کونسے گناہ بخشوانا چاہتی ہو۔ اپنا خیال نہیں رکھو گی تو یہاں کون ہے تمہارا حال احوال پوچھنے والا۔" وہ اس کے ساتھ بستر پر بیٹھ گئی۔

"صبح سے لے کر شام تک باہر رہتی ہو۔ اکیلی جان ہو۔ اپنی صحت کا دھیان رکھو۔ نوکری کی تلاش میں کسی وبال میں نہ الجھ جانا۔ اپنی ضرورت کی خاطر کہیں کمزور نہ پڑ جانا۔ مجھے تمہاری فکر ستانے لگی ہے۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر فکرمندی سے بولی۔

"بس نوکری کی تلاش ہے آنٹی۔" وہ کرب سے بولی۔ "باقی تو یہاں سب ٹھیک ہی رہا ہے۔ آپ کے زیر سایہ محفوظ ہوں۔ یہ خوش قسمتی ہے میری۔"

"سفارش کے بغیر نوکری ناممکن ہے بیٹا۔" وہ دکھ بھرے لہجے میں بولی۔

"آنٹی میری سفارش تو وہ کرے گا جس نے مجھے تخلیق کیا ہے۔ میرے رزق کی ذمہ داری اُسی نے اٹھا رکھی ہے۔ میری مختصر سی حاجت کو پورا کرنے والا بھی وہی ہے۔ اگر مجھے اس ذات پر بھروسہ

نہ ہوتا تو آج میں آپ کے پاس نہ ہوتی۔ دنیا کے ہنگاموں کی نذر ہو چکی ہوتی۔'' وہ خود اعتمادی سے بولی۔

''یہ سن کر خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری امداد کے لئے منتخب کرلیا ہے۔ یہ تمہاری مستقل مزاجی کا اجر ہے۔ اس میں میرا کمال نہیں۔''

''میری پیاری دوست کا اپنا ذاتی سکول ہے۔ اسے اسلامیات کی ٹیچر چاہئے۔ اگر کہو تو اس سے بات کروں۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''مجھے سوچنے دیجئے۔'' وہ ایکدم سے ڈری سی گئی۔ کیونکہ ہر چمکتی شے سونا نہیں ہوتی۔ یہ مقولہ اس کے آنچل میں بندھا ہوا جو تھا۔

''اپنی حالت غیر کو درست کرو۔ یہ پہلو میں اس کا سکول ہے۔ پیدل بھی بآسانی جا سکتی ہو۔ صبح اس کے آفس میں چلی جاؤ۔ یوں سمجھو کہ کام ہو گیا۔ میری دوست میری بہت عزت کرتی ہے۔ آج تک اس نے میری کسی بات کو رد نہیں کیا۔ ماں بہن کے بعد یہی رشتہ تو غیر مشروط محبتوں کی آڑ میں مستحکم ہوتا چلا جاتا ہے۔'' وہ پرسکون لہجے میں بولی تو اس کے لبوں سے دکھ و کرب سے بھرپور آہ پھسلی اور دل میں ٹوٹتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ چہرے کے رنگ میں بھی اوداہٹ سی چھا گئی۔ اپنی سہیلیاں یاد آنے لگی تھیں۔ مگر خاموش رہی۔ کوئی جواب بن نہ پایا۔

''آؤ میرے ساتھ آج ہم دونوں مل کر کھانا کھائیں گی۔ میں بھی مدت سے اکیلے اور تنہا کھانا زہر مار کرتی آئی ہوں۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ مروتاً انکار نہ کر سکی۔ اُس کے ساتھ خاموشی سے چل پڑی۔ کمرہ خاصا بڑا اور ہر طرح کی آسائشات سے مزین تھا۔ اُس کا اپنا گھر کہاں گیا؟ وہ دل ہی دل میں سوچے جا رہی تھی۔ اس کی اپنی فیملی، اپنے دوست احباب اور عزیز و اقارب کہاں ہیں؟ ہوسٹل میں رہنے کا مقصد کیا ہے؟ وہ اس کے بازوؤں اور ہاتھوں میں ڈائمنڈ کی بریسڈ جیولری کو دیکھے جا رہی تھی۔ اسے تو اس ظاہرانہ حالت میں کسی محل نما گھر میں ہونا چاہئے۔ یہاں غریب و مسکین لڑکیوں کے ساتھ رہائش پذیر کیوں ہے؟ مگر معمہ حل نہ ہو رہا تھا۔ اپنے من میں ابھرنے والے خدشات سے مضطرب ہو کر وہ کمرے سے باہر نکلنے لگی تو آنٹی نے رستہ روک لیا۔

''بٹیا جی بیٹھو جانے کی جلدی کیوں ہے؟ ابھی مل کر ڈنر کرتے ہیں۔ کوئی مووی دیکھتے ہیں۔ تمہارا دل بھی سنبھل جائے گا۔ میں بھی بہتر فیل کروں گی۔ آخر میں بھی تو انسان ہوں۔ اپنی اس تنہائی سے اُکتا جاتی ہوں۔ مگر تمہاری طرح حوصلے پست نہیں ہونے دیتی۔''

''آپ یہاں تنہا کیوں؟'' وہ سہمے ہوئے لہجے میں بولی۔

''بٹیا بچے چاہے دس پیدا کر کے پروان چڑھالو۔ آج کے دور میں پھر بھی تنہائی ماں کے مقدر کی اَن مٹ تحریر ہے۔ سب اپنے اپنے گھونسلوں کو آباد کرنے دور دراز ملکوں کو سدھار گئے۔ اگر اپنے

ہمسفر کا ساتھ سلامت رہتا تو اسی گھر میں ہم دونوں ایک دوسرے کی رفاقت میں نہال ہو رہے ہوتے۔ یہاں اکیلے رہنا بہت محال لگا۔ عورت کی عزت وحرمت بڑھاپے میں بھی اتنی ہی نازک ہوتی ہے جتنی جوانی میں۔ ہوسٹل میں ان عورتوں اور لڑکیوں کی صحبت میں خوش بھی رہتی ہوں اور محفوظ بھی محسوس کرتی ہوں۔ گھر ہی تو ہے۔ تارا بھی بہت مجبور ہے بیچاری۔ اپنے بہن بھائیوں کو پال رہی ہے۔ دن بھر وہ میرے ساتھ ہوتی ہے۔ میرے دکھ درد کی ساتھی ہے۔''

''اس لئے وہ بھی خوش اور میں بھی خوش۔ پھر اپنا کچھ وقت عبادت کو سونپ کر قدرے پرتسکین ہو جاتی ہوں۔ جوانی کا پرائم ٹائم جنہیں تھا وہ ہی دغا دے گئے کیا کریں زمانے کی ریت یہی ہے۔ جب اپنی نئی زندگی کی شروعات ہوتی ہے تو سب بھی اکلاپا میاں دال روٹی کے چکروں میں پھنسا ہوتا ہے۔ باہر کی لڑکیوں میں دلچسپی تھی اور جب قبر منتظر ہوتی ہے پھر بھی اکیلا پن۔ عمر کا درمیانی حصہ ہی خوب تھا۔ ہمت بھی تھی اور گہما گہمی اور رونق بھی عروج پر تھی۔ بچے جو آس پاس تھے۔ انہی میں دل لگا رہتا تھا۔''

آنٹی کے لہجے میں دنیا بھر کا درد سمٹ آیا تھا۔ یہ سب کچھ جانتے ہوئے سوچتے سمجھتے ہوئے بھی ہماری شادی کی تمنا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ اگر ہم اپنے آباؤ اجداد سے سبق سیکھ لیں تو کبھی شادی کے جھنجٹ میں نہ پڑیں۔ دراصل ہم اسی خوش فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہمارے ساتھ ہونا ناممکن ہے۔ آج تمہیں بھی ایسی ہی نادیدہ خوش آئند سوچیں اور سپنے بے تاب کرتے ہوں گے کہ میرا اپنا گھر' اپنا شوہر اور اپنے بچے ہوں' مگر افسوس کہ کچھ بھی اپنا نہیں ہوتا۔ ہم تہی دست ہی رہتی ہیں۔ نہ پا کر پچھتانے سے پا کر پچھتانا لاکھ گنا بہتر ہے۔ مرد کی سکیورٹی بھی تو لازم ہے ہمارے لئے۔ یہی سوچ کر ہم ان دیکھے سمندر میں غوطہ زن ہو جاتی ہیں۔ دل بہلانے کو یہ خیال اچھا ہے۔''

فرشتے مؤدبانہ انداز میں آنٹی کی حقیقت سے بہت قریب باتیں سن رہی تھی۔ اُن باتوں میں ایک عمر بیت جانے کا تجربہ اور مشاہدہ پنہاں تھا۔ اسے آنٹی بہت کھری اور سچی معلوم ہوئی تھی۔ نیک طینت اور پرہیزگار۔

''بٹیا آج بہت مہینوں بعد تم سے اتنی کھل کر باتیں کی ہیں کہ دل و دماغ پر جمی ہوئی دھول دُھل گئی ہے۔ انسان تنہا رہنے کے لئے نہیں بنایا گیا۔ ہمارے مذہب میں تو پانچ وقت کی ملاقات مرد کے لئے بہت ضروری قرار دی گئی ہے۔ اس کے پیچھے بہت بڑا فلسفہ ہے۔''

وہ اسے پیار سے دیکھ کر بولی۔ ''آج کے بعد تم عشاء کی نماز میرے ساتھ ادا کیا کرو گی اور اس کے بعد ماں بیٹی مل کر کھانا کھائیں گی۔ ٹھیک ہے ناں۔''

''جی میں بھلا انکار کیسے کر سکتی ہوں۔ آپ کے خلوص میں پیورٹی ہے۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو۔'' اس نے خود سے سرگوشی کی۔

''کیوں بٹیا؟ کیا اعتراض ہے اس آفر پر۔'' وہ حیرت سے بولی۔

''دِل ڈرتا ہے آنٹی جب بھروسہ اور اعتماد ٹوٹتا ہے تو جسم کا رواں رواں زخمی ہو جاتا ہے۔'' وہ عالم تذبذب میں بولی۔

''بات تو تم نے پتے کی کی ہے۔ محتاط رہنا اور پھونک پھونک کر قدم اُٹھانا یہ عمل ذلتوں اور رسوائیوں سے بچالیتا ہے۔'' وہ ملائمت سے بولی۔

''آنٹی کل سے میں اپنا کھانا لے کر آپ کے پاس پہنچ جاؤں گی۔ مل کر کھانا کھانے میں مزا ہی اور ہے۔ زیادہ کھانے کے باوجود بھی اس میں کمی نہیں آتی' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بھی ہمارے ساتھ شامل ہوتا ہے۔ برکت اور بڑھاوت تو ہوگی ناں۔''

وہ قدرے خوش ہو کر بولی تو آنٹی نے اثبات میں سر ہلا کر اُسے غور سے دیکھا اور سوچا۔

خاندانی لڑکی معلوم ہوتی ہے۔ غیرت منداور خوددار۔

''جیسے تم راضی اور خوش۔'' آنٹی نے مسکرا کر کہا۔

''میں چلتی ہوں تم آرام کرو۔ اپنی بگڑی ہوئی طبیعت کو سنبھالو۔ صبح تک فٹ ہونا بہت ضروری ہے۔ انٹرویو کے لئے جانا ہے تو پھر طبیعت میں ناسازی اور بوجھل پن کا ہے کو۔ خوش اور مطمئن ہو کر گھوڑے بیچ کر سو جاؤ۔ نوکری تمہارا انتظار کر رہی ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے دوست کا نمبر ملانے لگی۔

ایک گھنٹے کی بامعنی گفتگو کے بعد فرشتے قلابیں بھرتی خوشی خوشی اپنے کمرے میں آ گئی۔ آنٹی کے کمرے کی نسبت اس کے کمرے میں خاصی گرمی تھی۔ وہ ایک دم سے پسینے میں نہا گئی۔ اُس نے اپنا بوسیدہ اور تار تار ہوتا تولیہ اٹھایا اور بالشت بھر کے باتھ روم میں چلی گئی۔ کافی دیر تک سر پر پانی کے مگ بھر بھر کر ڈالتی رہی۔ طبیعت میں قدرے تبدیلی آ گئی۔ ایک تو قلب و ذہن بھی تناؤ سے نکل آئے تھے۔ امید و بیم کی سوچوں میں اس کا لیول کافی ہائی ہو چکا تھا۔ اُس نے بیگ سے صاف کپڑے نکالے اور جز مرحالت میں پہن کر لمبے براؤن بالوں کو برش کیا اور دہی کا ڈبہ کھول کر ڈبل روٹی کے سوکھے ٹکڑے کے ساتھ کھانے لگی۔ یہ اس کا ڈنر تھا۔ خوب سیر ہو کر پانی پیا اور صبح کے لئے کپڑے نکالنے لگی۔ ایک بھی جوڑا ڈھنگ کا نہیں تھا۔ چپل بھی داغ مفارقت دینے کو تیار تھی۔ وہ کھڑی انہی سوچوں میں گم تھی کہ آنٹی نے دستک دی اور اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر اندر آ گئی۔ اُس کے ہاتھ میں استری اور ہینگر پر لٹکا ہوا سفید رنگ کا کڑھائی شدہ سوٹ تھا۔

''بٹیا! یہ سوٹ میرے ناپ کا نہیں۔ تبدیل کرنے کا وقت ہی نہ ملا۔ تم اسے خرید لو۔ صبح انٹرویو کے لئے پہن جانا۔ جب تنخواہ ملی تو مجھے اس کی قیمت ادا کر دینا۔'' وہ نارمل لہجے میں بول رہی تھی کہ کہیں وہ اس کی اس پیشکش کو ٹھکرا نہ دے۔ وہ خاموشی سے آنٹی کو دیکھنے لگی۔

''سودا ٹھیک ہے ناں۔ تمہیں کل کے انٹرویو کے لئے اچھے کپڑے چاہئے۔ جوتی اور پرس بھی

میرے پاس بے شمار ہیں۔ نہ میرا باہر جانا ہوتا ہے نہ ہی وہ کبھی استعمال میں آئے ہیں۔ وہ بھی تم ہی خرید لو۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"آنٹی میں کیا کچھ خریدوں گی آپ سے۔" وہ حیرت وتجسس میں بولی۔

"میری ایسی حیثیت کہاں؟ اتنی مہنگی چیزیں خریدنے کی۔ کم مائیگی کا احساس خود اعتمادی کو نگل کر مجھے کہیں کا نہ چھوڑے گا۔ آنٹی پلیز سب کچھ رہنے دیں۔"

"بھئی نوکری پر کھڑی ہونے والی ہو۔ پھر ادھار میں تو کوئی برائی نہیں اور نہ ہی میں اس مقولے پر یقین رکھتی ہوں کہ ادھار محبت کی قینچی ہے۔ یہ تمام پرانے وقتوں کی کہاوتیں اور قصے ہیں۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"اس لئے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ان شاء اللہ کل جناح سپر سے شاپنگ کریں گے۔ آخر تمہیں چند جوڑوں کی اشد ضرورت تو ہے ناں۔ فکر نہ کرو ایک ایک پائی وصول کرلوں گی تم سے۔ تم مفلس یا محتاج ہرگز نہیں ہو خوددار لوگ بہت امیر ہوتے ہیں جانتی ہو ناں۔"

"ٹھیک ہے آنٹی۔ آپ نے تو مجھے احسان مند کرلیا اور اُدھار میں خرید بھی لیا اور مجھے آنکھ ملا کر بات کرنے کی قوت سے محروم بھی کرلیا۔ دادی گل کہا کرتی تھیں کہ جب کسی کے قرض دار ہو جائیں تو لاکھوں کے پرافٹ پر قرض کی واپسی کے باوجود دوسروں کی نظروں میں باعزت نہیں ہو سکتے۔" وہ قدرے سنجیدگی سے بولی۔

"بٹیا! تمہارے اندر بے حد خوبصورت اور شریف النفس عورت چھپی ہوئی ہے۔ بزرگوں کی باتوں میں دور اندیشی کو میں بھی مانتی ہوں۔ مگر حالات کا تو دخل ہوتا ہے۔ کیا کروں' افسوس کہ دنیا ظاہرانہ شخصیت پر مرتی ہے۔ کل تم اچھے کپڑے اور میچنگ جوتے اور پرس کے ساتھ جس سکول میں انٹرویو کے لئے جاؤ گی کامیاب لوٹو گی۔ بیٹے میں نے ان عمر رسیدہ آنکھوں سے دنیا کے نشیب وفراز دیکھے ہیں۔ نیکوکاروں کی حیثیت واہمیت کو تنکے سے بھی کمتر اور شرابی وزانی لوگوں کو تخت وتاج پر براجمان دیکھا ہے۔ غرباء کی خوبیوں کو خامیوں میں اور امراء کی برائیوں پر اچھائیوں کو نقش ہوتے دیکھا ہے۔ یہاں انسان کی نہیں اس کے اسٹیٹس سے اس کی قیمت لگائی جاتی ہے۔ جیسے تحفہ دینے والے کی حیثیت اور الفت کا اندازہ تحفے کی قیمت سے لگایا جاتا ہے۔ جنیا اسی کا نام ہے۔"

اس کے انداز بیان میں دکھ وکرب نمایاں تھا۔ وہ کپڑے وہاں رکھ کر باہر نکل گئی اور فرشتے اس کی نیت کو پھر سے شک کی نظر سے دیکھنے لگی کہ یکدم وہ مجھ پر اتنی مہربان کیوں ہوگئی ہے؟ اس کا اور میرا آپس میں نہ کوئی رشتہ وتعلق ہے نہ ہی کسی قسم کی دنیاداری' رکھ رکھاؤ اور گپ شپ ہے پھر اسے یکدم مجھ سے اتنا پیار' اتنی توجہ اور ہمدردی کیسے ہوگئی؟ جبکہ میں یہاں ایک مہینے سے رہ رہی ہوں۔ کبھی مجھ سے بات تک نہیں کی۔ اچانک ایسا رویہ' ایسی رحملانہ باتیں کیوں؟ لگتا ہے میرے

بارے میں پوری مخبری کی ہے محترمہ نے اور تارا اس معاملے میں پوری طرح سے شامل ہے۔ ورنہ وہ کیا جانے کہ میں پیسے کی کمی کی وجہ سے کھانا پیٹ بھر کر نہیں کھا سکتی۔ سانس کے تسلسل کے لئے چند نوالوں پر اکتفا کرنا میری مجبوری ہے۔ یہ وارڈن کے ہی لچھن ہیں۔ ہر ایک کے معاملات میں دخل اندازی کرنا اور یہاں کی بات وہاں اور وہاں کا ہر مسئلہ یہاں مزے لے لے کر بیان کرنا۔ یہ اُسی کا کام ہے۔ وہ کپڑوں کو دیکھ کر سوچ جا رہی تھی کہ آنٹی کے ہمدردانہ چنگل سے چھٹکارا کیسے حاصل کرے۔ میٹھے زہر کی مار تو بہت جان لیوا ہوتی ہے۔ اس کے اثرات کا علم مرتے دم تک صیغہ راز میں رہتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ میٹھے پن اور احسانات کے دباؤ میں مجبور و لاچار ہو جاؤں۔ بہنوں نے جو رستہ اپنی پسند و مرضی سے آسائشات زیبائش کے لئے چنا تھا کہیں مجھے زبردستی اور زور آوری سے اس پر نہ ڈال دیا جائے۔

وہ یہ سوچ کر لرز گئی تھی۔ وہ کتنی ہی مضبوط چٹان سہی، تھی تو تنہا، بے آسرا اور لاوارث۔ جنگل میں کسی کونے میں تنہا کھڑا تناور درخت میں زیادہ دیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اکلاپے کے خوف اور ڈر سے سوکھ جاتا ہے۔ اُسے بھی اپنے لئے چھوٹے بڑے درختوں کے جھتے کی ضرورت ہے۔ یہ تو نازک انہدام معصوم سی بچی تھی۔ کانچ سے نازک، ڈری سہی ہوئی تن تنہا، جس کی پیشانی پر افغانی لڑکی ہونے کا لیبل بھی چسپاں تھا۔

جب سے اس نے گھر سے باہر قدم نکالا تھا نت نئے تجربات سے اُس کے دل میں شکوک و شبہات کا مربوط تسلسل بڑھتا جا رہا تھا۔

✣ ❖ ✣

آسمان پر بدلیاں سیر کر رہی تھیں۔ بارش برسنے کی موہوم سی امید میں فرشتے نے بیگ سے ایک گھسا پٹا جوڑا نکالا اور استری کرنے لگی۔ گاؤن کالے رنگ کی وجہ سے اس کی سفید پوشی کا بھرم رکھنے کے لئے کافی تھا۔ اس نے رات میں اسے چار بار دھو کر نیا پن دینے کی ناکام کوشش کی تھی اُسے بھی بڑے لگاؤ سے استری کر کے عزت افزائی بخشی تھی اور چپل کو بھی خوب رگڑ رگڑ کر چمکا لیا تھا۔ تیار ہو کر اس نے خود پر تنقیدی نظر ڈالی۔ کوئی نوکری نہیں دے گا تجھے۔ وہ دکھ سے بڑبڑائی۔ اپنی حالت تو دیکھو۔

اسی اثنا میں آنٹی میدے جیسا چمکدار سفید لون کا جوڑا پہنے اس کے کمرے میں موجود تھیں۔ ہاتھوں میں پلاسٹک کی بڑی سی باسکٹ پکڑے ہوئے اس کے قریب آ کر نہایت دھیمے اور شیرینی سے لبریز لہجے میں بولی۔

''اس میں تمہاری ضرورت کا تمام سامان موجود ہے۔'' اس نے حسب عادت سرگوشی کے انداز میں بولتے ہوئے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ حالانکہ اس کے لہجے میں بناوٹ کی رمق تک نہ تھی۔ مگر

فرشتے گھبراہٹ سے لرزنے لگی تھی۔ گرمی کی شدت میں عرق اضطراری پیشانی پر قطروں کی صورت میں ابھرنے لگا تھا۔ کیا بات ہے بٹیا؟ تم نے نئے کپڑے نہیں پہنے۔ وہ حیرت سے دیکھ کر بولی۔

''مجھے آپ سے کچھ نہیں چاہئے آنٹی۔ مجھے آپ سے چیزیں لیتے ہوئے سبکی محسوس ہو رہی ہے۔ آنٹی پلیز مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجئے۔ مجھے اپنے ساتھ رہنے دیجئے۔ میں جیسی بھی ہوں مجھے اسی پر فخر ہے کیونکہ میں ہوں تو شاہ عبدالعزیز کی بیٹی۔ مجھے ان کے نام کو بلند و بالا اور زندہ و جاوید رکھنا ہے۔ بخشش اور صدقے میں وصول شدہ اشیاء خاندانی کروفر و وقار اور نسوانی عزت نفس پر اَن مٹ دھبہ ہوتی ہیں آنٹی۔ مجھے اپنے دن پھرنے کی امید ہے۔ مجھے آپ کے عطا کردہ تحفے سکون اور خوشی نہیں دے سکتے۔ خوشی تو باطن کی پاکیزگی اور سچائی سے ملتی ہے۔ آنٹی میں ان کو خیرباد نہیں کہنا چاہتی۔ پلیز آنٹی برا نہیں منایئے گا۔ مجھے آپ کے کسرن کی قدر ہے۔'' وہ سنجیدگی اور سنگین لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''بٹیا! در پر آئی ہوئی دولت کو دھتکارنے والے لوگ بہت بدنصیب ہوا کرتے ہیں۔ زندگی میں ایک لمحہ ایسا ضرور آتا ہے جب اُس لمحے میں اپنا ٹھکانہ آکاش کی رفعتوں میں بنانے کا فیصلہ کرنا ہے یا دھرتی کی پستیوں میں مٹی کا حقیر سا ذرہ بن کر قدموں کی دھول بن جانا ہے۔ ایسا ہی ایک لمحہ میری زندگی میں بھی آیا تھا۔ میں نے اُسے کھو دیا تھا۔ گنوانے کے بعد جب میں نے حقیقی اور سچی کھری دنیا میں قدم رکھا تو سچ مچ میں بے وقعت و بے حیثیت ہو کر اپنی ذات کی محرومیوں میں تحلیل ہو گئی تھی۔ اک لاچار اور مفلس مرد کی چاہت میں شان و شوکت کو تج کر ڈالا تھا۔ بچے بالکل کمسن ہی تھے جب شوہر بھی ساتھ چھوڑ گیا۔ محنت مزدوری کر کے بچوں کو پروان چڑھایا تو وہ بھی اپنے روزگار کی خاطر مجھے اکیلا ہی چھوڑ کر دبئی چلے گئے۔ خدا کا شکر ہے کہ میں نے اپنے گھر کو ہوسٹل میں بدل لیا۔ آج عیش کر رہی ہوں۔ مگر بچوں نے کبھی پلٹ کر دیکھا تک نہیں کہ ماں زندہ ہے یا مر گئی ہے۔ بٹیا اولاد بھی دولت مند والدین کی قدر دانی کرتی ہے۔ وہ دس جوتے لگا کر ایک کا شمار کریں پھر بھی منظور ہوتا ہے۔ آج تک ایسے گھرانوں میں ساس بہو اور ماں بیٹے میں کبھی چپقلش سنی ہے یہ لعنت ہم پر لاگو آتی ہے۔ بٹیا ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ تم اپنی ضروریات زندگی کے سنگ ایجادات پر غور و خوض کرو۔ میری جان مسئلہ حل ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔''

وہ اپنی ادھوری دکھ بھری داستان سنا کر ذومعنی لہجے میں بولی تو فرشتے کو اس پر بہت ترس آیا کہ بظاہر زینت آنٹی بہت خوش دل، خوش گفتار اور بے فکری سی معلوم ہوتی ہیں مگر باطن میں تو دکھ و درد ہی چھپے ہیں۔ فرشتے خاموشی سے باہر نکل گئی۔ آنٹی بھی بوجھل قدموں سے اپنی تمام چیزیں اٹھا کر اپنے کمرے میں آ کر قرآن کی تلاوت کرنے لگی۔ وارڈن نے چائے دانی اور پیالی ٹرے میں رکھ کر اس کے سامنے ٹیبل پر رکھ دی اور قریب ہی بیٹھ کر ابلا ہوا انڈا چھیلنے لگی۔

''فرشتے صبح سویرے کہاں نکل گئی۔ کل تک تو کمر توڑے بستر پر اوندھے منہ لیٹی تھی۔ بڑی عجیب لڑکی ہے۔ کیا مجال کسی سے بات کر جائے۔ اپنے آپ کو بہت سمجھتی ہے۔ چٹی چمڑی کا مان ہے سارا۔'' وارڈن نے آہستگی سے کہا۔

''جو بھی ہے کمال کی ہے۔ اپنا بیٹا قریب ہوتا' اگر میرا اس پر اختیار ہوتا تو اسے اپنی بہو بنا لیتی۔ ایسی بچیاں ہی تو اپنے پاؤں کے ساتھ غریب سسرال میں رزق لے کر وارد ہوتی ہیں۔ بہت نیک اور دانشمند بچی ہے۔ جب میری عمر کو پہنچے گی تو چلتا پھرتا انسائیکلو پیڈیا ہو گی۔'' وہ محبت سے بھرپور لہجے میں بولی۔

''میڈم اس کی چالبازی اور مکاری آپ پر بھی کام کر گئی۔ وہ ایسی ہرگز نہیں جیسا آپ نے اسے اپنے ذہن میں تراش لیا ہے۔ ایسی بکاؤ لڑکیاں قدم قدم پر مل رہی ہیں۔'' وہ حقارت سے بولی۔

''اسے کسی اور کے پہلو کی رونق بنانے کا سوچیں۔ نیکی کے کام میں دیری نہیں ہونی چاہئے۔ اسے اس وقت سہارے کی اشد ضرورت بھی ہے نہ ذریعہ معاش ہے' نہ ہی کوئی والی وارث' نہ کوئی گھر' نہ ٹھکانہ۔ کب تک یوں تنہا اپنی زندگی کی گاڑی گھسیٹ سکتی ہے۔ مجھے اس پر ترس بھی آتا ہے اور غصہ بھی کیونکہ کم بخت بہت خفیہ ہے ورنہ اس حسن کے ساتھ محض مسکراہٹ سے ہی ہزاروں کام نکل آتے ہیں۔ یہ آج تک ایک معمولی سی نوکری بھی حاصل نہ کر سکی۔ حالانکہ افغانی حسیناؤں کو تو کسی قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا نہیں پڑتا۔ ان کی ریپوٹیشن ان کے برقعے حجاب سے بھی چھلک چھلک کر باہر نکل رہی ہوتی ہے۔'' وہ ناک منہ چڑھا کر بولی۔

''تارا! جیسے پانچوں انگلیاں ایک جیسی نہیں ہوتیں اسی طرح انسانوں میں بھی سب ایک دوسرے سے مختلف کوئی چھوٹے کوئی بڑے۔ کوئی حسین کوئی بدصورت' کوئی امیر تو کوئی غریب' کہیں شریف تو کہیں بدکار۔ اس فانی دنیا کو اوپر والے نے انسانوں' چرند پرند اور جانوروں کی بے حساب ورائٹی سونپ کر اپنی ذات کے ہونے کی نشاندہی کی ہے۔ یہ سبھی اُس کی شان و جلال کے روپ ہیں۔'' آنٹی نے سنجیدگی سے کہا اور انڈا کھانے لگی۔

''میڈم آپ کتنی سمجھ دار اور دانشمند ہیں۔ آپ کی اولاد کتنی بدنصیب ہے جنہوں نے آپ کے سائے میں رہنے کو گناہ تصور کیا۔'' وارڈن نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔

''یہ ان کی مجبوری تھی۔ انہوں نے جو بھی فیصلہ کیا وہ ان کے لئے اور میرے لئے درست تھا۔ بس مجھے ان سے صرف ایک شکایت ہے کہ کبھی تو اپنی صورت دکھا جاتے۔ آخر کو ان کی ماں ہوں۔''

اُس کے لہجے میں اتنا کرب تھا کہ وارڈن نے اچنبھے سے اُس کی طرف دیکھا۔ وہ ایسی تو کبھی نہ تھی۔ ہمیشہ مطمئن اور خوش و خرم نظر آیا کرتی تھی۔ دوسروں کے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے کا گر اِسے آتا تھا۔

"تارا جاؤ میرے لئے ٹیکسی منگوالو۔ میں فرشتے کا پیچھا کرنا چاہتی ہوں۔ نجانے کہاں کہاں بھٹک رہی ہوگی۔" زینت نے ہمدردی سے کہا تو وارڈن نے پھر تفتیشی انداز سے اس کی طرف دیکھا۔ "مجھے امید ہے کہ وہ میری سفارش کی نوکری نہیں پکڑے گی۔ کسی اور طرف منہ اٹھائے چل پڑی ہوگی۔"

"ہاں ہاں سچ کہہ رہی ہوں کہیں غلط ہاتھوں میں نہ چلی جائے۔" اسے میں اپنی سپرویژن میں رکھنا چاہتی ہوں۔ قبر کے دھانے پر کھڑی ہوں۔ مرنے سے پہلے کوئی نیک کام ہی کر جاؤں۔" وہ ایکدم سے بیڈ سے اُتر کر جانے کے لئے تیار ہوگئی اور وارڈن منہ میں انگلی دبائے کمرے سے باہر نکل گئی۔ میڈم اتنی جذباتی اور حساس تو کبھی نہ تھیں۔ فرشتے کے ساتھ نجانے کونسی گیم کھیلنے والی ہیں۔ مکھن کبھی سیدھی انگلیوں سے نہ نکلے تو شاید یہ چالاک و ہوشیار عورت کسی دوسرے طریقے پر غور و خوض کرنے لگی ہے۔ بہت شاطر' منافق اور پل بھر میں گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے والی عورت ہے۔

❖ ◆ ❖

مجھے آپ کی مدد کی قطعاً ضرورت نہیں۔ میں اکیلے زندہ رہنے کے تمام اصولوں سے بخوبی واقف ہوں۔ آپ میرا پیچھا چھوڑ دیجئے اور اپنے کام سے مطلب رکھئے۔ بہت بڑا احسان ہوگا مجھ پر۔" فرشتے نے تنفر سے زینت کو دیکھ کر درشتی سے کہا۔ وہ اندر ہی اندر غصے سے سلگ اٹھی تھی۔

"تم نے مجھے بہت غلط تصور کرتے ہوئے میری ایک نہ مانی۔ تم ابھی بہت نادان ہو۔ جذباتیت کو خود پر حاوی کر کے خود سے دشمنی کر رہی ہو۔ مجھے تمہارے مستقبل کا خطرہ ہے۔ میری تشویش جائز ہے کیونکہ میں بھی تو تمہاری ہم نفس ہوں۔ یہ رشتہ ہم دونوں کے درمیان ابدی اور بہت مضبوط ہے۔ اس ناطے ہی مجھ پر بھروسہ کرلو۔ اپنے ذہن سے تمام منفی سوچوں کو نکال کر میرے خلوص اور ہمدردی پر اعتبار تو کر کے دیکھو تمہیں پچھتاوا نہیں ہوگا۔" زینت التجائیہ انداز میں بولی۔

لاچارگی' بے بسی اور تذبذب کی کیفیت میں وہ جھنجھلاسی گئی۔ دل و ذہن اس کی کسی ہمدردانہ بات پر یقین کرنے کو تیار نہ تھے۔ وہ وہیں سڑک کے کنارے کھڑی خود کو سمجھانے لگی۔ زینت کو سراپا انتظار میں دیکھ کر اس کی ڈھٹائی پر ماتم کناں ہونے کو من چاہنے لگا تھا۔ وہ ایک دم سے آگے بڑھی اور ٹیکسی کے کھلے دروازے کو بند کر کے تلخی سے بولی۔ "آپ اپنی خوشی وسکون کی خاطر میرے سکون اور خوشی کو ہڑپ کرنے پر کیوں تلی ہوئی ہیں۔ لگتا ہے مجھے زیر کرنا اور مجھے اپنی ہی نظروں میں گرانا آپ کا مقصد ہے۔ مگر میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گی۔ مجھے کسی کا احسان مند ہونے سے پہلے اپنی خاندانی غیرت کا قتال کرنا پڑے گا۔ جو ممکن نہیں۔"

"یاد رکھو میں سائے کی طرح تمہارے ساتھ رہوں گی۔ تمہاری جان و عزت کی صدق دل سے نگہداشت کروں گی اور تمہاری بہتر اور کامیاب زندگی کے لئے دعا کروں گی۔" اس نے ٹیکسی کا

دروازہ پھر کھول دیا اور تحکمانہ لہجے میں بولی۔

''بیٹھو گی کہ ایک رسید کروں۔ حد درجے کی بدتمیز اور بگڑی ہوئی لڑکی ہو۔ عقل کا فقدان اور دور اندیشی نہ ہونے کے برابر۔''

''آپ مجھ پر زبردستی نہیں کر سکتیں کیونکہ میرا آپ سے نہ کوئی خونی رشتہ ہے' نہ ہی دوستی یا یاری کا تعلق ہے۔ اگر میں اس بھرے چوراہے میں شور مچا کر آپ کو ذلیل و رسوا کر دوں تو کیا لگے گا۔ آنٹی ایک بار پھر میری التجا پر غور کریں۔ میری مجبوری کو سمجھنے کی کوشش کریں۔''

''مجھے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے سے تسکین ملتی ہے۔ مجھے آپ کی ہمدردیوں کی قطعاً ضرورت نہیں تو پھر خدائی فوجدار بن کر اپنی خواہش مجھ پر کیونکر مسلط کر رہی ہیں؟ پلیز مجھے معاف کر دیں۔ میں آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ میرے رستے سے ہٹ جایئے۔'' فرشتے نے سخت ناگواری سے کہا۔

زینت ہلکا سا مسکرا دی۔ وہ اچنبھے سے اسے دیکھتی رہی کہ کتنی ڈھیٹ واقع ہوئی ہیں۔

''سوچ لو آج کا لمحہ' یہ ایک پل' یہ ایک سیکنڈ کتنا اہم ہے تمہارے لئے۔ تم نہیں جانتی۔ آج کے بعد میں پھر کبھی بات کرنا تو در کنار تمہاری شکل تک نہ دیکھوں گی۔ تم میری بیٹیوں کے برابر ہو۔ خود کو بہت توپ چیز سمجھتی ہو۔ اس زمانے کے ہاتھوں اپنے جسم کے دن میں سینکڑوں ٹکڑے کروا کر زندہ رہنا چاہتی ہو تو میری آنکھوں سے دور ہو جاؤ۔ سچ سچ تم کسی نیچ خاندان سے تعلق رکھتی ہو جو سڑک پر کھڑی گاہک کے انتظار میں ہو۔'' وہ تنبیہی انداز میں چیخ کر بولی تو فرشتے کے بدن میں جھرجھری کے ساتھ خوفزدگی دوڑ گئی۔ ڈر اور اندیشے ہوش و حواس پر غلبہ پانے لگے۔ غصہ' خفگی اور جذباتی پن جھاگ کی مانند بیٹھ گیا تھا۔ زینت کی باتوں میں بناوٹ نہیں تھی۔ عمل میں ایکٹنگ کی ہلکی سی جھلک بھی نہ تھی۔ وہ ندامت سے سر جھکائے اس کے پہلو میں بیٹھ کر زار و قطار رونے لگی۔

''جب تک حجاب میں ڈرتی سہمتی دوسروں کا سامنا کرو گی لوگوں کے خونخوار اور غیر مہذب رویے اور تاثرات کا سامنا کرتی رہو گی۔ خود اعتمادی سے کام لو۔ تمہاری بات میں مضبوطی ہو' صاف گوئی اور تفاخر ہو۔ میں دیکھتی ہوں کہ تمہاری سنوائی ہوتی ہے یا نہیں۔ بچہ بھی جب بھوک و پیاس میں روتا ہے تو ماں دودھ پلاتی ہے ورنہ تھپکی دے کر اُسے سلائے رکھتی ہے۔ اس لئے تمہیں اپنی بھوک و افلاس مٹانے کے لئے رونے کی نہیں بھروسے اور استحکام کی ضرورت ہے۔'' وہ صاف گوئی سے نصیحت کر رہی تھی کہ ٹیکسی ایک سکول کے سامنے جا رکی۔

''اٹھو اور جاؤ انٹرویو دے کر آؤ میں یہاں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔ غور سے سنو پرنسپل آفس میں تمہاری منتظر ہے۔ پگلی کہیں کی۔ کہیں اِدھر اُدھر غائب نہ ہو جانا۔''

زینت نے اُسے تھپکی دیتے ہوئے کہا تو وہ سرشاری و عاجزی سے اُسے دیکھتی ہوئی ٹیکسی سے

باہر نکل کر طمانیت سے بھرپور قدم اٹھاتی ہوئی گیٹ کی طرف چل دی۔

نجانے اس نے اپنی کم عمری میں کتنے ہی نشیب و فراز دیکھے ہیں کہ اسے کسی پر اعتماد و بھروسہ کرنا گناہ عظیم معلوم ہوتا ہے۔ کم بخت بتاتی بھی تو کچھ نہیں۔ ہر وقت گم سم اپنے ہی فراق میں کھوئی رہتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ اب مجھ پر پورا نہیں تو آدھا یقین تو کرنے ہی لگے گی۔ اس کی سوچ پُراعتماد تھی۔ وہ ٹیکسی میں اس کا انتظار کرنے لگی۔

ایک گھنٹے بعد فرشتے باہر نکلی۔ چہرہ حجاب میں ڈھکا چھپا تھا۔ اس لئے اس کے تاثرات کو پڑھنا زینت کے لئے مشکل ہو گیا تھا' لیکن اس کی چال میں خوداعتمادی کو اس نے بھانپ لیا تھا۔

خمار آلو بادامی آنکھوں میں اِک عجیب سی چمک اور ضوفشانی کو محسوس کر کے اُس نے نہایت اپنائیت سے سوال کیا۔

''کیا رہا......؟''

''تھینک یو آنٹی آپ کی تاحیات احسان مند رہوں گی۔'' وہ پہلے تو ہکلائی اور پھر تذبذب کی کیفیت میں بولی۔ ''آنٹی یقین نہیں آ رہا۔ دل مان کے نہیں دے رہا کہ کل سے میں جاب پر جانے لگوں گی۔''

''اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔ میرے رب نے مجھے تمہارا وسیلہ بنا دیا۔ اب جو بے یقینی اور دل گرفتگی کی باتیں کیں' غیریت دکھائی تو خفا ہو جاؤں گی اور دل کو ایسا پتھر کر لوں گی کہ پھر تمہارے آنسو' آہیں و فریادیں مجھ پر بے اثر ہو کر رہ جائیں گی۔''

''ایسے کبھی نہیں ہوگا آنٹی۔'' شرمساری سے اُس کے منہ سے بمشکل یہ الفاظ نکلے۔

زینت کو ایسے لگا جیسے وہ اسلام آباد کے تمام سیکٹرز کی واحد مالک بن گئی ہو۔ وہ بھرپور تمکنت و طمطراق کے ہمراہ اسے گلے لگا کر چومنے لگی تھی۔

''اب اس بھری دنیا میں اکیلی نہیں ہوں آنٹی۔ اپنی تو ماں میری آنکھوں کے سامنے شہید ہو گئی تھی۔ اُسی کی روح آپ میں سرایت کر گئی ہے۔ اللہ تیری شان نرالی' تیرے رنگ انوکھے میں ہی بدگمان و بے اعتبار نکلی۔''

فرشتے نے متشکر لہجے میں کہا اور بے ساختگی سے زینت کے گلے لگ گئی۔

✤ ◆ ✤

''آنٹی آپ ہوسٹل کے بجائے کہاں جا رہی ہیں؟'' فرشتے کے دل میں پھر سے خدشات نے گھر کر لیا تھا۔ شدت کی گرمی میں بھی اُس پر کپکپی طاری ہو گئی تھی۔

''لنچ کا وقت ہے کسی ریسٹورنٹ کھانے کے لئے چلتے ہیں۔ میں جانتی ہوں افغان قوم گوشت کی بہت شوقین ہے۔ آج تمہیں افغانی تکہ ہی کھلانے کا ارادہ ہے۔ اس کے بعد جناح سپر چلیں

گے۔ اب تمہیں کپڑوں کی بے حد ضرورت ہے۔ یوں سمجھو کہ تمہاری پہلی تنخواہ تو سیدھی میرے پرس کی رونق بنے گی۔'' وہ خوشی سے سرخ ہوتی ہوئی بولی۔ ''فکر نہ کرو سب کام ادھار پر چلے گا۔ ایک پائی نہیں بخشوں گی۔''

''او کے۔'' فرشتے نے منمناتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''شاپنگ میری حیثیت کو مدنظر رکھ کر کیجئے گا۔ ایسا نہ ہو کہ عمر بھر آپ کی قرض دار رہوں۔''

''بھئی اگر ایسا ہی سانحہ پیش آیا تو قرضہ معاف بھی تو ہو سکتا ہے ناں۔ یہاں بڑے مگرمچھوں کے قرضے معاف ہو جاتے ہیں تم تو ننھی سی مچھلی ہو۔''

زینت نے شگفتہ لہجے میں کہا تو وہ استفہامیہ نظروں سے اُسے دیکھنے لگی۔

''اس وقت تمام منفی سوچوں کو ذہن سے دور رکھو۔ اپنے دل کو اندیشوں اور وہموں سے پاک رکھ کر کامیابی کے ان لمحوں سے لطف اندوز ہو جاؤ۔ اب میں تمہارے چہرے پر مایوسی' اداسی اور مردنی نہ دیکھوں۔ مجھ سے وعدہ کرو کہ آئندہ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ تمہیں ہر وقت اداس و مایوس رہنے کی عادت ہو گئی ہے۔ آج سے اسے بھی الوداع کہہ دو۔''

زینت نے سنجیدگی سے کہا تو وہ بے دم سی ہو کر باہر دیکھنے لگی۔

اتنی مہربانیاں اور عنایتیں مجھ ناچیز پر کیوں؟ دل میں پھر سے شور و شرابا برپا ہو چکا تھا۔ آنسو پھر سے آنکھوں سے اُبل کر اس کے رخساروں کو بھگونے لگے تھے۔ وہ ایکدم سے ہنس دی۔ وہ کیسی عجیب سی کیفیت میں مبتلا تھی کہ خوشی اور غمی' ڈر اور بے باکی' بے یقینی اور اعتماد دونوں ہی اس کے ہمسفر تھے۔ حالانکہ وہ اپنی طرف سے زینت کے سامنے بھرپور اعتماد و بھروسے کا مظاہرہ کرنے میں کوشاں تھی۔ حجاب نے اس کا ردعمل اندر ہی چھپا لیا تھا۔ پھر بھی زینت اس کے اضطراری اور خلجان زدہ ہاتھوں کی جنبش سے اسے گہری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

❖ ❖ ❖

''آنٹی مجھے اتنی بھوک نہیں۔ آج تو خوشی کے مارے ہی بھوک اُڑ گئی ہے۔ آپ میری فکر مت کریں۔ آپ خود کھانا انجوائے کریں۔''

فرشتے نے اپنی پلیٹ میں معمولی سا کھانا نکالتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ مگر اُس کی بددلی اور ناگواری لہجے میں نمایاں تھی۔ زینت کی پیشانی پر شکنیں سی ابھریں۔ نگاہوں میں مجرمانہ سی چمک چھا گئی اور لبوں پر مضطربانہ مسکان کو فرشتے نے شدت سے محسوس کیا تھا۔ چونک کر بولی۔

''آنٹی مائنڈ نہیں کیجئے گا۔ آپ نے کھانے کا آرڈر چھ لوگوں کے لئے دے ڈالا ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔ ''ہم میں تو ڈیڑھ ایک آپ آدمی ہیں۔''

''ایسی بات نہیں۔ بھوک چمک رہی ہے جو بچ گیا وارڈن کے لئے پیک کروا لوں گی۔ بیچاری

میری خدمت میں کیا مجال کہ لاپروائی برت جائے۔ فجر کی نماز کے وقت بیڈ ٹی دینا نہیں بھولتی۔ چاہے وہ بیمار ہو یا کوئی اور مجبوری ہو اپنے فرائض سے نہیں چوکتی بہت ہی حلالی عورت ہے۔ اُسی کے دم سے پچھلے چھ سالوں سے یہاں بہت مطمئن ہوں۔"

"لگتا ہے وہی اپنا پرانا گھر ہے اور میں ہوں اور تمام لڑکیاں میری اپنی ہی اولاد ہیں۔ سب کی سب میرے کہنے پر چلتی ہیں۔ خوب عیاشی کرتی ہیں جب یہاں سے فارغ ہو کر گھروں کو جاتی ہیں تو اس ہوسٹل کو بھول نہیں پاتیں۔ یہاں وقتاً فوقتاً کئی افغانی لڑکیاں وقتی قیام کے لئے آتی رہی ہیں۔ بس یوں سمجھو کہ یہیں کی ہو کر رہ گئی تھیں۔ مجھ سے بہت پیار اور انس ہو گیا تھا انہیں۔ میں نے بھی ان کی ماں بن کر باری باری سب کی شادی کرا دی۔ آج دولت میں کھیل رہی ہیں۔"

زینت نے کھانا کھاتے ہوئے انکشاف کیا۔

"آپ کو ملنے تو ضرور آتی ہوں گی۔" وہ ہشاش بشاش لہجے میں بولی۔

"شادی کے بعد سسرال کی رشتے داریاں' شوہر کے چاؤ چونچلے اور بچوں کی ذمہ داریاں عورت کو سر ہی نہیں اٹھانے دیتیں۔ اب ملنے کا ان کے پاس وقت کہاں۔ اللہ تعالیٰ انہیں آباد اور خوش وخرم رکھے۔ ہر وقت ان کے لئے دعا گو رہتی ہوں۔"

وہ اِک طویل سرد آہ بھر کر خاموش ہو گئی تو فرشتے اسے دیکھتے ہوئے سوچنے لگی۔ آنٹی آپ کو کیا نام دوں؟ کونسا خطاب دوں؟ کبھی تو آپ دیوی معلوم ہوتی ہیں اور کبھی ......

وہ آگے کچھ نہ کہہ سکی۔ انسانیت کے ناطے آپ نے میری نگہداشت کی۔ میری نوکری کا انتظام بھی آپ کی وجہ سے ہوا۔ پھر زبردستی مجھے بہترین کھانا کھلایا اور بہترین کپڑے دلائے۔ آنٹی یہ سب آپ کے پاس کہاں سے آتا ہے جبکہ بچے آپ کو چھوڑ کر جا چکے ہیں۔ وہ کھانا زہر مار کرتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ ہوسٹل تو تمام غریب اور کم آمدنی والی عورتوں اور لڑکیوں سے بھرا ہوا ہے۔ پھر یہ پیسہ کہاں سے آ رہا ہے؟

❖ ◆ ❖

سرسبز لان میں ساون نے خوب رنگ جمایا ہوا تھا۔ دھلے نکھرے اُجلے درخت خوشی میں سرشار جھوم رہے تھے۔ پتے رقصاں تھے۔ موسمی پھولوں پر اٹکے ہوئے بارش کے قطرے خوشیوں کا سماں پیش کر رہے تھے۔ ساون کی بارش کی وجہ سے گرمی کی شدت اور حبس میں خاصی کمی آ گئی تھی۔ آکاش پر قوس وقزح نے بارش تھمنے کا اعلان کیا تو شوقین مزاج لوگ گھروں سے باہر سڑکوں پر نکل پڑے۔

انہیں اپنی فیملی اور اپنے دوستوں کے ساتھ موسم سے لطف اندوز ہونے کا جیسے بہانہ مل گیا ہو۔ گرتے ہوئے ٹمپریچر کا اپنا ہی مزا اور نشہ ہے مگر یہ سب اس وقت دل کو بھاتا ہے جب پیٹ

خوش ذائقہ کھانے سے بھرا ہوا ہو۔ دل میں طمانیت اور سکون ہو اور صحت لاجواب اور جوانی کا ساتھ ہو تو ایسے موسموں کے مزے لوٹتے ہوئے انسان بے قابو سا ہو جاتا ہے۔ خوامخواہ ہر شے پر پیار آنے لگتا ہے۔ اس سے اپنوں اور ان کی والہانہ چاہتوں اور بے ریا محبتوں کی جستجو میں ذہن وقلب بے تاب و بے چین سے ہو جاتے ہیں۔ خوشی وسکون کو شیئر کرنے کے لئے اپنوں کی قربت بھی خاصی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ جیسے ہر انسان کو چاہے کتنا ہی سنگین دل کیوں نہ ہو اسے دکھوں اور اذیتوں میں اپنوں کے ساتھ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ ریشم اپنے کمرے کی وسیع گلاس ونڈو کا پردہ ہٹا کر باہر دیکھتے ہوئے رو پڑی تھی۔ اپنا گھر، اپنا ملک اور اپنے رشتے دار، والدین اور اپنی سہیلیاں سبھی یاد آنے لگی تھیں۔ کابل کی رونقیں، تھرل اور گہما گہمی کے ماحول سے بچھڑ جانے کا جان لیوا احساس اسے تڑپانے لگا تھا۔ اس خوبصورت موسم کا دن ڈھلنے کو تھا۔ آہستہ آہستہ ماحول میں دھندلکا چھانے لگا تو رات کی رانی کی بھینی اور معطر سی خوشبو نے بھی سر ابھارا تو ریشم کے لبوں سے بے اختیاری میں ہی شعر بکھرنے لگے۔

رات کی رانی کی خوشبو سے کوئی کہہ دے
آج کی شب نہ مرے پاس آئے
آج تسکین مشام جان کو
دل کے زخموں کی مہک کافی ہے
یہ مہک سرِ شام ہی جاگ اٹھی ہے
اب یہ بھیگی ہوئی بوجھل پلکیں
اور نمناک اداس آنکھیں لئے
رت جگا ایسے منائے گی کہ خود بھی جاگے
اور پل بھر کے لئے میں بھی نہ سونے پاؤں

یہ اشعار پڑھتے ہوئے وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔

یہ دلآویز خزانے میرے
میرے پیاروں کی عطا بھی ہیں
میرے دل کی کمائی بھی ہیں
ان کے ہوتے ہوئے اوروں کی ضرورت کیا ہے

وہ پڑھتے ہوئے بستر پر آڑی ترچھی لیٹ کر انہی اشعار کو پڑھتے ہوئے ماضی کے بیتے ہوئے حسین لمحوں سے اپنے لئے کچھ خوشیاں چرانے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔ شام گہری ہو چکی تھی۔ وہ اسی طرح بے سدھ لیٹی ماتم کناں تھی، خوشی کا نام ونشان تک نہ تھا کو پلوشہ اندر داخل ہوئی۔ بلیو کلر کی

خوبصورت آؤٹ فٹ میں وہ کسی آسمانی پری سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ مگر وہ معصومیت و پاکیزگی کی دلکشی سے محروم تھی۔ زرمین بھی چہکتی لہکتی اچھلتی ہوئی اندر داخل ہوئی اور اس کے قریب آ گئی۔ وہ پنک کلر کے ڈریس میں گلاب کا پھول ضرور لگ رہی تھی' مگر خوشبو سے عاری اس پھول میں کوئی کشش نہ تھی۔

''تم ابھی تک تیار نہیں ہوئی۔'' پلوشہ نے حیرت اور خفگی سے کہا۔

زرمین زیرلب ہی کچھ بولی۔ آواز سماعتوں تک پہنچنے سے قاصر رہی۔

''دیدی! آج کہیں بھی جانے کو دل نہیں چاہ رہا۔'' وہ پرملال لہجے میں بولی۔

''اٹ از اسپاسپیل۔ جانتی ہو مسٹر ہمدانی نے تمہیں خاص الخاص دعوت پر مدعو کیا ہے۔ آج کی پارٹی کافی وسیع پیمانے پر ارینج کی گئی ہے۔ شہر کے تمام معزز اور معتبر نام ونہاد والے شرفا اس میں شرکت کر رہے ہیں۔ تم سب کچھ سمجھتے اور جانتے ہوئے بھی ایسی بے وقوفانہ باتیں کرنے سے باز نہیں آتی۔ نجانے تمہارا دماغ کس نے خراب کر دیا ہے۔ کون ہے تمہیں سبز باغ دکھانے والا کہ دن بدن بگڑتی جا رہی ہو۔ کان کھول کر سن لو مجھے انکار واعتراض سے سخت نفرت ہے۔'' پلوشہ نے ڈانٹنے کے انداز میں کہا۔

''دیدی! اسے بھوکا پیاسا کسی تاریک جھونپڑی میں چھوڑ آتے ہیں۔ دو گھنٹے میں ہی ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔ یہ آسائشیں اور زیبائشیں تمہیں کاٹنے لگی ہیں ناں۔ کس قدر ناشکری اور ناقابل فہم ثابت ہوئی۔ کم از کم مجھے تو تم سے ایسی امید ہرگز نہیں تھی۔ فرشتے کے نقش قدم کا انجام جانتی ہو۔ تمہیں دھکے دے کر یہاں سے نکال دوں گی۔''

زرمین نے اس کے جسم کے ہر حصے کو کڑواہٹ سے بھر دیا تھا۔ مگر وہ خاموش آنکھیں بند کیے لیٹی رہی۔ فرشتے دیدی کا فیصلہ درست تھا۔ وہ خود تم لوگوں پر تھوک گئی تھی۔ کاش میں اُسی کے ساتھ چلی جاتی۔ وہ دل میں ہی بڑبڑائی۔

''کیا طبیعت خراب ہے؟ اگر ایسا ہے تب بھی آج کی رات تمہیں ہمارے ساتھ پارٹی پر جانا ہوگا۔ میں نے ایڈوانس بھی پکڑ لیا ہے۔ میری مجبوری ہے ریو۔ اٹھو تمہیں میڈیسن دیتی ہوں۔ طبیعت خرابی میں بہتری محسوس کرنے لگو گی۔ وہاں جب محفل جمے گی تو تمام ڈپریشن ہرن ہو جائے گی۔ اٹھو میری جان دیر ہو رہی ہے۔'' پلوشہ نے خوشامدی انداز میں کہا۔

''نہیں جاؤں گی۔ بس بول دیا ناں بلکہ کبھی بھی نہیں جاؤں گی۔ مجھے دیدی کے پاس بھجوا دیں یا زرتاش کے پاس کامل رخصت کر دیں۔ مجھے ہر روز کی روٹین سے گھن آنے لگی ہے۔ میں نے اٹل فیصلہ کر لیا ہے کہ میں بھی اپنے خاندان کے اس اصول کے مطابق شادی کر کے پاکیزہ اور مقدس زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔ دیدی مجھے یہ عیش وعشرت یہ بناوٹی پیار اور وقتی سہاروں سے نفرت ہو گئی

ہے۔ مجھے ایک چھت اس کے نیچے ہم دونوں اور میرے دو عدد بچے فقط اتنی ہی ڈیمانڈ ہے۔ اسے پوری کرنا کونسا مشکل کام ہے۔ مجھے اِک عام لڑکی کی طرح گھرداری وسلیقہ شعاری پسند ہے۔ مجھے ہاؤس وائف بن کر زندگی گزارتے ہوئے بے پناہ فخر و خوشی ہوگی دیدی۔ مجھے مردوں کا دل بہلانے والی لڑکیوں سے پہلے دن سے ہی بے پناہ نفرت تھی۔ مجھے آپ نے کیوں مجبور کیا تھا؟'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''غضب خدا کا اس سرپھری' باؤلی اور جذباتی لڑکی کی عقل تو ہمیشہ سے ہی گھاس چرنے گئی ہوتی ہے۔ نجانے کس نشے میں رہ کر اپنی حیثیت و اہمیت کو فراموش کر بیٹھی ہو۔ ایسی بے ہودگی ہمیں وارا نہیں جان ہوش میں آ جاؤ اور فوراً تیار ہو جاؤ۔ ان حسین سپنوں کو دیکھنے کے لئے آنکھیں چاہئے ہیں گی۔ ہم نے آنکھیں تو کب کی بیچ ڈالی ہیں۔ اب ان آنکھوں کو واپس لانا چاہو گی تو افسوس کہ تم انہیں سپنے دیکھنے سے محروم پاؤ گی۔ پھر جو تم مایوس و ناامید ہو کر ویرانوں کا انتخاب کرو گی' کیوں نہ جس دنیا میں بس گئی ہو اسی کی ہو کر رہو کیونکہ کوشش کے باوجود تم خریدار کے چرنوں میں قارون کا خزانہ ڈھیر کرنے سے بھی اپنے بدن کے کسی حصے کو مکمل طور پر حاصل نہیں کر سکتی۔ اس پر نقب زنی ہو چکی ہے۔ اب نہ آنکھیں تمہاری' نہ سپنے تمہارے' نہ ہی ان کی تعبیر پر تمہارا اختیار ہے۔ ہم اتنی دولت کمانے کے باوجود تہی دست ہیں۔ ہمارا اپنا تو کچھ بھی نہیں رہا۔'' پلوشہ کے لہجے کا غصہ فوراً تاسف اور پچھتاوے میں بدل چکا تھا۔ آنکھوں میں اس کے اپنے ٹوٹے ہوئے خواب گردش کرنے لگے۔

''دیدی! آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ میرے لئے کوئی ناکارہ مگر شریف النفس لڑکا ڈھونڈ دیجئے' جو میری عزت کا رکھوالا ہو' جو میری نسوانی انا کا پاسبان ہو۔''

''جو مرد تمہیں دو وقت کی روٹی نہیں کھلا سکے گا' وہ تمہاری عزت کا رکھوالا کیسے ٹھہرا۔ تم سے دھندہ ہی کروائے گا۔ ابھی بھی تم اس مرد ذات کی خصلت کو نہیں سمجھی تو ڈوب مرو چلو بھر پانی میں۔ بیوی بن کر ذلالت بھری زندگی گزارنا چاہتی ہو تو کوئی موٹا تازہ مرغا پھانسو چاہے بڈھا ہی کیوں نہ ہو؟ مگر تم میری کیوں مانو گی؟'' پلوشہ نے زہر خند سے کہا۔

تو وہ اس کے گلے لگ کر روتے ہوئے بولی۔ ''مجھے دیدی کے پاس پہنچا دو۔ وہ میرے لئے وہی کرے گی جیسا میں چاہوں گی۔ کاش میں دیدی کے ساتھ ہی چلی گئی ہوتی۔ ہاں تمہیں اسی کے ساتھ دفع ہو جانا چاہئے تھا۔ وہ جو مزے لوٹ رہی ہو گی تم بھی لوٹ پاتی۔ پھر میں یاد آتی۔ جس نے تمہیں کیسی شاہانہ زندگی بخشی ہے۔'' پلوشہ نے نفرت سے کہا۔

''ریشم تم کن رستوں پر نکل پڑی ہو۔ تم اپنا گھر بسانا چاہتی ہو مگر یہ یاد رکھو ایسا ممکن نہیں۔ ہم نے بھی ایسے ہی سپنے دیکھے تھے۔ منہ کی کھانی پڑی۔''

''ہماری ریپوٹیشن ہمیں اس کی اجازت نہیں دے گی۔ مردوں کی تعریفوں اور محبتوں کے اظہار

پر بھروسہ کرنا چھوڑ دو۔ ہم سے کوئی بھی شادی کرنے کو تیار نہیں ہوگا۔ یہ بات پلے باندھ لو کہ ایک ناکارہ مرد بھی ہم پر تھوک کر گزرنے کو عبادت کا نام دے کر سرخروئی محسوس کرے گا۔ ہمیں اپنے خون نے ٹھکرا دیا۔ فرشتے نے پلٹ کر دیکھنا گوارا نہ کیا تو تم کیسے بھروسہ کر سکتی ہو کہ اِک شوہر کی صورت میں مرد تمہاری پاکدامنی پر لگے ہوئے کلنک کو مٹانے کی کوشش کرے گا۔ ریشم وہ تمہارا جینا حرام کر دے گا۔ اپنی نظروں سے گر کر تم اُٹھ نہیں پاؤ گی۔ پلیز میری جان اس گھر بسانے کے چکروں سے نکل آؤ۔" زرمین نے اس کی کمر پر ملائمت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"میں تمہاری نصیحت مان لیتی ہوں۔ شادی کا خواب جو میں دن رات دیکھتی ہوں اُسے خیر باد کہہ کر آپ دونوں کا ساتھ دینے کو بھی الوداع کہتی ہوں۔ یہ زرق برق ملبوسات وقیمتی زیورات مجھ سے واپس لے لیجئے۔ یہ میرے بدن کے گرد لپٹے ہوئے سانپ اور بچھو ہیں جو مجھے ہر لمحے ڈستے رہتے ہیں۔ یہ ذائقے دار کھانوں کی ورائٹی مجھے نہیں چاہئے۔ دیدی یہ جہنم کی آگ' گندا خون اور غلیظ بدبودار سیپ ہے جن نے میری انتڑیوں کی ہر پل توڑ پھوڑ کی ہے۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔ یہ حرام شدہ زندگی آپ دونوں کو مبارک ہو۔ فرشتے دیدی ٹھیک کہا کرتی تھی کہ تم لوگوں نے تو شاہوں کے خاندان کی عزت کی بولی چند سکوں میں لگائی ہے۔ دیدی خاندان عورت کے کردار سے پہچانے جاتے ہیں۔ عورت ہی خاندان کے نام ونمود کو چار چاند لگاتی ہے اور وہی اپنے خاندان کے انجام کو عبرت ناک بناتی ہے۔ دیدی میں اپنے خاندان کی عزت کی بحالی کے لئے ہر وقت سوچتی رہتی ہوں کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ دیدی کیا یہاں سے بہت دور جا کر بسنے سے ہم اپنے مضبوط کردار کی وجہ سے باعزت خاندان کی بیٹیاں کہلا سکتی ہیں۔" وہ حسرت سے بولی۔

تم تو بالکل ہی پاگل ہو گئی ہو۔ یہ جو چند پیسے کمائے ہیں ناں چند دنوں کی مار ہیں۔ چٹکی بجاتے ختم ہو جائیں گے۔ پھر کیا کریں گی ہم۔ واپس پلٹ آؤ اور ذہن کو بیدار ہونے کا موقع مت دو۔ اسے ہر پل لوری سناتی رہو۔ ہماری طرح بے حس اور بے پروا ہو کر زندگی گزارو گی تو بہت خوش رہو گی چھوڑو یہ عزت اور وقار کا رٹہ۔ اس کا جنازہ تو اس دن ہی نکل گیا تھا جس دن ہم نے خان ماما کا گھر چھوڑا تھا۔ اب وہ وقت تو واپس آنے سے رہا' بہتر ہے اس وقت کو انجوائے کرو۔"

پلوشہ نے اک لمبی آہ بھر کر کہا اور زرمین کا ہاتھ پکڑ کر جانے کے لئے کھڑی ہو گئی۔ "تم نے مجھے شرمندہ کر ڈالا ہے۔ میری جان ہمت کر کے اٹھو۔ ٹھیک فیل کرو گی۔"

"دیدی اسے آرام کرنے دیں۔ شاید صبح تک یہ جو پاکدامنی کا بھوت اس کے سر پر سوار ہوا ہے اتر جائے۔" پلوشہ نے غصے میں کہا تو ریشم نظریں جھکا کر بیٹھ گئی۔

دونوں بہنیں عالم تذبذب میں گاڑی میں بیٹھ کر ڈرنک پارٹی اٹینڈ کرنے چلی گئیں۔ ریشم نے فوراً موبائل پر نمبر ملایا اور دانیال سے بات کرنے لگی۔

''دانی ! دونوں وچیز جا چکی ہیں۔ اس لئے تمام رستے کھلے ہیں۔ فوراً آ جائیے۔'' ریشم خوش ہوتے ہوئے بولی۔

''تم نے آج پھر ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔'' دانیال کے لہجے میں حیرت تھی۔

''حیرت کی بات نہیں۔ اب میں ان کے لئے بے کار اور نا کارہ ہو چکی ہوں۔ دانی آپ کے پیار نے مجھے جینے کا نیا ڈھنگ سکھا دیا ہے۔ میں صرف اور صرف آپ کے لئے بننا سنورنا چاہتی ہوں۔ اسی میں مزہ اور سکون ہے۔'' وہ مسرت آگیں لہجے میں بولی۔

''اگر ایسا ہے تو مابدولت ابھی پہنچتے ہیں۔'' وہ بھی خوشدلی سے بولا۔ ''اچھا سافٹ سا تیار ہو جاؤ اپنے دانی کے لئے۔ آئی لو یو ڈارلنگ۔'' رابطہ منقطع ہو گیا۔

وہ کمرے میں بے چینی سے چہل قدمی کرتی ہوئی خود کلامی کر رہی تھی۔ آج مجھے دانیال سے اپنے سچے پیار کے اظہار میں بے کلی کیوں محسوس ہو رہی ہے۔ محبت اور لگاوٹ کے بغیر نہ تو کسی پر جان نثار کی جاتی ہے نہ پیسہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے۔ پھر بے چینی کیسی؟ بے یقینی کیوں؟ کیا مجھے دانی کے پیار پر شک ہے؟ ایسا تو ہرگز نہیں۔ شاید پلوشہ کا تجربہ بول رہا ہو۔ شادی کے بغیر یہ پیار کھوکھلا اور انس تو ادھورا ہی رہ جائے گا۔ اسے جاودانی بخشنے کے لئے مجھے ہی پہل کرنی چاہئے۔ یہی تو اصل اور سچی حقیقت ہے کہ ہم ایک دوسرے کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اللہ کا احسان ہے کہ میری محبت اور وفا پر اسے پورا بھروسہ ہے تو وہ جانتا ہے کہ میں نے جو بھی کیا اپنی بہنوں کے دباؤ میں آکر کرتی رہی۔ انہی کے ہاتھوں میں میری ڈور تھی اور میں کٹھ پتلی کی طرح انہی کی مرضی کے مطابق ناچتی رہی۔ اس سے بڑھ کر میری کوئی حیثیت نہ تھی۔

دل محبت سے نابلد اور ذہن کورا تھا۔ نہ کسی سے جھوٹے عہد و پیمان باندھے' نہ کسی کو اندھیرے میں رکھ کر لوٹنے کی کوشش کی۔ حالانکہ میں سینکڑوں بھنوروں اور پروانوں کی نور نظر تھی۔ مگر میرا روح رواں تو دانی ہی نکلا۔

کیونکہ تمہاری توجہ' تمہاری ہمدردی اور خلوص نے ہی تو میری سوئی ہوئی غیرت کو بیدار کیا اور مجھے اس دلدل سے نکلنے کی آرزو کو اجاگر کیا اور مستحکم بنایا۔ مجھے زندگی کو نہایت حسین زاویے سے دیکھنے کی قوت تم نے بخشی ہے۔ تم اپنے خاندان میں میرے غموں کی پردہ داری ضرور کرو گے۔ اس کی مجھے امید ہے کیونکہ ہمارے مضبوط رشتے میں ہم ایک دوسرے کا لباس ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے کی عزت کا پاس رکھنے میں فخر و مسرت حاصل ہو گی کیونکہ ہم یک جان دو قالب جو ٹھہرے۔ بیوی کے روپ میں باندی کا درجہ بھی قابل تحسین ہے۔ مجھے تمہاری طرف سے حاصل کردہ ہر درجے کی قدر ہو گی۔ فقط بیوی کا پُروقار اور قابل احترام روپ چاہئے۔ چاہے وہ ظاہرانہ ہی کیوں نہ ہو؟

آہ میری جیسی کمزور اور بے ہمت لڑکی کا دُلہن بن جانا کسی معجزے سے کم نہیں ہوتا۔ دانی کہیں

مجھے رفعتوں سے پستیوں کا باسی نہ بنا دینا ورنہ تمہاری ریشو جیتے جی مرجائے گی۔ وہ خوف سے لرز اٹھی تھی۔موبائل کی بیپ سے وہ سنبھل کر اٹھی اور باتھ روم کا باہر کی طرف کھلنے والا دروازہ کھول دیا۔
دانی نے اسے اپنے ساتھ لگالیا تھا اور وہ پھر سوکھے پتے کی طرح بے قابوسی ہوگئی۔
"یہ لرزیدہ کیفیت خوف سے ہے یا خوشی سے۔" دانی نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔
"ڈر اندیشہ' وسوسہ اور خدشہ' بے پی مسرت' حیرت اور بے یقینی۔اسے آپ کوئی بھی نام دے دیں۔" وہ نظریں جھکائے ہوئے بولی۔تو وہ پگلی کہہ کر مسکرادیا۔
"عموماً ان کی ملاقاتیں رات کی تاریکی اور تنہائی میں اسی کمرے میں ہوا کرتی تھیں۔ دونوں بہنیں شراب میں دھت جب واپس آتیں تو انہیں اپنی خبر تک نہ ہوتی تھی۔ ریشم مرے یا جیئے انہیں کیونکر پروا ہوتی۔ ریشم ڈرنک سے ہمیشہ باز رہنے کی وجہ سے پوری طرح الرٹ ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دانیال کو فون کر کے بلالیا کرتی تھی۔ کبھی اس کے ساتھ رات بھر شہر کی خالی سڑکوں پر گھوما کرتی تو کبھی رات اپنے کمرے میں اس کی شہد بھری باتوں اور موسیقی کے دلفریب سروں سے محظوظ ہوتے گزر جاتی۔ وہ ہر وقت داؤ کے تاڑ اور جھوٹ وفریب کی آڑ میں رہنے لگی تھی۔ ہمیشہ کبھی طبیعت خرابی کا بہانہ تو کبھی مزاج بگڑنے کی وجہ بتا کر بہنوں سے جان چھڑانے لگی تھی۔ اول جلول ہو کر پھرنا معمول بن گیا تھا۔ بہنوں نے اس میں اتنی بڑی تبدیلی کو محسوس تو کرلیا تھا' مگر گہرائی میں سوچا نہ تھا کہ اس بی ہیویر کے پیچھے کیا کارفرما ہے۔ وہ کون ہے جس کے لئے اس نے یہ روپ اپنالیا ہے۔
ریشم نے فریج کھول کر اس کے سامنے بیئر کا ٹن رکھا اور صوفے پر اس کے قریب بیٹھ گئی۔ چہرے پر شگفتہ سی مسکان نے اسے اور پرکشش بنا ڈالا تھا۔ آنکھوں میں بے پناہ چمک اور سکون و اطمینان کو محسوس کرتے ہوئے دانیال نے کہا۔"جس رات تم میرے لئے تیار ہوتی ہو' تمہاری مسرت وطمانیت مجھے حیران کردیتی ہے۔ اتنا پیار نہیں کرتے میری جان کل کی کس کو خبر۔ پھر سنبھلنا مشکل ہو جائے گا۔"
"جانتی ہوں' مگر دانی اگر ہوش ہے تو وہ پیار نہیں۔ اگر جوش نہیں تو وہ عشق نہیں۔ دونوں جذبے ہی نابینا ہیں۔ اس لئے آج میں نے زندگی کا بہت اہم فیصلہ کیا ہے۔ دانی یہ فیصلہ کرنے سے پہلے میں نے کئی مہینے سوچ بچار کی ہے۔ آپ کو پرکھا ہے' آزمایا ہے' مجھے یقین ہو چلا ہے کہ آپ کو مجھ سے بے پناہ محبت بھی ہے' عشق بھی ہے اور دیوانگی کا پلڑا تو میری طرف کا ہے جو کہ بہت بھاری ہے۔" وہ ذومعنی بات کر کے ہنسنے لگی تھی۔
"کچھ سمجھا نہیں جان من کیسا فیصلہ؟ اور آج کیسے اور کیوں کر میری محبت کا یقین ہوا ہے؟ حیرت کی بات ہے کیا اتنے عرصے سے جھک ماررہا تھا۔" وہ مسکرادیا تھا۔
"دانی! میں آپ کو ہمیشہ کیلئے اپنا بنانا چاہتی ہوں۔" وہ اس کے کندھے پر سر رکھ کر ہچکچا کر

بولی۔ ''کبھی نہ دور ہونے کے لئے آپ کے قدموں میں عمر بیتانا چاہتی ہوں۔ اپنا نام آپ کے نام کے ساتھ لکھ کر ہمیشہ کے لئے اٹوٹ رشتے میں بندھ جانا چاہتی ہوں۔ میرا یہ آئیڈیا آپ کو کیسا لگا؟''

''ایک دم سے فلاپ۔'' وہ بھنویں چڑھا کر بولا تو احساس ندامت سے اس کے چہرے پر کئی رنگ آئے اور بکھر گئے۔ وہ اُچھل کر اُس سے دور ہو گیا۔

''میں تمہارا ہی ہوں۔ یہ آج ایک دم سے ان سکیورٹی کا احساس کیوں ہونے لگا ہے۔ مجھ پر اعتماد اور بھروسہ کیوں اٹھنے لگا ہے۔ یہ تو فکر کی بات ہے۔''

''ریشو جب اپنے دل میں کھوٹ آ جائے' خود پر بھروسہ نہ رہے' اپنے پیار پر بے یقینی ہونے لگے تو پھر ایسی ہی بے تکی سوچیں تنگ کرنے لگتی ہیں۔ ریشم پہلے اپنے دل میں جھانک کر دیکھو کہ میں وہاں موجود بھی ہوں کہ نہیں۔'' وہ تلخی سے بولا۔ ''کہیں کسی انجانے نے بسیرا تو نہیں کر لیا۔''

''آپ کیسی عجیب سی منطق پیش کرنے لگے ہیں۔ مجھے اپنی ذات پر اپنی الفت پر اور اپنی وفا پر پورا بھروسہ ہے۔ دانی میں نے ہزاروں میں رہ کر بھی آپ کو اپنا جانا' اپنا رازداں مانا۔'' وہ خود اعتمادی سے بولی۔

''تم کتنی احمق ہو۔ محبت کی چاشنی' لطافت اور پائیداری کو نیست و نابود کرنا چاہتی ہو۔ مجھے تم سے ایسی امید ہرگز نہ تھی۔ تمہیں بہت سمجھدار سمجھتا تھا۔''

''ہم تو ہیر رانجھے جیسے اَن مٹ اور دیر پا پیار پر بھروسہ کرنے والے عاشق ہیں۔ جب ہم اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے تو ہمارے پیار کی داستانیں رہتی دنیا تک محوِ گردش رہیں گی۔ ہمارے بے لوث اور سچی محبتوں کے قصیدے ہر نسل کی زبان پر ہوں گے۔ دانی اور ریشو کی محبت پر فلمیں بنیں گی۔ گانے لکھے جائیں گے۔ آج کے ماڈرن دور کے ایڈوانس اور جدت پسند عاشق محبت کو نیا پن دیں گے۔ ہم شادی کے بندھن میں اپنی بے لوث و بے غرض محبت کو قربان نہیں کریں گے۔ میں تو ایسا گھناؤنا اور ڈراؤنا عمل کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ تمہاری یہ کیسی محبت ہے جس میں خود غرضی اور بے وفائی سمانے لگی ہے۔'' وہ اسے سمجھاتے ہوئے ایکدم سے قہر آلود لہجے میں بولا تو وہ دہل سی گئی۔ اس کے بدلتے ہوئے تیور دیکھ کر نہایت ملائمت سے گویا ہوئی۔

''ہماری محبتوں کی نشانیاں ہماری الفتوں اور چاہتوں کی گواہی دیں گی دانی۔ پھر ہماری محبت کا تسلسل کبھی نہیں ٹوٹے گا۔ ہماری محبت نسل در نسل منتقل ہوتی ہوئی زندہ جاوید ہو جائے گی۔ اس لئے تو عمر بھر کیلئے میرے ہر سانس نے آپ کی رفاقت میں بیتانے کی تمنا میں سر ابھار کر مجھے چوکنا کر دیا ہے۔ مجھے آپ کا نام و ناموس اور پائیدار تحفظ چاہئے۔ مجھے صرف اور صرف دانی کی ہو کر رہنے پر فخر اور مان ہو گا۔ آئی لو یو دانی۔'' وہ تڑپتے بلکتے ہوئے بولی۔ ''مجھے اپنے پیار کا انجام ٹریجک نہیں چاہئے۔ ہماری کامیاب محبت کی داستانیں ہر نسل میں دھرائی جائیں گی۔''

”یہ ناممکن ہے۔“ وہ اٹل لہجے میں بولا۔ ”کیسی بیہودہ باتیں کرنے لگی ہو۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ اچھی بھلی گزر رہی ہے پھر ڈر کیوں؟“

”کیوں دانی؟ ذرا یاد کرو وہ دن جب ہم پہلی بار ملے تھے۔ ایسے محسوس ہوا تھا جیسے ہم جنم جنم سے ایک دوسرے کی رگ و پے سے واقف ہیں۔ ہم نے پہلی ملاقات کے بعد گھر پہنچنے تک بیسوں بار ایک دوسرے کو فون کر کے اپنی بیقراری کا اظہار کیا تھا۔ کچھ یاد ہے کہ آپ بھول گئے ہیں۔“ وہ اس کے قریب ہو کر بولی۔ ”اپنی بہنوں سے اپنے دل کا حال چھپا کر آپ کی پرستش کرنے لگی تھی۔“

”وہ تو سب جوانی کا خمار اور غبار تھا۔ دیوانگی اور جنون تھا۔ تمہاری محبت حاصل کرنے کے ساتھ ہی یہ عارضی اور بے معنی سا جذبہ سیال مادے کی طرح بہہ گیا۔ محبت ایسا جذبہ ہے جس پر وقت و حالات اثر انداز نہیں ہو پاتے۔ وہ اپنی جگہ قائم و دائم رہتی ہے۔ انچ بھر بھی سرک جائے تو اسے محبت کا نام دینا زیادتی اور ناانصافی ہے۔ تمہاری محبت کی قسم سے میں بالکل نا آشنا ہوں۔ تم ان کلموں سے جڑے ہوئے رشتے کو اتنی اہمیت دو گی مجھے اس کا اندازہ نہ تھا۔ شادی محبت کا زوال ہے۔ مجھے عروج سے لگاؤ ہے جو اس وقت ہم دونوں میں موجود ہے۔ اسے برقرار رہنے دو یہی محبت ہے۔“ وہ روکھائی سے بول کر ہاتھ جھوڑ کر التجائیہ انداز میں بولا تو وہ آزردگی سے اُسے دیکھنے لگی تو وہ پھر گویا ہوا۔

”محبت اور شادی دو مختلف جذبوں کا نام ہے۔ خدا کے لئے انہیں یکجا کرنے کی غلطی مت کرنا۔ ہماری بے لوث محبتوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ میں اپنی اور تمہاری محبت کی موت نہیں چاہتا۔ میں اسے لافانی اور ابدی بنانے کے حق میں ہوں میری جان۔“ وہ اس کے شانے پر سر رکھ کر خاموش ہو گئی اور سوچنے لگی کہ ویدی نے سچ ہی کہا ہے کہ ہم نے آنکھیں بیچ ڈالی ہیں۔ مجھے اپنے ذہن کا بھی سودا کر لینا چاہئے تھا تاکہ سپنوں کی محرومی کے ساتھ سوچیں بھی لاحاصل ہو رہیں تاکہ دل کوئی امنگ جاگنے کا نام نہ لے سکے۔

”سوچنا چھوڑ دو نجانے تمہیں یکدم کیا ہو گیا ہے کہ تم پہلے جیسی پھلجھڑی معلوم ہوتی ہو نہ ہی تمہاری باتوں میں جلترنگ ہے اور نہ ہی اداؤں میں کافرانہ انداز ہے۔ چلو اٹھو باہر نکلتے ہیں۔ آج جس چیز پر ہاتھ رکھو گی وہی دلاؤں گا۔ بس تم ڈیمانڈ کرنے والی بنو۔“ وہ ہمدردانہ لہجے میں بولا۔

”مسکرا دو میری جان! ریشم سے بھی نرم میری ریشم نازک اور ملائم آج الجھی ہوئی کیوں ہے؟ چلو میں ہی اس ریشم کے الجھے دھاگوں کو سلجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔“ وہ اسے بہلانے کی خاطر بے دلی سے بولا۔

”مجھے آج کے بعد آپ سے کچھ نہیں چاہئے۔ مجھے ان کڑکتے ہوئے نوٹوں سے ذلالت کی بو آنے لگی ہے اور ان کھنکتے سکوں سے گھن آنے لگی ہے جس کی جھنکار کی مسحور کن آواز کے بل بوتے پر

آپ آسمانی حور کو زمین کی مخلوق میں شامل کر سکتے ہیں۔ آپ بھی راہ چلتے خودغرض اور ضرورت مند مرد ہی نکلے۔ میری دیدی ٹھیک ہی کہتی تھی کہ سپنوں کی دنیا سے باہر نکل آؤ۔ ہم نے تن و من کے ساتھ اپنی آنکھوں کا بھی سودا کر لیا ہے۔ اب ان آنکھوں میں خواب نہیں سجتے۔ آنسو اور حسرتیں بستی ہیں۔ مجھے آج احساس ہوا ہے کہ آپ پر تکیہ کرنا میری خوش گمانیاں تھیں۔ مجھے آج حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے اپنی نادانی اور حماقت کا احساس ہو رہا ہے۔ اب ندامت اور پچھتاوا ہمیشہ میرا شریک سفر رہے گا۔ آپ نے تو شریک سفر کا رشتہ استوار کرنے سے انکار کرتے ہوئے میرے جذبات و احساسات کے بارے میں کچھ نہ سوچا۔ آپ نے تو مجھے پتھر تصور کر لیا۔ بے جان اور سنگین میں آپ کی غرض کو پیار کا نام دیتی رہی اور آپ کے مقام کو عرش معلٰی پر فرشتوں کی ہمراہی میں دیکھ کر فخر و غرور سے تنی ہر ایک کو تنفر اور حقارت سے دیکھتی رہی۔ آپ نے اپنا مقدس اور قابل ستائش درجہ چکنا چور کر دیا اور میرا مان توڑ دیا۔ آپ ایک گھسیارے ڈرپوک اور نامراد بے وقعت ہی ثابت ہوئے۔ مجھے زمانہ کال گرل کے نام سے جانتا ہے۔ میں آپ کو کونسا نام دوں۔ آپ کا نام بھی آپ کے کیریکٹر کے مطابق تجویز ہونا چاہئے تھا۔ آپ پارسا اور مہذب کیسے ٹھہرائے گئے ہیں۔ میرے رب کے نزدیک آپ بھی گناہوں کے زمرے میں آتے ہیں۔ یہ تقسیم اور فرق تو دنیاوی ہے۔ میرے ساتھ آپ بھی ہر گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔ پکڑ آپ کی مجھ سے بڑھ کر ہوگی۔ یہ یاد رکھئے گا کیونکہ آپ نے میری کم عمری' نادانی اور مجبوریوں کا فائدہ اٹھایا۔ میں بے اختیار تھی آپ تو با اختیار تھے۔ میں ناسمجھ تھی آپ تو سمجھ دار تھے۔ میں مجبور تھی آپ تو اس لعنت سے کوسوں دور تھے۔ تو پھر بتایئے کہ قصور کس کا ہے؟ مجھے بے راہ روکرنے کا۔ اب اپنانے کی خواہش نے آپ کی زبان گنگ کر دی ہے۔ یہ ہتک مجھے منظور نہیں۔'' وہ زہر آلود لہجے میں بولے جا رہی تھی۔

''میرے بارے میں تمہارا تجزیہ سراسر غلط ہے۔ مجھے تم سے والہانہ پیار بھی ہے اور ہمدردی بھی ہے۔ اگر تم شادی کو ہی محبت کا نام دینے پر بضد ہو تو بندہ خاکی حاضر ہے۔ جو تمہیں بہت جلد اپنا بنا کر دنیا کی نظروں سے چھپا لے گا۔ جسے صرف اور صرف تمہارا وانی دیکھنے کا حق رکھے گا۔ اب تو خوش ہو ناں۔'' وہ اس کی کم عمری' ناتجربہ کاری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بولا۔ کیونکہ وہ اسے ناراض کر کے کھونا نہیں چاہتا تھا۔

اسے رضامند دیکھ کر وہ پھولوں کی مانند کھلکھلا اٹھی۔ اُسے ایسے لگا جیسے چار سو کلیاں چٹخنے کی صدائیں اسے مدہوش کر دیں گی۔

''آپ سچ کہہ رہے ہیں کہ مذاق سے اعتراف کر رہے ہیں۔'' آواز میں بے یقینی تھی۔

''وانی اتنا خوش کن مژدہ سننے کی مجھ میں ہمت نہیں۔ خوشی سے کہیں مر ہی نہ جاؤں۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''میں آپ کی دلہن کہلاؤں گی وانی۔ آئی ایم سو لکی اور آپ میرے شوہر۔

میرا تحفظ اور میرا سب کچھ اور مائی گاڈ۔"

"بھئی مرنے کی نہیں ہو رہی۔ ورنہ مجھے بھی اپنی وفا کا ثبوت دینا پڑے گا۔ تمہیں تو خوشی سے موت آجائے گی۔ میری موت بہت اذیت ناک ہوگی۔ ایسی بات آئندہ مت کرنا۔" وہ لہکتے ہوئے بولا تو وہ اس کے سینے پر سر رکھ کر بند آنکھوں سے ہواؤں کے دوش پرواز کرتی دور بہت دور پہنچ گئی۔

❖ ❖ ❖

ریشم ہر وقت کھوئی کھوئی سی رہنے لگی تھی۔ چہرے پر خوشی کے ہمراہ بے پناہ بے نیازی اور لاپروائی نظر آنے لگی تھی۔

محفلوں کی زینت بننے سے انکار نے دونوں بہنوں کو تذبذب میں ڈال دیا تھا۔ اُسے بار بار کریدنے سے انہیں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی تھی۔ وہ ایسی خفیہ اور گھنی نکلی کہ اپنے تلخ تجربات کے پیش نظر وہ اپنی ہر سوچ پر پہرہ داری کئے بیٹھی تھی۔

اس گھر میں جس کی بنیاد ہی حرام پر رکھی گئی تھی۔ اب یہاں ایک پل گزارنا بھاری ہو گیا تھا۔ وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی ہمیشہ کیلئے' مگر دانیال ابھی تک سوچ بچار میں تھا۔ بے شک اسے تسلی و تشفی دے کر اس نے ریشم کو چپ کرا دیا تھا۔ وہ اسے کھونا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اس کی قربت میں اسے ذہنی سکون ملتا تھا۔ مگر اسے بیوی کا درجہ دینے کے حق میں بھی نہیں تھا۔ عجیب ہی مخمصے میں الجھ کر رہ گیا تھا۔

ادھر بہنیں بے خبر و نا آشنا فقط تجسس اور اندیشوں میں گھری ہر وقت سولی پر لٹکی رہتیں کہ ہو نہ ہو بہت جلد ایک بہت بڑا طوفان آنے والا ہے یا تو ریشم کسی کے ساتھ فرار ہونے کے بعد شادی کے خواب دیکھنے لگی ہے یا پھر اپنا دھندا ان سے الگ کرلے گی۔ دونوں صورتوں میں انہیں بہن کی جدائی اور مالی گھاٹا ہرگز منظور نہ تھا۔ پہلے ہی ایک بہن کے کھونے کا قلق انہیں ہر وقت مضطرب رکھتا تھا۔ ان کے خیالات کے مطابق کہ اگر آج اس کا بھی ساتھ ہوتا تو ان کے ایسے وارے نیارے ہوتے کہ ان کے پاس اپنا ذاتی گھر' کار اور بینک بیلنس ہوتا اور پھر یہ کہ اس گناہ آلودہ زندگی سے چھٹکارا حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی ہوتیں۔ دبئی شفٹ ہو کر قابل احترام اور قابل تحسین اپنے اصلی خاندان سے منسوب کی جاتیں اور ایک دن بھرپور خود اعتمادی اسے کسی باعزت خاندان کی مضبوط جڑوں میں اپنی وفا کا آب حیات ڈال کر اپنے نامہ اعمال میں نیک نامی کے قصیدے لکھوا لیتیں۔ مگر یہ خواب بھی ہمیشہ کی طرح ادھورا ہی معلوم ہوا۔

پلوشہ یہ سوچ کر اداس و مایوس سی ہو گئی جن کی شکل وصورت پر کروڑوں کی مالیت لکھی گئی تھی ایک پہلے ہی خفا ہو کر روپوش ہو گئی۔ دوسری بھی انہیں چھوڑ دینا چاہتی تھی کیونکہ پلوشہ اور زرمین نے رنگ روپ تو خاندانی لیا ہی تھا۔ نین نقش بھی قابل قبول ہی تھے مگر ریشم اور فرشتے تو اِک تصویر کی

مانند حسین تھیں۔ اس کی ایک مسکراہٹ پر فدا ہونے والوں کی تعداد خاصی تھی' مگر ہمیشہ سے ریشم اپنی بہنوں سے منفرد رہنے کو اولیت دیتی رہی۔ اُسے اس عارضی پن سے نفرت تھی۔ اس نے غور وفکر اور سوچ بچار کے بعد دانیال کو اپنے لئے چنا تھا۔ وہ فطرتاً بھی بہت رومانٹک قسم کی لڑکی دانیال پر صدق دل سے فریفتہ ہو گئی تھی۔

دانیال چالیس سالہ گاگ اور شاطر انسان تھا۔ اس نے اس کی معصومیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے محبت کا ڈھونگ رچایا تھا جسے ریشم نے سچائی اور وفا کا نام دے ڈالا تھا جبکہ دانیال کی ازدواجی زندگی بہت پُرسکون تھی۔ وہ ایک عدد خوبصورت' ذہین وفطین ڈاکٹر بیوی کا شوہر تھا۔ بذات خود انجینئر تھا۔ تجربہ کار اور پرانا کھلاڑی ہونے کی وجہ سے ریشم کو پھانسے میں زیادہ محنت کی ضرورت پیش نہ آئی تھی۔ ریشم اس کی گاڑی' اس کے پہناوے اور سٹائل سے امپریس ہو کر اس کی گرویدہ نہ ہوئی تھی۔ بس وہ دل کو بھا گیا تھا۔ اس نے دانیال سے شادی کر کے اپنی گناہ زدہ زندگی کو خیر باد کہنے کا پروگرام بنایا تو دانیال بھی اُس کے حسن کے بنے ہوئے جال میں بآسانی پھنس گیا تھا کیونکہ ڈھیل اور لچک ریشم کی جانب سے تھی۔ اس نے اپنی ازدواجی زندگی کے بارے میں بتانا ضروری نہ سمجھا کیونکہ وہ اس کی ذاتی زندگی تھی۔ شاندار اور خوشحال۔ وہ ریشم کی محبت کی خاطر اس زندگی سے کنارہ کشی چاہتا تھا نہ ہی اس زندگی میں زہر کی آمیزش سے بچوں کے لئے مسائل کھڑے کرنے کے حق میں تھا۔ ریشم بھی اپنی کم سنی کی وجہ سے اس سے کسی قسم کا سوال ہی نہ کر سکی۔

وہ اُس کی محبت کے فسوں میں کھوئی مستقبل کے سپنے دیکھا کرتی تھی۔ جو بحث ومباحثے کے بعد خوش آئند تعبیر کا مژدہ لے کر سامنے کھڑے تھے۔ اب دانیال کے اقرار پر مسرت وراحت نے اس کے انگ انگ پر غلبہ پا لیا تھا۔

وہ اپنے کمرے میں ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ نگاہیں سکرین پر تھیں مگر ذہن میں آنے والے حسین وخوش آئند وقت کے منصوبے چل رہے تھے۔ پلوشہ اور زرمین تھوڑی دیر پہلے اسے تیار ہونے کا کہہ کر جا چکی تھیں۔ مگر اس نے جانے سے صاف صاف انکار کر دیا تھا۔ وہ چیختی چلاتی ہوئی اس پر حملہ آور ہوئی تھیں۔ اسے جان سے مار ڈالنے کی دھمکیاں بھی دے ڈالیں۔ ایک نے بال نوچ ڈالے دوسری نے دو چار دھموکے بھی رسید کر دیئے۔ مگر ریشم نے نہ شور کیا نہ ہی گلہ کیا۔ اس کے من کی خوشی نے اسے ہر زیادتی کو سہہ جانے کا سگنل دے ڈالا تھا۔ انکار اقرار میں نہ بدلا تھا۔ اتنی مستقل مزاج تو وہ کبھی نہ تھی۔ ایسی ثابت قدمی کہ وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ دونوں نے حیرت سے خدشے کا اظہار کیا۔ اس پر کس کا جادو چل گیا ہے جو اسے ہماری پروا ہے نہ ہی اسے ہماری ضرورت کا احساس ہے۔ وہ تو ہمارے اشاروں پر ناچتی تھی۔ اب مسئلہ کیا ہے۔ کئی دنوں سے شادی کا راگ الاپنا بھی بند ہو چکا ہے۔ پھر یہ کن چکروں میں پڑ گئی ہے۔ کیا کرنا چاہتی ہے۔ منہ سے ایک لفظ بھی تو نہیں نکالتی۔

کم بخت نجانے کونسی پلاننگ کر رہی ہے۔ ورنہ ضد اور ہٹ دھرمی کا جواز بھی نہیں بنتا۔ سوچ بچار، پوچھ پچھ اور مخبری کے باوجود معمہ حل نہیں ہو رہا تھا کیونکہ دانیال ان کے صفحہ افکار سے مکمل طور پر غائب تھا۔

وہ گھاگ اور چالباز انسان اس سے ملاقات سے پہلے اور ملاقات کے بعد کا کوئی نشان باقی نہ چھوڑتا تھا۔ جو کسی کے ہاتھ لگ سکتا۔ اس چھپن چھپائی کی گیم سے وہ خود بھی تنگ آ چکا تھا۔ ریشم بھی ہر ملاقات پر اس سے شادی کے لمبے چوڑے منصوبے بنا کر اپنی خوشی کا اظہار کرتی تھی اور اسے جلد از جلد اس کار خیر کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی بے چینی سے آگاہ کرتی تو وہ آج اور کل میں اس کی آرزو کو دبا دیتا۔ آخر وہ ایک ہم پیالہ ہم نوالہ دوست کو تمام حقیقت سے روشناس کر کے اس کے مشورے پر مطمئن ہو گیا۔ وہ ریشم کو ہمیشہ کے لئے اپنے قید خانے کا باسی بنانے کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔

❖ ❖ ❖

دانیال نے مین ڈور کی چابی اس کے ہاتھ میں تھما کر دروازہ کھولنے کا حکم صادر کیا تو وہ اچنبھے سے اسے دیکھنے لگی۔ "یہ کس کا گھر ہے دانی۔ آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں؟ گھر پرایا اور اس کی کنجی میری۔ یہ ماجرا کیا ہے؟" اس نے حیرت و اشتیاق سے کئی سوال کر ڈالے تھے۔

"یار دروازہ تو کھولو ان مبارک ہاتھوں سے پھر بتاؤں گا۔" وہ شگفتہ لہجے میں بولا تو اس نے تالا کھولا اور اندر داخل ہو گئی۔ اپارٹمنٹ کا ہر کونہ سجا ہوا اور بہترین سٹیٹ کا حامل تھا۔

"میں کچھ سمجھی نہیں۔" وہ لاؤنج کی کھڑکی کا پردہ ہٹا کر بولی۔ کسی نے کتنے چاؤ سے اس گھر کو آراستہ کیا ہے۔ دانی اس کی مالکن کون ہے؟ آئی وانٹ ٹو سی ہر۔ کیا خوبصورت سٹیٹ ہے۔ دیکھ کر ایسے گمان ہونے لگا ہے جیسے میں کابل میں ہوں۔ ڈرائنگ روم میں ایرانی فرشی قالین اور بیٹھنے کے لئے کشن اور گاؤ تکئے اور درمیان میں چاندی کا تھال اور اس میں ڈرائی فروٹ اور ہر کونے میں شیشہ اور نسوار کے جار اور ساتھ ہی سازندہ کے انتظامات کیا کہنے؟ اور بیڈ روم میں فرشی بستر پر رنگ برنگے نمدے اور کابلی رضائی اور کشن اور کونے میں کابلی چائے بنانے والی الیکٹرک کیتلی اور لیونگ روم میں سماوار جس میں ہر وقت کھولتا ہوا سبز قہوہ لگتا ہے کسی کابلی گھر میں آ گئی ہوں۔ کتنی اپنائیت ہے اس سیٹ اپ میں۔ ہر شے توجہ اور محنت کی منہ بولتی تصویر۔ واہ مزا ہی آ گیا۔" وہ کشن پر گاؤ تکئے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ انداز ایسا تھا جیسے وہ اس گھر کی مالکن ہو۔ دانی ہمارا گھر بھی ایسا ہی ہو گا ناں۔ زمین پر جنت کا ٹکڑا جس میں آپ اور میں اور ہمارے دو بچے جیسے فرشتوں کی مانند معصوم اور حسین ہے ناں دانی۔" وہ جھوم سی گئی۔

"پسند آیا تھینک گاڈ۔" وہ دعائیہ انداز میں بولا۔ "ایک تو تمہاری چوائس بھی مہنگی اور کمال کی ہے۔ تمہارے لئے تحفہ خریدتے ہوئے بہت مضطرب سا ہو جاتا ہوں۔ یعنی گھر پاس ہو گیا۔"

''کوئی ایسا ویسا کچھ نہ پوچھیں دانی بتا نہیں پاؤں گی۔'' وہ خوشی سے مغلوب ہو کر بولی۔
''بتائیں تو یہ کس خوش نصیب کا گھر ہے۔ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں؟ جانتی ہوں آپ میری پسند جاننا چاہتے ہیں ناں۔ دانی وہ دن کتنا ہی مبارک ہو گا جب میں آپ کی دلہن بن کر ایسی جنت میں قدم رکھوں گی۔ فرشتے سلامی پیش کریں گے ہمیں۔''
''آج سے یہ گھر تمہارا ہے۔ میری طرف سے ابھی شفٹ ہو جاؤ یا کل پرسوں تم پر ڈی پینڈ کرتا ہے جان من۔ سب تمہاری پسند پر ہے۔ میرے دل و جاں کی مالک تو ہو ہی میرے سانس بھی تمہارے ہیں۔'' وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے نہایت اپنائیت اور لگاوٹ سے بولا۔ ''تو پھر بتاؤ کہ کب تشریف لا رہی ہو اپنے اس گھر میں جسے تم نے جنت کا نام دے ڈالا ہے۔''
''آپ کے بغیر' نکاح کے بغیر' شادی کے بغیر۔'' وہ ایکدم سے بوکھلا سی گئی۔
''میرے بغیر کیوں؟ آتا جاتا رہوں گا۔ کم از کم تم میری ایکسس میں تو ہو گی ناں۔ میرے دن اور رات تمہارے ہوں گے۔ جب آرڈر کرو گی تمام دنیا کو چھوڑ کر تمہارے چرنوں میں حاضری دینے پہنچ جایا کروں گا۔ تم صرف اور صرف میری ہو کر رہو گی کیونکہ تمہاری تمام تر ذمہ داریاں اٹھانے کا شرف مجھے حاصل ہے۔ بس میری ایک ہی شرط ہے اس سے آگے پیچھے ایک انچ بھی ہلی تو تم سے باوفا ساتھی کا لقب چھین لوں گا۔'' وہ ہشاش بشاش لہجے میں بولا۔
''مجھے ایسا گھر نہیں چاہئے دانی جس کی پائیداری کی کوئی گارنٹی ہو۔ جس کی چھت گرنے کی مجھے خبر ہی نہ ہو۔ مجھے ایسے گھر اور اس قسم کی اسیری کی خواہش نہیں ہے۔ مجھے مستقل اور اپنا گھر چاہئے۔ جہاں آپ کا ساتھ ابدی ہو اور اس گھر کی تختی پر آپ کا نام تحریر ہو۔ ریشم کے نام کے ساتھ آپ کا نام وابستہ ہو۔''
''آپ کا تحفظ ہو گا تو دانی پھر میں ہر ایک کی پراپرٹی نہیں ہوں گی۔ فقط آپ کا مجھ پر حق ہو گا اور میرا آپ پر اور آپ کے پور پور پر۔ اور اینٹ سیمنٹ کا گھر تو میرے پاس اب بھی موجود ہے۔ ایسے گھروں میں سوائے حسرتوں' پچھتاؤں اور آہ و بکا کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ مجھے تو پیار اور محبت کی بنیاد پر رکھے ہوئے آشیانے کی ضرورت ہے۔ اک ایسا آشیانہ جس پر کسی قسم کے طوفان اور جھکڑ اثر انداز نہ ہو سکیں۔ میں نے تو پاکیزہ اور مقدس رشتے کی چاہ کی تھی۔ آپ کی کیپ بن کر تمام عمر گناہوں سے دامن داغدار کرنے کی تمنا تو نہیں کی تھی۔ آپ نے مجھے غلط سمجھا ہے۔ ایک بار پھر سے میری عرض' التجا اور درخواست سن لیجئے میں آپ کی بیوی اور آپ کے بچوں کی ماں بن کر باعزت زندگی گزارنے کی خواہشمند ہوں۔ میری یہ خواہش پوری کر دیجئے۔ مجھے ناامید کر دیا تو مجھے ایسے لگے گا جیسے آج پھر سے کابل سے ہجرت کر کے میں نے لاوارثی کو سینے سے لگا لیا ہو۔''
''وہ تو ناممکن ہے میری جان کیونکہ میں شادی شدہ ہونے کے ساتھ دو بچوں کا باپ بھی ہوں۔

انہیں کس گناہ کی پاداش میں سسکنے کے لئے اکیلا چھوڑ دوں۔ میرا تم سے وعدہ ہے کہ تمہیں عمر بھر کے لئے قبول کرتا ہوں۔ تم میری ذمہ داری ہو۔ تم نہ تو آج سے لاوارث ہو نہ ہی بے آسرا میں تمہارا عمر بھر کا سہارا ہوں۔ ریشو تمہیں زندگی میں کبھی کسی قسم کی تکلیف کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔" وہ ہمت کر کے انکشاف کر رہا تھا اور ریشم کے چہرے کا رنگ متغیر ہوتا جا رہا تھا۔

یعنی آپ کے سینے میں ایک دل کے بیسیوں ٹکڑے ہیں۔ وہاں میری جگہ کیسے ہو سکتی ہے۔ پیار میں نے کیا تھا جو اتنی دور نکل گئی تم نے تو وقت گزاری کے لئے میرا چناؤ کیا تھا۔ اب مجھ سے جان چھڑانے کے تمام بہانے ہیں۔ ورنہ تم مجھ سے اپنی شادی کا ذکر پہلے بھی کر سکتے تھے۔" ریشم کے تن بدن میں توہین کے احساس نے آگ لگا دی تھی۔ وہ اس کے قریب آ کر التجائیہ لہجے میں بولی۔ "مجھے آپ کے بچوں اور بیوی کے ساتھ رہنا منظور ہے۔ مجھے اپنے گھر لے چلو جہاں سب آباد ہیں۔ میں ان کی خدمت کروں گی۔ مجھے پھر بھی اس زندگی پر فخر ہوگا۔"

"تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ میرے خاندان میں ایسی بیہودگیاں کرنے والے کو عاق کر دیا جاتا ہے۔ دوسری شادی وہ بھی پہلی بیوی اور دو بچوں کی موجودگی میں اللہ مان ...... یار مروا دو گی ایسی ڈراؤنی دھمکیاں مت دو۔ میری بیوی کی ملازمہ بننے سے بہتر ہے کہ یہاں حکمرانی کرو۔ کرتا دھرتا تم ہو اس گھر میں۔"

وہ جان چھڑانے کے انداز میں بولا۔ اس گھر کو دیکھو اور خود پر نظر ڈالو۔ کبھی خواب میں بھی ایسے گھر کا تصور نہ کیا ہوگا اور اس گھر کا ہر انچ میرے پیار کی گواہی دے رہا ہے۔ بتاؤ تمہیں کیا چاہئے؟ مکمل سکیورٹی ہوگی یہاں۔ کیوں فکر کرتی ہو۔ تم میرے دل کے ہر گوشے میں ہمیشہ کے لئے آباد ہو چکی ہو۔ تمہیں چھوڑنا ناممکن ہے۔"

"اس گھر کے بدلے مجھے اپنا نام دے دو اور رہنے کو اِک جھونپڑی خدا کی قسم خاموشی سے آپ کے نام کی مالا جپتی ہوئی گمنام زندگی گزار لوں گی۔"

"دانی ایسی زندگی گناہوں کی دلدل سے بدرجہا بہتر ہوگی۔" وہ التجائیہ لہجے میں بولی۔

"یعنی خفیہ نکاح تمہیں سکیورٹی کیسے دے سکتا ہے؟ بچوں والی سوچ ہے تمہاری اس کا کیا فائدہ ہوگا تمہیں۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"بے شک آپ کا نام دنیا والوں سے پوشیدہ ہوگا لیکن عہد و پیمان اور ساتھ نبھانے کو ہم نے اللہ تعالیٰ کی موجودگی میں تسلیم کیا ہوگا۔ یہی قبولیت مرتے دم تک میرے ہونے کے احساس کو اجاگر رکھے گی اور آپ مجھے ہر سانس کے ساتھ اپنے قریب پائیں گے۔"

"ورنہ میری جوانی ڈھلتے ہی آپ مجھے کک آؤٹ کر کے فری ہو جائیں گے تو پھر میں کس رشتے کے بل بوتے پر آپ کو بیتے دنوں کی یاد دہانی کراؤں گی۔"

''کوئی تعلق کوئی رشتہ تو مضبوط ہو کہ آپ مجھ سے فیڈ اپ ہونے کے باوجود بھی میرے ہیں۔''

''تمہارے نکاح میں آنے کے بعد پاکیزہ اور صاف ستھری زندگی گزارنے پر میری بہنیں اعتراض نہیں کریں گی۔ آپ سوچیں کہ ہم کب تک اپنے پیار کی پردہ داری رکھ سکتے ہیں جن دن یہ راز فاش ہوا میری بہنیں مجھے اس غیر معیاری اور سطحی سائبان سے نکال کر لے جائیں گی۔ انہیں میرے جسم کے پور پور سے دولت اور پیسے کی فراوانی چاہئے۔ دانی مجھے اس گناہ آلودہ غلیظ اور ذلیل زندگی سے رہائی دلا دیں۔ میرے اس پیار کے واسطے جس نے میری بند آنکھوں اور سوئے ہوئے ذہن کو بیدار کر دیا ہے۔ مجھے بچالیں۔ میں فخر سے آپ کے نام پر سر اٹھا کر چلوں گی۔ پلیز دانی۔'' وہ ہسٹریائی انداز میں چلاتے ہوئے خود پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی اور اس کے پاؤں پکڑ کر بیٹھ گئی۔ ''مجھے مضبوط رشتہ دے دیجئے آپ کے اختیار میں ہے یہ سب۔ مرد کو چار شادیوں کی اجازت ہے پھر بزدلی کیوں۔ دادی گل فرمایا کرتی تھیں بیوی سے ڈرنے والا شوہر اس چوہے کی مانند ہے جو بلی کو دیکھ کر بل میں گھس جائے مگر زبان اسے ٹائیگر ہونے کا یقین دلاتے ہوئے اسے جھوٹی تسلیاں دیتی رہے۔''

دانیال نے اسے بازو سے کھینچا اور گاڑی تک لے آیا۔ دروازہ کھول کر اسے سیٹ پر گرا کر چیخا۔ ''پاگل ہو گئی ہو۔ اپنی حیثیت بھول گئی ہو۔''

''پیار' پیار' پیار۔ یہ سب بکواس ہے۔ تم جیسی عورتیں داشتہ تو بن سکتی ہیں ان سے فقط وقت گزاری کے مزے لوٹے جا سکتے ہیں۔'' وہ چیختا ہوا اول فول بکتا تیزی سے مین روڈ پر نکل آیا۔ رش میں گاڑی چلاتے ہوئے وہ پاگل ہو رہا تھا۔ جانتی ہو بیوی کے رتبے کی عزت و تحریم کو۔ اس کی آن بان کو جاؤ دنیا کے سامنے چیخ چیخ کر اپنے اور میرے جسمانی تعلق کا چرچا کر لو۔ میرا کیا بگاڑ لوگی۔ میں مرد ہوں دس جگہ منہ مار کر بھی پاکباز اور نکھرا اجلا' اپنی خیر مناؤ ہاں ایسا کہنے سے اپنے گناہوں میں اضافہ کر سکتی ہو۔ فائدہ اٹھاؤ دو ٹکے کی چھوکری۔ میں اپنے والدین اور بیوی کو سمجھا کر مطمئن کر لوں گا کہ ایک افغانی بدچلن اور دولت کی پجاری لڑکی مجھے بلیک میل کر کے شادی کرنا چاہتی تھی۔''

اس سے پہلے کہ وہ اس کے پیار وانس کی اور بے حرمتی کرتا اسے اس کی اپنی نظروں سے گراتا وہ سر سے پاؤں تک لرز گئی تھی۔ اس کی حالت مخدوش ہو چکی تھی۔ اس نے تیز رفتار چلتی پجارو کا دروازہ کھولا اور سڑک پر چھلانگ لگا دی۔ دانیال نے بریک لگاتے ہوئے ہاتھ آگے بڑھا کر دروازہ بند کیا اور ہانپتا کانپتا ہوا باہر دیکھنے لگا۔ تیز رفتار آتی ہوئی کتنی کاروں نے بریک لگا کر اسے بچانے کی کوشش کی' مگر سڑک پر خون کی ندی بہہ نکلی اور دانیال ڈر و خوف سے لرزتا ہوا بھاگنے میں کامیاب ہو گیا جبکہ دل اُس کی اس حرکت پر دھڑکنا بھول گیا تھا۔ اس نے اِک میٹھی اور پیار سے بھرپور زبان سے ابلتے ہوئے زہر کو قبول نہ کیا تھا۔ اِک شاک تھا اس کے لئے اسی کیفیت میں اس نے جان دے

دی۔

وہ کس قدر بدقسمت تھی۔ اللہ تعالیٰ جب حسین صورت کے ساتھ اس کے مقدر کو تاریکیوں سے لکھ دیتا ہے تو اس کا انجام یہی ہوتا ہے۔ ایسی ڈیڈلی کمبی نیشن والی لڑکیوں کی عزت گھر کی چار دیواری میں بھی محفوظ نہیں ہوتی۔ وہاں بھی اپنی ستائش کے چند بول سن کر وہ بھی کسی اپنے رشتے دار کے سبز باغوں کی سیر کو نکل پڑتی ہے۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ میں بے گناہ ہوں۔ وہ بدنصیب تھی ہی پاگل' دیوانی اور حد درجے کی جنونی۔ بھلا کوئی شریف مرد ایسی گھٹیا لڑکی سے پیار کرسکتا ہے۔ شادی تو دور کی بات ہے۔ میں ایسا بھی نادان اور احمق نہیں کہ جھوٹن کو اپنے خاندان کی عزت بنا دوں۔ اُس نے کیا سمجھ لیا تھا مجھے وہ اپنے ضمیر کی لعنت ملامت پر خود کو تسلیاں دیتا ہوا گھر کے بجائے اپنے دوست کے آفس میں جا بیٹھا۔ جس نے اسے گھر کے بدلے ریشم کو ہمیشہ کے لئے اپنے لئے خرید لینے کا مشورہ دیا تھا۔

ریشم بدنصیب نہیں تھی۔ وہ تو خوش بخت نکلی جو دنیا کی ان کلفتوں سے رہا ہو کر اپنی ماں کی آغوش میں جا چھپی تھی۔ دانیال بدنصیب کیا جانے' اس راز کو۔

✣ ✣ ✣

آج دس دن ہونے کو آئے ہیں۔ ریشم کو زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔ کسی طرف سے کوئی اطلاع نہیں مل رہی کہ کس کے ساتھ فرار ہوئی ہے کہاں ہے؟ کس حال میں ہے؟ وہ تھی بھی بہت معصوم اور نادان۔ کسی کی باتوں میں آ گئی ہو گی۔ نجانے کیوں دماغ میں شادی رچانے کا شوق رچ بس گیا تھا۔ میری طرح میں نے تو اس غیر مناسب خواہش کا بھگت کر کیا گین کیا ہے۔ وہ ناسمجھ کیسے بچے گی اتنے بڑے دھوکے سے۔ لگتا ہے وہ کسی ظالم وطنار کے ہتھے چڑھ گئی ہے۔ مجھے خدشہ ہے کہ وہ کہیں اس کی معصومیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے غنڈے اور بدمعاشوں کے آگے بیچ نہ دے۔ پھر ہم اسے حاصل نہیں کرسکیں گی۔ وہ انہی کی تجوریاں بھرنے کا کام کرے گی۔ ہم دونوں بھی اس کی گناہگار ہیں مینو۔" پلوشہ نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"ورنہ آج اس پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔"

"دیدی! تمہاری باتیں سن کر مجھے الجھن سی ہونے لگی ہے۔ خدا کے لئے پچھتاؤں کی دنیا سے باہر نکل کر دیکھو۔ ہم بالکل سیٹ ہیں۔ وہ ہی جذباتی لڑکی طوفانوں میں گھری رہتی تھی۔ ہم پہلے کونسا باعزت وشرفا لوگوں کی لسٹ میں آتی ہیں کہ اس کی عزت کا خوف ہمیں ہلکان کرتا رہے گا۔ اِدھر اُدھر منہ مار کر واپس ہمارے پاس ہی آئے گی۔ وہ فرشتہ دیدی نہیں جو ایک بار روٹھی تو پلٹ کر نہ دیکھا۔ وہ زرتاش دیدی بھی نہیں۔" زرمین نے درشتی سے کہا تو پلوشہ کے آنسو ایک دم سے رک گئے۔ بات تو وہ درست کہہ رہی تھی۔

دوسروں کو اس کی جان لینے سے کوئی مطلب نہیں۔ پھر دیدی ہم جیسی بدنصیب لڑکیاں اپنی عمر بہت لمبی لکھوا کر پیدا ہوتی ہیں۔ شیطان کی عمر بہت طویل ہے۔ ہم اسی کی پیروکار ہیں۔ ریشم کی جان کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔'' وہ آہ بھر کر بولی۔

''مینو تم نے دولت کو بہت اہمیت دے ڈالی۔ اسے حاصل کرنے کے لئے ہم نے کیسے کیسے پاپڑ نہیں بیلے۔ غلطی میری ہے۔ اگر حالات کو بدلنا ہمارے لئے اہم ہو گیا تھا ہمیں پیسہ چاہئے تھا۔ عیش وعشرت والی زندگی کی تلاش تھی' خواہش جائز تھی۔ غلطی یہاں پر ہو گئی کہ بڑی ہونے کے ناطے میں تم دونوں کو سپورٹ کرتی۔ ہر ایک کو تم دونوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت میں نے دی۔ تم دونوں کی بولی میں نے لگائی تھی۔ مجھے معاف کر دو۔ اس دولت کا کیا مان ہاتھ کی میل ہے۔ جیسے کروڑ پتی باپ کی اولاد عرش سے فرش پر گری ہے۔ اسی طرح ہماری حرام کی کمائی ہوئی دولت تو پل بھر ہمارا ساتھ نہ دے گی۔ ہم اس کے پیچھے کیوں بھاگیں؟ دیدی کا فیصلہ درست تھا۔ مجھے امید ہے کہ اب بھی وہ روکھی سوکھی کھا کر شکر ادا کرتی ہو گی اور میٹھی نیند سوتی ہو گی۔''

''وہ ہم سے بہتر رہی کیونکہ سکون واطمینان جیسی دولت سے وہ مالا مال ہے۔ ہم نہیں۔''

''ہم نے تو مفلسی اور محتاجی کو اپنے اوپر خود مسلط کیا ہے۔ اب دُعا کرو میری ریشو واپس پلٹ آئے۔ اس کے پاؤں پکڑ کر معافی مانگ لوں گی اور پھر ہم تینوں دیدی کی تلاش کو نکل پڑیں گی۔''
پلوشہ کی نگاہوں میں پچھتاوؤں کی گھٹائیں اُمڈ آئی تھیں۔ زرمین خاموشی سے اپنے ماضی کی تلخیوں کا تجزیہ کرنے لگی کہ ہم نے جو بھی کیا کیا وہ جائز تھا' بجا تھا کیا؟ تین تنخواہیں ہماری دال روٹی کے لئے ناکافی تھیں یا لالچ اور طمع میں اپنے کردار کے گھٹیا پن اور شرمناک اعمال سے بناوٹی' عارضی اور غیر مناسب دولت سے اپنی جھوٹی اور کھوٹی آن بان بنانے کی تگ و دو تھی۔ یہ ہماری ناسمجھی تھی۔ بھلا جسموں کی بوٹی سے شان وشوکت بن پائی ہے۔ ان کا کیا منصب غضب ہو جاتا اگر نوکری نہ بھی رہتی تو بھی میرے رب نے ہمارے لئے نان ونفقہ کی ذمہ داری خود اٹھا رکھی تھی ہم نے آج تک کبھی بھی کسی ذی روح کو بھوک و پیاس کی وجہ سے موت سے ہمکنار ہوتے نہیں دیکھا پھر ہمارا ایمان کیوں ڈول گیا تھا؟ ہماری نیت' ارادے اور فیصلوں میں کہیں بھی سچا پن نظر نہیں آتا۔ ہم نے تو ماں کی تربیت کا جنازہ ہی نکال دیا ہے۔ کیا یہ ہماری ناتجربہ کار عمر کے نتائج ہیں۔ اُس نے دِل سے کتنے ہی سوال کر ڈالے تھے۔ ذہن نے ہر بار جواب منفی میں دیا تھا۔ الزام ان کی سوچ پر تھا۔ وہ اتنی گہری سوچ میں غرق تھی کہ اسے پلوشہ کے چلے جانے کا احساس تک نہ ہوا تھا۔ آج وہ بھی پچھتاووں میں گھر گئی تھی۔ مگر وقت تو بیت چکا تھا' جو اپنے ساتھ ان کی عزت نفس' نسوانی کروفر تحریم و وقار بہا کر لے گیا تھا۔ آج دونوں کو دیدی زرتاش اور فرشتے بے اختیار یاد آنے لگی تھیں۔

✤ ❖ ✤

فرشتے بجے میں مارکیٹ تک جا رہی ہوں۔ میرے ساتھ چلو گی کہ میں اکیلی ہی ہو آؤں۔"
زینت نے فرشتے کے کمرے کا دروازہ کھول کر اپنائیت سے پوچھا تو فرشتے بستر پر ہی اٹھ کر بیٹھ گئی۔
چہرے پر سخت ناگواری کی لائنیں ابھر آئیں اور وہ زینت کو عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگی۔
"سمجھ گئی تم ریلیکس ہونا چاہتی ہو اور چھٹی انجوائے کرنے کے موڈ میں ہو۔ چلو آرام کرو میں اکیلی ہی چلی جاتی ہوں۔"
"بولو تمہارے لئے کیا لاؤں؟ کیا چاہئے؟ بلا تکلف بتا دو میری جان!" لہجے میں جہاں بھر کا پیار سمٹ آیا تھا۔
"تھینک یو آنٹی مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ سب کچھ تو موجود ہے میرے پاس۔ کھانے کے لئے بھی اور پہننے اوڑھنے کے لئے۔ انسان کی ضرورت چند جوڑے اور دو چپاتی سے زیادہ ہرگز نہیں۔ میرے پاس تو آپ کی مہربانیوں اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے سب کچھ ضرورت سے زیادہ موجود ہے۔ آنٹی کئی بار میں ڈر کر لرز جاتی ہوں کہ کہیں آپ نے میرے قلب و ذہن میں طمع کا بیج تو نہیں بو دیا۔ ان چمکتی ہوئی چیزوں نے میری آنکھوں کو چندھیا تو نہیں دیا۔ اگر ایسا ہے تو ذلالت و رسوائی اور غلاظت و حقارت میرے پیچھے اور رزق حلال' ذہنی سکون و اطمینان اور دلی مسرت میرے آگے آگے بھاگ رہی ہوگی جو میری رسائی سے بہت دور ہوگی۔" وہ فکرمندی اور خوف سے بول رہی تھی۔
"بٹیا تم سوچتی بہت ہو۔ تمہاری عمر میں لڑکیاں زندگی کے ہر لمحے کو انجوائے کرتی ہیں مگر ایسے ردعمل کی تم سے توقع رکھنا نادانی کے سوا کچھ نہیں۔" وہ دکھی سے لہجے میں بولی۔ "تمہیں میری باتیں سمجھ کیوں نہیں آتیں؟ اپنی زندگی گھٹ گھٹ کر گزارنے سے تمہیں ایوارڈ ملنے سے تو رہا۔"
"آپ میری فکر کرنا چھوڑ دیں آنٹی۔ آپ کی حد سے زیادہ توجہ مجھے پریشان کر دیتی ہے۔ پلیز آنٹی مجھے میرے حال میں خود کے ساتھ جینے دیں۔ میں آپ کی بہت احسان مند ہوں میں جانتی ہوں کہ آپ جیسی مخلص اور مربی عورتیں بہت کم ہوتی ہیں۔ میں بہت خوش قسمت ہوں۔ اس کا احساس بھی آپ کا مرہون منت ہے۔ میں اک ناچیز' حقیر و ناتواں ابھی تک زندہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔ جسے آپ جیسی ماں کا سایہ نصیب ہوا اگر آپ میری ماں نہ ہوتیں تو نجانے میں کہاں بھٹک رہی ہوتی۔ بعض اوقات میں آپ کا دل دکھا دیتی ہوں۔" وہ مؤدبانہ انداز میں بولی۔
"تمہاری زبان تو مجھے ماں کہتی ہے مگر تمہارا دل نہیں مانتا۔ اس رشتے کو ہے ناں یہ بات۔ پیدا کرنے والی ماں سے پالنے والی ماں بہت اعلیٰ درجات پر فائز ہوتی ہے۔ تم مجھے کس کیٹگری میں لاتی ہو۔" وہ پژمردہ لہجے میں بولی۔
"آپ نے ایسے کیسے سوچ لیا کہ سب میرے منہ کی باتیں ہیں۔" وہ ندامت سے بھرپور لہجے میں بولی تو زینت اِک لمبی آہ کو دباتے ہوئے باہر نکل گئی۔

آنٹی کو نجانے کیا پرابلم ہے میں ہزار بار احسانات لینے سے انکار کر چکی ہوں۔ محترمہ کو میری کوئی بات سمجھ ہی نہیں آتی۔ میرا بال بال احسانات میں الجھانے پر کیوں تلی ہے۔ اس عمل میں صرف ہمدردی نہیں کچھ اور بھی پوشیدہ ہے۔ ذومعنی باتیں' ذومعنی اشارے کنائے' ذومعنی ڈانٹ ڈپٹ یہ سب کیا ہے؟

وہ شکوک وشبہات میں گھری ہوئی وارڈن کے کمرے میں آ گئی۔

دراصل آنٹی کے بارے میں کچھ معلومات لینا مقصود تھا۔ مگر وارڈن اچھی گھاگ قسم کی عورت تھی' بھلا اس کے قابو میں کیونکر آتی۔ منہ سے ایک لفظ تک نہ پھوٹی۔

❖ ❖ ❖

"ڈیڈی چاہے میرے سات ٹکڑے بھی کر دیں پھر بھی جاب نہیں کروں گی' کیونکہ اس ہماری تباہی کی شروعات اس جاب سے ہی ہوئی ہے۔"

"جاب کی خاطر ہم نے جتنی قربانی دے ڈالی ہے اس کے زخم عمر بھر بھر نہیں سکیں گے۔ میں گھر میں رہنا چاہتی ہوں اور راتوں کی تنہائی میں اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنا چاہتی ہوں نہ کہ محفلوں کی روح رواں بنوں۔ ہماری رگوں میں طوائفوں کا خون گردش نہیں کر رہا۔ ہم نے تو حد ہی کر دی۔" زرمین نے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ مگر میری بہنا زندگی کی گاڑی ایک پہیے سے تو چلنے سے رہی۔ جاب میں تو کوئی قباحت نہیں۔ میں بھی دن میں جاب کرنے کے بارے میں سوچنے لگی ہوں۔" اس کی آنکھیں نجانے کتنے ہی پانیوں سے بھر گئی تھیں۔

نمکین' کڑوا اور کسیلا پانی جو رکنے کا نام نہ لے رہا تھا' کیونکہ اس گھر کو چلانا مشکل ہو گیا تھا۔ ہمیں اپنے اخراجات مین ٹین کرنے کے لئے کچھ کرنا ہوگا۔

"ڈیڈی آپ کو یہ رونا دھونا زیب نہیں دیتا۔ پلیز غور وخوض کرتے ہیں کہ کیا کیا جائے۔ دن بدن ہماری مارکیٹ ویلیو کم ہونے کے امکان ہیں۔ ہر روز نئی دوشیزہ یہاں انٹرڈیوس ہو رہی ہے۔ دو بہنیں تو ہم لوز کر چکی ہیں۔ کہیں ہم دونوں بھی یہاں کی ڈھول ہی نہ بن کر رہ جائیں۔ مجھے اپنی ذات میں نحوست کی بو نے وارن کر دیا ہے کہ کچھ سوچا جائے۔ اپنے بارے میں۔ ہمیں مل کر رہنا ہے۔ مل کر چلنا ہے اور اپنی دونوں بہنوں کو تلاش کرنا ہے۔ یہ ہمارا مقصد حیات ہونا چاہئے۔ باقی سب بھول جائیں کہ ماضی کیا تھا' حال کیسا بیت رہا ہے اور مستقبل کیا رہے گا؟" زرمین نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے ملائمت سے کہا۔

"مجھے جی بھر کر رو لینے دو مینو شاید میرے دل پر چھایا ہوا غبار اور ذہن کا واویلا کچھ کم ہو جائے۔" پلوشہ کے آنسو اور تیزی سے رواں ہو گئے۔

''دیدی یہاں سے بھاگ چلتی ہیں۔ کسی بڑے شہر میں پاکیزگی اور شرافت کی زندگی گم نامی میں بسر کرنے میں جو مزا اور تسکین ہو گی مجھے اس کا اندازہ ہو چکا ہے۔ دیدی گناہوں کی لذت بہت کم مدت کے لئے ہوا کرتی ہے۔ آخر کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر ضمیر نام کا ایک چھوٹا سا جاندار احساس بھی تو ڈال رکھا ہے۔ بھلا ہم اس کی پکار و فریاد کو کب تلک خاموش رہنے پر مجبور کر سکتی ہیں۔ آج وہ پوری آب و تاب سے ہم پر حملہ آور ہو کر ہمیں بیدار کرنے کی کوشش کرنے لگا ہے۔'' وہ بھی گریہ زاری کرنے لگی۔ لمحہ فکریہ ہے دیدی۔ ایسا نہ ہو کہ کل تک ہم پھر اس احساس سے باہر نکل کر اپنی روٹین میں آ جائیں۔ اس جگہ کو جلد از جلد چھوڑنا چاہئے۔''

''ہم ریشم کو یہاں چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہیں مینو ایک دن وہ واپس آئے گی۔ میرا دل گواہی دے رہا ہے۔'' پلوشہ کے لہجے میں امید و بیم تھی اور ایک زوردار آہ بھر کر دعائیہ و التجائیہ انداز میں بیٹھ گئی۔

''دیدی تم اس گھر کے در و دریچے کھلے رکھو کہیں وہ آ کر مایوس پلٹ نہ جائے۔ میری چھوٹی سی ننھی منی بہنا۔ اس کا ضمیر تو ہم سے پہلے زندہ ہو گیا تھا۔''

زرمین نے اتنے کرب سے کہا کہ دونوں ایک دوسرے کے گلے لگی دھاڑیں مار مار کر بین کرنے لگیں۔ ''تمہیں کہاں ڈھونڈیں ریشو؟ ہمیں معاف کر کے واپس پلٹ آؤ۔ پھر ہم تینوں چند ہزار کی نوکری کر کے باعزت زندگی گزاریں گی۔ میرا تم سے وعدہ ہے ریشو واپس آ جاؤ۔ پھر دیدی کا کلب جوائن کرنے یہاں سے بہت دور چلی جائیں گی۔''

''تم کہاں جانے کا سوچ رہی ہو؟'' پلوشہ نے کافی دیر بعد سنبھل کر کہا۔

''اسلام آباد جاؤں گی۔ دیدی کی تلاش میں۔ اس پاکیزہ اور گھنے سائے میں سکون کی گہری نیند میں سو جاؤں گی اور پھر ایک دن کسی ایک کی ہو جاؤں گی۔'' زرمین نے سوچتے ہوئے کہا۔

''دیدی! تم بھی ایسا ہی کرنا۔ ایسا شوہر چاہے دو وقت کی سوکھی روٹی اور رہنے کے لئے کٹیا ہی کیوں نہ دے اس کا مزا ہی اور ہو گا۔''

''مینو! کیا تم کمان سے نکلے ہوئے تیر کو واپس لا سکتی ہو۔ عورت کی عزت پر ایک بار معمولی سا داغ بھی لگ جائے تو وہ ہزار ہا طریقوں سے بھی دھل نہیں پاتا۔ ہماری عزت تو کروڑوں سیاہ داغوں کی آماجگاہ میں جا چھپی ہے۔ اُسے کہاں کہاں تلاش کرو گی۔ تم میری بات یاد رکھنا کہ ہماری رپورٹ ہم سے آگے آگے چلے گی۔ ہم دال روٹی اور جھونپڑی کا انتخاب کرنا بھی چاہیں تو دنیا والے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں گے۔ ہم پر زور آوری کی جائے گی۔ ہمیں طعنوں و تشنوں سے واپس اسی رستے پر ڈالنے پر مجبور کیا جائے گا۔ اب بھول جاؤ کہ ہم شاہ عبدالعزیز کی بیٹیاں ہیں۔ اب ہم پر جو لیبل لگ چکا ہے اس کے درمیان بابا کا نام نہیں آنا چاہئے۔ یہ ہتک ہے ان کی۔ پہلے ہی ان کی روح بے

چین ہو کر ہمیں بد دعائیں دے رہی ہو گی۔'' پلوشہ نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

''ہمیں اپنے رب کے بعد ان سے معافی مانگنی چاہئے۔ اگر انہوں نے ہماری غلطیوں کو درگزر کر دیا تو پھر کسی فرشتہ صفت انسان کو ہمیں اپنانے میں عار محسوس نہیں ہو گی۔ مجھے اِک چھت چاہیے جو ٹپکتی ہوئی بھی میرے گناہ کو دھو ڈالے گی۔''

زرمین نے پچھتاوے سے بھرپور لہجے میں کہا اور سر جھکا کر بیٹھ گئی۔

''ہم نے جسے اپنی خوش قسمتی گردانا وہ تو بیہودگی تھی مینو۔ ریشم کے آتے ہی ہم کراچی جا کر آباد ہو جائیں گی۔ جہاں ہمیں کوئی بھی جانتا نہیں ہو گا۔ شاید ہماری خواہشوں کے مطابق ہمیں کچھ حاصل ہو جائے۔''

پلوشہ نے اس کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ پھیرا۔ ''دیکھنا میری جان سب درست ہو جائے گا۔ غلطی کا اعتراف عبادت ہے۔ اس کا اقرار توبہ استغفار ہی تو ہے۔''

''دیدی اگر تم مناسب سمجھو تو مجھے یہاں سے جانے دو۔ دیدی کسی ہوسٹل میں رہ رہی ہو گی۔ اسلام آباد کونسا اتنا بڑا ہے کہ اسے ڈھونڈنا مشکل ہو جائے گا۔ تم ریشم کو انہی غلیظ اور تاریک گلیوں میں تلاش کرنے کی کوشش کرو۔ وہ یہیں کہیں چھپی ہوئی ہے۔'' زرمین نے تسلی دینے کے لہجے میں کہا۔

''مجھے یہاں اکیلے چھوڑ جاؤ گی۔ میں جی نہیں پاؤں گی۔'' پلوشہ تڑپ کر بولی۔

''دیدی! ذرا دل بڑا رکھو اور ہم دونوں اس مشن پر نکل کر پھر سے یکجا ہو جائیں۔ ہم چاروں بہت جلد پھر سے ایک کمرے کے گھر میں مل جل کر دال روٹی کو بھی خوب انجوائے کریں گی۔ دیدی! لگتا ہے ہمارے دن پھرنے والے ہیں۔ ہم خان ماما کی مدد بھی لے سکتی ہیں۔ ہم ان سے بھی معافی مانگ لیں گی۔ توبہ کے بعد تو گناہوں کی دلدل میں پھنسے ہوئے لوگ بھی اللہ کے پیارے بن جاتے ہیں۔ دیدی ہمیں بھی ناسمجھی میں کی ہوئی غلطیوں اور کوتاہیوں کی معافی ضرور ملے گی۔ اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔'' وہ بے اختیار ہو کر پلوشہ کی آغوش میں سر رکھ کر لیٹ گئی اور پلوشہ اُس کی معصومیت پر خون کے آنسو آنکھوں سے بہانے کے بجائے اپنے اندر ہی گرانے لگی۔

''تو پھر دیدی! میں تیاری کروں۔'' وہ لیٹے ہوئے بولی۔

''مینو صرف دو ماہ کی مہلت دے دو۔ دونوں یہاں سے چلی جائیں گی۔ مجھے امید ہے ریشم واپس آ جائے گی۔ اگر نہ بھی آئی تو کم از کم اس کی خبر ہمیں مل جائے گی کہ وہ ہے کہاں؟ اگر اس نے شادی کر لی ہے تو اس سے بڑھ کر اور خوش نصیبی کیا ہو سکتی ہے ہمارے لئے۔ پھر ہم اپنا سایہ بھی اس کی ازدواجی زندگی پر پڑنے نہیں دیں گی۔ اگر وہ کسی کے دھوکے اور فریب کے جال میں پھنس کر کہیں آگے بیچ دی گئی ہے تو ہم دونوں اسے درندوں سے چھڑا کر لائیں گی۔ چاہے ہماری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ تب تک مجھے نہ چین ہے نہ ہی سکون و آرام ہے۔''

پلوشہ نے اس کے مضطرب چہرے کی طرف دیکھ کر دکھی لہجے میں کہا۔ ’’مینو میرا دل چاہتا ہے میں اپنی ان بے باک اور بے حیا آنکھوں کو پھوڑ دوں۔ اپنی اس مکروہ اور بیہودہ مسکراہٹ پر ہمیشہ کے لئے بند باندھ دوں۔ اپنے اس عریاں اور شرمناک لباس کو تار تار کر کے پانیوں کی نذر کر دوں اور اپنے بدن کو ہر پل کچوکے لگا کر زخمی کر کے اس کی رگوں سے ناپاک خون کو بہا دوں اور جنگلوں میں نکل جاؤں اور اس پاک ذات کی جستجو کروں جسے میں نے کھو دیا تھا۔ شاید ایسا کرنے سے مجھے سکون نصیب ہو جائے۔‘‘ وہ مکھی کی طرح ہاتھ ملتے ہوئے بولے جا رہی تھی۔

’’دیدی! میرے دل کا حال تم سے چھپا ہوا نہیں۔ میری زندگی کا ہر لمحہ پچھتاووں سے ہمکنار ہے۔ اب زندگی گزارنے کے لئے مجھے قارون کے خزانے کا لالچ نہیں رہا۔ اس غلیظ لیوش لائف گزارنے کی تمنا بھی نہیں رہی۔‘‘ زرمین نے مستحکم لہجے میں کہا۔

’’میں بھی اسی بات کا اقرار کرتی ہوں لیکن ہمیں نہایت دانشمندی سے اس زندگی کو چھوڑ کر کہیں فرار ہونا پڑے گا۔‘‘

’’اس وقت جذباتی فیصلہ کرنے کا وقت نہیں۔ جن لوگوں کی دولت پر ہم عیش وعشرت کی زندگی گزار رہی ہیں وہ ہمیں یوں آسانی سے نہیں چھوڑیں گے۔ وہ جونکوں کی طرح ہماری جوانی کے آخری سانس تک ہمارا خون چوستے رہیں گے۔ اگر مجھے ریشم کا انتظار نہ ہوتا تو خدا کی قسم میں ابھی اور اسی وقت حرام سے کمائے ہوئے پیسے کی ایک ایک چیز کو آگ لگا کر یہاں سے رخصت ہو چکی ہوتی۔ مجھے صرف اور صرف اپنی گڑیا کا انتظار ہے اور ڈرا نہی گاہکوں کا ہے جو دن میں دس دفعہ فون پر دھمکیاں دیتے ہیں۔ مینو! مجھے سکون جیسی دولت چاہئے۔ گلٹ نے میری نیندوں کو اجاڑ دیا ہے۔‘‘

’’مینو یہ احساس جرم بھی قیامت سے کم نہیں۔ جہنم ہے جس میں میں ہر پل آگ کے شعلوں میں جھلس رہی ہوں۔ دوزخ ایسی ہی تو ہو گی مینو۔‘‘

’’دیدی آپ مضبوط رہیں کوئی ذی روح ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ سب دھمکیاں ہیں اور دھمکیوں اور بڑیوں میں کبھی سچائی نہیں ہوا کرتی۔ نہ ہی ان میں مضبوطی ہوتی ہے۔ خوامخواہ خوفزدہ ہو گئی ہو۔‘‘ زرمین نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے ہمت سے کہا۔

’’مینو ہمارے بہانے کب تک کام کریں گے۔ یہ دنیا والے بہت چالباز ہیں۔ کسی کی جیب سے پیسہ نکالنا اور اسے ہضم کر لینا اتنا آسان نہیں۔ مجھے آج اس کا احساس ہوا ہے۔ ہماری عزت لٹنے کا کسی کو احساس نہیں اپنا پیسہ صرف کرنے کا قلق ہے۔‘‘

’’دیدی آنسو بہانے کے دن تو چلے گئے۔ پھر کیوں آہ و بکا سے خود کو ہلکان کر رہی ہو۔ ہمت سے کام لو ورنہ میرا حوصلہ ڈھے گیا تو کام بالکل ہی خراب ہو جائے گا۔ پھر ہمیں اغوا کرنا اور ہماری جوانی، حسن اور کم مائیگی کا سودا کرنا تمام ٹھیکیداروں کے لئے بہت آسان ہو جائے گا۔‘‘ زرمین نے

سمجھاتے ہوئے کہا۔

''آنسو بہانے اور خود کو زدوکوب کرنے کے دن تو اب ہم پر مسلط ہوئے ہیں کیونکہ ضمیر نے احساسِ گلٹ کو بیدار جو کر ڈالا ہے۔''

''اب میں کسی خوش فہمی اور خوش گمانی میں مبتلا ہو کر خود کو بے وقوف نہیں بناؤں گی۔'' پلوشہ آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔

''جب انسان کی زبان سے سچائی اگلنے لگتی ہے' چاہے وہ زہر سے بھی کڑوی کیوں نہ ہو؟ کتنی ہی خوفناک اور غلیظ کیوں نہ ہو انسان کو تسکین وطمانیت سے ہمکنار ضرور کرتی ہے۔ سچائی ایک بے حدو بیکراں سمندر کی مانند ہے جو اپنے اندر تمام فریب اور دھوکے کو سمو کر گناہگار کو پاکیزگی و تقدس سے ہمکنار کر دیتی ہے۔ دیدی آج ہم دونوں نے مل کر سچائی کے اس گہرے اور فراخ سمندر میں چھلانگ لگا دی ہے۔ ذرا سمندر کی تہوں تک پہنچنے کی ہمت کو بروئے کار تو لائیں۔ وہاں گونگے' سیپیاں اور دودھ کی مانند سچے موتی اور سونے کے چمکتے دمکتے ہوئے ذات' ہمیں خوش آمدید کہنے کو تیار ملیں گے۔ یہ سچائی کا اجر ہے اور ایسا انعام ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔ تاحیات ساتھ دیتا ہے۔ آنسو صاف کرو اور سچائی کے اس انعام کو جھولی میں بھر لو۔ ضمیر کو بھی سکون وقرار مل جائے گا۔ ضمیر کی طمانیت اور تسکین ہی تو باری تعالیٰ کی طرف سے عفوو درگزر کی نشاندہی کرتی ہے۔ تم ذہن اور قلب کو کشادہ کر کے اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو داخل ہونے تو دو۔ تمام اندیشے' ڈر جو شیطان کی ہی صورت ہیں ان سے چھٹکارا حاصل کر لو گی۔''

''مینو یہ اتنی بڑی بڑی باتیں تم نے کہاں سے سیکھی ہیں۔'' وہ آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔

''تم تو بہت عقلمند ہو گئی ہو۔ میں ہی پیچھے رہنے والوں میں شامل ہوں۔ مینو چلو کسی پیر و مرشد کو پکڑتے ہیں۔ ان کی رہنمائی لیتے ہیں۔ شاید صحیح رستہ بھائی دینے لگے۔'' پلوشہ نے جھینپ کر کہا۔ ''تم نے کہاں سے درس لیا ہے اس بے درد جہاں سے' اس دنیا میں بسنے والے خودغرض اور مطلب پرست لوگوں سے' اپنے تلخ و جان لیوا تجربات و مشاہدات سے' کون کہتا ہے کہ میں بیس سال کی ہوں۔ دیدی بے شک میرا جسم جوان ہے مگر میرے اندر بوڑھی' عمر رسیدہ اور جہاندیدہ روح سرایت کر گئی ہے جس نے اَن گنت سالوں کی سردی گرمی' نشیب و فراز اور تلاطم دیکھا ہے۔'' وہ خود اعتمادی سے بولی۔

''سگریٹ کا فقط ایک کش اور وائن کا ایک گھونٹ ہمارے اندر کی سچائی' عزت و آن پر غلبہ پا کر ہم سے ہر وہ کام کروانے میں کامیاب ہوا ہے جس کے لئے عورت کو بنایا نہیں گیا۔ اب ہم نے حقیقت کو فراخ دلی سے قبول کر لیا ہے۔ یوں سمجھو کو توبہ کر لی۔ پھر یہ پچھتاوا اور رونا دھونا کیسا؟ صبر کرو اور اللہ سے حوصلے کی التجا کرو۔ وہ سننے والا ہر وقت ہمہ تن گوش ہے۔''

''تم کتنی سمجھ دار اور عقلمند ہوگئی ہو۔ میں نے تو اس کا کبھی تصور ہی نہیں کیا۔ مینو آج سے اللہ کی پاک کتاب سے رہنمائی لیتے ہیں۔ نمازوں سے اپنے گناہ بخشواتے ہیں۔ کیا وہ ہمیں معاف کر دے گا۔'' پلوشہ نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

''کیوں نہیں دیدی۔ مجھے تو نماز پڑھنا وضو کرنا ہی بھول چکا ہے۔ قرآن مجید پڑھنا تو دور کی بات ہے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہم ایک مسلمان گھرانے کی پروردہ بچیاں تھیں۔ خود کو کیا بنا لیا؟ ہمارا کوئی دین کوئی مذہب ہی نہیں رہا۔'' وہ رنجیدگی سے بولی۔

''میں کسی مولانا صاحب کے بارے میں معلوم کرتی ہوں جو ہمیں گھر آ کر تعلیم دے جائے۔ نجانے ہماری نجاست اور نحوست بھری زندگی کے پیش نظر ہمیں کوئی نیک بندہ منہ بھی لگاتا ہے یا نہیں۔ مینو بس دعا کرو کہ ہماری ریشو خیریت سے ہو۔ خوش و خرم زندگی گزار رہی ہو اور ایک دن اچانک اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ وارد ہو کر ہمیں حیران کر دے۔ ایسا ہو گا ناں۔'' پلوشہ نے امید وبیم لہجے میں کہا تو زرمین بھی آس وامید کی دنیا میں پہنچ گئی۔

دونوں کے چہروں پر سکون واطمینان کی ہلکی سی پرچھائیاں پھیل گئیں۔ تمام ڈر اور خوف سے وقتی طور پر سہی نجات مل گئی۔

''مینو آج اپنے ہاتھ سے پاکستانی ریسپی سے دال اور چاول تو بناؤ۔ چٹنی، رائتہ اور اچار بھی ہونا ضروری ہے۔'' پلوشہ نے لمبی آہ بھر کر کہا۔

''ضرور دیدی ہمیں آج کے بعد انہی کھانوں میں صبر وشکر کا تڑکہ لگا کر خوش ذائقہ بنانا ہے۔'' زرمین نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر دونوں گلے لگ کر رو پڑیں۔ اس بار آنسو خوشی میں بہہ نکلے تھے۔

❖ ❖ ❖

فرشتے کا کلاس میں دل لگنا اور بچوں کے الٹے سیدھے معصوم سوالات کی بھرمار سے محظوظ ہونا کافور ہو گیا تھا۔ اس نے کسی کو تو یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ آنٹی کی دوست کے سکول کی نوکری چھوڑنا چاہتی ہے۔ حالانکہ یہاں پر ہر طرح کا آرام تھا۔ پانچ منٹ کی واک پر ہوسٹل تھا۔ نہ ہی کسی کی محتاجی نہ روز کی چخ چخ تھی۔ تنخواہ بھی معقول تھی۔ بی اے کی تعلیم کو اب تو بیسک تعلیم کا نام دیا جاتا تھا۔ اس لئے اسے زیادہ تنخواہ کی توقع تھی نہ کسی قسم کی اپنے بارے میں خوش فہمی تھی۔

مسئلہ آنٹی کا حد سے بڑھ کر بیٹھے پن کا تھا۔ اس قسم کی بے دھڑک اور بے لگام سوچیں اسے ہمیشہ مضطرب رکھا کرتی تھیں جن میں خدشات کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تھا۔ اِک جوان انجان لڑکی کی ذمہ داری اٹھانا مذاق تو تھا نہیں کہ آنٹی ہر وقت اس کی ہر ذمہ داری اٹھانے کو تیار رہتی تھی۔ یہ تو فرشتے ایسی مستقل مزاج ٹھہری تھی کہ اس کی کسی بات کا مثبت اثر نہ لیتی۔ ہمیشہ اس کی ہر آفر پر منفی رنگ چڑھا کر اس سے اور دور ہو جاتی اور آنٹی کی ڈھٹائی میں بھی ایسی ثابت قدمی تھی کہ وہ دس قدم اور

آگے بڑھا دیتی۔ اسے اس کی یہی حرکت بہت ناگوار گزرا کرتی تھی اور شکوک وشبہات بتدریج اس کے ذہن پر حاوی ہوتے جاتے۔ جس پر اس کا اپنا اختیار نہ رہتا۔

وہ ہر وقت مشیت ایزدی سے اس سے پناہ اور راہ راست کی دعائیں مانگنے سے بھی اطمینان نہ ملتا تھا۔ حالانکہ اس نے نوٹ کیا تھا کہ ہوسٹل میں رہنے والی ہر لڑکی کی زبان پر آنٹی کی مدح سرائی میں باتیں سننے میں آیا کرتی تھیں۔ اس لئے وہ کسی سے اس کے اندر ڈھپی ہوئی اس عورت کے بارے میں وہ سوال نہیں کر سکتی تھی جو اس کے ذہن میں اٹھتے بیٹھتے اور سوتے جاگتے محو گردش رہتا تھا۔

آخر گیان و دھیان کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ سب سے پہلے وہ حالیہ سکول کی نوکری چھوڑے اور ساتھ ہی کسی اور ہوسٹل میں منتقل ہو جائے۔ اتنے عرصے میں وہ نئی نوکری کی تلاش میں بھی خاصی مصروف رہنے لگی تھی۔

مگر بدقسمتی سے نوکری نے ہر سکول کا دروازہ ایسے مقفل کر دیا تھا جیسے اس زنگ آلود قفل نے کبھی نہ کھلنے کی قسم اٹھا رکھی ہو۔ ناکامی کا احساس صدمے و دکھ کی صورت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ کسی سے اپنی پریشانی شیئر بھی کرنا مناسب نہیں لگ رہا تھا۔ دن اسی کشمکش میں بیتے جا رہے تھے۔

ڈنر کے بعد زینت نے وارڈن کو اپنے کمرے میں بلایا اور لاہور جانے کا پروگرام بننے لگا۔ چند لڑکیوں کی ناموں کی لسٹ میں فرشتے کا نام بھی سرفہرست تھا۔ جب فرشتے پر اس خبر کا انکشاف ہوا تو وہ تڑپ کر رہ گئی۔ اس سے مشورہ کئے بغیر زینت یہ فیصلہ کرنے کی مجاز نہیں تھی۔ فرشتے نے غصہ پی کر انکار کر دیا تو زینت خلاف توقع قہر و جلال سے کانپنے لگی۔ اس کا یہ روپ اس نے پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ حیرت سے اسے آنکھیں پھاڑے دیکھنے لگی۔ تو زینت نے خود کو سنبھال کر ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"فرشتے مجھے ڈر ہے اس کال کوٹھری میں ڈل پڑ جاؤ گی۔ اگر ہمیں ایک دوسرے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی تو ہمارے والدین اور خاندانوں کی کوئی وقعت نہ ہوتی۔ دوست واحباب کو اہمیت نہ دی جاتی۔ زندگی تنہائی میں گزارنا خود پر سراسر زیادتی ہے اور بے انصافی ہے۔ یار گھومو پھرو، عیش کرو۔ خدا کی قسم تم جیسی ضدی اور خود پرست لڑکی میں نے آج تک نہیں دیکھی۔ میری قربت نے تمہاری جیسی بے شمار ٹیڑھی لڑکیوں کو تیر کی مانند سیدھا کیا ہے مگر تم تو بالکل ہی منفرد اور انوکھی ہو۔"

"آنٹی دراصل لاہور میں میرا کوئی کام تو ہے نہیں پھر یہ سیر و سیاحت کے شوق پالنا میرے بس کا کام نہیں۔ میری حیثیت اس کی اجازت نہیں دیتی۔" وہ روکھائی سے بولی۔ "اور دوسرا میں آپ کی مزید احسان مند نہیں ہونا چاہتی۔ پلیز آنٹی مجھے اتنا بے غیرت تو نہ بنا دیں کہ اپنا بھی سامنا نہ کر سکوں۔ مجھے اپنی نظروں میں اتنا گھٹیا اور حقیر تو نہ بنا ڈالیں کہ سانس لینا دوبھر ہو جائے۔"

"بہت ضدی اور عاقبت نااندیش لڑکی ہو۔ کم عمر ہو ناں اس لئے انا کے سفر پر گامزن رہنے

میں جو خوشی محسوس کرتی ہو بالکل غیر پائیدار ہو۔فینٹیسی کی دنیا سے باہر نکل آؤ۔ بٹیا أنا کا یہ تنہا سفر انسان کو ڈیپریس کر دیتا ہے۔ مجھے ہر وقت تمہاری فکر رہتی ہے۔سب میں مکمل مل کر رہو گی تو ہو سکتا ہے تمہیں شادی کی اپچونٹی بھی مل جائے۔اس کے بغیر زندگی کا گزرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ بٹیا میں تین بچیوں کو لاہور اس لئے لے کر جا رہی ہوں وہاں سے ان کے لئے کھاتے پیتے گھرانوں کے رشتے آئے ہیں۔سوچا ان کی سیر و تفریح بھی ہو جائے گی اور لڑکوں کو بھی ان سے ملوا دوں گی۔آج کل کا زمانہ بہت ایڈوانس ہو گیا ہے۔لڑکیاں لڑکوں سے ملے بغیر رشتے کی حامی ہی نہیں بھرتیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولے جا رہی تھی۔

''میرا وہاں کیا کام آنٹی؟'' وہ حیرت سے بولی۔''میں خوامخواہ ہی منہ اٹھائے چل پڑوں۔''

''مقصد مجھے کمپنی دینا ہے۔'' وہ اپنائیت سے بولی۔

''کمپنی کے لئے تین لڑکیاں آپ کے ہمراہ تو ہیں نا۔ پھر میری ضرورت کیوں؟'' وہ آہستگی سے بولی۔

''سوچ رہی ہوں کہ آنٹی کیا ان لڑکیوں کے والدین حیات نہیں ہیں اور دوسرا ان کی تعلیم بھی نامکمل ہے۔خدا کے لئے آنٹی آپ عقل و سمجھ سے کام لیجئے گا۔ یہ بچیاں تو بالکل ہی احمق نکلیں۔اتنی جلدی شادی کی ضرورت ہی کیا ہے بھلا؟''

''بٹیا آج کل لڑکیاں والدین کی سنتی ہی کب ہیں؟ اپنے رشتے داروں میں جانا پسند نہیں کرتیں۔ ویسے رشتے کروانا بھی تو صدقہ جاری ہے۔اس لئے بہترین اور اعلیٰ رشتے ڈھونڈ کر ان کے والدین کو انفارم کرنا میرا کام ہے کیونکہ میرا دائرہ احباب بہت وسیع ہے۔ میرے لئے مشکل نہیں۔ میں نے اس ہوسٹل میں مقیم سینکڑوں لڑکیوں کے رشتے کرائے ہیں۔ باقی فیصلہ تو والدین کا ہی ہوتا ہے۔ وہ جانیں اور ان کا کام۔ میری زندگی کا یہی مقصد سمجھو۔'' وہ فخر سے بول رہی تھی۔''اور جن کا کوئی والی وارث نہیں ہوتا میں اس کا مسیحا بن جاتی ہوں۔''

فرشتے امپریس ہوئے بغیر نہ رہی۔اس کی باتوں سے سچائی کا گمان ہونے لگا تھا کیونکہ اس کی حرکات بھی تو پر خلوص اور ہمدردانہ تھیں۔

''تمہاری شادی بھی میری ذمہ داری ہے۔تم تو مجھے اچھی بھی بہت لگتی ہو۔تمہارے لئے رشتوں کی کمی نہیں۔ اپنے گھر کی ہو جاؤ۔ میری خوش قسمتی ہو گی۔ بٹیا شادی ہر لڑکی کے لئے بہت ضروری ہے۔ورنہ یہ بادشاہوں کی بچیاں عمر بھر کے لئے والدین کی چوکھٹ پر بیٹھی رہتیں۔ بھلا انہیں کیونکر بھاری ہوتیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے شگفتہ لہجے میں بولی۔

''آنٹی پلیز اس ہمدردی کی فی الحال ضرورت نہیں۔ مجھے شادی نہیں کرنی۔ میری جیسی لاوارث اور بے سہارا لڑکیوں کے لئے شادی ایک گناہ اور گالی بن جاتی ہے۔ پھر کالج اور یہاں کے ماحول

میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ وہاں عورت کی غیرت وتحریم کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اسے تحفظ سے نوازا جاتا ہے۔ دوسرے کی بیٹی کو اپنی بیٹی تصور کیا جاتا ہے۔ مگر یہاں ایسا کچھ نہیں۔ یہاں عورت کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ میں یہاں کے ماحول میں ایڈجسٹ نہیں ہوسکتی کیونکہ میرا ایسے ہی لوگوں سے واسطہ پڑتا رہا ہے۔ زبان میں سطحی شرینی اور ہمدردی مگر زبان کے نیچے چاقو اور خنجر رکھنے والے ہر وقت شکار کی تاک میں ہوتے ہیں۔ میں نے تو یہاں ایسے ہی منافق ہر قدم پر دیکھے ہیں۔ میں بہت جلد کابل چلی جاؤں گی۔ وہی میرا پیارا وطن ہے جو میرے لئے فخر اور میرا ایمان ہے۔ یہاں کا قیام تو وقتی اور عارضی ہے۔ آپ کا بہت بہت شکریہ آنٹی کہ آپ میرے بارے میں اتنی گہرائی سے سوچتی ہیں۔ مجھ سے اتنی ہمدردی اور انسیت ہے آپ کو ورنہ اس زمانے میں تو کوئی کسی کا نہیں۔ نفسانفسی کا عالم ہے۔'' وہ سنبھل کر احتراماً بولی۔

''تو پھر تم میرے ساتھ مجھے کمپنی دینے نہیں جا رہی۔ سکول سے چھٹی لینا مجھ پر چھوڑ دو۔ سکول بھی اپنا اور فرشتے بھی اپنی ہے ناں۔'' وہ اپنائیت سے بولی۔

''آنٹی پھر کبھی سہی۔ وعدہ رہا آپ خوب انجوائے کریں اور خیریت سے واپس آئیں۔'' وہ ٹالنے کے انداز میں بولی۔

بہت پکی اور خفیہ ہو۔ مان گئی ہوں۔ وہ اسے غور سے دیکھ کر سوچنے لگی۔ اتنے مہینوں میں کیا مجال کہ تمہیں ون پرسنٹ سمجھ سکی ہوں۔ حیرت کی بات ہے۔

دوسری صبح وہ تین لڑکیوں کے ہمراہ لاہور کے لئے روانہ ہوگئی۔ لاہور سے ٹیچیر وانہیں لینے آئی تھی۔ وہ دن بھر سکول میں تذبذب کے عالم میں گھری رہی کہ چکر کیا ہے؟ دال میں کالا ہی کالا نظر آ رہا تھا۔ وہ خوفزدگی اور پژمردگی میں مبتلا آج چھٹی سے پہلے ہی ہوسٹل آ گئی تھی۔ وارڈن کے کمرے کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے اپنا نام سنا تو وہ وہاں رُک گئی۔ وہ فون پر کسی سے باتیں کر رہی تھی۔

''جی آپ فکر کیوں کرتے ہیں؟ فرشتے فرشتوں کی طرح معصوم اور حسین ہے۔ آج میڈم کو منہ بولی قیمت دیں گے تو کل آپ کو منہ بولی قیمت ملے گی اس کی۔ ہمیں بھی تو خوش کرنے کے بارے میں سوچا کریں۔ آخر ہر کام میں میری کوشش پوشیدہ ہوتی ہے جس کا نہ نام نہ نیکی۔ سارا پیسہ تو زینت میڈم لے جاتی ہیں۔ ہمیں کچھ نہیں ملتا سوائے ایک آدھ جوڑے کے۔''

فرشتے یہ سن کر چکرا گئی اور کمرے میں پہنچ کر اس نے دروازہ لاک کیا اور اپنی بکھری ہوئی چیزوں کو اٹیچی میں پیک کرنے لگی۔

''میرا دل تمہاری والہانہ محبت اور نفیس باتوں پر کیوں مضطرب ہو جاتا تھا۔ اب سمجھ آئی۔ تم نے مجھے پلوشہ، زرمین اور ریشم سمجھ کر میرے آگے دانہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ اگر تم پر بھروسہ و

اعتماد کر کے دانہ چگنے پنجرے میں چلی جاتی تو آج میری عزت کا سودا کرنے میں تمہیں مشکل پیش نہ آتی۔تم نے میرے پر کاٹ کر اپنا مطیع بنا لیا ہوتا۔آنٹی یہ تم جیسی عورتوں کا شیوہ ہے کہ پہلے لڑکی کی اَنا' خودداری کو چند سکوں میں خرید لو اور پھر ان سکوں کا مع سود کے واپسی کا مطالبہ کرو۔افسوس کہ تم میری ذات کے اندر جھانک کر مجھ پر اپنا وقت صرف کرتی تو تمہاری محنت اکارت نہ جاتی۔اعلیٰ پوشاک' آن و بان' اونچے اور امیرانہ گھرانے والی فرشتے جس کا رہن سہن شہزادیوں جیسا ہو مجھے ایسی تمنا نہیں ہے۔آنٹی مجھے تو دو روٹی کی خواہش نے کبھی پریشان نہیں کیا۔دولت' پیسے کی فراوانی میرے کردار کی شناخت نہیں ہے۔یہ میری نسوانی وقار کی ضمانت نہیں ہے کیونکہ میں نے اپنے تمام جذبے اور شوق والدین کے ساتھ ہی رخصت کر دیئے تھے۔میری بہنوں نے ان جذبوں سے کنارہ کشی اختیار کرنے کو ذلالت کا نام دے کر خود کو گناہوں کی دلدل کے حوالے کر دیا تھا۔اب اُس دلدل سے باہر نکلنے کے تمام اختیارات سے وہ ہاتھ دھو بیٹھی ہیں۔میں ایسی نہیں ہوں آنٹی حالانکہ مجھے علم ہے کہ دولت اس دنیا میں شان و شوکت کو بلند کرنے کا بہترین ہتھیار ہے۔لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ دولت کن ناجائز ہتھکنڈوں سے حاصل کی گئی ہے۔پھر بھی دنیا انہیں سلامی دیتی ہے۔مرنے کے بعد بھی ان کی کامیابی کی داستانیں محو گردش رہتی ہیں اور یہی لوگ نئی جنریشن کے لئے آئیڈیل بن جاتے ہیں۔'' وہ خود کلامی کرتی ہوئی پیکنگ کیے جا رہی تھی۔وہ ابھی تک اپنے نئے سفر کی منزل سے بالکل بے خبر تھی۔مگر اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ زینت کے واپس آنے تک وہ یہاں سے جا چکی ہوگی۔

اس کی فطرت میں خاندانی رکھ رکھاؤ' عزت و غیرت کی مقدار کا پیمانہ ابھی تک ہمہ گیر اور وسیع تھا۔وہ اپنی پسپائی' کسمپرسی اور مفلسی ولاوارثی کو ثابت قدمی سے انہی اصولوں کے تحت نبھا رہی تھی۔اس لئے تو آج تک اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکا تھا۔

یہ قابل ستائش مقام تھا۔ایسے لوگوں کی جان و مال' عزت و رزق کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ خود ٹھیکہ اٹھا لیتا ہے اور انہیں شیطان کے حسین و جمیل شوخ و شنگ آہنی تاروں کے بنے ہوئے جال سے محفوظ کر کے اپنی پناہ میں لے لیتا ہے اور جب آزمائشوں کا دور اختتام کو پہنچتا ہے تو سونا بھٹی میں تپ کر کندن بن چکا ہوتا ہے۔

فرشتے نے رات جاگ کر گزاری تھی۔اللہ تعالیٰ سے مدد اور رہنمائی کی فریاد کی تھی۔وہ کمرے میں ٹہلتے ہوئے بار بار کھڑکی سے پردہ سرکا کر باہر دیکھ رہی تھی۔آسمان پر شہر کی روشنیوں نے ستاروں کے حسن کو ہڑپ کر لیا تھا۔کہیں کہیں اِکا دُکا دھندلے سے جھرمٹ نظر آرہے تھے۔اس نے آہ بھر کر سوچا۔

''انسان کی خود ساختہ خوبصورتی جو کہ عارضی اور بناوٹی ہے پائیداری اور سچائی و حقیقت پر کیسے غالب آ جاتی ہے۔انسان کی تخلیق کو فخر و غرور سے ترقی یافتہ اور ماڈرن تعلیم کا نام دے کر انعامات

پیش کئے جاتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی ابدی اور بے حساب تخلیقات پر نہ تو غور وفکر کیا جاتا ہے نہ ہی شکرانہ ادا کرنے کی نوبت آتی ہے۔ انسان کس قدر ناشکرا اور ناسمجھ ہے۔ وہ یہ سوچتے ہوئے ایکدم سے پھر اپنے ذہنی مفروضوں کو تیار کرنے لگی۔ صبح تک اعصابی نظام خاصا درہم برہم ہو چکا تھا۔ مگر پھر بھی بڑے ضبط وحوصلے سے اس نے اپنے دونوں بیگ گھسیٹ کر باہر نکالے اور کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ آنٹی کے عطا کردہ تمام تحائف بیڈ پر رکھے ہوئے تھے۔ وہ انہیں وہاں چھوڑتے ہوئے عجیب سی فتح مندی کے نشے میں جھوم گئی تھی۔ اس کی مثبت اور پرحوصلہ سوچ نے اس کے اعصابی تناؤ میں شگفتگی بھردی تھی اور چہرے پر دلنشین مسکان سجائے وہ امید وآس لئے اگلی نادیدہ ونامعلوم منزل کی طرف بڑھ رہی تھی۔

نئی منزل کا ڈر وخوف کا احساس کافور ہو گیا تھا۔ وہ ہمت اور پوری قوت سے خوداعتمادی کو اپنا ہمسفر بنائے دروازے کو لاک کر کے وارڈن کے کمرے میں گئی اور بند لفافہ اس کے ہاتھ میں تھما کر بولی۔

''آنٹی کو دے دیجئے گا۔ میرے بے حد پیار اور اَن گنت دعاؤں کے ہمراہ دراصل مجھے ایمرجنسی میں جانا پڑ رہا ہے۔ ورنہ ان سے اجازت لئے بغیر نہ جاتی۔

''تمہید باندھنے کی کیا ضرورت ہے خاموشی سے نکل جاؤ۔'' وہ بڑبڑائی۔

اور اگلے ہی لمحے خود کو کوستی ہوئی سنبھلی اور فیصلہ کن بااعتماد اور بااقتدار لہجے میں بولی۔ ''یہ لفافہ آنٹی کو دینا مت بھولئے گا۔ اس میں میں نے اپنی مجبوری' ضروریات اور اپنی لاتعداد سوچوں کا تفصیلاً ذکر کر دیا ہے۔ میں اپنی امانت آپ کو سونپ کر جا رہی ہوں۔''

''بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے فرشتے جی پچھلے کئی سالوں سے یہاں کے طرح طرح کے رنگوں کو دیکھا ہے۔ ابھی بھی اپنی ذمہ داری کو احسن طریقے سے نہ نبھاؤں تو بات تو نہ بنی۔'' وہ شگفتہ لہجے میں بولی۔

''یہ معمولی سی رقم رکھ لیں آپ نے مجھ پر انجانے میں بہت بڑا احسان کر ڈالا۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ کر بیگ گھسیٹتی ہوئی چل پڑی۔

''کوئی ٹیکسی ویکسی منگوا دوں۔'' وارڈن اچنبھے سے اسے دیکھ کر بولی۔

''شکریہ اس کی ضرورت نہیں۔ مجھے بھی تو اللہ تعالیٰ نے دو ہاتھ اور دو پاؤں دے رکھے ہیں۔ اپنا کام خود کرنے کے تمام اختیارات مجھے بھی تو سونپے ہیں۔ پھر محتاجی کیونکر ہو۔'' اس نے مدھم لہجے میں کہا تو وارڈن اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔ ''میڈم نے اس سرپھری چھوکری کو قابو کر لیا تو مان جاؤں گی۔ پھر تو وہ محترمہ تمغہ بسالت وستارہ جرأت کی حقدار ٹھہرائی جائے گی۔''

وارڈن نے اندر ہی سرگوشی کی اور لفافے کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے بستر سے اٹھی اور زینت

کے کمرے کا لاک کھول کر خط اُس کے ٹیبل پر رکھ دیا اور مٹھی میں دبائے ہوئے نوٹ گننے لگی۔ پانچ ہزار پا کر حیرت سے سرگوشی کی۔

"نجانے باؤلی نے کیا گل افشانیاں اور کارستانیاں لکھی ہیں اس میں ہے تو بہت خفیہ اور گھنی اپنے راز خود تک ہی محدود رکھتی ہے۔ دیکھنے میں کیسی صلح جو' عافیت پسند اور پُر امن لگتی ہے۔ اندر سے رب ہی جانے اس کے دِل و دماغ اور نیتوں کا حال۔ جس کی شوریدگی کی ہلکی سی صدا بھی ہم تک نہیں پہنچ پاتی۔ کمال ہے بھئی پیٹ کی بہت گہری نکلی۔" وہ مسلسل بڑبڑا رہی تھی۔ عورت کی ایسی فطرت تو نہیں ہوتی۔

❖ ❖ ❖

ایک ہفتہ گزر جانے کے بعد زینت لاہور سے واپس تو آ گئی مگر تینوں لڑکیاں ہمراہ نہیں تھیں۔
وہ انہیں سبز باغ دکھا کر وہاں لے گئی تھی۔ انہیں شادی کا جھانسہ دے کر اس نے تینوں کو تین شہری اوباش غنڈوں کے حوالے کیا اور ان کی منہ مانگی قیمت وصول کر کے خوشی خوشی ہوسٹل واپس آ گئی تھی۔ اب اگلا ٹارگٹ فرشتے تھی۔ اس کے لئے ڈھیروں تحائف سے لدی پھندی سیدھی اس کے کمرے کی طرف چل پڑی تھی کہ وارڈن نے المناک خبر سنائی کہ وہ تو اس کے جانے کے دوسرے دن ہی یہاں سے روپوش ہو گئی تھی۔

"تم نے اُسے کیوں جانے دیا؟ تم جانتی ہو کہ ان بچیوں کی ہر طرح کی ذمہ داری تم پر عائد ہوتی ہے۔ بولو ہم اس کا جواب...... وہ بات نامکمل چھوڑ کر خاموش ہو گئی۔

"وہ لاوارث اور بے سہارا تھی۔ آپ نے جوابدہ تو فقط اللہ تعالیٰ کا ہی ہونا ہے۔"

"آپ کے کمرے میں خط رکھا ہے جو جاتے وقت مجھے تھما گئی تھی۔ مجھے تو اس نے جانے کے مقصد سے آگاہ کیا ہے نہ ہی واپسی کا پروگرام بتایا ہے۔ ممکنات میں سے ہے کہ وہ واپس ہی نہ آئے۔ آپ کی کھری اور ستھری روزی پر تو وہ لات مار گئی۔ آپ کو ایسی لڑکیوں کی کمی کہاں ہے کہ اس کے چلے جانے کی کمی محسوس ہو۔"

وہ متذبذب حالت میں بولے جا رہی تھی۔

"ہاں بھئی جو ہاتھ سے نکل گیا اس کے پیچھے بھاگنے سے بہتر ہے نئی جستجو پر توجہ دی جائے۔"
وہ یہ کہہ کر سرعت سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ وارڈن بھی اس کے پیچھے چل دی۔

ویسے ایک خوشی کی خبر یہ ہے تینوں کو ایسے مرد ملے ہیں کہ مجھے عمر بھر دعائیں دیں گی۔ مالدار اور ہینڈسم زندگی انجوائے کریں گی بیچاری تینوں ہی اپنوں سے اور والدین سے تنگ آ چکی تھیں۔ غربت بہت بری لعنت ہے۔ انسان کی وقعت' قیمت اور حیثیت کو زیر کر دیتی ہے۔ آخر ان بچیوں کا بھی تو حق بنتا ہے زندگی کو باعزت طریقے سے گزارنے کا۔ لڑکے جلد از جلد ان سے باقاعدہ طور پر

نکاح پڑھوالیں گے۔ بھئی اب وہ جانیں اور ان کا کام۔ میرا فرض محض ایک دوسرے سے ملوانے تک ہی ہے۔ لڑکیوں سے اشٹامپ پیپر پر ان کی رضا مندی لکھوا لائی ہوں۔'' وہ لفافہ کھولتے ہوئے بولے جارہی تھی۔

آپ کام تو پکا کرنے میں بہت ماہر ہو چکی ہیں۔ واہ بھئی غربت اور مفلسی میں ہاتھ ڈال کر اپنی جیب بھر لیتی ہیں۔ مٹی کو چھو کر سونا بنانا کوئی آپ سے سیکھے۔ وہ اندر ہی اندر کھولتے ہوئے سوچے جا رہی تھی۔

''میڈم میرا انعام کیا ہوگا؟ اس بار ایک نہیں تین شکاروں کو ایک تیر کے نشانے سے مارا ہے آپ نے۔ انعام خوب تگڑا لوں گی۔ گھر کچھ پیسہ ویسہ بھجواؤں گی تو بات آگے چلے گی۔ ورنہ ستے میں ہی رہ جائے گی تمام بات۔'' وہ اپنی مجبوری بتاتے ہوئے رو دی تھی۔

''ہاں ہاں فکر کیوں کرتی ہو؟ بولو کیا چاہتی ہو؟ آخر اس نیک کام میں تم بھی تو برابر کی شامل ہو۔ ان لڑکیوں کو گھیر گھار کر مجھ تک تک لانے کا کام جس خوش اسلوبی سے کرتی ہو اس کا جواب نہیں۔'' وہ خوشامدی انداز میں بولی۔ ''تمہاری ضرورتیں تمہاری میڈم پوری نہیں کرے گی تو کیا آسمان سے فرشتہ نازل ہوگا۔''

''ذرا خط تو پڑھیں محترمہ نے کیا لکھا ہے۔'' وہ اس کی توجہ خط کی طرف مبذول کرتے ہوئے بولی۔ دل زینت کی باتوں سے قدرے مطمئن ہو گیا تھا۔

''ہاں لکھا ہے۔

قابل احترام آنٹی!

آداب! میں آپ کا ہوسٹل آپ کی اجازت کے بغیر چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ مجھے آپ کو پہلے سے مطلع کر دینا چاہئے تھا۔ مگر میں نے ضروری اس لئے نہیں سمجھا کہ آپ بھی تو میری اجازت کے بغیر میری انا و خودداری کو مجروح کیا کرتی تھیں۔ میں نے آپ کی عطا کردہ ہر چیز کی لسٹ بنا رکھی تھی۔ اپنا تمام سامان لسٹ کے مطابق نوٹ کر لیجئے گا۔ جسے میں نے استعمال کرنا تو درکنار چھو کر بھی نہیں دیکھا۔

گستاخی معاف!

خدا حافظ......فرشتے۔''

منہ پر اُس نے ایسا کس کر طمانچہ مارا تھا کہ وہ غصے سے لال بھبھوکا ہو کر رہ گئی۔ اس کے جانے کا قلق اتنا اذیت ناک نہ تھا جتنا اس طمانچے نے پاگل کر دیا تھا۔ تمام غصہ وارڈن پر اتار ڈالا کہ اسے اس کی اجازت کے بغیر جانے کیوں دیا تھا۔ ہوسٹل میں قیام کرنے اور اسے چھوڑنے کے بھی تو کچھ اصول تھے۔ انہیں وارڈن نے توڑنے کیوں دیا تھا۔ وارڈن بخوبی اس کی فطرت کو جانتی تھی۔ اسی غل غپاڑے میں وہ اسے ایک پائی کا کمیشن بھی دینے سے انکار کر گئی۔ وارڈن کا چہرہ متحیر سا ہو کر رہ گیا۔

''اس کم بخت نے آئی ہوئی دولت کو خود لات ماری ہے۔ اس نے ناشکری کی ہے۔ رزق کی۔ فرشتے اللہ ہی تمہارا بیڑہ غرق کرے گا۔ کم بخت کا اتنی اچھی جگہ رشتہ کراتی کہ عمر بھر عیش کرتی۔'' وہ چیخ رہی تھی۔ اللہ ماری اس دو ٹکے کی چھوکری نے میری مسیحائی کو غلط تصور کر کے اچھا نہیں کیا۔ میں اسے ڈھونڈ نکالوں گی۔ چاہے سات سمندر پار ہی کیوں نہ دفع ہوگئی ہو۔ ان شاء اللہ ڈھونڈ نکالوں گی۔''

''صبر کریں میڈم! اِدھر اُدھر کی خاک چھان کر آپ کے پاس نہیں آئے گی تو کیا والدین کے پاس جہنم میں جائے گی۔ آپ تسلی رکھیں غم نہ کھائیں۔''

وارڈن نے بے تحاشا بے عزتی کروانے کے باوجود نہایت ہمدردی سے تسلی و تشفی دینے کی کوشش کی تو اس کا غصہ ایک دم جھاگ کی مانند بیٹھ گیا۔ لفافے سے کمرے کی چابی نکال کر دروازہ کھولا تو ایک بار پھر ابل پڑی۔ بہت اکڑ اور غرور تھا۔ اسے اپنے خاندان کا۔ اپنی شکل و صورت کا اور اپنے خفیہ پن کا۔ مجھے ایک بار وہ مل جائے پھر دیکھو کہ بھرے بازار میں ننگا نہ کر دیا تو زینت میرا نام نہیں۔ میں ایسی بھی فالتو اور ارزاں نہیں کہ یوں اس کی جھوٹی اَنا وخودداری پر یقین کر کے اُس کی اس بکواس کو ہضم کر جاؤں۔

اور اسے بخش دوں۔ میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ تم تو جانتی ہو ناں۔ وہ شکستہ حالی میں پلنگ پر بیٹھ کر دل کی بھڑاس نکال رہی تھی اور وارڈن آنکھیں جھکائے خاموش کھڑی تھی۔

سونے کی چڑیا ہاتھ سے نکل جانے کا رنج اسے شب و روز بے چین رکھتا تھا۔ اس نے اسلام آباد اور پنڈی کے تمام ہوسٹلز کو کھنگال مارا تھا، مگر اس کا کہیں اتہ پتہ نہ ملا تھا۔ آخر یہ کہہ کر خود کو مطمئن کرنے لگی کہ ہو نہ ہو کسی کے ساتھ منہ کالا کر گئی ہے۔ یہ جو اپنی پارسائی کا چرچا سرعام کرتی ہیں ان کے اندر غلاظت اور ناپاکی پیدائشی طور پر موجود ہوتی ہے۔

❖ ◆ ❖

زندہ دلوں کے شہر لاہور پہنچ کر فرشتے نے پرس سے موبائل نکالا اور ہوسٹل کا ایڈریس پڑھتے ہوئے اسے پلوشہ کی آخری گفتگو کانوں میں گونجنے لگی کہ دیدی تم کب تک خود کو اس معاشرے سے بچا سکتی ہو۔ یہاں قدم قدم پر لٹیرے اور ڈاکو تمہاری زندگی کو تاریک کرنے کے لئے تیار ملیں گے۔ ہم نے اپنا سودا اپنی پسند اور مرضی سے کیا ہے تم پر زور آوری اور جبر ہوگا۔ ہمت کر کے اپنی پسند کی موٹی تازی آسامی ڈھونڈ کر اسی کی ہو جاؤ۔ تمہاری سکیورٹی اسی میں ہے۔ وہ اس کی معصومیت اور نا سمجھی پر ذرا سا مسکرا دی۔ یہاں زندگی کے طور و اطوار ہی میں فرق ہیں۔ جو آج ہے وہ کل سے بدتر اور آنے والا کل بھی عبرت ناک۔ اس کے چہرے پر نہ تو برہمی تھی نہ ہی ناگواری تھی۔ اس نے رکشہ والے کو ہاتھ کے اشارے سے روکا اور اس میں بیٹھ کر ہوسٹل کا ایڈریس سمجھانے لگی۔

ہوسٹل بہت بڑا تھا۔ اس کے چاروں طرف چنبیلی اور بیلے کی بیلیں جھول رہی تھیں۔ صفائی

ستھرائی بھی خوب تھی۔ اندر پہنچ کر اس نے ریسپشنسٹ کو اپنے آنے کا مقصد بتایا۔ اس نے فوراً رجسٹر کھولا اور وارڈن کو کمرے کی چابی دے کر مسکرا کر بولی۔ ''ویلکم میم آئی ہوپ کہ آپ یہاں بہت خوش اور پُرسکون رہیں گی۔''

فرشتے نے تھینک یو بولا اور وارڈن کے پیچھے کمرے میں چلی گئی۔ گو کہ کمرہ بہت چھوٹا تھا' مگر بہت صاف ستھرا اور سلیقے وقرینے سے ہر چیز اپنی جگہ پر براجمان تھی۔ پلنگ پر لائٹ بلیو کلر کی استری شدہ بیڈ شیٹ بچھی ہوئی تھی۔ اس نے اپنا گاؤن اور حجاب اتار کر ہینگنگ سٹینڈ پر لٹکا دیا اور ایک پُرتسکین لمبی سانس لے کر صاف ستھرے بستر پر لیٹ کر نوکری کے بارے میں سوچنے لگی کیونکہ وہ اپنی جمع پونجی سے ہوسٹل کا تین مہینے کا کرایہ تو آرام سے نکال سکتی تھی' مگر کھانے کے لئے سوائے ڈبل روٹی اور جیم کے کوئی اور عیاشی کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان رکھے وہ نوکری کی تلاش میں نکل پڑی۔ لاہور بڑا شہر تھا۔ مہینے کے اندر ہی اسے ایک پرائیویٹ سکول میں ٹیچر کی جاب مل گئی۔ تنخواہ بھی اس کے اخراجات پورے کرنے کے لئے کافی تھی۔ دلی سکون اور ذہنی اطمینان نے اس کے اندر پنہاں خود اعتمادی کو بیدار کر ڈالا تھا۔ یہاں کا ماحول اِسے بہت تسلی بخش لگا تھا' کیونکہ میجورٹی لیڈیز ٹیچرز کی تھی۔ سب کی آپس میں انڈرسٹینڈنگ بھی تھی۔ وہاں دینی و مذہبی رجحان بھی تھا۔ اسے سکول میں چھوٹے بچوں کو پڑھانا بہت اچھا لگا تھا۔ ہوسٹل کا ماحول بھی بہترین تھا۔ وہاں یونیورسٹی کی طالبات اور آس جانے والی لڑکیوں کی بہتات تھی۔ انہیں اپنی پڑھائی اور کمائی سے سر اٹھانے کا وقت ہی نہیں ملتا تھا کہ کسی بیرونی ایکٹوٹی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتیں۔

جونہی چھٹیاں ہوتیں ہوسٹل کی رونق اور گہما گہمی میں کمی آ جاتی تھی۔ سب دوسرے شہروں اور گاؤں میں اپنے اپنے گھروں کی جانب رخصت ہو جاتیں۔ اللہ کی رحمت و کرم سے یہاں اسے لڑکیوں کا گروپ اپنے جیسا صلح کل اور دھیمے مزاج کا مل گیا تھا کہ اب اس کے مغموم چہرے پر تسلی و تشفی کی لہر تو دوڑ گئی تھی مگر دل و دماغ پر تینوں بہنیں مسلط رہتیں کہ نجانے زمانے نے ان کے ساتھ کیسا سلوک روا رکھا ہوگا۔

یہاں زندگی بے حد تناسب سے رواں دواں تھی۔ کسی طرف سے پریشان کن باتیں نہیں تھیں۔ کوئی ڈر اور خوف نہیں تھا۔ یہ دنیا تو ہر طرح کے لوگوں کی موجودگی کی وجہ سے آباد اور قائم و دائم ہے۔ اگر تمام لوگ شیطان کے پیروکار ہوتے تو زوال اور قیامت کب کی برپا ہو چکی ہوتی۔ ہوسٹل میں اس کی ملاقات ایک زمیندار گھرانے کی بیٹی جہاں سے ہو گئی تھی۔ اس کی عادات میں اکھڑ پن اس کی سادگی کی دلیل تھی۔

• دوسروں کا کھرن پن وقتی طور پر مضطرب تو کر جاتا ہے لیکن اس کے اثرات بہت خوش کن ہوتے ہیں۔ فرشتے نے اس کی فطرت میں پنہاں شرافت و انسانیت کو پرکھ کر دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا تو

ایسی دوستی جمی کہ کمال ہی ہو گیا۔ مگر بہنوں کے تلخ زدہ موجودہ حالات کے بارے میں بتانا بہتر نہ سمجھا تھا۔ وہ ہمیشہ سے اپنے پیٹ کو برہنہ کر کے کسی سے ہمدردیاں وصول کرنے کے سخت خلاف رہی تھی۔ آج بھی وہ اپنے انہی خیالات پر جمی ہوئی تھی۔ جب چھٹیوں میں وہ گھر چلی جاتی تو وہ ہوسٹل میں واپس آ کر کمرے میں مقید ہو کر رہ جایا کرتی تھی۔

باقی لڑکیاں اسے بہلانے کی کوشش بھی کرتیں اور حسد و بغض میں بھن بھن بھی جاتی تھیں۔ جہان پینڈو میں کونسا سرخاب کا پر لگا ہوا تھا کہ اس کی دوستی اس سے اتنی پائیدار اور مضبوط ہو گئی لیکن لحاظ رکھ رکھاؤ کا دامن کبھی کسی کے ہاتھ سے نہ چھوٹا تھا۔ یہ اس ہوسٹل کے ماحول کا کمال تھا کہ یہاں کے قانون کو مدنظر رکھتے ہوئے سبھی ضابطے میں رہا کرتی تھیں۔ جھگڑے فساد کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا کیونکہ اس ہوسٹل کی اونر ریحانہ عباسی فطرتاً صلح کل عورت تھی۔

❖❖❖

سکول میں اینول ڈے کی تیاریاں زوروں پر تھیں۔ فرشتے آرٹ ٹیچر کے ساتھ مل کر سٹیج سجانے میں اس کی مدد کر رہی تھی۔ آڈیٹوریم کی انسپکشن کے لئے آج اس سکول کا اونر تشریف لا رہا تھا۔ اس لئے سبھی دل جمی اور پھرتی سے کام میں مصروف تھے۔ آج فرشتے بھی حجاب اور گاؤن سے بے نیاز اِدھر اُدھر بھاگ دوڑ کر تندی و تیزی سے کام میں محو تھی۔ اُسے اس سکول کا ماحول اور یہاں پر کام کرنے والوں کا رویہ بہت پسند آیا تھا۔ لاہور کے لوگوں کی اس خوبی کو کون نہیں جانتا ان کی محفلوں میں بیٹھنے والے افسردہ اور رنجیدہ لوگ بھی جب گھروں کو واپس جانے کے لئے اٹھتے ہیں تو ہشاش بشاش نظر آنے لگتے ہیں۔ خوش مزاج اور خوش مزاح لاہوری باشندے مر کر بھی زندہ رہتے ہیں کیونکہ ان کی شوخ و شنگ باتیں، شگفتہ قہقہے اور بات بات پر مناسب سی کہاوتوں کا بیان طنز و مزاح و لطیفے اور تازہ ترین شعروں کا استعمال ہمیشہ دوست واحباب اور خاندان بھر میں محو گردش رہ کر جانے والوں کی یاددہانی کراتا رہتا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ ہر سال سکول کا اینول ڈے پیرنٹس اور بچوں کے لئے یادگار دن بن جایا کرتا تھا۔ فرشتے نے سٹیج پر پھولوں کے بکیتر ٹانکتے ہوئے محسوس کیا کہ جیسے اسے مسلسل کوئی دیکھ رہا ہے۔ آنکھوں کی تپش وحدت پر اس نے سٹیج سے نیچے کھڑے خوبرو نوجوان کو دیکھ کر دوپٹہ درست کیا اور اس کی طرف پشت کر کے پھولوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اپنے ہراساں و پریشان چہرے کو نارمل کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ اس کے کانوں میں گونجتی ہوئی مردانہ آواز نے اس کی پریشانی کو اور بڑھا دیا تھا۔

"آئی تھنک شی از آ نیو ٹیچر کبھی بات چیت کرنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ کام میں کیسی ہیں؟" شامیر نے سرسری سے لہجے میں سوال کیا۔

''بہترین۔ پچھلے چھ مہینوں سے ہمارے ساتھ کام کر رہی ہے۔ بہت محنتی اور دیانتدار ٹیچر ہے۔ بچوں کو تو اس نے اپنے اخلاق و خلوص سے جیت لیا ہے۔'' وائس پرنسپل نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''ویری گڈ۔ ایسے ٹیچرز کی ہر ڈیمانڈ پوری کرنی چاہئے۔ اس بات کا خاص خیال رکھئے گا۔'' سکول کے اونر شامیر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ تو وائس پرنسپل نے اثبات میں سر ہلا دیا اور شامیر کو دوسرے کاموں کی طرف متوجہ کر کے ہنستے ہوئے بولی۔ ''آپ کے سکول میں ہر ٹیچر اپنی مثال آپ ہے۔ اس لئے تو بہت کم عرصے میں اس سکول نے دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کی ہے۔''

''سب آپ لوگوں کی محنت کا نتیجہ ہے۔ بس بچوں پر خاص الخاص توجہ دینا ہمارے اولین فرائض کے زمرے میں آتا ہے۔'' وہ کہہ کر دوسری طرف مڑ کر پرستائش نظروں سے آڈیٹوریم کا جائزہ لینے لگا۔

❖ ❖ ❖

شامیر نے اعلیٰ تعلیم یو کے سے حاصل کی تھی۔ اکلوتا بیٹا ہونے کی وجہ سے ماں نے اس کی تعلیم مکمل ہوتے ہی اسے اپنے پاس بلا لیا تھا۔ اس نے اِدھر اُدھر جاب کرنے کے بجائے اپنی ذاتی نوکری کو اہمیت دی اور اعلیٰ پیمانے پر کئی پرائمری سکول کھول کر خاصا شاداں و فرحاں رہنے لگا تھا کیونکہ اس کی سوچ کے مطابق یہ بات سو فیصدی درست تھی کہ اگر بچے کی بیسک ایجوکیشن کے لئے ٹیچرز اور سلیبس پر زور دیا جائے تو آگے چل کر بچہ کبھی بھی کسی کمزوری کا شکار نہیں ہوگا۔ اسی اصول کے تحت شہر میں دس سکول کھولے گئے تھے۔ اس لئے ان تمام انگلش میڈیم سکولوں میں تمام ٹیچرز کافی چھان بین کے بعد اپائنٹ ہوا کرتی تھیں۔ فرشتے نے بی اے کی ڈگری تو حاصل کی ہوئی تھی۔ ٹیچنگ ٹریننگ کا موقع اسے پہلی سکول کی نوکری میں ملا تھا۔ ہر شام کی ورکشاپ میں حصہ لینے سے اس نے بچوں کی سائیکی کے بارے میں خاصی معلومات حاصل کر لی تھیں۔ اس لئے یہاں انٹرویو دیتے ہی اسے وائس پرنسپل نے سلیکٹ کر لیا تھا۔ تمام بچے ٹیچر کی پرسنالٹی کے دلدادہ ہوتے ہیں۔ جو ٹیچر دل کو بھا گئی اس کی ہر بات کو غور سے سننا' تعریف کروانا اور پیار لینا ان کی دلی خواہش بن جاتی ہے۔ فرشتے کی سحر انگیز شخصیت نے تمام بچوں اور ان کے پیرنٹس کو تو جیسے خرید ہی لیا ہو۔

فرشتے کی تعریف ایک دوسری عورت وائس پرنسپل کی زبانی سن کر شامیر بہت خوش ہوا تھا اور پھر وہ جس معصومیت سے اس کی طرف پشت کئے اپنے کام میں مگن تھی جواں دل میں نوخیز سی کلی کے چٹخنے کی صدا پر وہ چونکا بھی تھا اور پھر دور کھڑا غور سے کنکھیوں سے اس کا جائزہ بھی لے رہا تھا۔ وہ اپنی قدوقامت میں اک ماڈل لگ رہی تھی۔ لانگ ریڈ سکرٹ پر ڈھیلا سا ریڈ پرنٹڈ کرتی نما بلاؤز اور

گلے میں سکارف باندھے وہ بغیر میک اپ کے بھی گلاب کے پھول کی مانند شگفتہ اور خوشبو بکھیرتی ہوئی لگی۔ لمبے براؤن بال کمر پر جھول رہے تھے۔ نجانے یہ اپسرا کہاں سے وارد ہوئی ہے۔ دیسی تو کہیں سے نہیں لگتی، مگر ولاتی بھی تو نہیں لگتی۔ کچھ درمیانی خطے کی پیداوار معلوم ہوتی ہے۔ وہ کھڑا سوچتا چلا گیا۔ اسے آدھا گھنٹہ گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ جب سامنے کا سین بدلا فرشتے وہاں سے ہٹ کر سائیڈ کی دیواروں پر بچوں کی تیار کردہ پینٹنگز چسپاں کرنے لگی تو وہ ایکدم سے آنکھیں گھماتا ہوا اس کی جانب مڑ گیا تھا۔ جسے فرشتے نے محسوس کر لیا تھا۔ اس کے انگ انگ میں خوف کی لہریں دوڑ گئی تھیں۔ لگتا ہے یہاں کی نوکری سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا۔ او مائی گاڈ کیا میری آزمائشیں ابھی تک جاری ہیں۔ جگہیں بدلنے سے مقدر بدلتے ہوں، پریشانیوں کی جگہ خوشیاں لیتی ہوں تو کوئی ذی روح اپنے نصیبوں کے کٹھن چکر میں پس نہ رہا ہو۔ یہاں سے کہاں جاؤں گی؟ کیا میری قسمت اور میرے کٹھن امتحانات میرا پیچھا نہیں کریں گے۔ کب تک فرار ہو سکوں گی؟ کہاں تک دنیا کی نظروں سے اوجھل رہوں گی۔ وہ اضطراری کیفیت میں سوچ جا رہی تھی۔ بزدلی اور کم ہمتی کا مظاہرہ مت کرو۔ چھوئی موئی بننے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ بولڈنس کو اپنی شخصیت کا حصہ بنا لو ورنہ یہ دنیا تمہیں بغیر چبائے ہضم کر لے گی اور ساتھ والے کو خبر بھی نہیں ہوگی کہ میں کہاں پہنچ چکی ہوں۔ اس نے پن دانتوں کے نیچے دبا کر لمبے بالوں کا جوڑا بنایا اور شامیر کی نظروں کی پروا کئے بغیر ہنستے ہوئے اپنی کولیگ کی جانب متوجہ ہوگئی۔ ہنستے ہوئے وہ پھر سے خوفزدہ ہو کر خاموش ہوگئی۔

جھرنوں جیسی کھنک ہے ہنسی میں اور پھولوں جیسی شگفتگی میں مقید یہ بھرے ہوئے لب اور آنکھوں میں کافرانہ شرارت، تیرے ہر روپ پر فدا ہو جاؤں میری جان تھمی ہوئی ہوا اور رکی ہوئی آبشار کا بھی جواب نہیں۔ واہ میرے گاڈ ساکت و جامد بھی حسین اور خاموش بھی دلکش۔ وہ اسے خاموش کھڑے دیکھ کر بڑبڑایا تو جس پر مہربان ہوتا ہے تو نعمتوں کے در کھولتا چلا جاتا ہے۔

وہ یہ سوچتے ہوئے اپنی ٹیڑھی میڑھی ہاتھوں کی لکیروں میں الجھ کر سرگوشی کے انداز میں بولا۔ ’’تمہیں ان لکیروں میں سجا لوں گا۔ تمہارا نام کھدوا کر تمہیں ہمیشہ کے لئے اپنا بنا لوں گا۔ اس میں لاہوری جلد بازی عود کر آئی تھی۔ پرنسپل کی آواز پر وہ چونکا اور ماتھے پر عرق ندامت کے ابھرتے قطرے وہ بھی محسوس کئے بنا نہ رہ سکی۔

❖ ❖ ❖

’’ممی میری پیاری سی ممی۔‘‘ شامیر نے ماں کے کمبل میں گھس کر معصوم بچوں کی طرح اتنی بے چینی سے کہا جیسے دودھ پیتا بچہ ماں کی آغوش میں منہ چھپانے کو بے تاب ہو۔

’’جی میرے لعل کیا فرمائش ہے آج کی؟‘‘ ماں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

’’فرمائش بھی آپ کی ہے اور پوری بھی آپ ہی کریں گی۔ میں تو فقط آپ کی خواہشات کا

پجاری ہوں۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔

''سمجھی نہیں۔ ایسی ذومعنی باتیں مت کیا کرو۔ تم جانتے ہو کہ ممی تو ایک ہی ٹریک پر چلنے کی عادی ہے۔ زیادہ موڑ وغیرہ مجھے تنگ کر دیتے ہیں۔''

''بولو کیا چاہئے؟'' وہ شگفتہ لہجے میں بولی۔

''لڑکی، جیون بھر کا ساتھی جس کی آپ نے ہمیشہ خواہش کی ہے۔ اب میرے دل میں بھی اس آرزو نے سر ابھارا ہے۔'' وہ بے اختیاری سے بولا۔

''ہیں یہ تبدیلی کیسی؟ سینکڑوں کو ری جیکٹ کر چکے ہو۔ اب تمہاری پسند کہاں سے ڈھونڈ نکالوں۔ بیٹا تم نے تو ماں کے جوتوں کے تلوے گھسا دیئے ہیں۔ لوگوں کے گھروں تک جانے والے رستے منہدم ہو گئے ہیں۔ اب کہاں جاؤں؟ بولو میری مشکل آسان کیوں نہیں کر دیتے؟ تمہاری عمر کے تمام لڑکوں کی شادیاں ہو چکی ہیں۔ لڑکا ہو یا لڑکی شادی کے لئے وقت پر فیصلہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ جب یہ عمل نکل جائے تو ڈھنگ کا رشتہ ملنا مشکل ہو جاتا ہے۔'' وہ فکرمندی سے بولی۔

''ممی لڑکیوں پر یہ بات فٹ بیٹھتی ہے۔ ہمیں تو عمر کے ہر حصے میں اپنی پسند کی دوشیزہ مل سکتی ہے۔ یہ دنیا یہ ملک یہ معاشرہ سب میرے لئے ہی تو وجود میں آئے ہیں۔ آپ کے لئے نہیں۔'' وہ ماں کو چھیڑنے کے انداز میں بولا۔

''یہی خوش فہمیاں تمہیں لے ڈوبیں گی۔'' ماں نے اسے ہلکی سی چپت رسید کرتے ہوئے کہا۔ ''اب میں کسی کے گھر نہیں جاؤں گی رشتے کے لئے۔ بہت ذلیل و خوار ہو لیا۔ لگتا ہے ہم تو اپنی نئی نسل کو دیکھنے کی خواہش کے ساتھ ہی قبر میں اتر جائیں گے۔ پھر جو ہماری قبروں پر اپنے بچوں سمیت حاضری دینے آیا کرو گے اس کا ہمیں کیا فائدہ ہوگا۔ جواب دو۔''

''آپ کی نسل بڑھانے کا پورا منصوبہ بنا لیا گیا ہے۔'' وہ شوخی سے بولا۔

''کوئی لڑکی پسند آ گئی ہے کیا؟ کیا آسمان سے حور صاحبہ نازل ہوئی ہیں یا کوہ قاف سے کوئی پری۔'' وہ بھی شریر لہجے میں بولی۔

''اُس رب العزت نے میرے لئے اُسے جنت سے زمین پر اُتار دیا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ مجھے تلاشتی ہوئی دنیا کی اس بھیڑ میں گم ہو جائے ممی اس سے مل لیجئے۔'' وہ بے تاب سے بولا۔

''یعنی محبت وحبت کا چکر چل گیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو یہ سوچ لینا کہ محبت اس کی شخصیت سے ہوئی ہے یا اس کی فطرت پر مٹے ہو کہ فقط شکل و صورت پر ہی دل کو قربان کر بیٹھے ہو۔'' ماں نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ سچے دوستوں اور ہمراز رفیقوں والا۔

''بات تو آپ نے پتے کی کی ہے۔ ممی میں تو اس کے حسن اور سادہ پن پر فریفتہ ہو گیا ہوں۔ اس معاملے میں وہ آپ کے خوبرو اور وجیہہ بیٹے کے ساتھ خوب سجے گی۔'' وہ جھومتے ہوئے بولا۔

''یہ خوش بخت تمہیں کہاں سے ملی؟'' وہ مسکرا کر بولی۔

''میرے سکول میں جاب کرتی ہے۔'' وہ شگفتہ لہجے میں بولا۔ ''یعنی چراغ تلے اندھیرا۔''

''بات چیت میں کیسی ہے؟ شکل کا تو اندازہ مجھے ہو ہی گیا ہے۔'' وہ خوش ہوتے ہوئے بولی

''گفتگو کا کوئی بہانہ بھی تو ہوتا ناں۔'' وہ سوچتے ہوئے بولا۔ ''بے وجہ تو علیک سلیک کرنا بہت گھٹیا لگتا ہے ممی۔''

''بہانے تراشے جاتے ہیں بیٹا۔ اگر ہم تمہیں انگلینڈ پڑھنے کے لئے نہ بھیجتے تو خدا کی قسم تم تو سات شرمیلی بیٹوں کے برابر کے نکلتے۔ تھینک گاڈ کہ ہمارا کیا ہوا وہ فیصلہ درست ہی نکلا کہ کم از کم تم نے آنکھ اٹھا کر کسی کو دیکھ تو لیا۔'' وہ مذاقاً بولی۔ ''ورنہ مجھے تو اس کی بھی تم سے امید نہیں تھی۔''

''اب پرکھنے کا کام آپ کر لیجئے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔

''ایسی کوئی مجبوری یا کمزوری نہیں جس کا کام اس کو ساجھے۔ مُن رہے ہو ناں جاؤ اور اس سے بات کرو۔ سنا تھا بیٹیوں کے ساتھ پروان چڑھنے والا بیٹا انہی کی طرح ڈرپوک اور سہا ہوا ہوتا ہے تم اپنے بے شمار کزنز کے ساتھ کھیل کر جوان ہوئے ہو۔ سکول سے لے کر یونیورسٹی تک کو ایجوکیشن حاصل کی ہے تم نے پھر مسئلہ کیا ہے؟'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''ممی مسئلہ تو گھمبیر نہیں ہے۔ دراصل اس سے پہلے میں نے کسی لڑکی کو اس نظر سے دیکھا نہیں۔ آج گڑبڑ ہو گئی ہے جو کونفی ڈینس ساتھ نہیں دے رہا۔'' وہ بھی سنجیدگی سے بولا۔

''گھبرانے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ پہلے تم بات کر کے مجھے اس کے متعلق اپنے نظریات بتاؤ گے پھر میں او کے کروں گی اور اس کی ماں سے ملنے کا پروگرام بناؤں گی۔ یہ گڈی گڈے کا کھیل ہرگز نہیں کہ گال کا تل پسند آ گیا تو پوری شخصیت و فطرت اور باقی ماندہ شکل و صورت کو پس پشت ڈال دیا۔ تم ہماری اکلوتی اولاد ہو میری دعا ہے کہ زندگی کی تمام تر کامیابیاں اور رعنائیاں تمہارا مقدر ہوں۔ اس لئے تو پھونک پھونک کر قدم اٹھاتی ہوں کہ کہیں غلط فیصلہ نہ کر بیٹھوں۔'' وہ اسے پچکارتے ہوئے بولی۔ ''کم از کم تم نے پہلا پتہ تو پھینکا' اگلا پتہ میری طرف سے ہو گا۔''

''یعنی گیم کی اوپننگ ہو گئی ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔

ماں بیٹے نے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور ہنستے چلے گئے۔

❖ ❖ ❖

محبت ہو گئی ہے تم سے۔ گانے کے بول بار بار اس کے لبوں پر آ رہے تھے۔ اسے آج یقین ہو چلا تھا کہ محبت کی نہیں جاتی بلکہ ہو جاتی ہے۔ ہو جانے کا عمل بھی زیادہ طویل نہیں ہوتا۔ فقط پل بھر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس میں غور و خوض' سوچ و بچار کا ہلکا سا دخل بھی نہیں ہوتا۔ وہ بستر پر کروٹیں بدلتے ہوئے سوچے جا رہا تھا۔ محبت کا آنچل اس وقت تک کمزور و نازک ہوتا ہے جب تک دوسری

سائیڈ سے محبت کا اقرار نہ کیا جائے۔ جب اعتراف ہوتا ہے تو وہی نزاکت سے بھرپور آنچل پکڑ کر اس تک رسائی ہو جاتی ہے۔ وہ مجھے دل و جان سے پسند آ گئی ہے بلکہ محبت کا جنون سوار ہو گیا ہے۔ اس سے ملنے کے فوراً بعد اپنے دلی جذبات کا اظہار تو بہت چھچھورا پن لگتا ہے۔ غیرت اور مردانگی کے بالکل منافی۔ وہ اپنے ہی مراقبے میں کھویا ہوا صبح کا انتظار کر رہا تھا' کیونکہ کل اینول ڈے تھا اور اس کی اپنی ماں چیف گیسٹ تھی کیونکہ اسے اس جہاں میں اپنی ماں سے بڑھ کر کوئی بھی قابل احترام نہ لگتا تھا۔ پاپا اپنے بزنس کے سلسلے آئے دن فارن کنٹری کے دورے پر گئے ہوتے تھے۔ خیر سے آج گھر پر موجود تھے۔ فجر کی نماز کے بعد وہ لان میں نکل گیا۔ موسم کی تبدیلی نے ماحول میں فسوں پھیلا رکھا تھا۔ چار سو ہریالی اور رنگ برنگے چھوٹے بڑے پھولوں کا راج تھا۔ اس کی آنکھیں شب بھر کی بیداری کی چغلی کھا رہی تھیں۔ چہرے پر مثبت سوچوں کی پرچھائیاں تھیں۔ امید و آس کے گہرے رنگ تھے اور اَن دیکھی سی خوشی کے مناظر اس کی آنکھوں میں اُتر آئے تھے۔

کہیں یہ پاگل پن تو نہیں۔ اُس نے گلاب کا سرخ پھول توڑتے ہوئے خود سے سوال کیا اور کچھ سبکی سی محسوس کرتے ہوئے کمرے میں آ کر بستر پر لیٹ گیا۔

آنکھ اس وقت کھلی جب ماں نے دروازہ ناک کیا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھا۔ وال کلاک کی جانب نیم وا آنکھوں سے دیکھ کر اچھل پڑا۔

''ممی آئی ایم سوری میں لیٹ ہو گیا ہوں۔ نجانے اتنی گہری نیند میں کیسے چلا گیا۔'' وہ دروازہ کھول کر انگڑائی لیتے ہوئے بولا۔

''رات بھر چراغاں کرو گے تو صبح نیند غلبہ پا جائے گی۔'' وہ چھیڑتے ہوئے بولی۔

''کیونکہ کم بخت شیطان صبح ہی تو لوری سناتا ہے ساتھ تھپکی دیتا ہے اور فجر کی نماز قضا ہو جاتی ہے۔''

''ممی قسم سے آپ تو دل کی تہوں تک ایک سیکنڈ میں پہنچ کر ہر راز کو بھانپ جاتی ہیں۔ ایسا کیوں ہے ممی جو آج تک سنتا آیا ہوں۔ اب یقین ہو گیا ہے کہ اولاد ماں کے جسم کا حصہ ہوتی ہے۔ جب اولاد کے جسم کے کسی بھی حصے میں تکلیف ہوتی ہے تو ماں کو کوسوں دور بیٹھے الہام ہو جاتا ہے۔ وہ تو مجھے پہلے سے ہی خبر ہے کہ اس نے ماں کے سر پر بوسہ دیا اور باتھ روم کی طرف چل پڑا۔

تیار ہو کر باہر نکلا تو ماں کو اپنا منتظر دیکھ کر جھینپ سا گیا۔

''بیٹا ایک سیب اور دودھ کا گلاس ہی پی لو بھوکا پیاسا تو ہرگز نہیں جانے دوں گی۔ آئی لو یو میری جان۔''

ماں نے دودھ کا گلاس ہاتھ میں پکڑایا اور چھلا ہوا سیب دوسرے ہاتھ میں پکڑا کر وہیں کھڑی ہو گئی۔

''ممی آپ نے آج خوب ٹشن نکالی ہے۔'' وہ دودھ کا گلاس ایک ہی سانس میں پی گیا۔ اسے دودھ قطعاً پسند نہیں تھا مگر ماں کو کبھی انکار نہ کرتا تھا۔ ہمیشہ ایک ہی سانس میں گلاس چڑھا کر اپنی گلوخلاصی کرلیا کرتا تھا اور ماں کے منہ سے دعاؤں کے شگفتہ اور معطر پھول جھڑنے لگتے تھے۔

''بھئی یہ تو راز کی بات ہے کہ آج تیری ماں نے تیار ہونے میں ایک گھنٹہ کیوں صرف کر دیا۔ جوانی کے دنوں میں اتنا وقت لیا کرتی تھی۔ آج تو میرے بیٹے نے میری جوانی کی یاد تازہ کردی۔ وہ راز داری سے بولی' جانتے ہو کیوں؟''

''کچھ معلوم نہیں آپ کے ارادے کیا ہیں۔'' وہ بھی راز درانہ انداز میں سر جھکا کر بولا۔

''بڑے بدھو ہی نکلے۔ اپنی بہو کی رونمائی کو جارہی ہوں کیا یہ خوشی کم ہے؟ بیٹا وہ جیسی بھی ہے تمہاری پسند ہے۔ میرے سرآنکھوں پر۔ تمہارے پاپا بھی تمہاری خوشی میں راضی اور خوش ہوں گے مگر رنگ میں بھنگ ڈالنے سے عادتاً باز نہیں آئیں گے۔ یہ میری پیشین گوئی ہے۔'' اس کے چہرے پر مسرت رقصاں تھی۔ وہ گاڑی میں بیٹے کے ساتھ بیٹھ گئی تو پاپا تیزی سے پاس آکر کھڑے ہو کر ہنستے ہوئے بولے۔

''بیگم! بغیر اس کے کہاں جارہی ہو؟'' پاپا نے تقریر کی فائل اس کی طرف بڑھا کر کہا۔

''او مائی گاڈ...... بالکل ہی بھول گئی تھی۔ ویسے لائیو سپیچ کونسا مشکل ہوتی ہے۔ چند اِدھر کی چند اُدھر کی۔ ایک آدھ شعر اور ایک دو جاندار لطیفے کام مکمل...... اس لئے یہ گھر بھول بھی جاتی تو مجھے کوئی فرق نہ پڑتا۔ پرانی تجربہ کار ہوں۔'' وہ لاپروائی سے بولی۔ تو وہ قہقہہ لگا اٹھے۔

''یہ ٹھیک رہی ممی آج تو آپ نے لوگوں کو امپریس کر ڈالنا ہے۔''

وہ ڈیڈی کی طرف دیکھ کر آنکھ مار کر بولا۔

''بھئی محترمہ جارہی ہیں بہو دیکھنے آج تو اللہ خیر ہی کرے۔ بیگم ذرا دھیان سے غور سے آنکھ' کان' ناک اور دوسرے اعضاء کا معائنہ کر کے سودا کرنا۔ آخر کو تمہاری بہو ہے۔ بیچاری ماری گئی۔'' انہوں نے چھیڑتے ہوئے کہا اور فائل اس کے ہاتھ میں تھما کر اندر چلے گئے۔

''انہیں سو بار منت وسماجت' غصہ اور خفگی سے کہہ ڈالا ہے کہ آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں ذرا فیصلہ کرنا آسان ہوجائے گا۔ مگر کیا مجال کہ میری کسی التجا یا دھمکی کا اثر ہوا ان پر۔ بیٹا تم اپنی بیوی کے ساتھ ایسا سلوک روا نہ رکھنا۔'' وہ طویل آہ بھر کر بولی۔

''بڑا نازک اور حساس دل ہوتا ہے اس ذات کا۔ انہوں نے بھی مجھے حاصل کرنے کے لئے جتنے چلے کاٹے تھے تمہیں اس کا اندازہ ہی نہیں ہوسکتا۔ دستخط کرنے کی دیر تھی کہ کایا ہی پلٹ گئی۔ پھر تم کون اور میں کون؟ ویسے آپس کی بات ہے سبھی تمہارے پاپا جیسے ہی ہوتے ہیں لیکن تم سے ایسی توقع نہیں کیونکہ تم میرے بیٹے ہو۔ میری تربیت میں کھوٹ نہیں ہوسکتا۔ تمہاری دادی تو تھی ہی جاہل

اور اناڑی۔"

"ممی اس وقت ممنوعہ باتیں بند۔ کوئی اچھی سی میٹھی سی لطافت سے بھرپور بات کریں جس میں انوکھی سی مسرت وخوشی اور نرالا سا سحر وسرور ہو۔"

وہ سرگوشی نما لہجے میں بولا تو ماں پھر خوشیوں کے صاف وشفاف موتی چننے لگی اور وہ کھوسا گیا۔

کل سے تم میرے دل کے نہاں خانوں میں آباد ہو تو مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے میرے آس پاس اٹھکیلیاں کر رہی ہو۔ جیسے تم میرے شعور اور لاشعور پر چھائی اک انجانی سی خوشی کا دھیمے سے ورد کرتے ہوئے مجھے کامیابی کا سندیسہ دے رہی ہو۔ تم نے تو مجھ پر جادو کر ڈالا ہے حالانکہ تم مجھے نہیں جانتی میں تمہارا نام تک نہیں جانتا پھر کیا احساس ہے؟ کیا جذبہ ہے؟ وہ دِل ہی دِل میں سوچتے ہوئے بے صبرے پن سے بولا۔

"ممی یہ اتنا بڑا کام کیسے ہوگا؟ بہت مشکل ہے نا دوسروں کو کنوینس کرنا۔"

"شروعات تو ہونے دو اللہ نے چاہا تو یہ کام منٹوں میں پایہ تکمیل تک پہنچ سکتا ہے۔ اگر اسے منظور نہیں تو سالوں کی محنت بھی اکارت چلی جائے گی۔ اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھو۔ ان شاء اللہ وہی ہوگا جس میں تمہاری اور ہمارے خاندان بھر کی بہتری ہوگی۔ تم بھی عجیب ہی انسان ہو ایک تو شادی کے نام سے ہی کوسوں دور بھاگنا دوسرا ہر لڑکی کو بیدردی سے ہزار ہا نقوص کے ساتھ ٹھکرا دینا اور اب بیقراری اور بے صبرے اور ندیدے پن کی انتہا ہے۔ چلو ایسا وقت تم پر آیا تو سہی سو بسم اللہ۔" وہ ہنستے ہوئے بولے جا رہی تھی اور وہ محظوظ ہوتا سکول کے گیٹ تک پہنچ گیا۔

گیٹ پر معصوم سے فرشتوں کی مانند پاکیزہ اور شگفتہ بچے پھولوں کے گلدستے اٹھائے کھڑے تھے۔ یہ وقت کیسے بیت گیا؟ شامیر کو اس کا اندازہ ہی نہ ہوا۔ روبوٹ بنا سب سے اگلی رو میں ماں کے ساتھ سیٹ پر براجمان ہو گیا۔ آنکھیں متلاشی تھیں۔ دل کی دھڑکن بھی کچھ ڈگمگا سی رہی تھی۔ مگر وہ نجانے کہاں رہ گئی تھی۔ نظروں سے اوجھل تھی آخر سٹیج کا پردہ آہستہ آہستہ سرکتا ہوا کونوں کو چھونے لگا۔ روسٹرم پر فرشتے کو دیکھ کر اُسے یوں محسوس ہوا کہ دِل اُچھل کر حلق میں آ گیا ہو۔ اُس نے کیا کہا اُس کے کانوں پر بھی جیسے اسی کے ہاتھوں کی چھاپ تھی۔ کانوں میں اسی کی انگلیاں پیوست تھیں۔ کچھ سنائی نہ دیا اور اسی عالم فسوں میں تمام پروگرام اختتام تک پہنچ گیا۔ سفید رنگ کے ڈریس پر سلور ستاروں کا ہلکا سا کام اور سفید اسکارف میں لمبے بالوں کو چھپانے کی ناکام کوشش اور دھلا ہوا نکھرا' اجلا چہرہ جو میک اپ کی بناوٹ سے عاری تھا۔ سچ مچ وہ آسمانی حور تو لگ رہی تھی۔ ماں نے صوفے سے اٹھتے ہوئے اسے آہستگی سے کہا۔ "بھئی اب مجھ سے صبر نہیں ہو رہا۔ جلدی سے بہو دکھا دو۔ ان ٹیچرز میں سے کونسی ہے؟"

"ماں کی عقابی نگاہوں کو تو خبر ہو جانی چاہئے تھی۔" وہ سرگوشیانہ انداز میں چلتے ہوئے بولا۔

''آج تو آپ نے حد ہی کر دی ہے۔ اپنی بہو کی شناخت نہ کر سکیں۔'' ویری بیڈ ممی۔

''وائٹ ڈریس میں آسمان سے اُتری ہوئی حور۔ بھلا کیسے نہ پہچان پاؤں گی۔'' اس نے بہت آہستہ ہنستے ہوئے کہا اور وائس پرنسپل کے ساتھ چل پڑی۔ ریفریشمنٹ میں تمام ٹیچرز ماں بیٹے کے اردگرد مکھیوں کی طرح منڈلا رہی تھیں، مگر وہ غائب تھی۔

''اس سال تین عدد نئی ٹیچرز کا اضافہ ہوا ہے۔ میں ان سے بات کرنا چاہوں گا۔'' آخر تنگ آ کر شامیر نے وائس پرنسپل سے کہا۔

''دو عدد تو آپ کے سامنے موجود ہیں۔ حرا اور انعم اور تیسری فرشتے ہے جو مائیک پر جلوہ گر تھی۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ ''ابھی آتی ہی ہو گی۔ ضرور کسی کام میں بزی ہو گئی ہو گی۔ اس کے آنے سے سب کے کام کا بڑن کم ہوا ہے۔ بہت اچھی اور سلجھی ہوئی لڑکی ہے۔'' وائس پرنسپل نے اتنا کہا ہی تھا کہ وہ سامنے سے نمودار ہوئی۔ اسے لگا جیسے فضا میں جلترنگ اور مدھر نغموں کی آوازیں بکھر گئی ہوں۔

''فرشتے آپ کا ذکر خیر ہو رہا تھا'' میڈم نے مسکرا کر اس کا تعارف کرایا اور شامیر کے بارے میں بھی عورت ہونے کے ناطے حسب عادت ضرورت سے زیادہ معلومات اس کے گوش گزار دیں۔ جس میں پرسنل انفارمیشن بھی موجود تھی۔

''آپ بھی تو کچھ لیجئے۔'' شامیر نے ٹیبل سے خالی پلیٹ اٹھائی اور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے ہشاش بشاش لہجے میں بولا تو اس نے نگاہیں نیچی کیے تھینک یو کہا اور پلیٹ پکڑ لی۔ پلیٹ میں لرزتے ہاتھوں سے کباب ڈال کر پلٹی تو وہ اس کے پیچھے ہی کھڑا تھا۔ وہ اسے نظرانداز کرتے ہوئے دوسری ڈش کی طرف بڑھ گئی۔ چپکو مکھی بننے کا مقصد۔ یہ بندہ ٹھیک نہیں لگ رہا۔ وہ سوچنے لگی۔ دِل میں عجیب سی خلش نے اسے بے چین کر دیا تھا۔ اس نے زینت کی چاہت اور پیار کو شک کی نظر سے دیکھا تو تھا، مگر وہ شک یقین میں بدلنے میں فقط وارڈن کے دو جملوں کی ضرورت پیش آئی تھی اور اس کی بے لوث محبت کا کمزور بھانڈہ پل بھر میں پھوٹ گیا تھا۔ اسی تجربے نے اسے نجانے کیا کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ کہیں وہ اِک نئی سازش کے جال میں نہ پھنس جائے۔ ممی اس کے قریب آ گئی اور ذاتیات سے ہٹ کر باتیں ہوتی رہیں جس میں شامیر بھی شامل تھا۔ چائے کے اختتام پر ممی نے تمام ٹیچرز کو اسی ویک اینڈ پر گھر لنچ پر مدعو کر لیا۔

''اور کسی کی طرف سے کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔'' شامیر نے اسے بغور دیکھ کر کہا۔ تو اس نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا۔ مجھے کیوں دربدر کرنے لگے ہو ظالم۔ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ وہ اپ سیٹ سی دکھائی دینے لگی تھی۔ شامیر کو کیا سمجھ کہ اس نے اتنی کم عمری میں کتنے حیران کن تجربے اور مشاہدے ہوتے ان آنکھوں سے دیکھے تھے۔ اب وہ کسی پر رتی بھر یقین اور بھروسہ کرنے کی روا

وار نہ تھی۔ بمشکل اس نے جواب دینے کے لئے مناسب الفاظ کا چناؤ کیا۔ ''مے بی اس ویک اینڈ پر مجھے کہیں جانا پڑ جائے۔''

''تو ہم اگلے ویکنڈ کا پروگرام بنا لیتے ہیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''آپ میری وجہ سے اپنا پروگرام پوسٹ پون مت کریں۔''

فرشتے کے چہرے پر پرلے درجے کی فکر مندی عود کر آئی تھی اور وہ گہری سوچوں کے بھنور میں الجھتی چلی گئی۔

''تو پھر آپ ہم پر احسان عظیم فرمائیں کہ آپ اپنا پروگرام اگلے ویک اینڈ پر رکھیں۔'' وہ بے تکلفی سے بولا۔ ''کیا ایسا ممکن ہے کہ کوئی مسئلہ درپیش ہے۔ ہاں فرشتے اگر ایسا ممکن ہے تو ویل اینڈ گڈ۔'' می نے لقمہ دیا تو وہ شش و پنج میں گھر گئی۔ وہ انہیں برہم بھی تو نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ بڑی تھی اور اس کا انکار کرنا مناسب نہیں تھا۔ سراسر گستاخی اور بے لحاظی تھی۔ کبھی کبھار لحاظ اور پاسداری بھی کرب کا سبب بن جاتی ہے۔ وہ بجھے ہوئے لہجے میں ٹھیک ہے کہہ کر خاموش ہو گئی۔

❖ ❖ ❖

''دیدی ہمیں اتنے بڑے گھر کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ ہم نے اس کے ہر دروازے کو مقفل کر کے خود کو محفوظ تو کر لیا ہے مگر کب تلک؟ ہم اپنے حلقہ احباب سے کب تک چھپ سکتی ہیں۔ ہماری جان بخشی ایسے نہیں ہو گی۔ کسی دن باؤلے کتے زنجیر توڑ کر اپنی پیاس بجھانے کی خاطر کنوئیں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے تو پھر ہم نہ تو ظلم کے خلاف آواز اٹھا سکیں گی نہ ہی ہماری شنوائی ہو گی۔''

''معاشرہ ہمیں قصور وار ٹھہرا کر ہمیں زندگی کے آخری سانس تک سولی کے تختے پر لٹکائے رکھے گا۔ یہاں رُکنے سے ہمارے مسئلے حل نہیں ہوں گے۔''

زرمین نے پلوشہ کو سمجھانے کی کوشش کی تو وہ رو پڑی۔

''دو مہینے گزر گئے ہیں مینو میری تو آنکھوں کا پانی آنسوؤں کے ساتھ ہی بہہ جائے گا۔ مجھے کسی طور تسلی نہیں آ رہی۔ کیا کروں ریشو کو کہاں سے لے آؤں۔ گھر چھوڑنا بھی ضروری ہو گیا ہے۔ جمع پونجی اس کے کرائے میں ہی نکل گئی تو آگے کیا ہو گا؟ پتہ چلے کہ ہم پھر پرانی روش پر چل پڑی ہیں۔ ہمیں خود کو ایسا موقع نہیں دینا چاہئے۔ ہم ہیں تو بہت کمزور لڑکیاں۔ مسل اور مینٹل ممبری کا کام ہر وقت ہمارے جسم میں جاری ہے۔ اگر اس کی گرفت ہم پر مضبوط ہو گئی تو سمجھو کہ تمام نیک ارادے ملیا میٹ ہو سکتے ہیں کیونکہ ہم فائیٹرز نہیں ہیں۔ اس ناتواں وجود سے مقابلہ نہیں کر سکیں گی۔ اس لئے ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ اسی میں ہماری جیت ہے۔'' پلوشہ نے گہری سوچ کے بعد انکشاف کیا تو زرمین اس کی طرف حسرت سے دیکھنے لگی۔ جیسے اسے اس کی اس منطق سے اتفاق نہیں تھا۔

''تمہیں میری باتوں پر ہنسی آ رہی ہو گی۔ جب ایک شریف النفس انسان اپنی نفرت کے

ہاتھوں مجبور ہو کر کسی کو قتل کر دیتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ یہی عمل اس سے بار بار سرزد ہونے لگتا ہے۔ جب ڈاکو گن پوائنٹ پر لوگوں کے مال ہتھیا لیتا ہے تو اگلی ہی رات وہ کسی اور گھر کی طرف رُخ کیوں کر لیتا ہے۔ بالکل اسی طرح جب ایک عورت اپنے جسم کا سودا کر لیتی ہے۔ چاہے وہ پرلے درجے کی پاکدامن اور غیرت مند کیوں نہ ہو؟ اس کے باوجود وہ دوبارہ ایسی غلطی کرنے سے باز کیوں نہیں آتی۔ ہم ہمیشہ یہ کہہ کر ان حرکات کو سرسری سے ذکر کے بعد خاموش ہو جاتے ہیں کہ خاوند نے بیوی کو تھپڑ مار دیا تو اس کی جھجک اتر گئی اور اب وہ بار بار اس کی ٹھکائی کرتا رہے گا اور پچھتاتا رہے گا۔ ایسا ہرگز نہیں۔ ہمارے بدن کا ہر انگ ہر عضو اس کے ادا کردہ عمل کی یاددہانی کرا کر اسے وہی عمل دوبارہ کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ پلوشہ نے جب تفصیلاً اسے سمجھایا تو وہ لرز گئی۔

''مینو پریشان ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ ہمیں اپنا ماحول اپنے حلقۂ احباب کو بدلنا پڑے گا۔ ہمیں ناز و انداز اور اداؤں سے کنارہ کشی اختیار کرنا پڑے گی۔ ہمیں زبان کے وقتی اور عارضی ذائقے سے جان چھڑانا ہو گی۔ ہمیں سادگی اپنانا پڑے گی۔ مینو ہمت اور کوشش کرنا ہو گی۔ ہمیں اپنے جسم کی ہر ڈیمانڈ کے خلاف چلنا ہو گا اور اللہ کی رسی کو اتنی مضبوطی سے پکڑنا ہو گا کہ کسی دھمکی، بے جا خوشامد اور دوسروں کی دولت ہم پر اثر انداز نہ ہو سکے۔ تم میری بات یاد رکھنا رزق حلال ہم پر عاشق ہو جائے گا۔ ہماری پاکدامنی کی مثالیں دی جائیں گی اور عزت و تحریم ہماری ذات کی لونڈی ہو گی۔ اس لئے میں نے سوچ لیا ہے کہ اپنا گرد و پیش کا ماحول بدلا جائے۔ میرے لئے اس گھر میں تو رہنا مشکل ہے۔ مینو ہم نے کتوں کو گوشت کا عادی بنا ڈالا ہے۔ اب وہ مجھے اکیلا اور کمزور دیکھ کر مجھ پر وار کر کے زبردستی میری بوٹیاں نوچ لیں گے۔ اب اس گوشت کا رس اور ذائقہ ریشم کے دکھ نے چوس لیا ہے مینو۔ اب میں تو ہڈیوں کا ڈھانچہ ہوں۔ جسے بہت جلد مٹی میں مل جانا ہے۔ ابھی اللہ تعالیٰ نے مجھے توبہ کے بعد نیکوکاروں کے نقش قدم پر چلنے کا موقع عطا کیا ہے۔ مجھے دیر نہیں کرنی چاہئے۔'' وہ کربناک لہجے میں بولی۔

''تم کہاں جاؤ گی؟ تنہا کیسے رہو گی؟ کن کن لوگوں سے کیسے چھپ سکو گی؟ کتے سونگھتے ہوئے تم تک پہنچ جائیں گے دیدی۔ میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتی۔ ایسا نہ ہو کہ تم بھی دنیا کے ریلے میں بہہ جاؤ۔'' زرمین نے سہمتے ہوئے کہا۔ ''میرا تمہارے بغیر اور کوئی نہیں ہے۔''

''میں خان ماما کے پاس چلی جاؤں گی۔ وہاں درس و تدریس سے اپنا دل بہلا لوں گی۔ تم میری فکر مت کرنا۔ بس دیدی کو ڈھونڈ نکالنا۔ مینو میں اپنی دیدی اور ریشم کو مرنے سے پہلے ملنا چاہتی ہوں۔ بس کسی طرح اسے یہاں ہی لے آنا۔ ہو سکتا ہے تب تک ریشم بھی بھولی بھٹکی واپس پہنچ ہی جائے۔'' اس کے چہرے پر امید کی کرنیں بکھر گئی تھیں۔

''خان ماما کے گھر کیوں؟ میرے ساتھ چلو۔ کم از کم ایک ساتھ رو بھی لیں گی اور حالات کا

مقابلہ کرنے کی ہمت بھی بحال رہے گی۔'' زرمین نے آہ کو اندر ہی دباتے ہوئے بے بسی سے کہا۔

''جب تک ریشم نہیں ملتی کسی اور شہر میں آباد ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ ہوسکتا ہے وہ ہمیں ڈھونڈتی ہوئی خان ماما کے گھر ہی پہنچ جائے۔'' وہ پُرامید لہجے میں بولی۔

''دیدی اس کا انتظار کرنا چھوڑ دو۔ کیا حالت بنا لی ہے تم نے۔ وہ نجانے زندہ بھی ہے یا نہیں۔'' زرمین کے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے تھے۔

''مینو جب اللہ تعالیٰ پیاروں کو ہم سے چھین لیتا ہے تو رونے دھونے سے دل کے داغ مٹنے لگتے ہیں۔ وقت بیتنے کے ساتھ صبر وسکون آنے لگتا ہے لیکن جو پیارے آنکھوں کے سامنے چھن جائیں' انسانوں کے قبضے میں چلے جائیں ان کی یادیں وقت گزرنے کے ساتھ بتدریج بڑھتی چلی جاتی ہیں۔''

وہ تڑپ کر بولی۔ ''ماں باپ بھی انسانوں کے ظلم وستم کا نشانہ بن گئے۔ بھائی بھی بے وجہ اور بے مقصد ہی مارے گئے۔ ہم انہیں بھلا نہیں سکیں کیونکہ اس وقت بھی انسانوں کی طرف سے ہی زیادتی اور بے انصافی ہوئی تھی۔ ہم اپنے کس کس درد کو بھول پائیں گی۔ ہمیں بھی مرجانا چاہئے تھا۔ ہمیں بھی جینے کا کوئی حق نہیں تھا۔ زرتاش دیدی نے درست فیصلہ کیا تھا۔ بے یار و مددگار بچیوں کو انسان ہی بے عزت اور رسوا کرتا ہے۔ اسے سہارا دے کر اٹھانے کے بجائے پاؤں تلے روند دیتا ہے۔ یہ سب شیطانیت کے روپ ہیں۔ ظلم وستم میں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ نہیں ہوتا ہم ان درندہ صفت انسانوں کی دنیا سے رخصت کیوں نہیں ہوجاتیں۔ کیا مرنا ہمیں بہت مشکل لگتا ہے؟''

''نہیں ایسا ہرگز نہیں دیدی۔ ہمیں زندہ رہ کر اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا ہے۔ خود کو اذیت' تکلیف اور درد دے کرتا کہ جب اللہ تعالیٰ کے حضور والدین کا سامنا ہو تو ہمارے چہروں پر سیاہی' شرمندگی اور پچھتاؤں کی ہلکی سی رمق بھی نہ ہو۔'' زرمین نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

''ہوں......'' طویل ہوں کے بعد پلوشہ نے سنبھل کر کہا۔

''تم دیدی کو ڈھونڈ لاؤ میں ریشم کو کہیں نہ کہیں سے پیدا کرلوں گی۔ پھر ہم اللہ کی راہ میں مشن پر نکل پڑیں گی۔ بخشش ضرور ہوگی۔ وہ غفور الرحیم ہے۔ ہم واپس کابل چلی جائیں گی۔ ہوسکتا ہے زرتاش دیدی زندہ ہو۔ ہمارا گھر سلامت ہو۔

''ان شاء اللہ۔'' زرمین نے بلند آواز میں کہا اور اس کے ساتھ ہی بیڈ پر لیٹ گئی۔

اگلی صبح اپنے اندر بے پناہ تبدیلیاں لے کر طلوع ہوئی تھی۔ پلوشہ نے والدین کی حلال کی کمائی سے بنوائے ہوئے کپڑے جنہوں نے ان کے ساتھ ہی ہجرت کی تھی وہ ابھی تک سٹور میں پرانے خستہ حال بیگ میں مقید تھے۔ اس نے اسے باہر نکال کر کھولا اور ایک جوڑا نکال لیا۔ زرمین نے اسے اس خستہ حالی میں باہر نکلنے سے روکا' مگر وہ ایک نہ مانی۔ اس نے وہی چرمر بوسیدہ اور تار تار ہوتا

ہوا لباس پہن کر اوپر گاؤن پہنا جو ماں نے چلتے وقت اِسے پہنایا تھا۔ خستہ حالی کا شکار نہ ہوا تھا کیونکہ اِسے یہاں آتے ہی اپنے جسم سے دور جو کر دیا گیا تھا۔ ''کاش میں اپنے بدن پر تھوپی ہوئی غلاظت کو بھی ہمیشہ کے لئے دھو لیتی۔ کاش! میں اپنے خون سے حرام کو نکال سکتی۔ کاش! روح کو پوتر کر سکتی۔'' پلوشہ نے حقارت سے بھرپور نظر خود پر ڈالی۔

''دیدی تم ہوش میں نہیں ہو۔ کیسی عجیب اور انہونی باتیں کرنے لگی ہو۔'' زرمین نے ڈرتے ہوئے پریشانی سے کہا۔

''پہلے پاگل تھی' جنونی اور دیوانی تھی۔ اسٹیٹس اور دولت کی ہوس کا شکار تھی۔ اب تو میں بالکل نارمل ہوں۔ مجھ پر اللہ کی مہربانیاں اور رحمتیں برسنے لگی ہیں۔ ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ رحمتوں اور فضل و کرم کی اس برسات میں میں سرتاپا پاک وصاف ہو جاؤں گی۔ مجھے اُسی دن کے انتظار میں زندہ رہنا ہے۔ اس کے علاوہ مجھے مزید سانس لینے کا کوئی جواز نظر نہیں آتا۔'' اس کا لہجہ مستحکم اور آواز میں مضبوطی جھلک رہی تھی۔ آنکھوں میں امید کے ستارے سے جگمگا گئے اور اس کے سوکھے ہوئے پپڑی زدہ ہونٹوں پر ہلکی سی پُرتسکین مسکان پھیل گئی تھی۔

زرمین اُسے خاموشی سے دیکھنے لگی۔ پلوشہ کتنی بدلی بدلی لگ رہی تھی۔ ظاہر اور باطن پر ایک عجیب سی چھاپ تھی۔

''مینو میں جا رہی ہوں۔ خالی ہاتھ' حرام طریقوں سے کمائے ہوئے اس حرام کی ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر سے ایک قطرہ بھی میرے اس مشن میں ساتھ نہیں جائے گا۔ میں اس بات کی گارنٹی دیتی ہوں کہ نہ تو بھوکی مروں گی نہ چھت کے بغیر سوؤں گی۔ میرا مالک جس کا ہم سے وعدہ ہے مجھے میری نیت اور اعمال کے مطابق سب کچھ بخشے گا۔ بس دُعا کرو مجھے میری ریشو مل جائے پھر مجھے نہ فکریں ستائیں گی نہ پچھتاوا دن کا سکون اور راتوں کی نیندیں حرام کرے گا۔ میں ریشم کو حاصل کر کے اُس کے بدن سے حرام کے تمام بیج نکال پھینکوں گی۔ وہ بہت سادہ طبیعت کی بچی تھی۔ ہر بات سنتی اور اس پر عمل کرتی تھی۔ میرے سمجھانے پر رب العزت کی قربت حاصل کرنے بھاگی آئے گی۔'' وہ آس و یاس سے بولی۔

''دیدی تم خان ماما کے ٹکڑوں اور مامی کی ڈانٹ ڈپٹ پر زندگی کیسے گزار سکتی ہو۔ منہ سے کہنا عمل کرنے سے بہت آسان ہوتا ہے۔ دیدی اس وقت تم جذباتی فیصلہ کر رہی ہو۔ منطقی سوچوں کا سہارا لے رہی ہو۔ جب دنیا کے پھیکے اور بدنما رنگوں کو دیکھو گی اور جب تم زندگی کے ہر پل میں ان کے اثرات کو محسوس کرو گی تو پھر تمہیں بہت شاک لگے گا تم نے اپنی سوچیں اور خیالات کو بدلا ہے' مگر زمانہ اپنی جگہ قائم و دائم ہے۔ اس لئے سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو۔ اعتدال اور کفایت شعاری بھی تو ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔'' زرمین نے اُسے نرم لہجے میں سمجھانے کی کوشش کی تو اس کی نگاہوں میں

سوچ رچ بس گئی۔

"مجھے ڈس کرج مت کرو مینو۔ میں حیات آباد میں مقیم ذلتوں اور غلاظتوں میں بلکتی ہوئی افغانی نسل کے لئے دن رات کام کروں گی۔ انہیں دینی اور دنیاوی تعلیم سے روشناس کراؤں گی۔ مینو اگر میں ایسا نہ کر سکی تو خودکشی کرلوں گی۔ خود کو ختم کر دوں گی۔ اس بے مقصد زندگی کا کیا فائدہ؟ جو کسی کے کام نہ آسکے۔" طویل اطمینان بھری سانس لے کر اس نے وہی پرانا بیگ اٹھایا جو اس کے ساتھ سرحدوں کو عبور کر کے آیا تھا۔ اُسے اٹھا کر سامنے لگے ہوئے قد آدم آئینے میں خود کا جائزہ لیا۔ اسے ایسے لگا جیسے آئینہ بھی اسے سلامی دے رہا ہو' جبکہ اسی آئینے نے اسے بے پناہ سج دھج میں دیکھا تھا۔ اس پر غرور و تکبر کے ساتھ حسرت و راحت سے ہمکنار بھی ہوا تھا۔ آج اُسے قطعاً برا نہ لگا تھا۔ اُسے اپنی شان میں گستاخی نہ لگی تھی۔ مسکرا دیا تھا۔ اس کے شانے پر پُرستائش و پر آفرین تھپکی دے رہا تھا۔ پلوشہ نے بے اختیار ہو کر آئینے پر اپنے لب رکھ دیئے اور زرمین کی طرف دیکھے بغیر سرعت سے باہر نکل گئی۔ زرمین اس کے پیچھے بھاگی۔ "دیدی رک جاؤ۔ خالی ہاتھ مت جاؤ۔ ذلیل ہو جاؤ گی۔" وہ چیخ رہی تھی۔ مگر پلوشہ نے مڑ کر نہ دیکھا کہیں اس کی فریادیں و التجائیں اس کے پاؤں کی زنجیر نہ بن جائیں۔

زرمین پورچ میں ہی سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ کافی دیر بعد وہ اپنے کمرے میں آکر پیکنگ کرنے لگی۔ تمام فینسی ڈریسز اس نے الماری میں ہی لٹکے چھوڑ دیئے۔ سمپل اور سادے چند جوڑے پیک کر کے اس نے پرس کو ٹٹولا۔ اسلام آباد تک کے لئے کرایہ اور ہوسٹل کے قیام کے لئے ایک مہینے کا خرچ پرس میں موجود تھا۔ اس نے چادر اپنے اردگرد لپیٹ لی اور آئینے کی اُسی جگہ کو اس نے چوم لیا جہاں ابھی تک پلوشہ کے ہونٹوں کی نمی کا نشان مرتسم تھا۔

گھر کو حقارت و نفرت سے دیکھ کر اس نے اس کے تمام در و دریچے کھول دیئے اور تالا لگائے بغیر باہر نکل آئی۔ اس گھر میں ایسی کوئی شے موجود نہیں تھی جسے سیکیور کیا جاتا۔ حرام ہی حرام تھا اور حلال کے ساتھ دونوں اپنی جان و غیرت کے ہمراہ رخصت ہو گئی تھیں۔ دونوں کے رستے الگ منزلیں جدا مگر مقصد حیات میں ہم آہنگی تھی۔

❖ ❖ ❖

تھرڈ کلاس ہوسٹل میں اُسے فوراً ہی ڈربے کے سائز کا کمرہ مل گیا تھا۔ وارڈن نے کمرے تک چھوڑتے ہوئے بار بار اسے گہری نظروں سے گھورا تھا۔ جب وہ واپس آئی تو تب بھی سوچوں میں الجھی رہی کہ اس نے اس لڑکی کو پہلے کہاں دیکھا ہے؟ ہو سکتا ہے کہ اس کی شکل و شباہت اور آواز کسی اور سے مشابہت رکھتی ہو جو مجھے ایسا گمان ہو رہا ہے۔ مگر یہ تو ایک اٹل حقیقت ہے کہ یہ دو خصوصیات ہر خاندان میں نسل در نسل چلتی ہیں۔ کہیں انیس بیس کا ہی فرق ہوتا ہو گا جبکہ فطرت اس زمرے میں

نہیں آتی۔ واہ میرے مولا ایک ماں کے پیٹ کی پیداوار میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے ورنہ ہر خاندان کا ہر فرد اگر ایک جیسی فطرت کا مالک ہوتا تو نجانے کتنی تباہی مچ گئی ہوتی۔ یہ راز وہی تو جانتا ہے۔ ہر ذی روح کو اپنی جبلت کے مطابق اپنا نصیب لکھنے کا اختیار بھی دے ڈالا۔ ہماری نیت اور اعمال ہی ہماری تقدیر کو تاریکی کے سفر پر گامزن کر دیتے ہیں یا اسی سفر پر روشنیوں کی کرنیں بکھیر کر رستے کو آسان کر دیتے ہیں۔ میں پیدائشی طور پر وارڈن نہیں تھی۔ اچھی بھلی قابل عزت ایک ٹیچر تھی مگر جب میری نیت میں فتور آیا تو میں نے اِس پیشے کو اپنی نیت کے مطابق منتخب کر لیا۔ مجھے یہاں کی معصوم بچیوں اور میڈم کی تنبیہ کے پس پردہ اس کے لالچ وطمع نے اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ ان لڑکیوں کی رشوت چائے کی ایک پیالی پر میں بک گئی اور انہیں ہر کسی کے ساتھ جانے کی اجازت دیتی رہی۔ شیطان بھی کتنے لمبے اور مضبوط بازو رکھتا ہے۔ اس نے میری پرموشن کی اور میں میڈم کے دھندے میں برابر کی شریک ہوگئی۔

تھوڑے سے معاوضے سے اپنے نکمے بھائیوں کا پیٹ بھرا۔ لاچار اور مجبور بہنوں کی چھوٹی چھوٹی خواہشوں کو پورا کیا۔ اپنے غریب اور بوڑھے والدین کے لئے میں قابل فخر ہوگئی۔

تو کیا میں نے اپنے مقدر کے چناؤ کا خود فیصلہ نہیں کیا۔ پھر اوپر والے کو موردِ الزام کیا ٹھہرانا۔ اپنے خاندانی مسائل کو کیا کوسنا۔ قصور تو میری اپنی نیت کا ہے بلکہ بھائیوں کو ہڈحرام اور ناکارہ بنانے کا الزام مجھ پر عائد ہوتا ہے۔ جنہیں سہل پسندی کی عادت ڈال کر اپنی ذمہ داریاں اٹھانے سے بے بہرہ کر دیا۔

وہ آج اپنی ذات کی گہرائیوں میں جھانک کر نہ تو پچھتائی تھی نہ ہی ندامت ہوئی تھی۔ کیونکہ اسے انہی اعمال کے سنگ رہنے کی بہت پرانی عادت ہو چکی تھی۔ جو اس کی شخصیت کا حصہ اور زندگی کی ضرورت تھی۔ اب یہ سب اتنا نارمل تھا کہ احساس گناہ چند لمحوں کا مہمان بن کر آتا اور جلد ہی رخصت ہو جایا کرتا تھا' کیونکہ ضمیر جو مکمل طور پر مر چکا تھا۔ اپنی غلطی ماننے کے باوجود سدباب کی طرف کبھی مائل جو نہ ہوئی تھی۔

آج بھی حسب عادت اس نے بیتے ہوئے اور حاضرہ حالات کا سرسری سا جائزہ لیا اور اگلے ہی لمحے ایک جھٹکے سے اپنی تمام سوچوں کو برطرف کر کے میڈم کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ ڈھٹائی اور بے حسی کی انتہا تھی۔ چہرے پر خوشی اور آنکھوں میں نرالی سی چمک ہویدا تھی۔

میڈم نے چونک کر دیکھا اور رازداری کے انداز میں بولی۔

''کیا بات ہے؟ بہت خوش نظر آ رہی ہو؟ آنکھوں میں فتح مندی کی چمک تو کبھی کبھار دیکھنے میں آتی ہے۔ کوئی بہت بڑی چیز لائی ہو۔''

''خبر صرف خوشی پر چپ رہنے کی نہیں مٹھائی بانٹنے کی ہے۔'' وہ قریب بیٹھ کر بولی۔

''کیوں بھئی آج اپنا سودا کر بیٹھی ہو۔'' وہ مذاقاً بولی۔ ''کتنے میں کیا ہے؟ بھلا میں بھی سنوں کہ اپنی بولی کتنی لگائی ہے۔''

''میڈم ایسا تو نہ کبھی ہوا ہے نہ ہی مرتے دم تک ہوگا ورنہ آج آپ کے چرنوں میں نہ بیٹھی ہوتی۔ کسی محل کی رانی ہوتی۔'' وہ چہک کر بولی۔

''کبھی تم نے آئینے میں اپنی شکل دیکھی ہے۔ قسم ہے اندھیرے میں شیطان بھی ڈر کر اپنی جان کی پناہ مانگتا ہوا سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ جائے۔'' وہ اسے چھیڑتے ہوئے قہقہہ لگا اٹھی۔

''ایسی بھی بات نہیں میڈیم جب جوانی گدھی پر بھی آتی ہے تو وہ بھی حسن کا پرکالہ بن جاتی ہے۔ میں تو عورت ہوں۔ جسے اللہ نے بے پناہ حسن سے نوازا ہے۔ منہ کے پیالے کا کیا ہے۔ کالا ہو یا گورا کوئی فرق نہیں پڑتا اس کا۔ آپ نے اپنی زندگی کے تجربوں سے خود بھی سیکھا ہوگا کہ آپ کے ہاتھوں سے گدھی نما کالی کلوٹی بچیاں بھی بے مول نہ تھیں۔ خاصا پیسہ دے گئیں۔ خوبصورتی بدن کی ہوتی ہے نین نقشے اور رنگ میں کیا رکھا ہے۔ یہ سب فضول اور بیہودہ باتیں ہیں۔ مجھے ان پر یقین نہیں رہا۔ میں خوامخواہ ہی ہر بار ہر رشتے سے ٹھکرائی گئی۔ بھلا کس چیز کی کمی ہے مجھ میں آپ ہی بتا دیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولے جا رہی تھی۔

''آج تو بڑی دلیلی بنی ہوئی ہو۔ کیا بات ہے؟'' وہ حیرت سے بولی۔

''ابھی ابھی کمرے میں ایک افغانی لڑکی کو سیٹ کر کے آئی ہوں۔ کیا یہ خوشخبری کم ہے۔'' وہ راز داری کے انداز میں بولی۔ ''نجانے کم بخت کی شکل کس سے ملتی ہے۔ شاید کسی ڈرامے یا فلم کی ایکٹرس سے ملتی ہو خیر ہمیں کیا؟''

''تم مجھے جیل پہنچا کر دم لوگی۔ مجھے ابھی تک فرشتے کا خیال آتا ہے تو دہل جاتی ہوں کہ ہم نے اسے بھی عام کیٹگری میں ڈال دیا تھا۔ جیسے پاکستانی ہر لڑکی کا مزاج' کردار ایک دوسرے سے ٹوٹلی فرق ہے یہی اصول افغانی لڑکیوں پر بھی لاگو آتا ہے۔ ہم سب کو ایک جیسا تصور کر کے ان کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کیوں نہیں سوچتے کہ ہر انسان دوسرے سے مختلف ہے۔ ہر عمارت شاہی قلعہ نہیں ہوتی۔ مختلف اور اپنی منفرد اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ ہر چمکتی شے سونا نہیں ہوتی۔ کوئلہ ہیرا نہیں کہلا سکتا۔ فرشتہ مجھے بہت بڑا درس دے گئی ہے۔ اب وہی ہوگا جو میری زبان سے ادا ہوگا۔ ظاہر اور باطن میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ بے سہارا اور لاوارث بچیوں کے گھروں کو نکاح کے بندھن سے آباد کرنا صدقہ جاریہ ہے۔ اس اس نیک کام میں بھی تم میرا ساتھ دوں گی ناں۔ حالانکہ میں نے فرشتے کے بارے میں ایسا ہی کرنے کا سوچا تھا۔ سوچ کو عملی جامہ پہنانا میرے لئے آسان نہ تھا۔ ان ہاتھوں کو پیسے کی عادت جو پڑ گئی ہے۔ آخر اس کا سودا کرنے پر بھی تل گئی۔ حالانکہ میں اس کی فطرت کو سمجھ گئی تھی۔ مگر تم نے بھی تو میری نیک سوچ کا ساتھ نہ دیا تھا۔ میں ہی کمزور نکلی جو

تمہاری سوچ مجھ پر مسلط ہو گئی تھی۔ خدا کے لئے اب مجھے کنوینس کرنے کے بجائے پھلدار پھولدار اور حسین رستوں کا حدود اربعہ بتانے کی تمام انفارمیشن دیتی رہنا۔ میں آدھی رات تک عبادت کر کے اپنے گناہوں کو بخشواتی رہتی ہوں۔ گناہوں کی دلدل سے نکلنے کی دعائیں اور التجائیں اس رب سے کرتی ہوئی بھی مطمئن نہیں ہوتی اور دن کے اجالے میں سب کچھ بھلا کر پھر سے ڈالی ڈالی دانہ چگنے نکل پڑتی ہوں۔ جن پر میرا حق نہیں ہوتا۔ تباہی اور بربادی مچا کر پھر اللہ کے حضور کس منہ سے معافی مانگتی ہوں۔ بہت ڈھیٹ اور نڈر ہوں۔ جسے اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں اُسے ان معصوم بچیوں کا کیا ڈر؟''
وہ بجھے ہوئے لہجے میں بولے جا رہی تھی۔ وارڈن خاموشی سے اس کی تمام باتوں کو سرسری طور پر سن رہی تھی کیونکہ اسے زینت سے بھلے کی امید نہیں تھی۔ وہ اول درجے کی منافق اور جھوٹی عورت تھی۔ پاکیزگی کے لبادے کے اندر وہ کیا تھی؟ یہ وارڈن کے علاوہ یہاں اور کوئی نہ جانتی تھی۔ چند دنوں میں پاکیزگی کا نشہ اتر جائے گا۔ جب کسی طرف سے آفر آ گئی۔ اسی جانب چل پڑے گی۔

''خاموش کیوں ہو؟ میں جانتی ہوں کہ تم میرے بارے میں کیسی سوچ رکھتی ہو؟ مگر اس بار کی میری کہی ہوئی باتیں سو فیصدی سچائی پر مبنی ہیں کیونکہ میں نے اپنے ضمیر کو کھل کر بولنے کا موقع دے دیا ہے۔ اب وہ میرے ہمسفر اور رازداں ہے۔ اب مجھے کسی کے مشورے کسی کی دوستی اور کسی کی محتاجی کی ضرورت نہیں رہی۔ اب تم جا سکتی ہو۔ یہاں سب لڑکیوں کے لئے بڑی بہن کا ٹھنڈا اور پرسکون سایہ بن جاؤ کیونکہ میرے اس غریبانہ ہوسٹل میں حالات کے ستائے ہوئے مسکین و لاچار لوگوں کی بچیاں آتی ہیں۔ جن پر ان کے خاندان نے نظریں جمائی ہوئی ہیں۔ دن پھرنے کے انتظار میں وہ ان کی سلامتی کی ہر وقت دعائیں مانگتے ہوں گے۔ اُف میری اور تمہاری بخشش نہیں ہو گی۔ ہم نے کتنے ہی خاندانوں کے خوابوں کو چکنا چور کیا ہے۔ یہ حقیقت ہے۔ ایک تلخ اور جان لیوا حقیقت اور ایک بہت ہی زہریلا سچ۔ تم مانو یا نہ مانو یہ ایسا ہی ہے۔'' وہ تسبیح رکھ کر رونے لگی تھی۔

وارڈن کے ذہن میں وسوسے اور خوف ابھر کر اسے مضطرب کرنے لگے تھے۔ وہ بھی تو اپنے خاندان کو سپورٹ کرنے والی واحد ممبر تھی۔ اب میڈم کے ساتھ تو دو گام بھی چلنا دشوار لگ رہا تھا۔ اس کے چہرے کی تیوری ناگواری کا اعلان کر رہی تھی۔ وہ مسلسل سوچے جا رہی تھی۔ جب انسانی بنیادی ضرورتیں ہی پوری نہ ہوں۔ معاشرہ بے حسی اور خودغرضی کی دلدل میں دھنس چکا ہو اور دھڑلے سے نفسانفسی کے عالم میں حاجت مندوں کو پس پشت ڈال کر فقط اپنے بینک بیلنس بڑھانے کے انتظامات کئے جائیں تو وہاں کی ویلیوز کمپرومائیز ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ برائی اور اچھائی میں تمیز کرنے والوں کو عاقبت نااندیش گردانا جاتا ہے اور خامی اور خوبی کو یکجا کرنے والوں کو دانشمند سمجھ کر عزت و تکریم دی جاتی ہے اور کوئی بھی بڑا فیصلہ کرنے سے پہلے ایسے حرام خوروں سے مشورے کا شرف حاصل کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو ایک پانی کی بوند سے تشکیل دیا تو اس

کے اندر اپنا نور اور اپنی روح پھونک کر اسے اشرف المخلوقات بنا دیا۔ اس سے چھوٹے بڑے' گورے' کالے اور امیر غریب کی تفریق نہیں کی گئی تھی۔ سب کو برابری دے ڈالی۔ ہم نے کلاس سسٹم بنا کر ایک دوسرے کے درمیان سنگلاخ دیواریں حائل کر ڈالیں۔ پھر معاشرہ ناسور ہونے سے کیسے بچتا؟ دو وقت کی روٹی کے متلاشی لوگوں کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر ان کے من سے انا و خودداری اور وقار و کروفر کا بیج نکال دیا جاتا ہے جو رب نے اس کے اندر بڑی توجہ و پیار سے بویا تھا۔ کونپلیں نکلنے سے اور گل کھلنے سے پہلے ہی اس پر بیدردی سے ہل چلا کر بنجر زمین کی مٹی میں ملا کر ضمیر کو بھی درگور کر دیا جاتا ہے۔ ہر برائی کو اچھائی' ہر ظلم کو رحم اور ہر طرح کی نفرت کو محبت اور توہین کو تحسین کا نام دے کر ہاتھ میں فتح مندی کا جھنڈا اٹھا دینا دنیا والوں سے مدح سرائی اور داد تحسین وصول کرنا اور ڈھٹائی سے اصل پر نقل کا غلاف چڑھانے کو عقلمندی اور دور اندیشی سمجھا جاتا ہے۔

مگر آج زینت کے نیم وا ضمیر کی آنکھیں اسے کسی گرگٹ کی طرح لگ رہی تھیں۔ جس نے مدت بعد اپنا رنگ بدل ڈالا تھا۔ وہ بوجھل قدموں اور شکستگی کی حالت میں اپنے کمرے تک بمشکل پہنچی۔ دِن بھر پلنگ توڑتی رہی اور شام کو کہیں باہر نکلی اور زینت کے لئے ڈنر تیار کرنے لگی۔ ساتھ ہی آیتیں پڑھ پڑھ کر کھانے پر پھونکتی رہی کہ کہیں زینت اپنے ٹریک سے لمبے وقت کے لئے نہ اتر جائے ورنہ اس کے گھر والوں کو تو اس کی تنخواہ میں آٹا بھی خریدنا دوبھر ہو جائے گا۔ باقی کے اخراجات کیسے اور کہاں سے پورے ہوں گے۔ اگر یہ میڈم جو آج پارسائی کا جھنڈا اٹھانے کی کوشش میں ہے اپنے ورکرز کی تنخواہ کا فیصلہ کرنے سے پہلے ان کی بنیادی ضرورتوں اور حاجتوں کے بارے معلوم کرنے کو اولیت دینے لگے تو بہت سے مسائل کھڑے کھڑے حل ہو سکتے ہیں۔ وہ پریشانیوں میں گھرے ہوئے ایسے لوگوں کو معمولی سی لاپروائی پر ٹرمینیٹ کرنے کی دھمکی دے ڈالتی ہے مگر افسوس کہ جب ہم چاک و چوبند پوری تندہی سے کام کرتے ہیں تو پھر انہیں انعامات سے کیوں نہیں نوازا جاتا۔ کیا یہ بے انصافی نہیں۔ وہ آج بہت گہرائی میں گھری سوچ جا رہی تھی۔ وہ زینت کے لئے ناجائز کام کرنے کی مجبوری کا قصوروار اسے ہی ٹھہرا رہی تھی کہ اگر میری ضروریات زندگی کو مدنظر رکھ کر مجھے تنخواہ دی جاتی تو مجھ سے ایسا مکروہ فعل کیونکر سرزد ہوتا۔

اب خود تو چلی ہے نیک پروین بننے اور مجھے بیچ منجدھار میں موجوں کے حوالے کر کے بے رخی اور لاتعلقی کا ثبوت دے کر مجھ پر ایک نیا ظلم کرنے لگی ہے۔ مگر افسوس کہ لاکھوں کمانے کے بعد بھی تیرا کے ہاتھ آج بھی خالی تھے۔ کشکول اُلٹا پڑا تھا۔ ایسے مال میں اللہ کی ذات شامل جو نہیں ہوتی۔ اس پر شیطان کی ہوس زدہ نظر ہوتی ہے۔ انسانیت اور شرافت کا دامن تار تار ہو کر شیطان کی جھولی کو بھرتا چلا جاتا ہے۔ بھلا شارٹ کٹ سے حاصل کئے ہوئے پیسے کی اہمیت ہی کیا ہے۔ ہاں لذت اور لطافت ضرور ہے۔ اس وقت اپنی خوش بختی پر نازاں ہوتے ہوئے اللہ کے قانون کی نافرمانی کا ڈر و

خوف بھی شادمانی وکامرانی میں بدل جاتا ہے۔کیا مجھے بھی اپنا رستہ بدل لینا چاہئے۔میڈیم کی طرح۔ ایسا سوچا بھی توکم بخت تو اور تیرا خاندان بھوکا مرجائے گا۔شیطان پوری طرح اس پر حاوی ہو چکا تھا۔اپنا جسم بیچنے سے بہتر ہے کہ دوسروں کے جسموں کا سودا کرواور خود پاکدامن کہلاؤ۔

❖ ❖ ❖

دس سکولوں کا سٹاف ان کے وسیع وعریض لان میں لنچ پر ٹوٹا ہوا تھا۔شامیر کے والدین اس کے ساتھ گفتگو میں شامل تھے۔وہاں کے ماحول میں نہ توکسی قسم کا کھچاؤ وتناؤ تھا' نہ ہی بڑے چھوٹے کی تفریق تھی۔یہی خاصیت اس خاندان کو بے شمار عزتیں اوروقار بخشے ہوئے تھی۔فرشتے نے بھی ان کی اس خوبی کودل ہی دل میں خوب سراہا تھا کیونکہ اُسے ایسے پاکستانی لوگ آٹے میں گھن کے برابر لگے تھے۔اس کے ذہن میں پاکستانیوں کا جونقشہ ثبت ہو چکا تھا ان کے اخلاقیات وخلوص کی چھاپ سے آج اس پر دھندلا پن چھا گیا تھا۔وہ لنچ کے بعد لان کے ایک کونے میں پھولوں کی کیاری کے پاس گھاس پر ہی بیٹھ گئی۔تھوڑے توقف کے بعد شامیر اس کے قریب آکر کھڑا ہوگیا۔وہ اپنی سوچ کی وادیوں میں اتنی گم تھی کہ اسے اس کی آمد اور اتنے قریب کھڑے ہونے کا احساس تک نہ ہوا تھا۔

''مس کے لئے یہاں ہی کرسی لگا دو اور ان کے لئے قہوہ چائے اور کافی یہیں پہنچا دو۔'' اس نے نہایت خوشدلی سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑے بیرے سے کہا تو وہ چونک کر کھڑی ہوگئی۔

''پھولوں کا موسم' بہاروں کے دن اور آسمان سے فرشتے اور حوروں کی آمد کیا حسین امتزاج ہے۔'' شامیر نے شاعرانہ انداز میں کہا تو وہ پاؤں تک لرز گئی۔لیمن کلر کے دوپٹے کے ہالے میں اس کا صاف شفاف گلابی رنگ پر ایک دم سے پیلاہٹ کی دھندسی آگئی۔جھکی ہوئی نگاہوں پر لمبی گھنیری مژگاں تڑپنے لگیں۔

''آئی ایم سوری۔لگتا ہے آپ کو شاعری سے قطعاً لگاؤ نہیں۔''

وہ اس کی حالت غیر کو بھانپ کر بولا اور اندر ہی اندر خود کو لعنت ملامت کرنے لگا کہ اسے سمجھے بغیر بھلا شاعری جھاڑنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اس کے لئے ہم اور ہمارا معاشرہ ہمارے طور واطوار ہمارے رسم ورواج سب نئے ہیں۔اس لئے تو ہمیشہ بہت محتاط نظر آتی ہے تو محترمہ اب دیکھو کہ میں کرتا کیا ہوں تمہارے ساتھ۔اپنا گرویدہ نہ بنا لیا تو پاکستان چھوڑ جاؤں گا۔گوری سے شادی کرلوں گا۔''

''شاعری تو افغانستان کی پیداوار ہے۔اقبال صاحب کی زیادہ تر شاعری فارسی میں ہے۔آج بھی وہاں بات کرنے سے پہلے شعر کی ادائیگی بہت عام ہے۔'' وہ توقف کے بعد خوداعتمادی سے بولی۔

''تو پھر کوئی شعر آج کے موقع محل کے مطابق سنا دیجئے۔'' اس نے فرمائشی انداز میں کہا۔مگر

ایکدم سے موضوع بدل ڈالا۔

''کھانا کیسا لگا؟ آپ کے کھانوں سے بالکل مختلف تھا۔ لاہوری کھانے کافی ہیوی اور مزے دار ہوتے ہیں۔ ہم کھانے کے معاملے میں بہت چوزی ہیں۔ اس لئے وہی کھانا پسند کرتے ہیں جس پر من آ جائے۔'' وہ شگفتہ لہجے میں بولا۔

''اب تو ان کھانوں کی زبان کو اتنی عادت ہو گئی ہے کہ کابلی کھانا فوراً ری جیکٹ ہو جاتا ہے۔ انسان کی عادات بدلنے کے لئے زیادہ وقت درکار نہیں ہوتا۔ چند دنوں کے حالات بگڑنے یا سنورنے کی دیر ہوتی کہ وہ اسی میں ڈھل جاتا ہے۔ انسانی فطرت کو رب العزت نے بہت لچک دار بنایا ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بول رہی تھی۔

''اس لئے تو اشرف المخلوقات کے پائیدار اور قابل فخر خطاب سے نوازا گیا ہے۔ لگتا ہے آپ کا ایمان بہت پکا اور عقیدہ بہت راسخ ہے۔'' وہ لگاوٹ سے بولا۔

''ہمارے خاندان میں دینی اصولوں کو ہمیشہ سے اولیت دی گئی ہے۔ ہمیں قرآن' صرف عربی میں ہی نہیں پڑھایا گیا۔ دری اور فارسی میں بھی سمجھایا گیا ہے۔ ہمارے خاندان میں بہت بڑے اسلامی مفکرین بھی پیدا ہوئے ہیں۔ انہی کی برکتیں ہیں سب۔'' وہ غیر ارادی طور پر بول کر ایکدم خاموش ہو گئی۔ اسے اپنی ذاتی باتوں میں جان ڈال کر شامیر سے گفتگو کرنا مناسب نہ لگا تھا جبکہ شامیر کو اس کی یہ گفتگو بہت پُرسکون کر گئی تھی۔

اسی اثنا بیرہ دو کرسیاں اٹھا کر قریب آ گیا تو فرشتے نے اچنبھے سے شامیر کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں نجانے کیا فسوں تھا کہ وہ دیکھتی ہی رہ گئی۔

''اب چائے وغیرہ لے آؤ۔'' شامیر نے آہستگی سے کہا اور فرشتے کو اشارے سے بیٹھنے کے لئے کہا۔

''تشریف رکھئے۔'' وہ اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''سب میں چلتے ہیں۔'' وہ عجیب سی چبھن میں جھجک کر بولی۔

شامیر نے کیاری کی طرف ہاتھ بڑھایا اور گلاب کا سرخ حسین مسحور کن خوشبو بکھیرتا ہوا پھول توڑا۔ اس کے ہاتھ میں تھما کر خوشگوار لہجے میں بولا۔

''آنے کا بہت بہت شکریہ۔ آج کا لنچ تو ماضی کے......''

''شکریہ تو مجھے آپ کا ادا کرنا چاہئے جنہوں نے مجھ ناچیز کو عزت افزائی بخشی اور ممی کا تو جواب نہیں۔ وٹ آ لیڈی۔ ان سے مل کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ مجھے اور میں انہیں پچھلے جنم سے جانتی ہوں۔ بہت فرینڈلی ہیں۔ بچوں کے ساتھ بچہ اور جوانوں کے ساتھ جوان اور بزرگوں کے ساتھ بزرگ بن جاتی ہیں۔'' وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے پُرسکون لہجے میں بولی۔ ''مل کر بہت اچھا لگا۔''

''مجھ سے مل کر کہ ممی سے مل کر۔'' وہ مذاقاً بولا تو وہ جھینپ سی گئی۔

''غالباً مجھے مل کر۔'' وہ پھر شوخی سے بولا۔

''جی یوں ہی سمجھ لیجئے۔'' وہ اس کی شوخی کو نظر انداز کرتے ہوئے نارمل لہجے میں بولی۔

''تو پھر آتے جاتے رہیے گا۔ ملتے ملاتے رہیے گا کیونکہ آئی ایم آل سو ویری ہیپی۔'' وہ شرارت بھرے لہجے میں بولا۔

''آئی تھینک کہ آپ کو شریر باتیں کرنے کی عادت ہے۔ جو بات عادت میں شامل ہو جائے اس کی اہمیت و حیثیت نہیں رہتی۔ اب مجھے کیا معلوم کہ آپ کی تمام باتیں عادتاً زبان سے ادا ہوئی ہیں یا مروتاً بے اختیاری میں نکلی ہیں۔'' وہ متذبذب لہجے میں بولی۔

تو وہ حیرت و اشتیاق سے اس کی طرف دیکھنے لگا کہ یہ خاموش اور تنہا سی لڑکی تو بڑی چیز نکلی۔ کیسے میری زبان کو مقفل کرنے میں کامیاب ہوئی ہے۔ وہ دل ہی دل میں سوچتا ہوا ماں کی طرف بڑھنے لگا۔

❖ ❖ ❖

''ممی تو پھر بتایا نہیں کہ فرشتے کیسی لگی؟'' وہ بیقراری سے بولا اور ماں کے ہاتھ سے ریموٹ کنٹرول لے کر ٹی وی بند کر دیا۔

''بس ایسے ہی۔'' وہ بناوٹی ناگواری سے بولی۔

''ممی یعنی آپ کو فرشتے بس ایسے ہی لگی۔ مجھے آپ کی زبان پر یقین نہیں آ رہا۔ سچ سچ بتائیں ناں۔'' وہ بے تاب سا ہو کر رہ گیا۔

''بھئی پہلی بات تو یہ کہ فرشتوں کا اس جہاں میں کیا کام۔ نرا فراڈ اور سراب زدہ نام ہے۔'' وہ بیزاری سے بولی۔

''ممی اگر ایک بدصورت لڑکی کا نام حسینہ رکھا جا سکتا ہے تو انسانوں میں فرشتوں کے ناموں کا دخل آپ کو برا کیوں لگا؟'' وہ حیرت سے بولا۔

''واہ جی واہ یہ خوب رہی تمہاری منطق۔'' وہ دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے سنجیدگی سے بولی۔

''ممی آپ نے جو مجھے سینکڑوں کالی کلوٹی موٹی اور چھوٹی لڑکیاں دکھا کر مجھے پھانسنے کی کوشش کی تھی کیا ان تمام میں سے سب سے گئی گزری فرشتے ہے۔'' وہ خفگی کے انداز میں بولا۔

''ہاں سب گئی گزری۔'' وہ آنکھیں نکالتے ہوئے بولی۔ ''کسی نہ کام کی کم از کم میرے اتنے ہینڈسم بیٹے کے لئے تو ہرگز نہیں۔ لمبی تڑنگی جسم پر بوٹی تک نہیں تک۔''

''تو پھر میرا فیصلہ سن لیجئے میں کل ہی یو کے واپس جا رہا ہوں۔ آپ جانیں اور یہ سکول

جائیں۔کبھی پلٹ کر نہیں آؤں گا۔'' وہ دھمکی دینے کے انداز میں بولا۔

''یعنی کہ یہاں محبت کی چنگاریاں نہیں شعلے بھڑک اٹھے ہیں۔ اس سے دو چار بار مل ہی لیتے۔ نرے احمق ہی رہے۔'' وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے بولی۔

''دو چار دفعہ مل ہی لیتا۔ یہ شرط بھی خوب ہے۔ میں اپنی انسلٹ نہیں کرانا چاہتا۔ ممی وہ ٹکا سا جواب دے کر ہمارے سکول کی نوکری چھوڑ دے گی۔ میں چند منٹوں کی ملاقات میں اُسے بہت اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔ مجھے اپنے لئے ایسا ہی لائف پارٹنر چاہئے جو فرشتے جیسا ہو۔ کردار کا مضبوط اور پاکباز۔'' وہ تیزی سے بولے جا رہا تھا۔

''سوچنے کا وقت تو دو۔ اتنا اتاؤلا پن اچھا نہیں۔ کوئی اس لڑکی کا حدود اربعہ ہی معلوم کر لو۔ آج کل قدم قدم پر افغانی لڑکیوں نے غلاظت بکھیر رکھی ہے۔'' اب سچ مچ وہ سیریس ہو گئی تھی۔

فطرتاً' عادتاً اور شکلاً وہ فرشتوں سے کم ہرگز نہیں۔ چاند جیسی بچی مجھے بیٹھے بٹھائے مل رہی ہے۔ مجھے اور کیا چاہئے۔''

''بس بہو چاہئے۔ اور کچھ نہ سوچیں۔''

''ممی میں نے بھی دنیا دیکھی ہے۔ لڑکیوں کی باڈی لینگویج میں ان کا کردار بول رہا ہوتا ہے۔ ان کے خاندان کی جھلک نمایاں ہوتی ہے۔ ممی پھر بھی کوشش کروں گا۔ وہ ہے تو بہت پرائیویٹ لڑکی۔ اپنے بارے میں کوئی انفارمیشن نہیں دے گی۔ میں اسے جان گیا ہوں۔''

''اپنی وائس پرنسپل سے پوچھنا بھی مناسب نہیں۔ نجانے وہ اس مخبری کو کیا رنگ دے ڈالے۔ ممی میں آپ کو آسان طریقہ بتاتا ہوں۔ آپ فرشتے کو گھر بلا کر اس کا اتہ پتہ اس کی ماں کا نمبر لے لیں اور اس کی ماں سے کھری کھری بات کریں۔ بات کو طول دینے سے مسائل بڑھتے ہیں گھٹتے تو کبھی نہیں۔'' وہ سوچتے ہوئے بولے جا رہا تھا۔

''ٹھیک ہے ابا جان ایسا ہی ہو گا۔'' وہ مؤدبانہ انداز میں بولی۔

تو شامیر نے ماں کو امید و بیم کے جذبات سے مغلوب ہو کر گلے لگا لیا۔

فرشتے کا تمام راستہ حیرت و پریشانی میں طویل ہوتا جا رہا تھا کہ شامیر اسے اتنی اہمیت دینے پر کیوں تلا ہوا تھا۔ وہ متذبذب ہوتی سوچے جا رہی تھی۔ ڈرائیور ہوسٹل کے سامنے کھڑا اس کے اترنے کا انتظار کر رہا تھا۔ مگر وہ نجانے کہاں تھی کہ آخر ساتھ میں بیٹھی ہوئی کولیگ نے اسے کھلی آنکھوں سوتے ہوئے پا کر بلایا۔''فرشتے ہوسٹل جانے کا موڈ نہیں۔'' تو وہ چونکی اور سر جھٹک کر اپنا بیگ اٹھایا اور وین سے اتر گئی۔ تمام ٹیچرز کو ڈراپ کرنے کے بعد ڈرائیور وین کو پارکنگ میں لے گیا۔ اسے بھی انگڑائیوں اور جمائیوں نے خاصی مشکل میں ڈالا ہوا تھا۔ اس نے بھی لنچ پیٹ ڈھیلا کر کے تناول کیا تھا وہ نیند کے ہچکولے لیتا سکول کے پیچھے اپنے کوارٹر میں جا کر خراٹے بھرنے لگا اور

باقی تمام ٹیچرز بھی تھکاوٹ سے چور ہو کر جو قیلولہ کرنے لیٹیں تو شام تک سوتی رہیں مگر فرشتے کو بستر کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔ عجیب سی بے کلی ہوش وحواس پر چھائی ہوئی تھی۔ وہ اس کے عطا کردہ پھول کو دیکھ کر اس کی خوشبو سے محظوظ ہوتے ہی چونک سی گئی تھی۔ وہاں سینکڑوں پھول تھے لیکن اس نے کسی کو توڑنے اور سونگھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی۔ اس پھول میں ایسی کونسی خاصیت ہے جو اسے بار بار اپنی جانب متوجہ کر رہا تھا۔ وہ خود سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ شامیر کی باتیں پیار کی گھاتوں سے کم نہ لگیں۔ دل خوف سے کانپا بھی تھا' مگر اس کی باتوں میں سچائی' اپنائیت اور گہری لگاوٹ نے اُسے قدرے مطمئن سا بھی کر ڈالا تھا۔ وہ سب سے بہت مختلف اور اعلیٰ شخصیت کا منفرد سا مرد لگا تھا۔ اس میں پیسے کا سرور' اسٹیٹس کا نشہ نہیں تھا۔ اس میں خاندانی شان وشوکت' ٹھاٹ باٹھ اور آن بان کا ہلکا سا غرور وتکبر تک نہ تھا۔ اس کے سکولوں میں کام کرنے والے تمام ورکرز اس کے لئے بہت معتبر تھے۔ قابل عزت اور قابل احترام تھے۔ تمام ورکز کے لئے دوسرے لان میں اسی مینو اور سیٹنگ کے ساتھ لنچ کا انتظام کیا گیا تھا۔ سب اس کے سلوک سے خوش بھی تھے اور اسے اپنی دعاؤں کے حصار میں بھی رکھتے تھے۔

جس نے اس کے سکولوں کو پہلی دفعہ جوائن کیا تھا۔ وہ اسی کا ہو کر رہ گیا تھا۔ یہی وجہ تھی دل بھی لگا رہتا اور کام شامیر کی عین خواہش کے مطابق پایہ تکمیل تک پہنچنا بھی آسان ہو جاتا تھا۔ شامیر نے ہر ایک کی تنخواہ مقرر کرتے وقت ان کی ضروریات زندگی کے حساب وکتاب کو مدنظر رکھا تھا۔

ہر عید پر انہیں عیدی دی جاتی' گھر والیوں کے لئے کچن کی گروسری بھیجی جاتی اور بچوں کے لئے عید کے نئے کپڑے اور جوتے جو شامیر کی اپنی باعزت کلاس میں استعمال کیے جاتے تھے۔ ویسے ہی خرید کر انہیں پیش کیے جاتے۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر اس کی کڑی نظر رہتی تھی۔ تمام ورکرز کے لئے ہر سکول کے عقب میں کوارٹر بنا دیئے گئے تھے جہاں بجلی' پانی اور گیس کے بلوں سے آزاد یہ لوگ خوشحالی زندگی گزار رہے تھے۔ شامیر کو آج ہی معلوم ہوا تھا کہ فرشتے کسی ہوسٹل میں رہائش پذیر ہے۔ اَن گنت سوالات اس کے ذہن میں ابھرتے اور مٹ جاتے۔ رات بھر وہ اسی کشمکش میں جاگتا اور سوتا رہا۔ دل میں وسوسے اور خدشے بھی اٹھتے۔ ماں کی پسندیدگی اور رضا تو اُسے اپنی خواہش سے بھی زیادہ مقدم تھی۔ اس لئے ماں کی آمادگی کے لئے اس نے دل سے دعا مانگی تھی۔ وہ اسٹیٹس کونشس تو تھا ہی نہیں۔ معمولی سی فکر پیرنٹس کی طرف سے لاحق تھی۔ اس کے حسب ونسب اور خاندان کی مخبری کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی تھی پہلی نظر میں سلجھی ہوئی سلیقہ شعار اور دانش مند ہونے کے ساتھ حد درجے کی پرائیویٹ اور خاموش طبع فرشتے میں وہ تمام خوبیاں جو ایک خاندانی عورت میں موجود ہوتی ہیں نمایاں طور پر نظر آ رہی تھی۔

جن خوبیوں کا ذکر اس نے اپنی ماں کی زبانی بیسیوں بار سنا تھا جب بھی وہ کسی گھر رشتے کے

جاتی تو خاندانی ہونے کا تذکرہ ضرور ہوا کرتا تھا۔ وہ بھی لیٹا ہوا سوچ رہا تھا کہ پھر انکار و اعتراض کیونکر ہوگا۔ وہ دل کو جھوٹی سچی تسلیاں دیتا ہوا سو گیا تھا۔ صبح اس کی آنکھ دیر سے کھلی تھی۔ طبیعت میں بھی کسلمندی تھی۔ دل بھی ہشاش بشاش نہیں تھا۔ ذہنی و اعصابی دباؤ بھی زوروں پر تھا۔ وہ کافی دیر تک آنکھیں نیم وا کیے لیٹا رہا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ میڈم سے اس کا فون نمبر لے کر بات کرنے کی کوشش تو کرے مگر یہ سوچ کر اس کا دل بجھ سا گیا۔ وہ بات تو کیا اَن نون نمبر اٹینڈ ہی نہیں کرے گی تو پھر اس تک رسائی کیسے ممکن ہے؟ بہت اکڑوں لڑکی ہے۔ بھلا میں ایسی خود پسند اور مغرور لڑکی پر وقت کیوں ضائع کروں؟ بہت سمجھتی ہے خود کو۔ آخر کار میری بھی تو عزت نفس اور اَنا ہے۔ میری بھی تو مردانگی او غیرت ہے۔'' اگلے لمحے ذہن کی آواز پر دل کی سرگوشی چھا گئی۔ محبت کرنے والوں کے درمیان ان علتوں کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ کچھ محبتیں' چاہتیں اور الفتیں سوچتے ہی دامن کو لبریز کر دیتی ہیں۔ کچھ میں پرلے درجے کی آزمائشیں اور امتحانات ہوتے ہیں۔ سچے اور کھرے عاشق کسی قسم کے خطرات سے نہ ڈرتے ہیں نہ ہی اس میدان میں بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ مگر اس یکطرفہ محبت اور عشق کے غیر متوازن ہونے کو میں کیا نام دوں۔ اس وقت تو ایک طرف کا پلڑا بھاری اور دوسری طرف کا سرے سے ہی خالی ہے۔

چہرے پر خوشی' آس اور امید کی جو پرچھائیاں ہویدا رہنے لگی تھیں۔ ان کی جگہ مایوسی' اداسی' افسردگی و پژمردگی اور رنجیدگی نے لے لی تھی۔

اسی سوچ و بچار میں کئی دن گزر گئے۔ نہ تو ممی کی طرف سے کوئی پیش رفت ہوئی تھی نہ ہی اس کی طرف سے۔ آخر بے چین و اضطراری کیفیت میں وہ پھر ماں کے پاس جا کر ملتجیانہ انداز میں اس کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

''جانتی ہوں مسئلہ کیا ہے؟'' وہ ہلکا سا مسکرا کر بولی۔

''تو پھر حل کرنے میں دیر کاہے کی۔ آپ ہر بار میری بات کو مذاق میں اڑا دیتی ہیں۔ کیا سچ مچ میری شادی اِک تمسخرانہ فعل ہے۔'' وہ ایک دم سے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''ایسی تو کوئی انڈی کیشن میں نے نہیں دی۔'' وہ پھر ہلکا سا مسکرائی۔

''ممی آپ کی مسکراہٹ میں ایک راز ہے۔ کیا آپ کی فرشتے سے بات ہو گئی ہے۔ اس نے اپنے پیرنٹس کا نمبر تو دے ہی دیا ہوگا۔ آپ نے بات آگے چلائی ہے کہ ابھی سوچ بچار پر ہی اکتفا کیے بیٹھی ہیں۔''

''ممی جلدی بولئے' بتائیے ناں۔'' وہ حیرت و اشتیاق سے بولا۔

''وہ بدتمیز لڑکی فون اٹھائے تو بات بنے ناں۔ بہت محتاط ہے ہر معاملے میں۔ لگتا ہے اس کے خیالات پاکستانیوں کے بارے میں وہی ہیں جو دنیا بھر میں محو گردش رہتے ہیں۔ کتنے ہی افسوس کی

بات ہے کہ ہماری نیشن پر ایک دھبہ مٹتا نہیں دوسرا چسپاں ہو جاتا ہے۔'' اب وہ قدرے سنجیدہ ہوئی تھی۔

''ممی مجھے بھی ایسا ہی گمان ہوا ہے۔ جو وہ اتنی کھچی ہوئی خاموش اور تنہا رہنا پسند کرتی ہے۔ ہو سکتا ہے اس کے خاندان کو بھی ہماری طرف سے دھچکا لگا ہو گا۔ میڈیم بتا رہی تھی کہ اگر وہ ہم میں اپ ہوتی بھی ہے تو تمام باتیں ذاتیات سے ہٹ کر ہوتی ہیں۔ انہیں بھی اس کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں۔ اس بی ہیور کے قصور وار ہم ہیں۔ اگر ہم نے انہیں پناہ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا تو ان کی نوکریوں اور نان نفقے کا انتظام کرنا ہماری ذمہ داری تھی۔ ہم نے انہیں خالی میدان میں بے یارو مددگار چھوڑ دیا۔ ہر ایک نے اپنی بساط کے مطابق وہاں سر چھپانے کے انتظامات خود کیے۔ ہم نے ان کی خوبصورت اور جوان بچیوں کی کم عمری' مجبوری کسمپرسی اور بھوک ونگ کا فائدہ اٹھا کر ان کی نئی جنریشن کو طوائفوں کا روپ دے ڈالا۔ ان کے بچوں کو بھیک مانگنے اور کوڑے سے ہمارا بچا کھچا کھانا ڈھونڈ کر پیٹ بھرنے پر مجبور کر دیا اور غلاظت کے ڈھیر سے پلاسٹک اور دوسری اشیاء اکٹھی کر کے بیچنے پر حوصلہ افزائی کی۔ اب مارکیٹ میں کچرے کی ان تمام اشیاء کی بے شمار دکانیں کھل چکی ہیں جو ان بچوں کو اِک ڈھیر کے بدلے چند سکے دے کر ان کے لالچ وطمع کو بڑھانے میں مددگار ثابت ہو رہی ہیں۔ ان کی ایک جنریشن کے بچے اور بچیاں جاہل اور اَن پڑھ رہ گئیں۔ شرم کی بات ہے کہ ہمارے مسلمان بھائی اور ہماری باعزت بہنیں ہم سے اسلامی قانون کے مطابق اپنا حصہ وصول نہ کر سکے جو انصار نے مثال قائم کی تھی۔ ہم نے تو اسے دھرتی کی تہوں میں دفن کر دیا ہے۔ ہم کیسے سنگدل اور بے حس میزبان نکلے۔ یہ مہمان بن بلائے ہی تھے مگر ہم نے تو میزبان کے رتبے پر فائز ہو کر انہیں پانی تک نہ پوچھا۔ اُنہیں اپنے نرم گداز صوفوں پر بیٹھنے سے روک دیا۔ کھلے میدان اور ننگے آسمان کے نیچے ان کا مسکن بنا کر مطمئن ہو گئے۔ ممی یہی لوگ ہمیں نفرت وحقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ان کا کہنا درست ہے کہ اگر ہمارے لئے اس ملک کے دروازے نہ کھلتے تو ہم اپنے وطن میں ہی دفن ہو گئے ہوتے۔ وہ زندگی بہت بہتر تھی اس زندگی سے جس میں باوقار موت تو نصیب ہوتی۔'' وہ سنجیدگی سے دکھے سے افغانی قوم کے زوال پر نالاں ہو کر رہ گیا۔

''بیٹا جی! تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ مگر ہماری بھی اپنی بے حساب مجبوریاں ہیں۔ ہم ان لوگوں کو پناہ تو دے سکتے ہیں کیونکہ ان کی ہجرت نے ہمارے ملک میں بھی ہر طریقے سے تہلکہ مچا دیا ہے۔ ہم خود ترقی پذیر ملک کے باشندے ہیں۔ انہیں سیٹل کرنے کی ہم میں بھی قوت کہاں سے آتی حالانکہ کرائم ریٹ نے ہماری پریشانیوں اور انسکیورٹی میں اضافہ ہی کیا ہے۔ جب سے یہ بن بلائے مہمان ہمارے ہاں تشریف لائے ہیں ہمارے مسائل میں اضافہ ہوا ہے مگر انہیں احساس نہیں۔ ہمیں ہر جگہ بدنام کرنا' گالیاں دینا اور الزام تراشیاں کرنا ان کا شیوہ بن چکا ہے۔ نہ ہم بہترین میزبان

ٹھہرے نہ ہی اچھے مہمان ثابت ہوئے۔ غلطی دونوں طرف سے ہے۔ قصور دونوں قوموں کا ہے۔“ ممی نے سنجیدگی سے کہا۔

”اس وقت ہمیں جو پریشانی ہے یہ جو ہمارا مسئلہ ہے ابھی تک جوں کا توں ہی سر پر ننگی تلوار کی طرح لٹک رہا ہے۔ اس کا حل سوچنا لازم ہو گیا ہے۔ اس کی کوئی تو دوست ہو گی ناں۔ آخر یوں اکیلے پن میں شب و روز گزارنا تو بہت مشکل ہوتے ہیں۔ کسی سے تو دل کی بات کرنے کو من چاہتا ہے ناں۔ کبھی تو کسی کے کندھے پر سر رکھنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہو گی۔ کیا اس کا تعلق بدھا سے ہے جسے فقط اور فقط دھیان وگیان اور سوچ و بچار کو ہی اوڑھنا بچھونا' کھانا پینا بنانے میں لطف آتا تھا۔ سکون و اطمینان ملتا تھا۔ اگر ایسا ہے تو نکل جائے جنگلوں میں' میرے لعل کو اپنی جھلک دکھا کر کیوں پریشان کیا ہے اس نے؟“ ماں کے لہجے میں کرب اور درد پوشیدہ تھا۔ اب چھیڑ خانی والی مسکان غائب ہو چکی تھی۔ شامیر بھی غمزدہ سا ہو کر بیٹھ گیا۔

”نہ خاندان کا اَتہ نہ پتہ نہ ہی حسب و نسب کا علم۔ آخر تم سے ہی تو ہمارا نام اور نسل چلے گی۔ صرف شکل پر ہی مرمٹنا کہاں کی عقلمندی ہے۔“ لہجے میں ہلکی سی تختی عود کر آئی تھی۔

”ممی! عادات اور رکھ رکھاؤ سے خاندانی حسب و نسب کی شناخت کرنا مشکل نہیں ہوتا۔ آپ کو پرکھنے والی نظر کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ نظر میرے باطن میں موجود ہے۔ ممی! اس کی میں گارنٹی دیتا ہوں کہ وہ کسی اچھے خاندان کی پروردہ ہے۔“ وہ پورے اعتماد اور بھروسے سے بولا۔

”آخر اس کا کوئی رشتے دار' کوئی بہن بھائی' ماں باپ کوئی تو یہاں ہو گا۔ وہ ہوسٹل میں کیوں رہ رہی ہے؟ اس نے ہمیں عجیب سے مخمصے میں ڈال دیا ہے۔ لگتا ہے مجھے ہی کچھ کرنا پڑے گا۔“

”وہ بہت پرائیویٹ لڑکی ہے تو ہم کونسا برہنگی میں چوراہے پر کھڑے ہیں۔ ہر انسان اپنے ذاتی مسائل کسی سے ڈس کس نہیں کرتا۔ اگر کم از کم اس کے آگے پیچھے کی تو سب کو خبر ہوتی ہے۔ ہم اسے اپنی بہو بنانا چاہتے ہیں تو کیا ہمارا اتنا بھی حق نہیں ہے کہ اس سے اس کے والدین کا ایڈریس ہی لے لیں۔ آخر یہ بات کیسے چلے گی۔ آگے کیسے بڑھے گی؟ پریشانی تو اس بات کی ہے۔“

وہ بیزاری سے بول رہی تھی۔

”ممی ہم دونوں میں سے کسی کو تو بولڈ ہونا پڑے گا۔“ وہ سوچتے ہوئے بولا۔

”تم تو رہنے ہی دو۔ پتہ چلے سر پھری نے بنتا کام بگاڑ کے رکھ دیا ہے۔ میں خود ہی کچھ کرتی ہوں۔ دو چار دن کا ٹائم دو تاکہ یہ قضیہ ختم ہو تو کسی اور طرف میلان کر سکیں۔“ وہ ناگواری سے بولی۔

”کسی اور طرف کیوں ممی؟ غور سے سن لیں یو کے چلا جاؤں گا پھر آپ کی ایک نہیں سنوں گا۔ وہیں سے گوری کو آپ کی بہو بنا ڈالوں گا۔“

وہ ماں کی بات پر ہنس دیا اور دھمکی دیتا ہوا باہر نکل گیا۔

''ہائے ہائے یہ جوانی بھی کیا بری بلا ہے۔ وارد ہوتے ہی ذہن کو ماؤف اور قلب کو تازہ دم کر دیتی ہے۔'' اس نے اسی وقت میڈم سے اس کا نمبر لے لیا۔

''جی آنٹی فرشتے ہی بول رہی ہوں۔'' ایک معصوم اور سہمی سی آواز ابھری۔

''بیٹا تم سے ملنا چاہتی ہوں۔ کوئی بہت ضروری کام پڑ گیا ہے تم سے۔''

''مجھ ناچیز سے آنٹی۔'' وہ گہری لگاوٹ سے بولی۔ ''مذاق نہ کریں۔'' وہ حیران و ہراساں ہو کر بولی۔

''آئی ایم سیریس بیٹا۔ آج چھٹی کے بعد تم وین پر ہوسٹل جانے کے بجائے میری طرف ڈراپ ہو جاؤ۔'' وہ نارمل لہجے میں بولی۔

''اکیلی ہی نہیں آ نٹی مشکل ہے۔'' وہ خوفزدہ آواز میں بولی۔

''تو ابھی سے محترمہ کے لئے برات لے کر پہنچوں گی تو آؤ گی۔'' سخت بے وقوف اور کم عقل ثابت ہوئی ہے۔ وہ دل ہی دل میں بڑبڑائی۔

''اپنی کسی دوست کے ہمراہ آجاؤ۔ وہ بھی جان چھوڑنے والی کہاں تھی۔ قیل وقال پر اُتر آئی تھی۔

''دوست کے ہمراہ اونہہ۔ آنٹی آپ ہی ہوسٹل کیوں نہیں آجاتیں۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

اف کس قدر ضدی لڑکی ہے۔ اس نے دل میں سوچا اور خاموشی چھا گئی۔

''کیا آپ کو میرا مشورہ پسند نہیں آیا؟'' وہ چونک سی گئی۔

''بالکل بھی نہیں۔ میں ابھی اور اسی وقت گاڑی بھیج رہی ہوں۔ چھٹی ہونے میں پندرہ منٹ باقی ہیں۔ فوراً پہنچو اور لنچ ہمارے ساتھ ہو گا۔'' لہجہ تحکمانہ تھا۔ فون بھی بند ہو گیا۔

''لنچ ہمارے ساتھ ہو گا۔ کیا مطلب؟ سر بھی وہاں موجود ہوں گے کیا؟''

''یہ سب مہربانیاں کیوں ہو رہی ہیں؟ شک اور وسوسوں کے بجائے سوچ کا دھارا تو بدل کر موازنہ نہ کرو کہ یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ کہیں شامیر...... یہ کیسے ممکن ہے۔ مجھ جیسی لاوارث اور بے آسرا لڑکی کو رکھیل کا درجہ تو دیا جا سکتا ہے' مگر بیوی کا ہرگز نہیں۔ فرشتے تم اڑان کو نیچا ہی رکھو ورنہ منہ کے بل گر جاؤں گی۔ کوئی اٹھانے والا نہیں ہو گا۔ کچلنے کے لئے تو لاکھوں پاؤں ہوں گے۔ نوچنے کو تو گدھیں اور چیلیں میری بوٹی تک نہ چھوڑیں گی اور خونخوار کتے میری ہڈیاں چبا رہے ہوں گے۔ فرشتے جان ذرا خوش فہمیوں سے باہر نکل آؤ۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے۔ اس خواب کو یہیں دفن کر کے شامیر کے گھر جانا' ورنہ دِل ٹوٹنے پر سنبھل نہیں پاؤ گی۔

وہ بچوں سے لاتعلق کرسی پر بیٹھی سوچے جا رہی تھی۔ اس نے تمام خیالات کو جھٹکنے کی کوشش کی۔ مگر ناکامی ہی سامنا کرتی رہی۔ کانوں میں شامیر کی چند باتیں میٹھا رس گھولنے لگیں اور گلاب کا

پھول دینے کا انداز آنکھوں کے سامنے گھوم گیا۔ گویا دل تو جیسے بن دھڑکے ہی بول پڑا۔ روح کی تشنگی مٹتی ہوئی معلوم ہوئی۔ یہ سب مجھے کیا ہو رہا ہے؟ کیوں ہو رہا ہے؟ میرے اللہ میری مدد فرمانا۔ مجھے ذلالت اور رسوائی سے بچانا۔ وہ دعا مانگ ہی رہی تھی کہ اس کا بلاوا آ گیا اور وہ پرس اٹھا کر بالوں کو کیچر میں قابو کر کے سر کو دوپٹے سے ڈھانپ کر باہر نکل گئی۔ گاڑی گیٹ سے باہر کھڑی تھی۔ چوکیدار نے مشکوک بھری نظر فرشتے پر ڈالی تو وہ پانی پانی ہوتی گیٹ سے باہر نکل گئی۔ سر چکرانے لگا تھا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا تھا۔ ڈرائیور نے اندر سے ہی ہاتھ بڑھا کر اس کی سائیڈ کا دروازہ کھولا اور ڈرائیور کے ساتھ سیٹ پر بیٹھ کر دروازہ بند کرتے ہی ہوش و حواس میں آ گئی۔ یہ کیا میں نے تو پیچھے بیٹھنا تھا۔ وہ دروازہ کھولنے کو تھی کہ گاڑی چل پڑی۔ اس نے تلملا کر ڈرائیور کو دیکھا تو ایسا شاک لگا کہ وہ بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔ شامیر بے پروا گاڑی چلا رہا تھا اور وہ اندر ہی اندر کھول رہی تھی۔ زبان تو جیسے گنگ ہی ہو کر رہ گئی ہو۔ بے بسی و لاچارگی کے آنسوؤں کی جھڑی ہی تو لگ گئی۔ مگر شامیر نے کوئی بات کرنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ وہ اس کے خوف و ڈر کے گہرے اور ہمہ گیر پیمانے کا ناپ تول کر چکا تھا۔ فرشتے کے کانوں میں پلوشہ کی گونجتی ہوئی باتوں نے اسے اور خوفزدہ کر دیا تھا۔ اس کی زور آوری اور زبردستی، جبر و تشدد کی پشین گوئی سچی ہوتی معلوم ہو رہی تھی۔ جب تک گاڑی گھر کے پورچ تک پہنچی اس کی چھوٹی سی ناک سرخ ہو چکی تھی اور آنکھوں میں سرخ ڈورے پھیل چکے تھے اور چہرہ گلاب کی پنکھڑی میں سرسوں کی پیلاہٹ سے اور بھی دلکش اور معصوم سا لگنے لگا تھا۔ شامیر تیزی سے نیچے اترا اور اس کی سائیڈ کا دروازہ کھولا۔ مگر وہ گھٹنوں میں سر چھپا کر بیٹھ گئی۔ اب سسکیاں بھی آنسوؤں کے سیلاب کے ساتھ فضا میں جلترنگ بکھیر رہی تھیں کہ ایک نرم اور شفقت و محبت بھرا ہاتھ اس کے سر پر ٹک گیا۔ اسے اس میں بھی کانٹوں جیسی چبھن محسوس ہوئی۔ دل چاہا کہ اس کے ہاتھ کو جھٹک دے۔

"بیٹا کیا یہاں ہی بیٹھنے کا ارادہ ہے؟" ممی کی آواز پر وہ سیدھی ہو گئی۔

"کس غلطی کی پاداش میں مجھے اغوا کیا گیا ہے۔" وہ بے بسی سے ممی کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"بھئی اندر آؤ گی تو غلطی اور جرم بتایا جائے گا۔ پھر معافی تلافی کا دور شروع ہو گا۔ کہیں پر تم ہمیں بخش دینا، کہیں پر ہم تمہیں درگزر کر دیں گے کیوں شامیر؟"

وہ نہایت اپنائیت اور لگاوٹ سے بول رہی تھی۔

"آئی ڈونٹ نو آپ جانیں اور یہ۔ میں تو دور ہی بھلا۔"

شامیر نے سنجیدگی سے کہا اور چابی لہراتا ہوا مین ڈور سے اندر چلا گیا۔ پوری سائیکو ہے۔ پگلی کہیں کی۔ آج کے ماڈرن دور میں ایسی نادان اور بونگی لڑکی میں نے کہیں نہیں دیکھی۔ وہ پیار سے سرگوشیانہ انداز میں بڑبڑاتا ہوا اپنے کمرے کی جانب چلا گیا۔

❖❖❖

''بیٹا کچھ سنبھلو تو بات شروع کروں۔'' ممی نے بھرپور محبت اور یقین سے اس کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تو وہ سر اٹھا کر قدرے سنبھل کر بیٹھ گئی۔

''فرمایئے آنٹی آپ مائنڈ نہیں کیجئے گا۔ میں نے آپ کو بھی پریشان کر دیا ہے۔ دراصل میں نے انسانوں میں شیطانیت کے بدنما رنگوں کو اتنی بار دیکھا ہے کہ اب کسی پر اعتبار کرنے کو دل نہیں مانتا۔ تمام دنیا شیطان کا گھروندا معلوم ہوتا ہے۔ بس آنٹی دل کی ہر دھڑکن خوف کا آلارم دیتی رہتی ہے۔'' وہ نادم سی بول رہی تھی۔

''اس میں تمہارا قصور نہیں ہے بیٹا۔ میں تمہارے رویے کی وجوہات کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ بعض اوقات بھروسہ دغا بن جاتا ہے اور فریب کی تو اَن گنت شکلیں اور بے حساب روپ ہوتے ہیں۔ کسی کو کیا کہنا۔ ہمارا دشمن ہمارا اپنا نفس ہے۔'' وہ بے حد نرماہٹ سے بولیں۔

''آنٹی اس لئے تو میں نے گوشہ تنہائی کا انتخاب کر لیا ہے۔ جب اپنی ذات کے قرب میں شب و روز بیت رہے ہوں تو ذہن سکون سے اور دل طمانیت سے ہمکنار رہتے ہیں۔ تو یہ زندگی دنیا کے ہنگاموں اور شور شرابے سے بہتر معلوم ہونے لگتی ہے۔'' وہ تسلی بخش لہجے میں بولی۔

''بیٹا ہمیں اپنی زندگی کے بھاگتے ہوئے لمحوں پر قابو پا کر انہیں یادگار بنانا ہے۔ عروج کے بعد زوال اور خزاں کے بعد بہار کا وارد ہونا ایک اٹل حقیقت ہے۔ ہمیں بہاروں کا منتظر رہنا چاہئے۔ ایسی ہی امیدیں تو ہمیں زندگی کی گہما گہمی سے خوشگوار رکھتی ہیں۔ اس رواں دواں زندگی کو جینے کے تمام گر سکھانے پڑتے ہیں۔ ورنہ انسان ڈیپریشن میں چلا جاتا ہے۔'' وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔

''آپ نے مجھے جس کام کے لئے اس ناچیز کو اغوا کیا ہے اس سے پردہ کشائی تو کی جائے۔ بہت بے قرار سی ہوں آنٹی۔'' اب وہ ذرا سا مسکرا رہی تھی۔

''پہلے کھانا کھائیں گے...... میرا خیال ہے کھانے کے بعد ہی مناسب رہے گا۔ ایسا نہ ہو کہ تم کھانا کھائے بغیر ہی چل پڑو۔'' وہ بھی ہنستے ہوئے بولی۔

''بھلا ایسے کیسے ممکن ہے آنٹی۔ آپ فرمایئے۔'' وہ مزاجاً کافی بہتر ہو رہی تھی۔

''بات یہ ہے کہ بیٹے تم یعنی فرشتے میرے اکلوتے بیٹے کے دِل کو آباد کرنے چل نکلی ہے۔ مجھے اپنے والدین کے بارے میں بتاؤ تاکہ ان کے کانوں تک بیٹے کی آرزو کی صدائیں پہنچا سکوں۔'' وہ پیار بھرے لہجے میں بولی تو وہ لرزتی ہوئی اسے دیکھنے لگی۔

''شامیر بہت رحم دل اور نرم مزاج بچہ ہے۔ اسے تمہارے حالات و واقعات سے کوئی واسطہ نہیں۔ میں تمہارے والدین سے تمہارا ہاتھ مانگ کر ہمیشہ کے لئے اس گھر کی رونق اور زینت بنانا چاہتی ہوں۔ یہ کوئی گناہ ہے نہ ہی اس کی کوئی سزا تم تجویز کر سکتی ہو۔'' وہ سر جھکائے خاموش رہی۔

''تمہیں میری بات بری لگی ہے کیا؟ یہی وجہ ہے کہ میں تفصیلاً بات تمہارے پیرنٹس سے کرنا چاہتی ہوں۔ اگر اس آفر پر کوئی اعتراض ہے یا کوئی الجھن ہے' کوئی ڈر یا خطرہ ہے ہم سے تو مجھ سے شیئر کرسکتی ہو۔ میں تمہاری ماں بجا ہی تو ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں دائمی خوشیاں اور کامیابیاں دے۔'' وہ دعائیہ لہجے میں بولی۔

''آنٹی میں اکیلی ہوں۔ ہم چار بہنیں اور بھائیوں کی شہادت کے بعد پشاور آئی تھیں۔ ایک نے یہاں آنے سے انکار کر دیا تھا۔ تین تو راہوں کی دھول بن کر پاکستان کی فضاؤں کی نذر ہو گئیں۔ میں تنہا اسلام آباد آ گئی۔ جس ہوسٹل میں میں نے قیام کیا تھا وہ کافی رن ڈاؤن تھا۔ صرف غریب اور بے کس لڑکیوں کو چند سکوں کے عوض سر چھپانے کی جگہ مل جایا کرتی تھی۔'' وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی اور آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔

''ہاں بیٹا آگے بولو۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر تسلی دیتے ہوئے بولی۔ تو اس نے تمام روئیداد اس کے گوش گزار دی۔

''آنٹی تب سے میں نے ایک بات اپنے آنچل میں باندھ لی ہے کہ ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی۔'' اس نے لمبی آہ بھر کر کہا۔

تمہارے خاندان کے بارے میں کیسے پوچھوں۔ وہ دل ہی دل میں بولی مگر خاموشی سے اسے دیکھنے لگی۔

''تمہارے ڈر اور اندیشے بجا ہیں بیٹے۔ بے باکی' جلد بازی اور تیز طراری لڑکی کو برباد کر دیتی ہے۔ ماشاء اللہ تم تو بہت سمجھدار نکلی۔ اگر ہر لڑکی تمہارے جیسے مضبوط اور بلند کردار کی مالک ہو تو شیطان کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ قصور آج کل کی ناسمجھ لڑکیوں کا بھی تو ہے ناں۔ ہم معاشرے کو موردالزام ٹھہرا کر خود کو بری الذمہ قرار دے کر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اگر تم مناسب سمجھتی ہو تو اپنے خاندان کی تھوڑی سی انفارمیشن دے سکتی ہو۔'' وہ جھجک کر بولی تو فرشتے کو فوراً مقصد سمجھ آ گیا۔

''آنٹی میں نے دیکھا ہے کہ ریفیوجی فیملیز اپنا تعارف کرواتے وقت غلط بیانی سے کام بھی لیتی ہیں۔ مگر میں ایسا نہیں کروں گی۔ میں جو بھی ہوں آپ کے سامنے ہوں۔ میں ماضی میں جو بھی تھی وہ فرشتے تو اب سہانے سپنے کی طرح میری ساتھ رہے گی۔ اب میں اس مقام پر زندگی بھر پہنچ نہیں پاؤں گی۔ اس کا مجھے اندازہ ہو چکا ہے آنٹی۔ پھر جھوٹ بول کر اپنی ہی نظروں میں کیونکر گر جاؤں۔'' وہ رو پڑی تھی اور روتے ہوئے اس نے اپنے دادا' اپنے والدین اور اپنے بھائیوں کے بارے میں بتا دیا۔ خاندان ماڈرن ہونے کے ساتھ دینی و اسلامی اصولوں پر گامزن بھی تھا۔'' سب گوش گزار دیا۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ بات تم سے چلے گی۔ تم سے ہی بڑھے گی۔ بیٹا اچھی طرح سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا کیونکہ میں شامیر کی محبت کو تم پر مسلط نہیں کرنا چاہوں گی۔ یکطرفہ محبت میں جڑے ہوئے

رشتے ہمیشہ مسائل میں ہی گھرے رہتے ہیں۔ میں اپنے بیٹے کے مستقبل اور اس کے ہمسفر کے لئے بیٹیوں کی ماں کی طرح محتاط رہنے والی عورت ہوں۔ میرا بیٹا اکلوتا ہے۔ اس کی شادی ہر حال میں کامیاب ہونی چاہئے اور تم بھی آج کے بعد میری بیٹی ہو۔ رشتہ ہو یا نہ ہو تمہارے لئے میرے دل کے دریچے ہمیشہ کیلئے کھل گئے ہیں۔ ہر قدم پر میں تمہارے ساتھ ہوں فرشتے۔ اب اپنے تمام خدشات اور وسوسے میری جھولی میں ڈال کر خوش اور بے فکر رہنا سیکھ لو۔'' وہ مسرت آگیں لہجے میں بولے جا رہی تھی۔

''مانا کہ ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی لیکن جیون میں کسی نہ کسی پر بھروسہ تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ اگر تم ہمیں اس قابل سمجھتی ہو تو نوازش ہوگی۔''

''مجھے گنہگار مت کریں آنٹی۔'' وہ نظریں جھکا کر بولی۔

''کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ شامیر کب سے انتظار کر رہا ہے۔''

می نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا تو وہ کھڑی ہوگئی اور خوشی سے دھڑکتے ہوئے دل پر قابو پاتی ہوئی اس کے پیچھے چل دی۔ ٹیبل پر کھانا چن دیا گیا تھا۔ سچ مچ شامیر محوِ انتظار تھا۔ اس نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔ وہ اس کی نگاہوں کی تپش و حدت سے پگھلے جا رہی تھی۔ نظریں جھکائے کرسی پر براجماں ہوگئی۔ می نے کابلی پلاؤ کی ڈش اس کے آگے رکھ دی اور ساتھ ہی کابلی تکہ اور کابلی کباب اور کوفتے کا سالن اور سبزیوں کا سرکے میں اچار دیکھ کر وہ مسکرا دی۔

''بھئی مہمان کابل سے تشریف لائے ہیں اس لئے آج کھانا پنجابی کیسے پک سکتا تھا؟'' می نے اس کی پلیٹ میں چاول نکالتے ہوئے کہا۔

''آنٹی آپ نے چاول بہت زیادہ ڈال دیئے ہیں ختم نہیں کر پاؤں گی۔''

''اسی لئے تو میں نے کہا تھا کہ پہلے کھانا کھاتے ہیں ورنہ تم کھانا نہیں کھا پاؤ گی۔'' می نے ہنستے ہوئے کہا۔

''می مہمان جب تک کھانا ختم نہیں کرتا اسے یہیں روک لیجئے۔'' شامیر نے ماں کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ کر کہا تو ماں نے ٹیبل کے نیچے سے اسے چٹکی کاٹی تو وہ یکدم سے اُچھل پڑا۔

''کیا ہوا شامو؟'' ماں نے چھیڑنے کے انداز میں کہا۔

''پاؤں میں چیونٹی کاٹ گئی ہے شاید۔ ذرا سی ہوتی ہے کیسے تڑپا کر رکھ دیتی ہے۔'' وہ فرشتے کو دیکھتے ہوئے ذومعنی سے لہجے میں بولا تو فرشتے نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ نگاہوں میں محبتوں اور چاہتوں کا تلاطم خیز سمندر دیکھ کر وہ کانپ سی گئی۔ کھانے سے ہاتھ رُک گیا۔

''کھانا تو مرچ مصالحے کے بغیر ہی بنا ہے کیا پسند نہیں آیا؟'' شامیر نے اسے دیکھ کر اپنائیت سے کہا۔

''سر ایسی بات نہیں۔ کھانا تو بہت مزے کا ہے۔ لگتا ہے کسی افغانی کچن سے بن کر آیا ہے۔'' وہ سنبھلتے ہوئے بولی۔

''خانساماں کو کچھ اور نئی ڈشیں انٹر ڈیوس کرا جاؤ۔ نیکسٹ ٹائم وہ کھانے کو ملیں گی۔'' ممی نے بے تکلفی سے کہا۔

''آنٹی انکل کہاں ہیں؟ نظر نہیں آ رہے۔'' اس نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

''وہ شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ ویسے بھی آج ان کی ضرورت نہیں تھی۔'' ممی نے مسکرا کر جواب دیا۔

''وہ پرسوں واپس آ رہے ہیں۔ پرسوں کا ڈنر ان کے ساتھ۔ کیسا رہے گا ممی؟'' شامیر نے چالاکی سے کہا۔

''بھئی یہ فیصلہ تو فرشتے ہی کرے گی ناں۔ اب بال اس کے کورٹ میں جا چکا ہے۔ تم اپنے مشورے ذرا اپنے پاس ہی رکھو۔'' ممی نے کنفیوز سی فرشتے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ مگر اس نے خاموشی میں ہی عافیت سمجھی۔

قہوہ پینے کے بعد تینوں صوفے پر آ بیٹھے۔ تھوڑے توقف کے بعد فرشتے نے ہوسٹل جانے کا اظہار کیا تو شامیر نے فوراً اپنی خدمات فراخدلی سے پیش کر دیں۔

''آنٹی بھی ساتھ ہی چلیں گی ناں؟'' وہ بے اختیاری سے بولی۔

''کیوں نہیں؟ میں ساتھ چلوں گی۔ میکڈونلڈز سے آئس کریم پکڑیں گے اور تمہیں ہوسٹل ڈراپ کر دیں گے۔'' ممی شگفتہ لہجے میں بولی تو وہ جانے کے لئے کھڑی ہو گئی۔

شامیر کا دِل چاہا کہ وہ اسے یہاں کچھ وقت اور گزارنے کا حکم صادر کر دے مگر کس تعلق کے بل بوتے پر ایسا کرتا۔ اچھا ہی ہوا کہ وہ اپنی سوچ اُس تک منتقل نہ کر سکا ورنہ وہ پھر سے خوف کے سمندروں میں غوطہ زن ہو جاتی۔

❖ ❖ ❖

''ماں بیٹا ان کتابی کہانیوں سے باہر نکل آئیں تو بہتر ہے۔ جانتی ہو یہاں افغانی لڑکیوں کو کن نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔'' والد صاحب نے تمام روئیداد بیوی کی زبانی سن کر غصے سے کہا۔

شریف اور باعزت گھرانوں کی بچیاں یہاں بھی محفوظ ہی ہیں اور پھر فرشتے کی شخصیت تو بتائے بغیر ہی زبان رکھتی ہے۔'' ممی نے سنجیدگی سے کہا۔

''بھئی میں تمہیں صاف صاف بتائے دیتا ہوں کہ مجھ سے مکھی نگلنا مشکل ہو جائے گا۔ مجھے مجبور مت کرو۔'' وہ تنک کر بولے۔

''کیا آپ خدائی فیصلے اور آزمائش سے منکر ہو رہے ہیں۔ ایسا وقت ہم پر بھی آ سکتا ہے۔ اگر

روس اور افغانستان کے معتبر خاندانوں کی بچیاں دو وقت کی روٹی کے لئے اپنا سودا کرنے پر مجبور ہو گئی ہیں تو اس میں اُن معصوموں کا کیا قصور۔ آپ فوراً توبہ تائب کیجئے اور اس نیک کام میں پوری طرح مع دل و دماغ کے شامل ہو جایئے۔'' وہ بھی چڑ کر بولی۔

''تم سب کچھ جانتے ہوئے بھی فرشتے سے رشتہ جوڑنے پر تلی ہو۔ بہت عاقبت نااندیش ہو۔ نہ تو اس کا کلچر' پہناوا' زبان' کھانے ہم سے مناسبت رکھتے ہیں نہ ہی افغانی ریپیوٹ اس کا پیچھا چھوڑے گی۔'' وہ غصے سے بولے۔

''میں آپ کی اس بات سے اتفاق کرتی ہوں کہ چاہے بیٹا ہو یا بیٹی لوگ خوب چھان بین کرنے کے بعد ہی رشتہ ڈالتے ہیں۔ آخر ایک نئے خاندان سے رشتہ داری جڑ رہی ہوتی ہے کچھ تو کامن ہونا ضروری ہوتا ہے۔ مگر یہاں تو واحد فرشتے ہی تو ہے نہ سمدھانہ نبھانے کے جھنجھٹ نہ ہی کسی قسم کی دخل اندازی ہو گی ہماری زندگی میں۔ آپ کا تو دماغ ہی چل گیا ہے۔'' وہ بھی تیز لہجے میں بولی۔

''بیوی کبھی تو میری بات کو اہمیت دے کر غور وفکر کر لیا کرو۔ ایک بار جو فیصلہ کر لیتی ہو کیا مجال کہ اس سے ایک انچ بھی سرک جاؤ۔ بہت ضدی اور جھگڑالو عورت ہو۔'' وہ تاسف بھرے لہجے میں بولے۔

''میاں ہمیں سرخاب کا پر نہیں لگا ہوا کہ بن بن بیٹھیں۔ یہ جو سکوں کی جھنکار ہے ناں اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ دغا دینے اور دوسروں کے بینک بیلنس بڑھانے میں پل نہیں لگاتی۔ اس پر غرور مت کیجئے جناب۔ ذرا فرشتے کی جگہ پر کھڑے ہو کر اپنا موازنہ نہ کریں۔ شاید دل میں کچھ ہمدردی اور نرمی اجاگر ہو جائے۔'' وہ بھی اسی لہجے میں بولی۔

''بیگم ہم نے معاشرے کے ساتھ چلنا ہے۔ اپنے خاندان کو جوابدہ ہونا ہے۔ ہم دونوں مروجہ قوانین اور اصولوں سے کنی نہیں کترا سکتے۔''

''میں کسی قانون کی پابند نہیں ہوں۔ میں اُن تمام اصولوں اور رواجوں پر تھوکتی ہوں جو نیکی کے رستے میں روڑے اٹکائیں۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''ویسے آپس کی بات ہے تم تو سٹھیا ہی گئی ہو۔ حالانکہ مجھ سے آٹھ سال چھوٹی ہو۔ خدا کے لئے اپنے ذہن کو مت الجھاؤ ایسے الجھیڑوں میں۔''

وہ ذرا سا مسکرائے تو اِسے اور شہہ مل گئی باتیں سنانے کی۔

''وہ آپ سے ملنے کے لئے بے تاب تھی صاحب ہیں کہ نقص پر نقص نکالنے کا ٹھیکہ لے کر آئے ہیں۔''

''اس نے جیسی تیسی اپنی غمزدہ داستان سنا دی اور تم نے یقین کر لیا۔ کس قدر ناقابل فہم عورت

ثابت ہوئی ہو۔ اپنے بیٹے کے سر سے عشق و دیوانگی کا بھوت اتارنے کے بجائے اس کے دم قدم چل پڑی ہو۔ آج تک کسی نے اپنے بارے میں ناقابل قبول کہانی پیش کی ہے۔ 'میں بہت خوب' کی داستان پر یقین مت کرو۔ دو چار بیٹے ہوتے تو بھی یہ رشتہ جوڑتے وقت بیسیوں بار سوچنا پڑتا۔ یہاں تو ہے ہی ایک اولاد وہ بھی افغانیوں کے حوالے کر دو۔'' وہ پھر قہر آلود لہجے میں بولے۔

''سودا خسارے کا نہیں۔ آپ کے بیٹے کی پسند ہے۔ ہمیں تو اپنی اسی ایک اولاد کو ہی ہمیشہ خوش و خرم دیکھنے کی تمنا رہی ہے ناں۔ آج آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ خدا کے لئے شامو کے سامنے ایسی باتیں مت کیجئے گا۔ وہ بیچارا رات بھر سو نہیں سکے گا۔'' وہ ملتجیانہ لہجے میں بولی۔

''کیوں نہ کہوں؟ کیا اس کا باپ نہیں ہوں۔ اُتار چڑھاؤ اور اچھے برے میں تمیز کرنا تم نہیں سکھا سکی تو مجھے ہی درس دے کر اُس کے ہوش و حواس کو راہ راست پر لانے دو۔'' وہ چڑ کر بولے۔

''ارے میاں وہ یہاں سے یو کے چلا جائے گا۔ اگر اُس فرشتے نہ ملی تو۔'' وہ بھی دھمکی کے انداز میں بولی۔

''یہ بے جوڑ رشتہ جوڑنے سے بہتر ہے کہ وہ یو کے چلا جائے۔ کم از کم ہم بدنامی و رسوائی سے تو بچ ہی جائیں گے۔''

وہ لاپروائی سے بولے تو وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپ اٹھی۔

''ٹھیک ہے میں بھی ساتھ ہی رخصت ہو جاؤں گی۔ پھر اپنے بھانجے بھانجیوں اور بھتیجے بھتیجیوں سے بولیے گا کہ آپ کے بڑھاپے کا سہارا بن جائیں۔ آپ کو ان پر بہت مان ہے نا۔ اچھا ہے انہیں آزمانے کا گولڈن چانس مل جائے گا۔ اسے ہاتھ سے جانے مت دیجئے گا۔'' وہ طنز کے نشتر چلاتے ہوئے بولی۔

''خدا کی بندی تم تو خوامخواہ لسی کی مانند لڑائی کو بڑھا رہی ہو۔ پڑھی لکھی' سمجھدار عورت ہو۔ نجانے بیٹے کے معاملے میں بالکل ہی نادان اور بے وقوف کیوں بن جاتی ہو؟ میں نہ اس کا دشمن ہوں نہ ہی تمہارا۔ بھلے کی بات بتا رہا ہوں مگر تم تو بے صبری ہونے کے ساتھ حد درجے کی ناشکری بھی ہو گئی ہو۔ بے فیض اور خود غرض ایسی کہ میری عمر بھر کی تمام محبتوں اور محنتوں پر پل بھر میں پانی پھیر دیا ہے کہ بیٹے کے ساتھ یو کے چلی جاؤں گی۔ تو سن لو میں بھی تمہارا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔ تمہارے ساتھ ہی چل پڑوں گا۔'' وہ قدرے مدھم پڑ گئے تھے۔ مگر یہ رشتہ نامنظور ہے۔

''اللہ تعالیٰ نے مجھے شادی کے دس سال بعد اس نعمت سے نوازا تھا۔ آپ اس وقت کو بھول گئے ہیں۔ جب ہم نے کسی ڈاکٹر کا در نہیں چھوڑا تھا۔ مزاروں' تعویذوں اور دم درود حتیٰ کہ چلہ بھی کاٹا تھا۔ اب میں اس نعمت کو آپ کی بے جا ضد کی بھینٹ چڑھا دوں۔ ایسا تو میرے مرنے کے بعد ہی ہونے کے امکان ہیں۔ اپنی زندگی میں تو کوئی بے انصافی اور زیادتی بچے پر نہ ہونے دوں گی۔ یہ

بات ذہن نشین کر لیں۔'' وہ رقت آمیزی سے بولی۔

''ڈھنگ کی اچھے خاندان کی لڑکی سے شادی کرو گی تو یقین کرو ایک بار بھی نہیں سوچوں گا۔ نہ اعتراض نہ انکار کی نوبت آئے گی۔ کوئی منسٹر کی بیٹی ہو۔ صنعت کاروں کا خاندان ہو۔ جانی پہچانی برادری سے تعلق ہو۔ جن سے دانائی اور بڑائی ہو ایسے خاندانوں کی تمام لڑکیاں مر گئی ہیں کیا کہ ایک افغانی جس کا حدود واربعہ تک معلوم نہیں اسے گھر کی رانی بنا لیں۔ ہمارا گھر ڈاکوؤں اور چوروں کا اکھاڑہ بن جائے گا۔''

''آپ کے ایسے گھٹیا اور نیچ خیالات تو کبھی نہ تھے۔'' وہ گڑبڑا کر بولی۔

''مجھے تو آپ کی باتوں میں غرور و تکبر کی سڑاند آنے لگی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ انسان کو اس کی حیثیت سے بڑھ کر نوازتا ہے تو وہ کمزور اور بے وقعت انسان اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ تمام نعمتوں کو ہضم نہیں کر پاتا تو پھر اس کے رویے اور سلوک میں آپ جیسی تبدیلی رونما ہونے لگتی ہے۔ ابھی بھی وقت ہے اللہ تعالیٰ سے اپنے کبر و پندار میں کی جانے والی ہر ہتک آمیز بات کی معافی مانگ لیں۔ میں تو خوف سے لرز گئی ہوں۔ ہمارا ایک ہی بچہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے آپ کی ناشکری اور خود پرستی سے محفوظ رکھے۔'' وہ ہانپتی کانپتی ہوئی بولی۔

''تم بھی ننانوے فیصد عورتوں جیسی ناقابل فہم اور ضدی ہی نکلی۔ میں آج تک اس خوش فہمی میں مبتلا رہا کہ تمہارا شمار ایک فیصد میں ہوتا ہے۔'' وہ تاسف بھرے لہجے میں بولے۔

''بھئی میں نے کہہ دیا ناں فرشتے میں کوئی برائی نہیں۔'' وہ تلملا کر بولی۔

''ایسے ہی موقعوں پر عزت اور اپنی اہمیت کا احساس ہوتا ہے۔ دیکھ لو کہ تمہاری نظروں میں میں نہ تو باعزت شوہر ہوں نہ ہی میری اس گھر میں اہمیت ہے۔'' وہ بھی تلملاہٹ سے بولے۔

''جو بھی سمجھیں مجھے کوئی پروا نہیں۔ وہی ہو گا جو میرا بیٹا چاہے گا۔'' وہ مستحکم لہجے میں بولی۔

''خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو میں نے شب و روز کی محنت سے یہ مقام حاصل کیا ہے۔ محترمہ سیلف میڈ بندہ ہوں۔ یہ مت بھولو کوئی قابل عزت اور نام و ناموس والا خاندان تو ہو۔'' وہ ہاتھ جوڑ کر غصے سے بولے۔

''فرشتے کا تعلق ایسے ہی خاندان سے ہے۔ اس کا دادا منسٹر، باپ صنعت کار اور بھائی ایک سے ایک بڑھ کر اعلیٰ افسران۔'' وہ دانت چبا کر بولی۔

''سب مر گئے ناں۔ ہم فرشتے کے گلے میں طوق لٹکا دیں گے جس پر اس کا شجرہ نسب لکھا ہو گا تاکہ جو بھی سوال کرے اس کے سامنے اس تحریر کو پیش کر دیا جائے۔ مجھ میں ہر بندہ کو بتانے کی ہمت نہیں ہے۔ زبان میں اتنی طاقت ہی نہیں۔ تم نے کوے کا مغز کھا رکھا ہے۔'' کمینٹری جاری رکھنا۔

''جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا۔ وہ جیسی تیسی من گھڑت الٹی سیدھی اَن دیکھی کہانی سنا کر تم سے تمام ہمدردیاں وصول کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے۔ جو اس نے بیان کیا اسی پر ماں بیٹے نے اعتبار کر لیا ہے۔ بھلا وہ اپنی زندگی کے تاریک پہلوؤں سے پردہ کیونکر اٹھائے گی۔ کیا تم اسے بے وقوف سمجھتی ہو۔ بہت شاطر اور چالباز لڑکی ہے۔ کیسے کہانی در کہانی بیان کی ہے اس نے۔ مان گیا ہوں اسے۔'' وہ آنکھیں نکالتے ہوئے بولے۔''ابھی بھی التجا کرتا ہوں آپا کی بیٹی سے رشتہ جوڑ لو مگر تمہیں میری پسند پر بھروسہ ہی کہاں ہے؟ اچھی بھلی بچی میں مین میخ نکالنے بیٹھ جاتی ہو۔ چلو یوں کر لو میری آپا کی بیٹی کو تو تم نے مار دی گئی۔ اپنی آپا کی بیٹی ہی بیاہ کر لے آؤ۔ کم از کم انی تو ہو گی۔ ناں۔ مگر کیا مجال کہ کسی پیش کش کو قبول کر لو۔ سینکڑوں گھر چھان مارے تم نے کوئی تمہارے بیٹے کے دل کو نہ بھائی تو کوئی تمہیں غیر مناسب لگی۔ اب آخر کار کہاں جا گری ہو۔ چالاک کوا آخر شٹ پر ہی جا گرتا ہے۔ تم نے تو یہی کر دکھایا۔''

''اب آپ خاموش ہو جائیے۔ میں نے آپ کی نان سنس بہت سن لی ورنہ ہم ماں بیٹا یہاں ایک پل بھی نہیں رکیں گے۔'' وہ بھی بے لحاظی سے زوردار لہجے میں بولی۔''اس دنیا میں صرف آپ ہی تو رہ گئے ہیں ارسطو و افلاطون۔'' وہ پاؤں پٹختی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ کیا مجال کہ اس سال خوردہ عمر رسیدہ بڈھے کے بھیجے میں کوئی ڈھنگ کی بات سما جائے۔ بیٹے کا رشتہ خوشیوں سے طے کیا جاتا ہے یہاں میاں نے دنگل مچا رکھا ہے۔

ممی دیر تک بڑبڑاتی رہی اور وہ باہر صوفے پر نیم دراز ہو کر اس گھمبیر مسئلے پر غور و خوض کرنے لگے۔ تھوڑی دیر ہی فکر و سوچ کے بعد اٹھ کر کمرے میں آ کر اس کے قریب بیٹھ گئے۔''تم تو خفا ہی ہو گئی۔ میرا کہنے کا مقصد یہ ہے کہ دو زندگیوں کی خوشیوں کا سوال ہے۔ ایک نظر دیکھ کر تم نے فیصلہ کیسے کر لیا۔ وہ تو جوان ہے خون بھی جوشیلا ہے پل بھر میں ہی اس کے حسن کا شیدائی ہو گیا۔ جسے محبت اور عشق کا نام دینا سراسر حماقت ہے۔ تم تو اچھی بھلی سمجھدار خاتون ہو۔ مجھے تم سے ایسی امید ہرگز نہیں تھی۔ اسے اونچ نیچ سمجھاتی۔ پھر بھی نہ مانتا تو تب بھی بات تھی۔ اس کے ناقابل فہم فیصلے پر تم بھی اڑ گئی۔'' انہوں نے اپنے غصے اور رعب داب کی لے کو ذرا سا مدھم کیا۔ تو ممی کا غصہ بڑھا اور منہ دوسری طرف کر کے بولی۔''بڑے افسوس کی بات ہے کہ اللہ کا دیا سب کچھ ہونے کے باوجود آپ میں اتنا لالچ کیوں ہے؟ مجھے لگتا ہے کہ آپ اسٹیٹس کونشس ہو رہے ہیں۔ اس کے علاوہ مجھے اور کوئی مسئلہ نظر نہیں آ رہا۔''

''وہ بی لانگ تو نام و ناموس اور باعزت خاندان سے کرتی ہے۔ ویسے مجھے بھی آپ سے ایسی گھٹیا سوچ کی توقع ہرگز نہ تھی۔'' اب اس نے بھی آہستگی سے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

''بیگم اب ہماری عمریں ایسی نہیں ہیں کہ اپنے مسائل کم کرنے کے بجائے گھریلو چپقلش سے

بڑھالیں۔ یادرکھو کسی نہ کسی دن سٹروک ہو گیا تو بس تمام ضد اور گھمنڈ دھرے کا دھرا رہ جائے گا۔'' وہ ابھی بھی دھیمے لہجے میں سمجھانے کے انداز میں بولے۔

''یہی تو عرض کر رہی ہوں کہ اپنی ضد اور گھمنڈ سے باہر نکل کر اس معاملے کو سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں۔ ہماری زندگیاں تو پودے کے پتوں پر اوس کی مانند ہیں۔ ذرا سی دھوپ کی تپش سے اوس کا انجام کیا ہوتا ہے آپ بخوبی جانتے ہیں۔ ہم تو اپنا پرائم ٹائم گزار چکے ہیں۔'' لہجے میں یاس انگیزی عود کر آئی تھی۔

''تمہیں تو فلاسفر ہونا چاہئے تھا۔ اس گھر میں اپنا ٹیلنٹ' ذہانت' جوش اور جذبے کیونکر ضائع کر رہی ہو۔ جاؤ منطقی دنیا کی باسی بن جاؤ۔ اچھی بھلی انٹلکچول عورت ہو اسی لئے تو میرے قابو سے باہر ہو۔'' وہ قدرے الجھ کر بولے۔

''آپ پھر جھگڑالو بن کر طنزیہ باتوں اور طعنے وتشنوں کی طرف جا رہے ہیں۔ اس لئے آپ سے یہ مسئلہ ڈسکس کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ آپ جانتے ہی نہیں کہ عورت کی چھٹی حس بہت تیز اور نگاہ عقابی ہوتی ہے جو ظاہر کو تو آسانی سے پرکھ لیتی ہے' مگر باطن میں چھپی ہوئی تمام رفعتوں اور پستیوں کی جانچ پڑتال کرنے میں بھی لاجواب ہوتی ہے۔ یہ بال میں نے دھوپ میں سفید نہیں کیے کہ جذبات کی رو میں بہہ جاؤں۔ میں نے بچے کی بات پر ہمہ تن گوش ہو کر اس کے دل سے سچی اور کھری' پاکیزہ اور بے لوث صداؤں کو سنا ہے۔ مجھے یہ مادی اور دنیاوی چیزوں سے قطعاً غرض نہیں۔ اس لئے اس کی چونکا دینے والی اور ہوش وخرد کو اڑا دینے والی چمک نے میری بینائی کو نقصان نہیں پہنچایا۔ میں روشن دماغ اور روشن نظر سے اس بچی کی فطرت وخصلت کے ہر پرت تک پہنچ پائی ہوں۔ اگر میں طمع و لالچ' دنیاوی جھوٹی شان وشوکت کی چاہ اور اپنوں کی بیمار و لاغر ذہن کی سطحی سوچوں کو ساتھ لے کر چلتی تو میری قوت ممیزہ کا قتال ہو چکا ہوتا اور میں کوئی فیصلہ نہ کر پاتی۔'' وہ طولانی تمہید کے بعد خاموش ہو گئی۔

''یعنی کہ مطلب یہ ہوا کہ تم میری ایک نہیں سنو گی۔'' وہ فہمائشی لہجے میں بولے۔

''جب اللہ تعالیٰ اپنی رحمتیں اور نعمتیں انسان پر نچھاور کرتا ہے تو اسے اس کا شکر ادا کرنا چاہئے نہ کہ اپنی اور دوسروں کی زندگی اجیرن کر دی جائے۔ اللہ تعالیٰ گھر بیٹھے بٹھائے ہمیں چھپر پھاڑ کر دولت سے نواز رہا ہے۔ انعامات سے ہمیں خوش کرنا چاہ رہا ہے۔ ہم اس کے سامنے شکرانہ ادا کر کے اپنی خوشی کا اظہار بھی نہ کریں۔ کتنے افسوس اور ڈرنے کا مقام ہے۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''اس سے بہتر انعام بھی تو ہو سکتا تھا۔'' وہ برجستہ بولے۔

''انعام اور تحفے کی قیمت کو نہیں دیکھا جاتا۔ اس کی اہمیت و وقعت اور عطا کرنے والے کی محبت اور چاہ پر نظر ڈالی جاتی ہے اور شکریہ کے ساتھ وصول کر کے اسے گھر کے سب سے اہم حصے کی

زینت بنا دیا جاتا ہے تا کہ آتے جاتے وہ تحفہ دینے والے کی یاد دہانی کراتا رہے اور زبان سے شکرانہ ادا ہوتا رہے۔'' وہ نہایت تحمل سے بول رہی تھی۔

''منطقی باتیں تو تم پر ختم ہیں ناں۔'' وہ لاجواب سے ہو کر بے ساختہ بولے۔

''منطق حالات' واقعات' عمر بھر کے تجربات اور مشاہدات سے ذہنی آماجگاہ میں بسیرا کر پاتی ہے۔ جناب زندگی میں نشیب و فراز آپ نے بھی دیکھے ہیں۔ آپ کا تجربہ بھی مجھ سے کہیں زیادہ ہے۔ پھر آپ منطقی کیوں نہ ٹھہرے۔ اس کی بھی بہت بڑی وجہ ہے کہ نہ دل میں نرمی' نہ ہی جذبات میں محبت کی حدت' نہ ہی صلح کل طبیعت تو پھر کیا توقع رکھ سکتے ہیں ایسے انسان سے۔'' وہ طنز کرتے ہوئے مسکرا دی۔

''ویسے ہم خیال ہونا بھی رحمت ہے۔ کسی بھی رشتے میں۔ خیر اب تو سوچنے کا وقت بیت گیا۔ تم سے آج تک باتوں میں کوئی جیتا بھی ہے۔ نجانے کہاں کہاں سے مثالیں' کہاوتیں اور حدیثیں نکال لاتی ہو۔ اپنے دلائل کو ٹھوس بنانے کا جو گر تمہیں آتا ہے میں اس سے نابلد ہی بھلا۔'' وہ بھی ذرا سا مسکرا کر بولے۔

''اچھا تو چھوڑیں یہ تمام کڑوے کسیلے' غیر مہذب اور گھسے پٹے طعنے' ڈھنگ کی بات کریں۔ مسئلہ جوں کا توں عالم برزخ میں لٹکا ہوا ہے۔ دیکھیں ہم آپ کی اجازت کے بغیر تو کچھ بھی کرنے والے نہیں ہیں۔ ہمیں آپ کی خوشی اور رضامندی بہت عزیز ہے۔ آپ کے مشورے' نصیحت آموز باتیں اور چٹ پٹی مزے دار اور تازہ بتازہ صلواتوں کی بے پناہ قدر ہے۔ اس مسئلے کو ذہنی فراخی سے سوچ کر صدق دل سے فیصلہ کریں۔ ان شاء اللہ آپ کا کیا ہوا فیصلہ کبھی غلط نہیں ہوگا۔ میں اس پر کبھی پچھتاوا بھی نہ ہوگا بلکہ ہماری روح پر تسکین ہو جائے گی۔'' وہ ہمیشہ قیل و قال میں ناکام ہونے کے بعد خوشامدی روپ اپنا لیا کرتی تھی۔ شوہر کے تیار کردہ پل صراط کو پار کرنے کا ایک ہی کارآمد طریقہ اس کا ابدی سہارا بنا رہتا تھا۔

آخر آج پھر اس نے اپنے غصے پر قابو پایا۔ رویے میں شائستگی اور لہجے میں چاشنی کی آمیزش کی اور ازدواجی زندگی کے جنگی محاذ پر فتح یابی کے پرچم کو لہرانے کے لئے چاک و چوبند ہو کر بیٹھ گئی۔ اب وہ خاموشی سے شوہر کے چہرے پر ڈوبتی ابھرتی ہوئی لکیروں کو بڑے انہماک سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں عقیدت سے بھرپور چمک رواں ہو چکی تھی۔ انہوں نے سوچتے ہوئے غور سے اس کی طرف دیکھا اور ایک دم سے کھڑے ہو گئے اور باغیانہ انداز میں بولے۔

''نو کمپرومائز۔'' کہہ کر باہر نکل گئے۔

''اف آج انہیں کیا ہو گیا ہے؟ سچ مچ سٹری بتری ہو گئے ہیں یا ان کی آپا کی تمام کارستانیاں ہر جوان کے منہ میں ان کی زبان فٹ ہو گئی ہے۔'' وہ جھنجھلا [illegible] گئی۔

تھوڑی ہی دیر بعد شامیر چور کی مانند دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوا۔ کچھ اُسے بھی اندازہ تو ہو ہی چلا تھا کہ معاملہ گڑبڑ ہے۔ ماں کو سر پکڑے دیکھ کر اس کے قدموں میں بیٹھ کر پاؤں دبانے لگا تو وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

''یہ شوہر بھی کیسی عجیب وغریب مخلوق ہے کہ بیوی کو خوش اور پُرسکون دیکھنا تو گوارہ ہی نہیں۔ اب دیکھو خوامخواہ رنگ میں بھنگ ڈالنے سے باز نہیں آرہے۔''

''فرماتے کیا ہے؟ ذرا میں بھی تو سنوں؟'' وہ تجسس سے بولا۔

''فضول اور بیہودہ دلائل' جن میں نہ جان ہے نہ ہی مضبوطی ہے۔ میرا تو دل نہیں چاہ رہا کہ تمہارے پاپا کے ایسے پراگندہ خیالات تمہیں بتا کر انہیں تمہاری طبیعت سے گرا دوں۔ بس چھوڑو رہنے دو سن کر کباب ہو جاؤ گے۔ میری تو طبیعت اس فضول ترین بحث سے اوب سی گئی ہے۔'' وہ سخت ناگواری سے بولی۔

''ممی ہتھیار ڈالنے کے پس پردہ کیا پوشیدہ ہوتا ہے آپ جانتی ہیں ناں۔ بزدلی اور کم ہمتی جس کی آپ میں ہلکی سی رمق بھی نظر نہیں آتی۔ پھر پریشانی کیسی؟'' وہ پُرجوش انداز سے بولا۔ ''اگر اللہ تعالیٰ نے اُسے میرے لئے اور مجھے اُس کے لئے بنایا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں ایک دوسرے سے دور نہیں رکھ سکتی۔ بے فکر ہو جائیں۔ پاپا کا یہ فیصلہ جذباتی ولحاتی ہے۔ سرسری طور پر اسے دیکھا تھا اس سے بات چیت تو ہوئی نہیں اور لگے ہیں اپنے ناقابل قبول فیصلے سنانے۔ میں بھی مان کے نہ دوں گی۔ کیا سمجھ رکھا ہے مجھے؟ کل کی بیاہی ہوئی نہیں ہوں کہ ذرا سی آنکھ دکھائی اور دبک کر بیٹھ گئی۔ بہت کس بل نکال لئے ہیں نا اب اور کیا چاہتے ہیں؟'' وہ روہانسی ہو گئی تھی۔

''میں نے جو کہا ہے نا اس کی حقیقت پر غور کیجئے۔ سب درست ہو جائے گا۔ عقیدے اور ایمان میں لچک نہیں ہونی چاہئے اسے پکا اور مضبوط ہونا چاہئے۔'' وہ مسکرا کر بولا۔ ''ذرا دِل کو مطمئن رکھیں ذہن کو بشاش بشاش اور روح کو بے حد پُرتسکین۔''

ممی کو اس کی باتیں سن کر ایسے لگا جیسے تمام غصے اور حیرت و دکھ کو بیٹے نے اپنے دامن میں بھر کر اس کی روح کو سچ مچ بے حد پُرتسکین بنا ڈالا ہے۔ وہ اِک لمبی پُرسکون سانس لے کر تکئے پر سر رکھ کر لیٹ گئی۔ وہ اپنے لاڈلے بیٹے کی ماں تو کہیں سے نہیں تھی۔ وہ تو اس کی دوست اور اس کی ہمراز تھی۔ اس کے لئے ہر وقت سہانے سپنے دیکھا کرتی تھی۔ آج اس کا دیرینہ خواب پورا ہونے کا وقت آیا تھا تو میاں جی نے ٹانگ اڑا دی۔ مگر وہ منہ کے بل گرنے سے بال بال بچی تھی کیونکہ بیٹے نے فوراً سہارا جو دے ڈالا تھا۔

❖ ❖ ❖

اُف اس معاشرے میں رزق حلال کمانا یوں ہے جیسے آسمان سے تارے توڑ لانے کے

مترادف۔ ہر جگہ نوکری چاہے آیا گیری ہی کیوں نہ ہو؟ ملنے سے تو رہی۔ سکول میں انٹرویو دیا تو بدقسمتی سے تعلیم آڑے آ گئی۔ ایف ایس سی بھی کوئی تعلیم ہے۔ کیسے کم بختوں نے مضحکہ خیز نظروں سے گھورا تھا مجھے۔ جیسے دنیا کا تیرھواں عجوبہ میں ہی تو ہوں۔ جم اور پارلر کے تو تجربے ہو چکے تھے۔ اب پھر سے کیا آزمانا۔ امیرانہ گھرانوں میں ان کے بچوں کی گورنس بننے کی خواہش بھی کس بیدردی سے رد کی گئی کہ جوانی اور یہ گورا رنگ مالکن کے لئے تھریٹ بن گیا۔ اب کہاں جاؤں؟ کیا کروں؟ تمام پیسے بھی ختم ہونے والے ہیں۔ دیدی کا بھی کہیں نام و نشان تک نہیں ملا۔ پلوشہ کا فون بھی بند ہے۔ جذبات میں آ کر گھر بھی چھوڑ دیا۔ لگتا ہے اس بار پھر فیصلہ جلد بازی میں کیا گیا ہے۔ اگلی دنیا میں جانے کی تیاری پر عمریں بیتا دی جاتی ہیں۔ جہاں غفور و الرحیم ہمیں خوش آمدید کہنے کو موجود ہوتا ہے۔ یہاں بے وقعت اور بے ثبات دنیا میں بھی تو بسر اوقات کی تیاری چاہئے ہوتی ہے۔ سوچ بچار کے لئے وقت درکار ہوتا ہے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ شفٹ ہونا مذاق تو تھا نہیں۔ تین کپڑوں میں پلوشہ دیدی چل دی اور چند کپڑوں اور چند کاغذوں کے سہارے میں چل پڑی۔ سچ ہے کہ ہم بہت جلد باز' جذباتی اور نا قابل فہم لڑکیاں ثابت ہوئی ہیں۔ زرتاش دیدی ہی سمجھ دار نکلی۔'' زرمین شام سے ہوسٹل کے اجڑے ہوئے لان میں بیٹھی خود کو کوس رہی تھی۔ کھڑکی سے جھانکتی ہوئی میڈم زینت اس کی آنکھوں میں سوچ بچار اور چہرے پر فکر مندی کی پرچھائیاں دیکھ کر اس کے اندرونی جذبات و احساسات کا اندازہ لگا رہی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ وہ نوکری کے لئے صبح دعائیں مانگتی پُرامید نظر آتی ہے۔ واپسی پر اس کی چال سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ دن بھر خاک چھاننے کے باوجود ناکام لوٹی ہے۔ اس کا دِل چاہا کہ اسے اپنی دوست کے سکول میں ہی جاب دلا دے کیونکہ ایسا نیک کام کرنے میں اسے صرف فون ہی کرنے کی ضرورت تھی۔ مگر وہ اس بکھیڑے میں پڑنا ہی نہیں چاہتی تھی۔

اس کے خیالات میں تبدیلی کا سبب فرشتے کی اعتراضات سے بھرپور تحریر تھی۔ اس نے اسے نسخہ کیمیا سمجھ کر اپنے سائیڈ ٹیبل کی دراز میں رکھا ہوا تھا جسے وہ صبح اٹھتے ہی پڑھ کر دِن کا آغاز نہایت دھیمے پن سے کیا کرتی تھی۔ سب سے حسب ضرورت بات چیت اور ملاقات ہوتی اور آگے بڑھ بڑھ کر ہمدردی وخلوص کا اظہار کرنا اور دوسروں کو احساس احسان مندی سے اپنا گرویدہ بنانا چھوڑ دیا تھا۔ اس نے حاتم طائی کی فراخدالی کا ثبوت دیتے ہوئے نہایت خاموشی سے ہوسٹل میں ایک وقت کے کھانے پر دال چاول کا ان لڑکیوں کے لئے انتظام کر دیا۔ جو زندہ رہنے کے لئے فقط ایک ہی وقت کا کھانا کھانے کی حیثیت رکھتی تھیں۔ زرمین کا شمار بھی انہی لڑکیوں میں تھا۔

آج اسے اس قدر پریشان حال دیکھ کر زینت اپنے لئے نویلی اصولوں کو پس پشت ڈال کر اپنے گم شدہ جذبوں پر حاوی ہوگئی۔ جسٹی فائے کرتی ہوئی کہ اگر نیت نیک اور اعمال میں ریاکاری اور

خودغرضی نہ ہوتو ایسی مدد کو صدقہ جاریہ کا نام دینا غلط نہ ہوگا۔ مجھے زرمین سے کیا لینا دینا ہے؟ وہ اس کی طرف بڑھی جا رہی تھی۔ اسی پرانے جذبے میں سرشار اپچی ٹینشن سے کوسوں دور۔ غیر ارادی طور پر وہی پرانا ایکشن ری پلے ہونے لگا۔

شام کے سائے گہرے اور تاریک ہوتے جا رہے تھے۔ اجڑے ہوئے لان کے اجاڑ پن میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ گیٹ پر ٹمٹماتا ہوا بلب چار فٹ کے ہالے میں اداس سی روشنی بکھیر رہا تھا۔ ہوا میں تیز سی خنکی بھی تھی۔ مگر زرمین بے خبر اپنی ہی سوچوں میں کھی ہوئی تھی۔ زینت ہمدردی، رحم و ترس کے جذبے سے مغلوب ہوتی اس کے قریب چلی گئی۔

زرمین کو اس کے آنے کا احساس نہ ہوا تھا۔ سوچوں کا مربوط تسلسل جاری وساری تھا۔

''زرمین بیٹا باہر سردی ہو رہی ہے۔ بیمار پڑ جاؤ گی۔ بدلتا موسم انسانوں کے لئے بہت خطرناک ہوتا ہے۔ ذرا سی لاپروائی پر حملہ آور ہو جاتا ہے۔ یہاں سے اٹھو کمرے میں چلو۔'' اسے نرماہٹ سے اس کا بازو پکڑ کر اوپر اٹھانا چاہا تو وہ چونک کر کھڑی ہو گئی۔ اب اندھیرے میں اسے زینت کی موجودگی کا اندازہ ہو چکا تھا۔ وہ اس کے پیچھے چل دی۔ زرمین کے رگ و ریشہ میں اس کی نرماہٹ سرایت کر گئی۔ وہ اسے یکدم ہی کسی اچھوتی دھرتی کی باسی لگنے لگی۔ اس کے لبوں پر نصف آہ دب کر رہ گئی۔ نرم لہجے میں ہلکا سا احتجاج کر کے وہ اپنے چرمرکمانیوں والے بوسیدہ پلنگ پر بیٹھ گئی۔ زینت بھی اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ بے غرضانہ ستائش کی نظر سے اسے دیکھ کر دھیمے لہجے میں گویا ہوئی۔

''میں تمہاری پریشانی سے باخبر ہوں۔ مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ جوانی میں ہی مخبوط الحواس ہو جائیں۔ یہ طے شدہ سچائی ہے۔ بس تم حوصلہ رکھو بیمار نہ پڑ جانا سوچ سوچ کر۔''

''آنٹی نوکری کی جستجو نے بے حال و بے بس کر دیا ہے۔ تھک گئی ہوں۔ تنگ آ گئی ہوں اس زندگی سے۔ بس رزق حلال کی دعا مانگتی ہوں۔ حرام تو ہر قدم پر وافر مقدار میں بکھرا ہوا ملے گا۔'' وہ کرب بھرے لہجے میں بولی۔

''جیسے رزق کی تمنا کرو گی وہی تمہارا نصیب بن جائے گا۔ انسان اپنی نیت کی روشنائی سے اپنی تقدیر خود لکھتا ہے۔ یہ آزمائشیں، کٹھن امتحانات کے مشکل ترین امتحانی پرچے انسان بآسانی خود حل کر لیتا ہے۔ اگر وہ ثابت قدم رہے۔'' وہ نرمی سے اسے تسلی دینے لگی۔

''اگر میں اپنی تقدیر لکھنے کا اختیار رکھتی تو بہت خوبصورت و دلکش ہوتی میری قسمت۔ اب تو زندگی کی ناؤ پانی کے دھارے پر چھوڑ دی ہے۔ دیکھتے ہیں کس سمت لے جاتی ہے۔'' وہ بے بسی سے بولی۔

''بیٹا ناؤ کا تمام کنٹرول اپنے ہاتھ میں رکھو ورنہ اس کی سمت ہواؤں کے ساتھ بدلتی رہے گی۔

تمہاری ہمکو لے کھاتی ناؤ آخر کار ڈوب جائے گی۔ اس کو کنارے پر لے جانے کے تمام سلیقے و طریقے تمہیں آنے چاہئے۔'' وہ ذو معنی بات کہہ کر خاموش ہو گئی۔ زرمین بھی نظریں جھکائے بیٹھی رہی۔

''بٹیا مجھے ہاں یا نہ میں تمہارا جواب چاہئے۔ شادی کرنا چاہتی ہو یا صرف نوکری۔ مجھے سچ سچ بتانا۔'' وہ سوچ سمجھ کر بولی۔

''آنٹی ظاہر ہے شادی تو ناممکن ہے۔ مجھ سے شادی کرنے کے لئے کوئی تیار نہیں ہوگا۔ اس کا مجھے اندازہ ہے۔ شادی کے جھانسوں میں زندگی تباہ ہوتے میں نے اپنی ان دو آنکھوں سے بہت کچھ دیکھا ہے آنٹی اس لئے مجھے جاب چاہئے جو مجھے ہوسٹل کے اس کمرے کا کرایہ اور کھانے کے لئے ایک وقت کی ڈال روٹی مہیا کر سکے۔ کیا میری یہ خواہش انہونی اور بہت مہنگی ہے جس تک رسائی مشکل ہے۔''

''مجھے باعزت' باوقار اور خودمختار زندگی کی تمنا ہے۔ یہی میری جنت اور یہی میری عبادت ہے۔ شادی میں کیا رکھا ہے؟ کبھی نہ ختم ہونے والے مسائل اور ہمیشہ کی محتاجی اور مفلسی اِک انجانے اور غیر مرد کی۔ مجھے ایسی بے مقصد' بے مصرف اور بے معنی زندگی نہیں چاہئے۔ فقط اِک قابل احترام معمولی سی نوکری کی تلاش ہے آنٹی۔'' وہ اپنی بات پر مصر مدعا بیان کر رہی تھی۔

''اس قدر صابر و شاکر ہونے پر تمہیں سلیوٹ کرتی ہوں بیٹا۔ میرے پاس ایک حسن کی دیوی نے کچھ عرصہ قیام کیا تھا۔ وہ بھی حد درجے کی نیک' شریف اور سوکھی روٹی کے ایک نوالے پر بھی شکر الحمدللہ پڑھنے والی ہستی تھی۔ ایسی لڑکیوں کی اللہ تعالیٰ خود حفاظت کرتا ہے۔ اس پر سینکڑوں فرشتوں کی پہرہ داری لگا دی جاتی ہے۔'' وہ پیار بھرے لہجے میں بولی اور پھر سوچ میں ڈوب گئی۔ کافی دیر پھر گویا ہوئی۔ ''بیٹا اگر اجازت دو تو ایک بات کہوں۔''

''جی آنٹی کیوں نہیں؟'' وہ احتراماً بولی۔

''بیٹا کیا کرو گی نوکری کر کے۔ افغانی لڑکیوں کے بارے میں یہاں کے مردوں کے خیالات درست نہیں ہیں۔ تمہیں ہر جگہ بے حساب مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا اور ان حالات میں عزت نفس تو بکے گی ہی پاکیزگی اور تقدس بھی جاتا رہے گا۔ میرے بچے کیا تم گناہوں' ذلتوں اور تکلیفوں کی آماجگاہ میں زندگی گزارنا ناپسند کرو گی کہ ایک گھر کی ملکہ بن کر باعزت زندگی کو ترجیح دو گی۔ میں نے دونوں رستوں کے دروازے تم پر وا کر دیئے ہیں۔ مجھے انفارم کر دینا کہ تمہاری عقل' سمجھ اور دِل و دماغ کونسا فیصلہ کرنے پر رضامند ہوئے ہیں۔''

وہ گہری لگاوٹ سے بولی تو اس کی آنکھیں چھلک اٹھیں۔ وہ یہ انکشاف کیسے کرتی کہ اس نے ایک رستے کے مزے تو خوب چکھ لئے ہیں۔ دوسرے کو ٹرائے کرتے ہوئے دِل ڈرتا ہے کہ کہیں نئی

آزمائش میں مقید ہو کر نہ رہ جاؤں۔ پہلے والی راہوں پر قید و بند کی صعوبتیں نہیں تھیں۔ آزادی ہی آزادی تھی۔ ایک لمحے کو پابندی کا احساس نہ ہوا تھا اس لئے ان راہوں سے نکل آنے میں مشکل درپیش نہ آئی تھی۔ دوسرا رستہ سراسر پابندی اور اسیری کا ہے جس سے رہائی و آزادی ملنی ناممکن ہے کیونکہ میں پھر تا حیات اس رستے پر گامزن رہوں گی۔ چاہے ان راہوں پر نوکیلے پتھر اور کانٹے میرے پاؤں کو چھلنی ہی کیوں نہ کر دیں۔ چاہے منزل مقصود ملے یا نہ ملے میرا سفر جاری و ساری رہے گا کیونکہ ایک عورت کی یہی تو کمٹ منٹ اس کے کردار کو جلا بخشتی ہے۔

''بیٹا بہت گہری سوچ میں چلی گئی ہو۔ عقلمند بچی ہو بہتر ہی فیصلہ کرو گی۔'' وہ اتنا کہہ کر وہاں سے اٹھ گئی اور ہولے ہولے قدم اٹھاتی باہر نکل گئی۔ زرمین اسے جاتا دیکھ کر عقیدت و احترام کے جذبے میں سرشار کھل سی گئی تھی۔

وارڈن نے زینت کو اس کے کمرے سے باہر نکلتے دیکھا تو شیطانی سوچ ہونٹوں پر مسکراہٹ بن کر پھیل گئی۔ چور چوری سے تو جائے ہیرا پھیری سے نہ جائے۔

بہت پارسا بننے چلی ہے۔ یہ پیسہ اور اس کی چمک' اس کی جھنکار اور نئے نئے نوٹوں کی مسحور کن خوشبو کی ایک بار عادت ہو جائے تو پھر وہ چھوٹتی نہیں۔ جیسے دھوپ پانی ہوا نہ ملنے کی وجہ سے پودا بظاہر اپنے غم و دکھ میں سوکھ سا تو جاتا ہے مگر اس کا بیج نہیں مرتا۔ ساون کی بارشوں اور دھوپ کی تمازت میں وہ ہرا بھرا ہو کر سب کو حیران کر دیتا ہے۔ زینت بیگم تم بھی ایسا ہی پودا ہو۔ ڈھیٹ اور سخت جان۔ تمہارے اندر کا بیج تمہاری ذات سے الگ ہونا ناممکن ہے۔ جسے تم بزنس کا نام دے کر آج بھی مطمئن ہو جاؤ گی اور اِک نئے سودے کے لئے میرا سہارا ضرور لو گی۔ پھر تم سے سوال کروں گی کہ کیا پارسائی کا بھوت سر سے اتر گیا ہے یا اس کی گرفت سے تم ہمیشہ سے ہی آزاد رہی ہو کہ اِک وقتی اور عارضی ڈھونگ رچا کر خود کو نیک پروین کا خطاب دے کر مطمئن ہونا چاہتی ہو۔ سو وہ تو ڈرامہ تم نے کھیل لیا اب واپس اپنی جگہ پر آ جاؤ۔ تمہارا بینک بیلنس بھی تو بڑھنے کے بجائے گھٹتا جا رہا ہے نا۔ یہ بہت بڑا درد ہے انسان اس ظالم دولت کو کم ہوتے دیکھ کر دہل جاتا ہے۔ نیندیں اڑ جاتی ہیں۔ دل بند ہونے لگتا ہے۔ میڈم یہ جذباتی فیصلے کرنے سے پہلے اپنی خصلتوں کا جائزہ تو لے لیا کرو تمہاری صحت کے لئے بہتر رہے گا۔ خوانخواہ اپنے ساتھ مجھے بھی پریشان کیے رکھا ہے۔

وہ مسلسل سوچے جا رہی تھی۔ زینت نے اس کے قریب سے گزرتے ہوئے اسے نرمی سے کہا۔ ''مزے دار سی کافی ایک اپنے لئے اور ایک میرے لئے بنا کر میرے کمرے میں آ جاؤ۔ مدت ہوئی مل کر بیٹھنا نصیب ہی نہیں ہوا۔''

''آپ کی عبادتوں میں دن بدن اضافہ اس کا سبب بنا ہے۔ آپ نے خوب ماتھا رگڑ رگڑ کر اپنے گناہ تو بخشوا ہی لئے ہیں اب کی بار اگر گناہ سرزد ہو گیا تو آپ عمرہ کریں' حج کریں۔ قسم سے

نومولود بچے کی مانند پاک صاف ہو کر اپنی اس دنیا میں واپس آئیں گی۔ ذرا آپ غور تو فرمائیں کہ تمام رشوت خور' ظالم و جابر لوگ حج کو بہت اولیت دیتے ہیں۔ سال بھر کے تمام گناہوں' جرموں' زیادتیوں اور بے انصافیوں کو ہر سال آب زم زم سے دھو کر خود کو اجال لاتے ہیں۔ منیٰ کے قیام میں میدان عرفات اور مزدلفہ کی عبادتوں میں پوتر ہو کر نیا جنم لینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور پھر واپس آتے ہی ان کی پاکیزگی و تقدس دنیا کے جھمیلوں کی نذر ہو جاتا ہے۔ آخر میڈم جی اس دنیا میں رہنے اور بسنے کے لئے ہاتھ پاؤں تو مارنے پڑتے ہیں ناں۔''

''ہاں۔'' زینت نے اثبات میں سر ہلایا۔

''بزنس میں ہی رزق حلال ہے میڈم۔ آپ کی کمائی کی ایک ایک پائی اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں بڑھاوت کرے۔'' وہ خوشامدی لہجے میں بولی تو زینت اسے غور سے دیکھنے لگی۔

''آپ کو میرا مشورہ پسند ضرور آیا ہوگا۔ آپ اپنے کمرے میں چلیں میں کافی لے کر آتی ہوں۔'' وہ خوش الہانی سے بولی اور کچن کی طرف سرعت سے چلی گئی۔ وہ وہیں کھڑی اس کی خوشی کا اندازہ لگاتے ہوئے دھیما سا مسکرا دی۔

❖ ❖ ❖

سکول میں دسمبر کی چھٹیاں شروع ہونے والی تھیں۔ تمام ٹیچرز کہیں نہ کہیں جانے کے پروگرام بنا رہی تھیں۔ لڑکیاں اپنی سہیلیوں اور اپنی کزنز کے ساتھ وقت گزارنے کے پروگرام بنا رہی تھیں۔ شادی شدہ عورتیں اپنے میکے سدھارنے اور مکمل طور پر ریلیکس ہونے پر شاداں و فرحاں تھیں۔ ایک فرشتے ہی تھی جو بالکل خاموش بیٹھی سب کی گفتگو سن کر دل ہی دل میں اپنے کابل کو یاد کر رہی تھی۔ زرتاش جو اس پر سوار تھی اور آج بہنیں کیسے بے اختیار یاد آئی تھیں۔ وہ دل اور ذہن کے قریب رہ کر ہر وقت طائر بسمل کی طرح تڑپایا تو کرتی تھیں۔ ان کے ساتھ بچپن کی شرارتیں' لڑکپن کی شوخیاں اور چھیڑ خانیاں اور پھر ایکدم ہی بے سروسامان ہو کر جان کی سلامتی کے لئے چاروں کا روتے ہوئے کابل کو چھوڑنا اور اس درد اور دکھ کو مل کر کم کرنے کی کاوش۔ اس سے آگے وہ کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ مگر آج اسے ان کے گناہ بھی مجبوری اور ضرورت میں ڈھلتے محسوس ہوئے تھے۔ ہمیشہ سے انسانی ذہن ماضی کی تلخیوں اور اس کے زہریلے پن سے آزاد ہونا چاہتا ہے۔ اُسے نظر انداز کرنے اور بھلا دینے کی کوشش میں لگا رہتا ہے جبکہ ان تلخ یادوں سے چھٹکارا تو ناممکن ہی ثابت ہوتا ہے لیکن سوچنے اور کڑھنے میں قدر تخفیف ضرور آ جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ماضی کی چاشنیوں اور ان کی دلفریب یادیں بھی بھولی بسری ہوتی چلی جاتی ہیں۔ جونہی ذہن میں ان کا گزر ہو تو وہ اکیلی اور تنہا ملاقات کرنے بہنیں آ تیں۔

دکھ اور کرب کی ہجولی کے ساتھ ہی وارد ہوتی ہیں اور وقت کے بیت جانے سے گناہ کو مجبوری کا نام دے کر ماضی کی حقیقتوں پر نظرِ ثانی ہونے لگتی ہے۔ آج بہنیں اسی طریقے سے یاد آئی تھیں۔ بے قصور اور زمانے کی ستائی ہوئی بے سہارا اور لاوارث لڑکیاں لگ رہی تھیں۔ اسی سوچ بچار میں وہ اپنے ہوسٹل آ گئی۔ اس کی روم میٹ جہان پہلے سے کمرے میں موجود کمپیوٹر پر کام کر رہی تھی۔ اسے دیکھ کر اس نے شگفتہ مسکراہٹ سے اِسے خوش آمدید کہا اور پھر کمپیوٹر میں کھو گئی۔ فرشتے فریش اپ ہونے واش روم کی طرف بڑھ گئی۔ نائٹ سوٹ میں باہر نکلی تو جہاں نے اسے حیرت سے دیکھ کر کہا۔

''فرشتے کیا آج کا پروگرام بھول گئی ہو۔ میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔ یقین مانو سخت بھوک ستا رہی ہے۔ آج لنچ بھی ہائی ٹی کے لالچ میں گول کر دیا اور محترمہ ہیں کہ لگتا ہے خوب پیٹ بھر کر آئی ہیں جو دِن دہاڑے کچھ کھانے کی فرمائش کئے بغیر سونے کا اعلان کر رہی ہیں۔ ذرا سن لو سونے نہیں دوں گی۔ سو گئی ناں تو اوپر ٹھنڈا پانی انڈیل کر جگا دوں گی۔''

''بھئی پہلی بات تو یہ کہ سکول میں میری ماں بہن تو ہے نہیں جو مجھے کھانا کھلاتی۔ بس بھوک ویسے ہی اڑ سی گئی ہے۔ دوسرا باہر جانے کو دِل نہیں چاہ رہا۔ وہ بھی کھانے کے لئے قطعاً نہیں۔'' وہ بیزاری پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

''یہ حسین مکھڑا آج پھر سے کیوں لٹکا ہوا ہے؟ فوراً مجھے اس کی خود ساختہ وجوہات بتاؤ۔ آئی وانٹ ٹولسن۔'' وہ کمپیوٹر بند کر کے اس کے پلنگ پر بیٹھ گئی۔ ''بولو کیا ہوا؟ نوکری سے فائیر تو نہیں کر دیا شامیر صاحب نے۔ تمہارے اندر کی کشیدگی کو میں جان نہیں پائی۔ آگہی بہت ضروری ہے بھئی۔'' وہ ابھی تک اپنی کوششوں سے دستکش ہونے کو تیار نہ تھی۔ جہاں نے خوش الحانی سے پوچھا۔

''اس کا تو کبھی سامنا ہی نہیں ہوتا۔ ایسا چیپڑ ہرگز نہیں وہ۔'' وہ بے ساختہ بولی۔ ''جیسا تو سمجھ رہی ہو کہ مجھے فائیر کر دے گا۔''

''واہ واہ یہ ہوئی ناں بات تو پھر چہرہ بارہ بجنے کی بارہ گھنٹیاں بار بار کیوں بجا رہا ہے۔ آزردگی دِل کا تمہارے چہرے پر تاثر مجھے مضطرب کرنے لگا ہے۔ اتنی گہری یگانگت کے باوجود مجھ سے غیریت کیوں ہے فرشتے۔ پلیز مجھ سے اپنی سوچ شیئر کرو شاید کچھ مدد کر سکوں۔'' وہ ملتجیانہ لہجے میں بولی۔

''کل چھٹیاں سٹارٹ ہو رہی ہیں۔'' فرشتے آنکھیں جھپک کر بولی اور قوت ارادی مجتمع کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

''یعنی خوشخبری ہے۔ خوب انجوائے کریں گے۔'' وہ شگفتہ لہجے میں بولی۔

''خاک انجوائے کریں گے۔ تم صبح کی گئی ہوئی پانچ بجے واپس آتی ہو۔ میرے لئے تمہارے پاس وقت ہی کہاں ہے۔ بس صبح سے شام تک یہ کمرہ ہو گا اور میں اور اس تین سٹوری ہوسٹل کا ہر کمرہ

بھاں بھاں کر رہا ہو گا۔ بچھڑے ہوئے یاد نہیں آئیں گے تو اور کون دِل کے دیئے روشن کرنے آئے گا۔'' وہ پژمردگی سے بولی۔

''میرا خیال ہے شامیر بہتر رہے گا۔'' وہ شوخی سے بولی تو فرشتے نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

''سوری بھئی غلط بیانی ہو گئی۔'' وہ ایک دم سے سنجیدہ ہو گئی۔

''فرشتے کچھ غم اور درد ایسے ہوتے ہیں کہ کسی ہمدرد اور قابل اعتماد دوست سے شیئر کرنے سے کم ہو جاتے ہیں۔ تم جو اندر ہی اندر اپنے دُکھوں اور محرومیوں کے ہر لمحے کی ایک ایک اینٹ جوڑ کر عمارت بنانے میں مصروف رہتی ہو جب وہ عمارت پوری طرح تیار ہو گئی تو تب تک تمہاری ذات اِک کھنڈر میں تبدیل ہو چکی ہو گی۔ میں اس حقیقت سے انکار نہیں کرتی کہ خود سے فرار اپنے اختیار میں نہیں ہوتا۔ اس وقت تمہاری افسردگی و مایوسی اس بات کی دلالت کرتی ہے کہ تم زندگی کے تمام ہنگاموں سے دور رہنا چاہتی ہو۔ تم نے اپنوں کی یاد میں گھل گھل کر خود کو دنیا سے الگ تھلگ کر لیا ہے۔ فرشتے فرسٹریشن تمام بیماریوں کی جڑ ہے۔ پلیز مجھ پر بھروسہ کرو۔ میں تمہارے خونی رشتوں کو واپس تو نہیں لا سکتی مگر اتنا ضرور کر سکتی ہوں کہ ان رشتوں کی تمام تپش کو اپنے وجود کے ہر حصے میں سمو کر تمہیں ویسی اپنائیت اور انسیت سے ہمکنار رکھوں۔ سو فیصد نہ سہی' پچاس فیصد تو ممکن ہے ناں۔'' جہاں اسے بے غرضانہ نظروں سے دیکھ کر بولی۔

تو فرشتے نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی مضطربانہ نظروں کو جھکا لیا۔ وہ اپنا دِل کھول کر اُس کے سامنے کیسے رکھتی کہ وہ تین عدد گستاخ' نافرمان اور عیاش بہنوں کی دیدی ہے۔ جسے انہوں نے ٹھکرا دیا اور جنہیں میں نے قبول نہ کیا اور ایک عدد بہت پیاری اور ضدی دیدی کی بہن ہے۔ یہ سچائی کتنی کڑوی ہے اس کا بیان کرنا ہی کس قدر ہتک آمیز اور شرمناک ہے۔ وہ منہ دوسری طرف پھیر کر اپنے چہرے کے تاثرات کو درست کرنے لگی کہ مبادا جہان کو اس کی ندامت وشرمساری کی ہلکی سی جھلک بھی نظر نہ آ جائے۔

''آہا مجھے ایک حسین و دلربا سا خیال آیا ہے۔ واہ ذہن ہو تو میرے جیسا۔'' اس نے فوراً موضوع بدلنے کا سوچ کر کہا۔

جہان چٹکی بجا کر بولی۔ مگر وہ خاموش رہی۔ ابھی تک وہ خود اعتمادی کو مجتمع نہ کر سکی تھی۔

''چلو تم جلدی سے تیار ہو جاؤ ورنہ ہائی ٹی کا وقت نکل جائے گا۔''

وہ اسے اضطراری کیفیت میں دیکھ کر شگفتگی سے بولی۔ ''تمہیں وہاں مزے دار لوازمات کھاتے ہوئے بتاؤں گی کہ میں نے چٹ پٹی اور کراری بات مع گلاب جامن اور جلیبی کے کیا سوچی ہے۔ تم سنو گی تو خوش ہو جاؤ گی۔ تمہارے تمام رشتے داروں پر میں ایک بھاری ہوں۔ پھر کیوں

پریشان ہوتی ہو۔ دراصل میرے پیار اور لگاؤ پر بھی تمہیں بھروسہ و یقین کرنا گناہ معلوم ہوتا ہے۔ اس معاملے میں تم بے قصور نہ ہوتی تو میں معاف کرنا تو درکنار تمہاری شکل تک نہ دیکھتی۔ مگر اب تو تم اس کے باوجود میری جان ہو۔" وہ ابھی بھی شوخی پر اُتری ہوئی تھی۔

"آج ہوسٹل کی چائے پر ہی صابر وشاکر ہونا پڑے گا کیونکہ دِل کے ساتھ کوئی بٹن تو ہے نہیں جسے بہلانے کے لئے اُسے دبانے کی ضرورت پڑے۔ جہان یہ جو دِل ہے ناں کہنے کو گوشت پوست کا لوتھڑا مگر کم بخت اپنے ہی موڈ اور اپنے ہی مزاج کا ہے۔ بگڑنے اور روٹھنے پر آئے تو اپنے کان بند کر لیتا ہے۔ پھر باہر کی کوئی التجا اُس تک نہیں پہنچتی۔ آج میرے دِل کا ایسا ہی حال ہے۔ جس دن اس نے اجازت دی ضرور ہائی ٹی پر چلیں گے۔" وہ رنجیدگی سے لرزیدہ آواز میں بولی۔

"تو آج ارلی ڈنر پر چلے چلتے ہیں۔ میں خانساماں کو چائے کا آرڈر دے کر آتی ہوں۔ کم بخت کے ہاتھ میں کیا ذائقہ ہے؟ کہ دال بھی کھاتے ہوئے گوشت کا گمان ہوتا ہے اور چائے کافی کا تو جواب نہیں۔ اللہ اِسے جنت نصیب کرے۔" وہ مزاحیہ انداز میں بولی۔ یہ لاہوری خانسامے کا کمال ہے جی یہ مت بھولنا۔"

"ویسے آپس کی بات ہے تم نے یہاں بھی زمینداروں والی اجارہ داری جما رکھی ہے۔ یہاں کے تمام ورکرز تمہارے ہاتھ میں ہیں۔ تمہارے اشاروں پر ناچتے اور جی حضوری کرتے تھکتے نہیں۔" فرشتے کے چہرے پر اُس کی اس حرکت پر ہلکی سی مسکان پھیل گئی اور بیچارے کو جیتے جی جنت رسید بھی کر ڈالا۔

"فرشتے بات سمجھا کرو یہ جو پیسہ ہے ناں بہتوں کو پل بھر میں خرید لیتا ہے۔ انسان کی قیمت بہت کم ہوتی ہے جسے وہ بیچنا نہیں چاہتا وہ اس کی اَنا اور غیرت ہوتی ہے مگر بدقسمتی سے گوناں گوں حالات اور ضروریات زندگی انسانی عزت نفس کروفر' وقار اور خودداری پر غالب آ جاتے ہیں۔ یہ بیچارے غریب غربا' حاجت مند لوگ مجھ سے چند سکے ہی تو وصول کرتے ہیں اور منہ سے نکلی ہوئی میری فرمائش کو پل بھر میں پورا کر ڈالتے ہیں۔ اس دنیا میں باعزت طریقے سے جینے کے لئے پیسہ چاہئے ہوتا ہے۔ جو انسان کی ہر برائی اور خامی پر پردہ داری کا کام نہایت احسن طریقے سے سرانجام دیتا ہے۔ جیسے میں ہوں۔ نجانے کتنی ہی نامناسب عادات و اخلاقیات پر ان غریبوں اور مسکینوں کی وجہ سے پردہ داری ہے۔ سمجھی ہو کہ نہیں۔" وہ اپنی ہی لے میں بولے چلی گئی۔

"مجھے تمہاری ایسی باتیں آج سے پہلے سمجھ آئی ہوتیں تو آج بھی سمجھنے میں مشکل درپیش نہ آتی۔ ذرا تفصیلاً بتاؤ کہ تمہاری بات کا لب لباب کیا ہے؟ ورنہ تمہاری تمام محنت رایئگاں گئی۔" وہ جان بوجھ کر انجان بن گئی تو جہان ہنستے ہوئے لوٹ پوٹ ہوتی چلی گئی۔ فرشتے اس کی بے پروا اور آزادانہ ہنسی کو دیکھ کر پھر سے اداس سی ہوگئی۔ بہنوں کے ساتھ مل کر بکھرتے ہوئے قہقہوں کی بوچھاڑ اور ہنسی کی

زلزلہ خیز کھنک جب بھی گھر کی دیواروں کو عبور کرنے کے لئے بے چین ہوا کرتی تھی تو دادا اور والد صاحب کی خونریز آنکھیں بھی انہیں خاموش نہ ہونے دیتی تھیں۔ کاش وہ گزرتے ہوئے حسین لمحے میرے قابو میں ہوتے تو انہیں سنگلاخ پنجرے میں قید کرلیتی۔'' وہ کرب سے کراہنے لگی تھی۔

''وہ بیتا ہوا وقت تمہارے قابو میں اب بھی ہے ورنہ اس تک پہنچنے کی رسائی نہ ہوتی۔'' جہاں ایکدم سے خاموش ہوگئی۔

''اس پنجرے میں خوشگوار لمحوں کے ہمراہ جان لیوا پل بھی تو مقید ہیں ناں۔ کاش میرے پاس ایک پسند ہوتی جہاں میں ہر وہ لمحہ جو زندگی کے قریب کرتا ہے' دنوں کو حسین و دلکش بناتا ہے۔ میرا پنجرہ صرف ان سے آباد ہوتا۔ یہاں تو دھوپ' سایہ' حدت وٹھنڈک اور کامرانی و ناکامی کا دوطرح کا امتزاج قید و بند کی تکالیف برداشت کررہا ہے۔ صاف شاف کھڑے پانی میں ناپاک پانی کا ایک قطرہ بھی شمولیت اختیار کرجائے تو تمام پانی ہی غلیظ ہو جاتا ہے۔ یہی حال میرے پنجرے میں مقیم ان لمحوں کا ہے۔'' وہ دکھی لہجے میں بولی تو کمرے میں خاموشی چھا گئی اور جہاں چائے کے ساتھ پکوڑے اور سینڈوچز کا آرڈر دینے کچن میں چلی گئی۔

''تمہیں کیا بتاؤں کس زبان سے کہوں کہ میرے ساتھ کیا ہوا ہے؟ خاندان کی بربادی کی کہانی کو تو میں نے سینے کے اندر دفن کرہی دیا تھا۔ یہ تو داستان ہے میری بہنوں کی ضد اور ہٹ دھرمی کی۔ لالچ وطمع کی۔ انسانوں کی تخلیق کردہ سرگزشت کی۔'' وہ اس کے جانے کے بعد بڑبڑاتی ہوئی بستر پر ایسے لیٹی جیسے میلوں کی مسافت طے کرکے آئی ہو۔ جیسے وہ اٹھنے اور چلنے سے قاصر ہوگئی ہو۔ تکلیف میں سانس لینا دوبھر ہوگیا ہو۔

''یہ تو بات نہ ہوئی فرشتے مجھ سے غیریت بدستور قائم ہے۔ تم نہیں سمجھو گی اور اک بہترین ہمجولی کا روپ بھی اختیار کرنے میں کنجوسی برتو گی۔''

''بڑے افسوس کی بات ہے چلو تیار ہو جاؤ قریب ہی کہیں ڈنر پر چلتے ہیں۔'' وہ اسے ہلاتے ہوئے بولی۔ ''مجھے اگنور کرنے کا مقصد کیا ہے؟ ایسے تو تم نے کبھی نہیں کیا۔ یہ بتاؤ کہ شامیر کے ساتھ بات کہاں تک پہنچی؟ کہیں گڑبڑ تو نہیں ہوگئی جو جان سے ہاتھ دھو بیٹھنے کا پلان بنائے بیٹھی ہو۔ نہ تم نے چائے لی نہ ہی سینڈوچ۔ لگتا ہے کوئی بہت بڑا صدمہ پہنچا ہے تمہیں۔'' وہ تڑپ اٹھی تھی۔

''جس صدمے کی جان لیوا تپش' گھٹن اور کرب سے میں گزر چکی ہوں اب مجھے سب دکھ درد بہت مہین اور نازک معلوم ہوتے ہیں۔ اس لئے اب مجھے اس بات کی فکر ہے نہ ہی اندیشہ ہے کہ کہیں کسی بڑے سانحہ کا شکار نہ ہو جاؤں۔ وہ تو کب کی ہو چکی۔ اب تو اپنی بکھری ہوئی ذات کو جوڑنے کی کوشش میں لگی رہتی ہوں کیونکہ سانس تو لینا برحق ہے ناں۔ اللہ سے اس کا وعدہ ہے اس لئے فقط اس عہد کو پورا کرنے کی کاوش ہے ورنہ کب کی خودکشی کرچکی ہوتی۔'' فرشتے نے اس کی

طرف دیکھ کر بامعنی لہجے میں کہا۔

"ماضی کو بھول جاؤ فرشتے اس نے تمہارے ساتھ دغا کیا ہے۔ تم بھی اس سے بدلہ لے لو۔ اگر صرف چھٹیوں نے اپ سیٹ کر دیا ہے تو یہی تمہیں پروگرام بتانا چاہتی ہوں۔ ذرا تیار تو ہو جاؤ سنو گی تو خوشی سے اچھل پڑو گی لیکن تم سے ایسے ردعمل کی مجھے بالکل امید نہیں۔"

وہ اس کے چہرے پر ملائمت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی تو فرشتے آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ "لگتا ہے کہ آج تم نے میری جان قبض کرنے کی قسم اٹھالی ہے۔ عزرائیل لگ رہی ہو۔ خونخوار اور سنگدل موت کا طلبگار۔" پھر لمبی آہ بھر کر بولی۔ "تم اتنی اچھی کیوں ہو جہان؟ مجھے ڈر لگنے لگتا ہے۔ مجھے اپنا محتاج نہ بنا لینا۔ جہان مجھے اپنی اسی تنہا ذات کے ساتھ رہنے دو۔ میری یہ عادت چھوٹ گئی تو غضب ہو جائے گا۔" وہ سہم کر بولی۔ "مجھے شہد میں زہر کی ملاوٹ سے مار نہ ڈالنا۔ جہان میں یہ دکھ سہہ نہ پاؤں گی۔ محتاجی انسان کو بے غیرت اور کم عقل بنا دیتی ہے۔"

"ہاں ہاں ڈرو اور مرو۔ زینت میڈم کی طرح تمہارے حُسن کا سودا کرنے جو چلی ہوں۔ سخت بے مروت اور ناقابل اعتبار تو تم خود ہو جو نیکوکاروں کو بھی جہنم رسید کرنے کے خواب دیکھتی رہتی ہو۔ دس منٹ میں تیار ہو جاؤ ورنہ اسی نائٹ سوٹ میں گھسیٹ کر لے جاؤں گی۔ پھر نہ کہنا مجھے۔"

وہ رعب دار لہجے میں بولی تو وہ بستر سے اُتر کر فریج کھول کر ٹھنڈے پانی کی بوتل کو منہ سے لگا کر غٹاغٹ پانی پینے لگی۔

"یعنی محترمہ صرف بھوک کی ہی نہیں پیاس کی ہڑتال بھی کئے بیٹھی ہیں۔ بہت بے وقوف ہو۔ ہر دم خود کو سزا دینے کے چکروں میں الجھی رہتی ہو۔ یہ گتھی سجھانی مشکل ہو گئی ہے کہ تم خود سے کہیں گناہ کی پاداش میں خفا رہتی نا ہو۔ تمہارا ضمیر تمہیں چین کیوں نہیں لینے دیتا۔ فرشتے مجھ سے شیئر کر کے اپنے ضمیر کی آواز کو دبا دو۔ دِل کو ہلکا اور ذہن کو فری کر دو۔" جہان نے دُکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"اب بار بار یادوں کی چنگاریوں کو ہوا دے کر مجھے مت جھلساؤ۔ چنگاریوں کو شعلے بننے سے پہلے ہی دب جانے دو ورنہ میں نارمل نہیں ہو پاؤں گی۔ البتہ تمہاری یہ سوچ سراسر الزام تراشی ہے میرے سر اور میری ذات پر کہ مجھے کوئی گلٹ پریشان رکھتا ہے۔ ایسا کچھ ہوتا تو میں اسی گلٹ کو اب تک مٹا چکی ہوتی۔ میں نے یادوں میں خود کو ذہنی طور پر مفلوج کر ہی لیا ہے اب اپنی دوست کو بھی پاگل اور ہوش وخرد سے بیگانہ نہ کر دوں گی۔" ایک غیر مرئی سی دھند اس کے دل پر چھا گئی تھی اور چہرہ آزردگی کے کرب سے بھر گیا تھا۔ جہان کو اپنی غلطی کے احساس نے بے کل سا کر دیا۔ وہ اس کا ہاتھ ملائمت سے پکڑ کر بولی۔

"آئی ایم سوری فرشتے۔ میرا یہ مطلب ہرگز نہ تھا۔"

"پانی میں نمک کے تحلیل ہونے کے عمل سے آشنا تو ہو ناں۔ خود پر یہ ظلم نہ کرو ورنہ بہت جلد

گھل جاؤ گی۔ غم دیمک کی طرح انسان کو کھوکھلا کر دیتا ہے۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔

''اپنی ذات کا اَن مٹ ذائقہ تو ہمیشہ کے لئے چھوڑ جاؤں گی۔ میں نے اپنے پیاروں کو موت کا گھونٹ پیتے دیکھا ہے موت کی دہشت اور خوف سے آزاد ہو گئی ہوں۔ جہاں عزت کی موت میری جیسی لڑکیوں کے لئے تو خدائی انعام ہے۔ اس لئے تمہاری ایسی دوستانہ دھمکیاں مجھ پر کبھی بھی اثر انداز نہیں ہوتیں۔''

وہ بے اختیاری سے بولی اور آنسوؤں پر ضبط کرتے ہوئے الماری سے کپڑے نکالنے لگی۔

''سوگ کی مدت طویل ہو جائے تو اس کا انجام تنہائی ہے اور تنہائی میں سمجھ داری اور عقلمندی پوشیدہ ہے لیکن پھر بھی جہان میں تمہاری رفاقت میں رہنا چاہتی ہوں کیونکہ ایک بے غرض دوست کو چھوڑ دینا بدقسمتی کو آواز دینے کے مترادف ہے۔'' لہجے میں اعتماد اور محبت سے بھرپور چاشنی کو محسوس کر کے جہاں چونک اٹھی۔

''ارے یہ میں کیا سُن رہی ہوں؟ سچ کہہ رہی ہو ناں۔ یقین کر لوں۔'' وہ استہزائیہ لہجے میں بولی۔

''ہاں جہان تم نے مجھے اپنا محتاج بنا لیا ہے۔ مجھے اسی بات کا خدشہ رہتا تھا۔ تم جیتیں اور میں ہاری۔'' وہ ہلکا سا مسکرا کر بولی۔

''تو اس خوشی میں کھل کر ہنس ہی دو۔ نجانے اپنی اتنی دلکش اور پرکشش ہنسی پر پابندی کیونکر لگائے رکھتی ہو۔ ایک بار کھل کر ہنس دو قسم سے شامیر اللہ کو پیارا ہو جائے گا۔'' وہ شوخ لہجے میں بولی۔

''اللہ نہ کرے۔'' اس کے لبوں پر بے اختیاری سے یہ الفاظ پھسلے اور ایک دم لال ہو گئی۔

❖ ❖ ❖

لاہور کے چٹ پٹے اور خوش ذائقہ کھانے فرشتے کو اس قدر پسند تھے کہ اب افغانی کھانوں میں مزا نہ رہا تھا۔ فرشتے صبح سے بھوکی تھی۔ آج یادوں کے چراغوں کی روشنی نے اِسے دن بھر چندھیائے رکھا تھا۔ بدن میں لاغر پن اور دل میں حسرتیں اور پچھتاوے ہمسفر رہے جبکہ بار بار خود کو سمجھاتی رہی کہ اس کی مشکلات کا حل اوپر والے کے ہاتھ میں ہے مگر چین تھا کہ کوسوں دور۔ ابھی تیار ہو کر ڈنر پر آنے سے طبیعت کی کسلمندی اور مایوسی میں تحلیل ہو گئی تھی۔ جہان کی دلنشیں چھیڑ چھاڑ نصیحتیں اور فضیحتیں کام کر گئی تھیں۔ کھانے کا مزہ بھی بھوک میں ہی پنہاں ہے' مگر سچی بات ہے کھانے کا جواب نہیں۔ تین دن کا کھانا پیٹ میں بھر لیا ہے۔ اونٹ کی طرح یہاں کھانا چاہے کسی ڈھابے کا ہی کیوں نہ ہو۔ ذائقے میں بے مثال ہی ہوتا ہے۔ لاہور پنجاب کی خالص اور کھری نمائندگی کرنے میں بھی باکمال ہے۔'' فرشتے نے رس ملائی کھاتے ہوئے کہا۔

''میل ملاپ' مہمان نوازی' دوستی اور دریا دلی میں بھی تو لاجواب ہیں ناں ہم۔'' جہان نے

اس کی باتوں سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

"ہاں بس ذرا بات چیت میں قدرے چیپ ہو جاتے ہیں۔" فرشتے نے ہنستے ہوئے کہا۔

"یوں کہو کہ اوور ہو جاتے ہیں۔ بھئی یہ بھی خاص الخاص خاصیت ہے۔ یہ ایک خوبی ان کی اَن گنت خوبیوں کے لئے آب حیات کا کام دیتی ہے۔ یہ زبان ہی تو ہے جو تخت پر بٹھائے اور تختے پر بھی لٹکائے۔" جہان نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"لاہوری کہاوتوں میں بھی کسی کو آگے نہیں بڑھنے دیتے۔" وہ پھر مذاقاً بولی۔

"فیشن گیلری کے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا۔ ایسے تو اسے زندہ دلوں کا شہر نہیں کہا جاتا۔ زندگی کی ہر رنگینی اور شگفتگی اسی شہر سے شروع ہوتی ہے۔ یہیں پروان چڑھتی ہے اور یہیں سے چارسو منتقل ہو جاتی ہے۔" وہ سرشاری سے سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"جہان میرا کابل بھی ایسا ہی تھا۔" وہ حسرت بھرے لہجے میں بولتے ہی سنبھل گئی۔ "ڈنر تو ہم نے ہضم بھی کر لیا۔ وہ مژدہ جو تم سنانے والی تھی اس کا کیا ہوا؟

"یس یس مجھے یاد ہے۔ ذرا صبر کرو رس ملائی کھانے کے بعد بھرپور مٹھاس سے ادائیگی پر تم انکار نہیں کرو گی۔" وہ رس ملائی کھاتے ہوئے بولی۔

"مطلب یہ ہوا کہ کچھ انہونی فرمائش کرنے والی ہو۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"انہونی نہیں۔ جائز اور بجا ایک ننھی سی آرزو' تمنا' خواہش اور چاہ یہ ہے کہ میں بھی کل سے دس دن کی اینول لیو کے لئے درخواست باس تک پہنچانے جاتی ہوں۔ دو چار دن میں پرو بھی ہو جائے گی۔ پھر ہم دونوں فرینڈز اور سسٹرز پتہ ہے دس دن کی چھٹیاں کہاں گزارنے چلیں گے۔" وہ پہیلی بوجھوانے کے انداز میں بولی۔

"جانتی ہوں جہنم میں۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ تمہاری قربت میں دوزخ بھی جنت الفردوس کا روپ دھار لے گی۔" وہ شریر لہجے میں بولی۔

"یعنی اقرار ہے میرے پروگرام پر اعتراض نہیں۔" وہ پُرجوش لہجے میں بولی۔

"جہنم کا اَتہ پتہ تو بتاؤ بھئی پھر ہی انکار یا اقرار کے بارے میں سوچا جائے گا۔ ایک تو تم ہر وقت سرپرائز دینے کے موڈ میں ہوتی ہو۔ جہاں میری بہن پلوشہ بھی ایسا ہی کیا کرتی تھی۔ زرمین تو ہر بات کو بہت سیرائس لیا کرتی تھی۔ سٹیلر تھی وہ اور میری ریشو تو جذباتی اور رومانٹک ایسی کہ ہر حالت میں رومانس ڈھونڈ لیا کرتی تھی۔ زرتاش تو بڑی اماں تھی۔" وہ آہ بھر کر بولی جہان نے نظر انداز کر دیا۔

"اس بار تم اپنی چھٹیاں میرے گاؤں میں میرے خاندان میں گزارو گی۔ ذرا سوچو کہ کیسا مزہ رہے گا۔ شرطیکہ تم پنجاب کا گاؤں' رسم و رواج' ماحول' رہن سہن دیکھ کر بہت محظوظ ہو جاؤں گی۔ آج

کل تو مشینی دور ہے۔ ہر کام میں مشینیں شامل ہو چکی ہیں ورنہ ہمارے دادا کے وقت میں دیہات کی فضا میں ہر وقت ایک فطری موسیقی اور راگ الاپا کرتا تھا۔ اب وہاں کی زندگی میں بھی خوش آئند تبدیلی تو آ گئی ہے مگر سب میں ایک فاصلہ اور دوسری آ گئی ہے۔ کسی کو کسی کی مدد کی ضرورت جو محسوس نہیں ہوتی۔ پھر بھی شہری زندگی سے بہت بہتر ہے وہ زندگی۔ تمہیں ماحول کی تبدیلی بہت اچھی لگے گی اور پھر تم پاکستانی گاؤں پر کنٹری دینا۔ جب کابل جاؤں گی۔'' وہ خوشی و انبساط سے جھوم کر بولی۔

''اب انکار مت کرنا۔ نیا پن ہمیشہ بہت بھلا لگتا ہے انسانوں کو۔''

''مجھے سب میں مکس اپ ہونا معیوب لگ رہا ہے۔'' وہ سوچ کر بولی۔

''فکر نہ کرو ہمارا مہمان ہماری ذمہ داری ہوتا ہے۔ اس کی جان و مال' عزت و وقار کی نگہداشت کرنا ہمارے فرائض کے زمرے میں آتا ہے۔ وہاں پردے کی سختی اور زنان خانہ سے باہر نکلنے پر سخت پابندی ہے۔ تمہیں وہاں کا ماحول اور ہمارے اصول و طریقے' رکھ رکھاؤ اور وہاں کے سادہ لوح کھرے اور سچے لوگ بہت پسند آئیں گے۔ یقین جانو تم اس تجربے کے بعد مجھے بار بار وہاں جانے پر اپنی دلی خواہشوں کا اظہار کرو گی۔ مکمل تحفظ ہے وہاں کی ہوا میں۔ چھوٹے بڑے کا لحاظ و عزت کا پاس ہے۔ اس کی مٹی کی سوندھی خوشبو میں شہروں جیسی ان سکیورٹی نہیں ہے۔ دن رات دروازے کھلے ملیں گے۔ کبھی گیٹ پر تالا نہیں لگتا۔'' وہ مسرت آگین لہجے میں بول رہی تھی۔

''کبھی گن مین کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ نہ چوری چکاری کا ڈر نہ ڈاکے کا خطرہ۔ شانتی ہی شانتی ہے۔''

''یہ تم نے جنت کا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا ہے۔ اپنی آبائی جگہیں ایسی ہی اہمیت رکھتی ہیں مگر جہان میں نے زندگی میں آج تک کوئی گاؤں نہیں دیکھا۔ رسالوں اور فلموں کی حد تک میری معلومات ہیں۔ آغا جان کی مصروفیت کی وجہ سے ہم نے کابل سے باہر کی دنیا نہیں دیکھی۔ ننھیال اور ددھیال دونوں سائیڈز کے تمام رشتے کابل میں ہی رہائش پذیر تھے۔ بس کابل ہی ہماری جنت اور کابل ہی ہماری متاع حیات تھا۔'' یہ بتاتے ہوئے لہجے میں پھر درد سمٹ آیا تھا۔

''افغانستان کا گاؤں نہ سہی پاکستان کا گاؤں دیکھنے کا موقع ملا ہے تو اِسے اویل کرو۔ جسٹ فار یو انجوامنٹ۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''بلکہ اس میں انجوائے منٹ کے ساتھ نالج بھی تو بہت ہے جو چیز ہم فلموں میں دیکھتے ہیں اور جس کا ذکر رسالوں اور اخبارات میں ہوتا ہے وہ تو سنی سنائی اور دوسروں کے تجربے سے تشکیل شدہ کہانیاں ہیں۔ بذات خود دیکھنے سے اس کا ایمپیکٹ فرق ہو جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے میری نگاہ ان نظاروں کو اُس تہہ تک پہنچ جائے جہاں کسی اور کا خیال بھی نہ گیا ہو۔''

''تو پھر اپنے بچوں کے سامنے آنکھوں دیکھا حال بیان کرنا جیسے ہمارے ٹیچرز ہمیں بن

دکھائے ہی کہا کرتی تھیں کہ ریلوے سٹیشن کا آنکھوں دیکھا حال پر دوسولفظوں کا مضمون لکھیں ورنہ فیل کر دوں گی۔ مزے کی بات کہ ہم نے نہ ریلوے دیکھی نہ اس کا سٹیشن خاک لکھتے۔ خوب رٹا لگا کر پورے نمبر لے جاتی تھیں ہم سب۔ ہماری تعلیم کی شروعات ایسے ہی بے اناڑی استادوں سے ہوئی تھی مگر دیکھو کہ کینڈ سے میری اس تعلیم کا اختتام ہوا ہے۔'' وہ فخریہ لہجے میں بولی۔

''یہ پرانے وقتوں کی باتیں ہیں۔ لگتا ہے تمہارا تعلق زمانہ قدیم سے رہا ہے۔'' فرشتے بھی اسی انداز میں بولی اور دونوں ہنستی مسکراتی گاڑی کی طرف چل پڑیں۔ جہان ڈرائیونگ سیٹ پر خود اعتمادی سے بیٹھ گئی اور ساتھ فرشتے بھی براجمان ہو گئی۔

''جہان! اگر تمہارے گھر کا ماحول اتنا سخت ہے تو پھر تمہیں کینڈ پڑھنے اور جاب کرنے کی اجازت کیسے ملی؟ یہاں تم ننگے سر ڈرائیونگ بھی کرتی ہو۔ اس تضاد میں تمہارا دل نہیں گھبراتا۔'' فرشتے نے حیرت سے کہا۔

''فرشتے یہاں ہمیں نہ کوئی جانتا ہے نہ ہی پہچانتا ہے۔ میں سب سے منفرد ہو کر نمایاں نہیں ہونا چاہتی۔ گاؤں سے نکلنے کے بعد ہم خودمختار ہوتی ہیں۔ والدین ہم پر پورا بھروسہ رکھتے ہیں۔ جنہیں اپنی اولاد پر اعتماد نہیں ہوتا وہ لڑکیاں گاؤں کے مڈل سکول سے آگے اپنی تعلیم جاری نہیں رکھ سکتیں۔ باقی تو بعد کی باتیں ہیں۔''

جہان نے گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔'' کھاؤ من بھاتا اور پہنو جگ بھاتا۔ ہمارا خاندان اس مقولے کو فالو کرتا ہے۔ اس لئے مجھے اپنے گاؤں کی زندگی بہت پسند ہے۔ ایسے تو تایا کے بیٹے کو دل نہیں دے دیا۔''

فرشتے یہ حیرت کی بات نہیں میری تمام کزنز نے کینڈ سے ہی تعلیم حاصل کی ہے۔ اب وہاں جہالت صرف ہمارے ہاری اور مزارعوں میں رہ گئی ہے۔ ایک دن آئے گا وہ بھی اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے آواز ضرور بلند کریں گے۔'' وہ سنجیدہ ہو گئی تھی۔

''انہیں کون ہے اس میں پیدائشی حق سے روکنے والا۔'' وہ حیرت سے آنکھیں کھول کر بولی۔

''وہ بھی تو ہماری طرح کے انسان ہیں۔ انہیں بھی تو جینے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ سانس لینے کو زندگی کا نام دینا زیادتی ہے۔ انہیں کون روکتا ہے اِک شاندار زندگی گزارنے سے۔''

''ہمارا زمیندار جس میں ہم بھی شامل ہیں۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ ہاری کا بچہ ہاری' ترکھان کا لوہار کا بچہ بھی والد کے نقش قدم پر چلتا ہے۔ ان کی نسل بدلنے کی کوئی زمیندار کوشش نہیں کرتا۔'' وہ تاسف بھرے لہجے میں بولی۔

''ایسا کیوں ہے؟'' وہ پھر حیران و پریشان ہو گئی۔

''اس لئے کہ زمینداروں کے نوکر نسل در نسل نہ چلیں تو دوسرے گاؤں سے کسی کا مزارع ان

کی زمینوں پر کام کرنے تو نہیں آئے گا۔ ان کے گھروں میں خدمت گاری کرنے ان کی بیوی اور بچیاں نہیں آئیں گی۔" وہ سنجیدگی سے اسے کئی مثالیں دے کر سمجھانے لگی۔

"ایسے تو زمیندار ہمیشہ امیر اور مزارع ہمیشہ غریب' مفلس اور ان کا محتاج رہے گا۔ انہوں نے کیا قصور کیا ہے؟ جہان تم نے بھی اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ کیا فائدہ ہوا تمہاری اس تعلیم کا جو اپنے ماحول میں خوش آئند تبدیلی نہ لا سکے۔" اس کا لہجہ پُر ملال تھا۔

"ایسی بات نہیں۔ میں نے ایک مزارع کی بیٹی کو مڈل تک کی تعلیم دلوائی ہے۔ کیا دھماکہ چیز نکلی ہے وہ کچھ نہ پوچھو۔ ہر پھیرے میں اسے ڈھیر سارے رسالے دے کر آتی ہوں۔ چودہ انچ کا ٹی وی بھی اسے خرید دیا ہے تاکہ اس کی معلومات میں اضافہ ہو۔ میں بخوبی جانتی ہوں کہ ایک لڑکی کے قلم میں ایک خاندان کا مقدر چھپا ہوتا ہے۔ اسے قلم کا استعمال آئے گا تو وہ اپنی اولاد کے نصیب لکھ سکے گی۔ اللہ تعالیٰ بھی ایسی ہی محنت کش و دور اندیش عورتوں کی مدد کے لئے ان کے ہاتھ میں قلم تھما دیتا ہے اور وہ کامیابی کے زینے طے کرتی رفعتوں کو پا لیتی ہیں۔" وہ فخریہ انداز میں بولی۔

"جہان گاؤں بھر میں فقط ایک لڑکی مڈل پاس کیوں ہو؟ ہر گھر کی ہر لڑکی کیوں نہیں؟ ہر لڑکی ایک خاندان اور ایک جوہی کو سنوارنے کی ذمہ دار ٹھہرائی جانی چاہئے۔ تم نے کوئی خاص الخاص کمال نہیں دکھایا۔" وہ حیران کن لہجے میں بولی۔

"تبدیلی کا پہلا قدم اٹھانا بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ منہ کے بل گرنے کا خدشہ دوسروں کی لعن طعن کا خوف اور ناراضگی مول لینا بہت بڑے دل گردے کا کام ہے۔ میں نے یہ نیکی تو کر دی' مگر اپنے لئے اور اس بچی کے لئے مصیبت کھڑی کر دی ہے۔ اماں جان ہر وقت مجھ سے بھی خفا اور اس سے بھی ناراض رہتی ہیں۔ میرا جرم عظیم ہے اسے تعلیم دلوانا اور اس کا گناہ کبیرہ ہے تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے حقوق کے لئے آواز بلند کرنا۔ بس فرشتے ہم دونوں کی شامت آئی رہتی ہے۔"

"یہ پٹاخہ لڑکی دن بھر رسالے پڑھتی ہے۔ آدھی رات تک ٹی وی اس کا ساتھی ہوتا ہے۔ حالات حاضرہ کی جتنی انفارمیشن اس کے پاس موجود ہوتی ہے کسی کے پاس نہیں ہوتی۔" وہ فخریہ لہجے میں بولی۔

"آئی سی اب تمام سنارئیو میرے سامنے آچکا ہے۔ ایسے گمان ہو رہا ہے جیسے کسی فلم کی کہانی میرے گوش گزار رہی ہے۔ ویری انٹرسٹنگ۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"افغانستان کے دیہی علاقوں میں تو عورت کی حالت یہاں سے بدتر ہی ہوگی کیونکہ افغان قوم کا مزاج ہم سے خاصا تند و تیز مانا جاتا ہے۔ تمام اصول و قانون' روایات و رسومات ہر خاندان کے مزاج کے مطابق مقرر کی جاتی ہیں۔ انسانی فطرت ہر جگہ اور ہر ماحول میں یکساں ہوتی ہے۔"

"ابھی تم بہت چھوٹی ہو یہ سب کچھ سمجھنے کے لئے اک عمر چاہئے۔ تجربات و مشاہدات چاہئیں

اور ایسا ہی توں تڑاخ والا ماحول چاہئے۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''ہاں تم تو دادی اماں ہو ناں جو تمام معلومات تم نے تجربوں سے حاصل کی ہے۔'' وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولی۔

''ایسی بات ہی سمجھو۔ ذرا سی ہوش سنبھالتے ہی یہاں کے بچے تجربات و مشاہدات کے دور سے گزر کر ذہنی طور پر بہت جلد میچور ہو جاتے ہیں۔ شہری بچوں کو پالنے پوسنے کے اصول اور طریقے میں بہت فرق ہوتے ہیں۔ یہاں بچوں کو آزادی اور خود اعتمادی دی جاتی ہے۔ ہر طرح کے بچوں میں کھیل کود کر اور مقابلہ کرنے کی شد بد سے واقف ہو جاتے ہیں اور ہر شام کسی نہ کسی گھر کے مہمان ہوتے ہیں۔ یہی ان کی سٹرنتھ اور سکیورٹی ہے۔ میں تمہیں مزے کی بات بتاؤں میں جب کلاس نہم میں شہر کے سکول میں گئی تو ظاہر ہے میرے لب و لہجے اور پہناوے میں گاؤں کی نمایاں جھلک تھی۔ سب لڑکیوں نے خوب مذاق اڑایا مگر میں ان سے زیادہ سمجھدار تھی۔ انہیں بے وقوف بنانا تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا اور پھر جب پہلا رزلٹ آیا تو میں ٹاپ پر کھڑی تھی اور سب میری مطیع ہو چکی تھیں۔ آہستہ آہستہ میرے ظاہرانہ پن میں بھی تبدیلی رونما ہوتی گئی۔ اب یہاں مجھ سے ماڈرن شہری اور گاؤں میں مجھ سے دقیانوسی پینڈو لڑکی تمہیں کہیں بھی نہیں ملے گی۔'' وہ شگفتہ لہجے میں بولی۔

''بہت بڑی فنکار ہو بھئی۔'' فرشتے نے ہنستے ہوئے کہا۔

''یہی تو سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں کہ تم میں اور مجھ میں ذہنی طور پر زمین و آسمان کا فرق دو مختلف ماحول اور تربیت کی وجہ سے ہے۔ میں چھوئی موئی نہیں' بے باک اور نڈر لڑکی ہوں۔ حاضر جواب ایسی کہ دوسروں کی بولتی بند کر دوں۔ خدا کے لئے میرا روپ اختیار کر لو۔ زندگی بھر سکون میں رہو گی۔''

وہ ہوسٹل کی پارکنگ میں گاڑی پارک کر کے بولی۔

''اب تمہیں بوریت سے دور اور موج مستی کے قرب میں رہنا چاہئے۔ اگلے دو تین دن خوب عیش اڑاؤ۔ جی بھر کر سوؤ۔ آرام کرو ٹی وی دیکھو اور ہاں شامیر سے ڈیٹ پر جانے کا پروگرام بناؤ۔ پھر تو تمہیں گاؤں جانا بھی اچھا نہیں لگے گا۔ قسم سے سینکڑوں بہانے نکال لو گی۔'' وہ شوخی و شرارت سے بولی تو فرشتے نے شرم سے لال ہوتے ہوئے اسے چپت رسید کر دی۔

❖ ❖ ❖

فرشتے اس بچی کا نام ہے زہرہ مگر گاؤں والوں کے لئے جوہرو ہے اور اپنی جہان باجی کی تو زہرہ جبین ہے۔ جہان نے مسکراتے ہوئے کہا تو فرشتے نے جوہرو کو سر سے لے کر پاؤں تک ایک ہی نظر میں دیکھ لیا۔ اس نے لمبے بالوں کا نہایت صفائی سے جوڑا بنا رکھا تھا۔ کپڑے بوسیدہ مگر صاف ستھرے استری شدہ تھے۔ آنکھوں میں کاجل کی دھار اور کانوں میں ہلکے سے ٹاپس میں وہ بہت

سلجھی ہوئی لگی۔ اس نے فرشتے کو مہذب طریقے سے سلام کیا اور فوراً وہاں سے کھسک گئی۔

''یہ ہ زہرہ! اسے ہمارے گھر کام کرنا قطعاً پسند نہیں۔ کیا مجال کہ کسی کی مان کر دے۔ عزت نفس کا جو درس اس نے سیکھا ہے وہ اس نے پلے باندھ لیا ہے۔ کیا مجال کہ صدقہ خیرات قبول کر لے۔ اپنی ہتک سمجھتی ہے۔ اس کے مسکین اور غریب و بے کس والدین ہر وقت اس کی ان حرکتوں کی وجہ سے زمینداروں کے عتاب کا شکار رہتے ہیں۔ اس کی خوب دھنائی ہونے کے باوجود یہ کسی کو منہ نہیں لگاتی۔ اپنی ہی اکڑ میں رہتی ہے۔ ویسے یہ کہاوت اس پر خوب جچتی ہے اندھوں میں کانا راجہ۔''

''یہ بیج تم نے بویا ہے۔ دیکھنا کیسا تناور درخت بنے گا۔ جس کے سائے میں اس کا خاندان ستاتے ہوئے تمہیں بے حساب دعاؤں سے نوازے گا۔ جہاں اسے دونوں آنکھوں کا نور بخش ڈالو۔ پھر اکڑ' غرور اس کی ذات سے جدا ہو جائے گا کیونکہ ابھی یہ درخت پھل سے محروم ہے۔ بھلا کیسے جھکے گا لیکن تم نے تو اسے مڈل کرانے کے بعد آگے پڑھانے کا سوچا ہی نہیں۔''

''اس بچی کی حوصلہ افزائی کرنا اور آگے پڑھانا بھی تو تمہارا فرض اور ذمہ داری ہے ناں۔'' وہ خوش ہوتے ہوئے بولی۔

''فرشتے بدقسمتی سے ہمارے گاؤں میں سکول ہی مڈل تک ہے۔ اس مسکین کو شہر جانے کی اجازت کوئی بندہ بشر نہیں دے سکتا۔ اس لئے تو اسے ڈھیروں کتابیں' اخباریں اور رسالے لا کر دیتی رہتی ہوں کہ ڈگری نہ سہی معلومات میں تو اضافہ ہوتا رہے اور پھر ٹی وی سے بہت کچھ سیکھ لیتی ہے۔ ابھی تو اس نے تم سے حالات حاضرہ' فیشن ڈیزائننگ' کانٹی نینٹل اور چائینز ریسپیز کے بارے میں گفتگو نہیں کی۔ سنو گی تو خوش ہو جاؤ گی۔'' وہ فتح مندی کے انداز میں بولی۔ ''کمال کا نمونہ ہے یہ اس گاؤں کے لئے۔ گھر گھر میں اس کی باتیں ہوتی ہیں۔ بیچارے والدین شرم سے ڈوب ڈوب جاتے ہیں۔ کئی بار مجھ سے بھی اس کی شکایت کر چکے ہیں۔ مگر اب وہ میری بھی نہیں سنتی۔ آگے سے جواب تو سنو جو دیتی ہے۔''

''اب اب میں بڑی ہو گئی ہوں۔ میری اپنی زندگی ہے جیسے چاہوں گی ویسے ہی گزاروں گی۔ آخر میں بھی تو پڑھی لکھی لڑکی ہوں۔ اپنے حقوق جانتی ہوں۔ کام کروں گی تو صرف اپنے گھر کا جس میں مالکن گردانی جاؤں گی۔ میرے ماں باپ کو نجانے سمجھ کیوں نہیں آ رہی اور ایسی شستہ اور اردو بولتی ہے جیسے ابھی ابھی لکھنؤ سے وارد ہوئی ہو۔'' جہان نے خوشی سے مغلوب ہوتے ہوئے کہا۔

''یہ سن کر مجھے بھی بے پناہ خوشی ہو رہی ہے۔ مگر اسے مس فٹ کر کے رکھ دیا ہے تم نے۔ آخر اس کی شادی تو انہی رشتہ داروں میں ہو گی۔ وہ بیچاری اپنی کیمونٹی میں کیسے ایڈجسٹ کرے گی۔'' وہ افسردگی سے بولی۔

''اس کا انتظام بھی ہو چکا ہے۔ تمہیں اس کے منگیتر کی بھی کہانی ضرور سناؤں گی۔ مگر ابھی نہیں

سونے سے پہلے۔"

وہ آہستگی سے بولی۔ "یہ جو تم آگے پیچھے کام کاج کرتی عورتیں دیکھ رہی ہو ناں۔ بڑی خطرناک' چالاک اور ہوشیار ہیں۔ اڑتی چڑیا کے پر گن لیں۔ انہوں نے تمہاری اور میری ہر بات پانچ فیصد تو سنی ہی ہوگی۔ اب پچانوے فیصد ان کی اپنی خود ساختہ من گھڑت کہانی ہوگی جو کل تک پورے گاؤں میں بچے بچے کی زبان پر ہوگی۔"

"یعنی بے پناہ ٹیلنٹ ہے یہاں۔" فرشتے آنکھیں پھیلا کر بولی۔

"ہماری عورتیں ایسا ٹیلنٹ ماں کے پیٹ سے ہی لے کر پیدا ہوتی ہیں ورنہ اس گاؤں کے رنگ و بو میں کس قدر پھیکا پن ہوتا۔ اگر یہاں کی عورت ایسی فطرت کی نہ ہوتی۔" وہ قہقہہ لگا اٹھی۔

"فرشتے تم بھی نری اناڑی ہی ہو۔ زندگی کے چوبیس سال کہاں گزارے ہیں تم نے۔ میں تمہیں یہاں کے ماحول میں پیدا ہونے والی تمہاری ہم عمر عورت سے ملواؤں گی۔ پانچ بچوں کی ماں اور تم جیسی بیسیوں لڑکیوں کو پل بھر میں بھانپ جائے اور پھر تگنی کا ناچ نچا کر بندریا بنا دے۔"

"جہان تم میری فطرت سے بخوبی واقف ہو کہ مجھے ایسی مکار اور ہوشیار عورتوں کی چالوں اور قیاس آرائیوں سے بہت خوف آتا ہے۔" وہ متذبذب لہجے میں بولی۔

"فرشتے بی بریو۔ اگر تمہیں پاکستان کا ہو کر رہنا ہے تو یہاں کے ہر طرح کے ماحول کا ایکسپوژر بہت اہم ہے تمہارے لئے۔ فرار میں مسائل کبھی حل نہیں ہوتے میری جان۔ اپنے مسائل کا دلیری سے سامنا کرو اور ان سے مقابلہ کرنے کی خود میں ہمت پیدا کرو۔ میں ہر دم اور ہر وقت تمہارے ساتھ ہوں۔ یہ میرا وعدہ ہے تم سے۔ تم ابھی تک اپنی ذات میں چھپی ہوئی بے حساب خوبیوں کو جان نہیں پائی۔ اپنے فن سے بزدلی نکال پھینکو۔ تم کیا ہو؟ اس کی مثال تمہارے سامنے ہے۔ ہیرے کی اہمیت اور قیمت کا اندازہ شامیر کی ممی کو ہوا ہے تو وہ بیٹے کی پسند پر سر بسجود ہو گئی ہے ورنہ پنجابی ماں سے اپنی بات منوانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔" اس کی آواز محبت میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"خدا کے لئے مجھے آسمان کی بلندیوں کی سیر مت کراؤ۔ کہیں منہ کے بل ہی نہ گر جاؤں۔ جہان بھلا میرے ونگز میں اتنی طاقت کہاں کہ اڑان کو برقرار رکھ سکوں۔ پلیز مجھ پر رحم کرو اور آئندہ مجھے آزاد فضاؤں کا آزاد اور خود مختار پنچھی بننے کی تلقین مت کرنا۔ دیکھو جہان! جو تیرنا جانتا ہے وہی ڈوبتا بھی ہے۔ مجھے نہ تو تیراک بننے کا شوق ہے نہ ہی میں ڈوبنے کا رسک لینے کے حق میں ہوں۔" وہ مضطرب سی ہو کر بولی۔

"کیونکہ میں اکیلی ہوں۔ اکیلے پن میں بہادری اور بے باکی کا دخل ناممکن ہے۔ تمہارا معاملہ فرق ہے۔

''تم میرے ہوتے ہوئے اکیلی نہیں ہو۔آج کے بعد ایسی بے ہودہ بکواس کی ناں تو قسم سے ہمیشہ کے لئے خفا ہو جاؤں گی۔ دیکھو کتے سے ڈر کر بھا گو گی تو وہ بھونکتا ہوا تمہارا اس وقت تک پیچھا کرے گا جب تک تم پتھر نہیں اٹھاؤ گی۔ تمہارے جھک کر پتھر اُٹھانے سے پہلے ہی وہ دم دبا کر بھاگ جائے گا۔ تمہیں یہی سمجھانے کی کوشش میں لگی رہتی ہوں۔ تم ہو کہ سمجھنا نہیں چاہتی۔ بدتمیز میرے خلوص اور پیار کو شک کی نظر سے مت دیکھو۔'' جہان نے تڑپ کر کہا تو فرشتے نادم سی ہو گئی۔

''اس نے اپنی دوست کا دل کیونکر دکھا دیا۔تم تو اتنی عظیم ہو کہ میری کسی بات پر خفا ہوتی ہو نہ ہی سمجھانے سے باز آتی ہو۔''

''یہ زبان بھی گوشت کا بے قابو اور بے لگام لوتھڑا ہے۔ جس پر عقلمند لوگ ہی اختیار رکھ سکتے ہیں اور اسے اپنی گرفت میں رکھتے ہیں۔ میں ایسی خاصیت کی مالک ہوتی تو آج یوں تن تنہا نہ بیٹھی ہوتی۔'' وہ اندر ہی اندر خود سے محو گفتگو تھی۔

جہان اس کی سوچوں میں گھری ایک منجمد پر ٹکی ہوئی نگاہوں کو دیکھ کر سوچنے لگی۔ اس چھوٹی سی عمر میں حالات نے انسانوں پر اعتماد کرنے کی حس کو تمہارے وجود سے باہر نکال پھینکا ہے۔ تمہارا قصور نہیں۔ اگر تمہاری ہر سوچ پر منفی چھاپ ہے تو تمہیں سامنا بھی منفی حالات سے کرنا پڑے گا۔

''چھوٹی بی بی! کھانا لگ گیا اے جی۔ سارے تواڈا انتظار کر رہے نے۔'' ملازمہ نے قریب آ کر کہا تو اس کی آواز پر دونوں چونک گئیں۔ فرشتے متذبذب ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

''فرشتے سب کا مطلب جانتی ہو ناں۔ یعنی گھر کی تمام خواتین جب گھر میں خاتون مہمان تشریف فرما ہو تو پھر مرد حضرات کا کھانا مردان خانے میں بھجوا دیا جاتا ہے۔ سو ڈونٹ وری خواہ مخواہ ہی پریشان ہو گئی ہو۔ جیسے تم اس گھر کے مردوں کا نوالہ بننے جا رہی ہو۔''

وہ برآمدے میں بچھے ہوئے تخت پوش سے اتر کر کھڑے ہوتے مسکرا کر بولی۔ ''تمہیں بکری کہوں یا بلی کونسا نام دوں بولو۔''

''فکر نہ کرو جب تک تم یہاں ہو کسی کی مجال نہیں کہ اندرون خانے کوئی جھانکنے کی غلطی بھی کر جائے۔ ہمارے خاندانی قانون میں یہ اصول خاصا اہم ہے۔ تمہیں بتانا بھول گئی تھی۔'' تو وہ سکون کا اِک طویل سانس لے کر اٹھی اور اس نے نعمت کدہ میں گھر کی تمام خواتین کے ساتھ کھانا تناول کیا۔ جس میں ساگ، مکئی کی روٹی اور لسی و مکھن کی کمبی نیشن بہت پسند آئی۔ تندوری روٹی پر مکھن کا پیڑا ڈال کر اس نے زندگی میں پہلی بار کھایا تھا جسے وہ پینر اور دبسٹر کا نام دے کر مہمان نوازی کو سراہتی ہوئی خوش ہو رہی تھی۔

جہان میں نے نوٹ کیا ہے کہ یہاں گھروں میں کام کرنے والی عورتیں پردے کے بغیر سر عام پھرتی نظر آتی ہے اور تمام زمیندار گھرانوں کی خواتین پودے کی سخت پابند ہیں جبکہ شہروں میں اس

کے برعکس ہے۔" فرشتے نے حسرت سے کہا۔

"فرشتے ہم چاہے امریکہ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لے کر کیوں نہ آ جائیں۔ اپنی روایات کو مضبوطی سے پکڑے رکھتے ہیں۔ شہروں میں اپنا کلچر و رسم و روج فراموش کرنے والی کلاس تعلیم یافتہ ہے۔ وہ بے پردگی و بے باکی کو ماڈرن دور کی ری کوائرمنٹ سمجھتی ہے جبکہ گاؤں میں نیچ ذات پات میں پردہ نہیں۔ زمانہ جہالت میں ہر گھرانے کی عورت بے پردگی میں تھی۔ اسلام کی آمد کے ساتھ ہی سب سے پہلے ہمارے رسول اکرم ﷺ کی زوجہ مطہرات نے خود کو پردے میں چھپا کر اپنی عزت واحترام اور اعلیٰ خاندان سے تعلق کی نشان دہی کی تھی اور تمام لونڈیاں اور خدمت گار خواتین پردے کے بغیر ہی گھر گھوما کرتی تھیں۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہم ماڈرن دور کی ڈگری حاصل کر کے جاہلانہ انداز کی زندگی اپنانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ ویری سیڈ۔" جہان نے افسردگی سے کہا۔

تو فرشتے نے اثبات میں سر ہلا دیا اور سوچ آگے بڑھتی چلی گئی۔

❖ ❖ ❖

گرمی کی جھلسا دینے والی دوپہر ڈھلنے کو تھی۔ وہ جون کا سب سے گرم ترین دن تھا۔ جو ہر و صبح سے اپنی کٹیا میں بستر کے بغیر بان کی چارپائی پر لیٹی کمرے کی بوسیدہ چھت کو گہری سوچوں میں غرق گھورے جا رہی تھی۔ اس شدت کی گرمی میں اس کے تن کو سردی کے موٹے کپڑوں نے ڈھانپ رکھا تھا کیونکہ اسے کسی کی اترن پہنتے ہوئے سبکی محسوس ہوتی تھی اور گرمی کے کپڑے میسر نہ تھے۔ وہ پسینے میں شرابور ہونے کے احساس سے دور بہت دور نجانے کس دنیا میں پہنچی ہوئی تھی۔ باہر درجنوں بچوں کی چیخ و پکار اور بیسوں مردوں کی کڑی کسیلی باتوں کی آوازیں جوان لڑکیوں اور عورتوں کی دبی ہوئی ہنسی اور ابھرتی ہوئی آہیں اس پر اثر انداز نہ ہوسکیں۔ یہاں وسیع و عریض احاطے میں بیسوں گھر مقیم تھے جن کے پاس ایک عدد کچا کمرہ جو ہر طرح کی بنیادی سہولیات سے بے بہرہ تھا۔ ایک عدد بغیر چھت کے رسوئی گھڑونچی پر گھڑے اور احاطے کے کونے میں دو تنور اور بکین کے تناور درخت یہ ان گھروں کی کائنات کل تھی۔ جب تمام گھروں کے بچے اس احاطے میں کھیلتے تو گرد و غبار کا طوفان اُمڈ آیا کرتا تھا مگر کسی کو اپنی کسمپرسی کا احساس نہ ہوتا تھا کیونکہ یہی لوگ نسل در نسل یہاں کے زمینداروں کے خدمتگار، پرانے مزارعے اور ہاری تھے۔ انہوں نے اپنی قسمت کی اس لکھت پر صدیوں سے سر تسلیم خم کیا ہوا تھا۔

مگر زہرہ کو یہ سب کچھ قبول نہ تھا۔ اس کی ماں اور چار بہنیں چودھری صاحب کی حویلی میں دن بھر کام کیا کرتی تھیں اور چھوٹے معصوم تین بھائی باپ کے ساتھ زمینوں پر محنت و مشقت میں اس کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔ واحد بگڑی ہوئی زہرہ تھی جو کسی کے قابو میں نہ آتی تھی۔

اس کی تایا اور خالہ کا بیٹا آمو (احمد علی) اس کی حوصلہ افزائی کرنے میں پیش پیش ہوتا تھا۔

دونوں کا گاؤں' خاندان اور مالک ایک ہونے کی وجہ سے دونوں کے مسائل کی نوعیت بھی ایک ہی جیسی تھی۔ ان کے خاندان صدیوں سے چودھری صاحب کی زمینوں پر کام کر رہے تھے اور انہی کے وسیع احاطے میں مقیم تھے۔ مگر افسوس کہ ان کے خاندان کے اصولوں کو تعلیم بھی نہ بدل سکی۔ بے شک چودھری صاحب کی نرم دلی اس علاقے میں مشہور تھی۔ اپنی ذات برادری کا پاس' کچھ آس پاس کے ہم نشینوں کا دباؤ تھا کہ وہ اپنے خدمت گاروں کے لئے نئے اصول بنانے سے قاصر تھے۔ گاؤں کے نمبردار ہونے کی حیثیت سے انہیں سب کو اپنے ساتھ لے کر چلنا بہت بڑی مجبوری تھی ورنہ وہ کب کے اپنے مزارعوں کے لئے نیک کام کر چکے ہوتے۔ پڑھنے کا شوقین آمو رامے مسلی کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ گاؤں کے سکول کے آس پاس منڈلاتا رہتا۔ کبھی دیوار پھلانگ کر سکول کے احاطے میں چھپ کر وہاں کی ایکٹیویٹیز کو حسرت و یاس سے دیکھتا' کبھی سب کو پڑھتے دیکھ کر اس کا دل بھی اس خواہش میں ڈوبنے لگتا کہ وہ بھی کندھے پر بیگ لٹکائے انہی زمینداروں کے بچوں کے ساتھ تعلیم حاصل کرے۔ اس کی یہ آرزو دن بدن بڑھتی ہوئی اسے ہر وقت ضد پر آمادہ رکھتی۔ ہر صبح وہ گھر میں ہنگامہ کھڑا کر دیا کرتا تھا۔ روکھا سوکھا ناشتہ انڈیل دیتا اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر گھنٹوں ضد کر کے والدین کا ناک میں دم کر دیتا تھا۔ منہ جو کھلتا تو بند ہونے کا نام نہ لیتا۔ احاطے کی برادری کے کچھ بزرگ جمع ہو کر اس کے والد کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کرتے کہ معصوم سے بچے کی اس خواہش کو پورے کرنے کے بارے میں کچھ سوچ و بچار تو کرے۔ شاید کوئی راستہ سجھائی دے جائے کیونکہ آج تک ان کی برادری میں کسی بچے نے اس قسم کی ضد کی ہی نہ تھی۔ آخر سب کے سمجھانے بجھانے کے بعد اس نے ہمت کر کے اپنے مالک کے حضور آمو کو تعلیم دلوانے کی عرضداشت پیش کرنے کی ٹھان لی۔ اس کٹھن مرحلے میں سے گزرنا کوئی آسان اور سہل تو تھا نہیں۔ زمینداروں کی ریت و رواج کے مطابق کسی ہاری کی اولاد کا تعلیم حاصل کر کے ان کے مدمقابل کھڑے ہو جانا ناقابل قبول اور ناقابل معافی گناہ تھا۔ اس جرم اور پھر سزا کے خوف سے اس کی بیوی نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے کہ وہ در در کی ٹھوکریں کھانے کے لئے قطعاً تیار نہیں۔ بچے کا دماغ خراب ہو گیا ہے تو کیا تم بھی پاگل ہو گئے ہو کہ اس کی خواہش پر چل نکلے ہو۔ مگر رامے نے ایک نہ سنی اور نہا دھو کر چودھری صاحب سے ملاقات کا شرف حاصل کرنے اور اپنی پہاڑ جیسی مضبوط تمنا کا اظہار کرنے پہنچ گیا پہلے تو چودھری صاحب اس کی ہانپتی کانپتی ہوئی آواز میں زبان سے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں استحکامت محسوس کرتے ہوئے سکتے میں چلے گئے پھر دل میں نرمی ابھری۔ اگلے ہی لمحے انہوں نے اس کے مؤقف کو غلط قرار دینے کا فیصلہ کر لیا۔ تھوڑے توقف کے بعد گرجدار آواز میں رعب سے بولے کہ۔ ''تمہیں یہ بیہودہ بات کرتے ہوئے میرے سامنے زبان کی گرہ کھولنے کی جرأت کیسے ہوئی۔ تم تو نمک حرام نکلے اور احسان فراموش بھی۔'' وہ خاموش نظریں جھکائے چودھری صاحب کے پاؤں دبانے لگا۔

''تم جانتے ہو اس کے نتائج کتنے بھیانک ہوں گے۔ تمہاری نسلیں یاد رکھیں گی تمہیں اس کا بھی علم ہے۔ یہاں کے تمام زمیندار ایکا کر کے تمہارے بیٹوں کے ساتھ کیسا سلوک کریں گے۔ اور تمہارے چہرے پر سیاہی اور گلے میں جوتوں کا ہار پہنا کر گدھے پر بٹھا کر گاؤں بھر کی گلیوں میں سیر کرانے میں انہیں روک نہیں سکوں گا کیونکہ میں اپنی برادری کو نہیں چھوڑ سکتا۔ میں بھی ان کے خلاف نہیں چلوں گا۔ تمہارے خاندان کو دیس نکالے کا اعلان مسجد میں کرا دیا جائے گا تو بھی میں اعتراض نہیں کروں گا کیونکہ بات تو درست ہے کہ ایسی ناقابل معافی اور نافرمان حرکت کوئی اور ہاری کرنے کی سوچ رکھتا بھی ہے تو تمہارا انجام دیکھ کر باز آ جائے۔ رامے تم اپنی زندگی کو کیوں خراب کرنے پر تلے ہو۔ تم میری نرم دلی اور ہمدردیوں کو غلط رنگ مت دو۔ اسی چودھری کے اندر پہاڑوں جیسی سختی بھی ہے۔'' وہ مونچھوں کو تاؤ دے کر بولے۔

وہ ہراساں و پریشان سوکھے پتے کی مانند لرزنے لگا۔ مگر زبان گنگ تھی۔

''خاموشی کا مطلب انکار نہیں ہوتا۔ اپنی بات پر جمے رہنے کا نام ہوتا ہے خاموشی' بولو یہ سب کچھ منظور ہے کہ نہیں۔'' وہ غرائے۔ مگر وہ خاموش رہا۔

''یعنی تم اپنی جگہ پر قائم و دائم ہو۔'' وہ چیخے۔

''بچہ جد جو کرے ہے۔ چودھری جی کیا کروں؟ اولاد بڑی پیاری ہوئے۔'' وہ سہمے ہوئے لہجے میں ہاتھ جوڑ کر مؤدبانہ لہجے میں بولا۔ ''پانچ کلاس پڑھ کر کونسا افسر لگ جاوے گا۔ آپ کے چرنوں میں ہی بیٹھا ہوئے گا چودھری جی۔ آپ رحم کر دیجیو یہ احسان جندگی بھر نہ بھولوں گا۔ اس گاؤں کے نمبردار ہو جی سب کچھ کرنے کا اختیار ہے آپ کو۔''

''ہوں بات تو درست ہی کہہ رہے ہو۔ مگر ایک شرط ہے میری کہ وہ تاحیات میری منشی جی کے ساتھ اس کا ہاتھ بٹائے گا۔ کبھی اس حویلی سے باہر نکلنے کی کوشش بھی کی تو اس کی ٹانگیں توڑ دوں گا۔'' وہ کافی سوچ بچار کے بعد دھمکی کے انداز میں بولے۔

یہ شرط سودائے زیاں ہرگز نہ تھی۔ سردی گرمی اور دھوپ اور جھاڑوں میں کھیتوں پر کام کرنے سے ہزار گنا زیادہ قابل عزت و پرسکون نوکری اسے خاصی بہتر لگی۔ دل اچھل کر حلق میں آ گیا اور مارے خوشی کے اپنا سران کے گھٹنوں پر جھکا کر احسان مندی اور شکرگزاری کا اظہار کیا۔ چوہدری جی کے ضیائے شعور میں بھی ڈھیر سارے مفادات کے ساتھ رحم و ترس بھی کوٹ کوٹ کر بھر گیا۔ وہ سوچنے لگے کہ ضروری تو نہیں کہ وہ میری زمینوں پر ٹریکٹر ہی چلائے۔ اگر بچہ میٹرک کر لیتا ہے تو منشی بھی اپنے گھر کا ہی ہو جائے گا۔ خوشی کی بات ہے نہ کہ دکھ کی۔ اس کے خاندان کو بھی فائدہ پہنچے گا اور ہمیں بھی ایک قابل اعتبار منشی مل جائے گا۔ انہوں نے بہت دور کی سوچی تھی۔

ورنہ ایک مزارع کے بیٹے کو تعلیم کی اجازت ملنا ناممکن تھا۔ ایسا عمل آج تک کسی زمیندار سے

سرزد نہ ہوا تھا۔ نہ ہی کسی کی اتنی جرأت ہوئی تھی۔

جب رامے نے اپنے مالک کی رضامندی سنی تو وہ خوشی خوشی شہر سے یونیفارم' نئے بوٹ' رنگ برنگا بیگ اور لال رنگ کا چلچلاتا ہوا لنچ بکس خرید لایا تاکہ زمینداروں کے بچوں کے سامنے اس کے بیٹے کو اپنی کم مائیگی پر ندامت کا احساس نہ ہو۔

آمو ایک لائق اور ذہین وفطین ہونے کے ساتھ حد درجے کا سلجھا ہوا اور تمیز دار بچہ ثابت ہوا۔ اپنی جماعت میں کسی کو نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں میں آگے نہ بڑھنے دیتا۔ اپنی کلاس میں فرسٹ آنے پر بچے اس کی وہ درگت بناتے کہ وہ زخمی ہو کر چیختا چلاتا بمشکل گھر پہنچتا۔ سب کے والدین استادوں کی بھی خوب لعن طعن کرتے۔ جب مسئلہ حل نہ ہوا تو سب کے تبادلے کرا دیئے گئے اور سب چودھری صاحب کے ہجرے پر انہیں سمجھانے بجھانے پہنچ گئے مگر ان کے ارادوں میں خاطر خواہ تبدیلی رونما نہ ہوئی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جب حالات اپنی جگہ پر قائم ودائم رہیں تو ماحول اسی کے رنگ کے سینکڑوں شیڈز سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ انہیں امید تھی کہ تھوڑا وقت گزر جانے کے بعد سب کو آمو کی کامیابی ہضم کرنی پڑے گی اور ایک دن آئے گا یہی لوگ آمو کی مثالیں اپنے بچوں کے سامنے بیان کرنے میں فخر محسوس کریں گے۔ سب کے اعتراضات سننے کے بعد چودھری صاحب مسکرا دیئے۔ انہیں تسلی وتشفی دے کر رخصت کیا۔ بہت جلد گاؤں کے بیسوں مزارعوں کے ذہن میں باغیانہ سوچیں ابھرنے لگیں مگر چنگاریاں دبی ہوئی تھیں۔ ماہ وسال اسی عالم میں گزر رہے تھے۔ آمو اپنے اَن پڑھ والدین کے لئے کسی وی آئی پی افسر سے کم نہ تھا۔ ماں اس کے کھانے پر خاص الخاص توجہ دیتی کہ دماغ کھپائی سے اس کا لاڈلا کمزور نہ پڑ جائے۔ باقی پانچ بھائی بغض وعناد میں اس کے دشمن بنے ہوئے تھے۔ اسے زدوکوب کرنا' گالی گلوچ سے ہر وقت تنگ کرنا ان کا مشغلہ بن چکا تھا۔ مگر والدین اور بہنوں کی تمام تر توجہ اسے ہی ملتی۔ اس کی طرف داری سے اس کے اعتماد میں کمی کی ہلکی سی رمق بھی نہ آئی تھی۔ مڈل کے بورڈ کے امتحان میں اس نے فرسٹ پوزیشن حاصل کر کے اس چھوٹے سے گاؤں میں رامے کی نسل کی تبدیلی کے ساتھ گاؤں کا نام بھی سنہری حرفوں میں لکھوا ڈالا۔ چودھری صاحب فخر سے اس کی کامیابی کا سہرا اپنے سر سجا کر نہال ہو ہو جاتے۔ زمیندار پہلے ہی خائف تھے۔ اب تو انہیں اپنا مستقبل خاصا تاریک نظر آنے لگا تھا۔ آمو کی دیکھا دیکھی تمام ہاری اپنے لڑکوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کے خوابوں کو عملی جامہ پہنانے کی تگ ودو میں لگ گئے۔ سالہا سال کی دبی ہوئی چنگاریاں شعلوں کی صورت اختیار کر گئیں اور نمبردار کی اجازت نامے کے بغیر ہی مزارعوں نے اپنے بچوں کو آس پاس کے چھوٹے گاؤں کے تمام سکولوں میں داخلے کروا دیئے۔ جب یہ خبر پورے گاؤں میں پھیل گئی تو تمام زمینداروں نے چوپال میں دھرنا دے ڈالا۔ آخر کار مجبوراً تمام مزارعوں کی چودھری صاحب کے حجرے میں پیشی ہوگئی۔ انہیں نہایت مہذب اور شائستہ طریقے سے

سمجھانے کے بعد سب کا پیغام انہیں سنایا کہ انہیں اس گاؤں سے نکال دیا جائے گا۔ زمینوں کی کاشت کے لئے نئے مسلی خاندانوں کو آباد کیا جائے گا اور اس علاقے کے کسی گاؤں میں انہیں کام کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

ان دھمکیوں اور تڑیوں کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ جتھے کی صورت میں یکجا رہے۔ آج دلیری اور ہمت ان میں نجانے کہاں سے آ گئی تھی کہ چودھری صاحب کی بھی شنوائی نہ ہو سکی۔ وہ ظلم کا نشانہ بننے کو فوقیت دیتے ہوئے ہر طرح کے حالات کے سامنے سینہ تانے خاموشی سے اپنے خوش آئندہ خیالات پر براجمان تھے۔ مگر سب اندر ہی اندر تلملا کر خاموش رہ گئے ورنہ زبان سے ایک لفظ کی ادائیگی سے دلوں کے حال معلوم کرنے میں دیر نہیں لگتی۔ آمو نے منشی جی کے ساتھ کام کرنا شروع کر دیا۔ مگر تعلیم کو خیر باد نہ کیا۔ اپنے پرانے کیے ہوئے وعدے کو نبھاتے ہوئے وقتاً فوقتاً کام کی زیادتی کی وجہ سے اسے سکول سے چھٹی بھی کرنی پڑتی تھی۔ مگر اپنے جذبہ شوق کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ ایسے گھمبیر مسائل کھڑے ہی نہ کرتا تھا جن سے اِسے اور اس کے خاندان کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ طبعاً وہ مرنجاں مرنج قسم کا بچہ تھا۔ اپنے ہم عمر بچوں اور کلاس فیلوز سے بھی کبھی دنگا فساد نہ کرتا تھا۔ صبر و تحمل، صلح جوئی اور آداب و لحاظ کے دائرے میں رہ کر وہ اپنی پڑھائی کو مکمل کرنے کے خواب کھلی آنکھوں سے دیکھا کرتا تھا۔ اپنے حلقے میں دوسروں کو کسی قسم کی تلخی اور غرور سے اپنے خلاف نہ کرتا تھا۔ اس سے حسد و جلن رکھنے والے بھی اس سے اخلاقیات کے دائرے میں رہ کر بات کیا کرتے تھے۔

اس کے باوجود گرد و پیش کا ماحول بے ثبات اور غیر محفوظ ہوئے بنا نہ رہتا۔ جب وہ شاندار کامیابی سے ہمکنار ہوتا تھا دوسروں کی بے جا نفرت و حقارت سے اس کا نرم و نازک ننھا سا دل خفقان کا شکار تو ہو جاتا، مگر تعلیم نے جو ادراک اسے سونپا تھا اس سے اپنے تحت شعور کو ہر وقت بیدار رکھتا اور چودھری صاحب کی تابعداری میں کمی نہ آنے دیتا۔ جن کی نرم مزاجی اور ثابت قدمی نے اس کے شعور کو جلا بخشی تھی اور انہی کی رہنمائی اور سہارے سے کامیابی کے زینے پر دھیرے دھیرے قدم بڑھانا سیکھا تھا۔

جوہر جونہی اس دنیا میں تشریف لائی تو آمو کی ماں نے اس کے بازو میں پیر صاحب کا دیا ہوا کانچ کا کڑا پہنا کر اسے آمو کی منگ ہونے کا چارسو ڈھونڈورا پٹوا دیا تھا۔ جب وہ پانچ سال کی ہوگئی تو جہان نے اسے گاؤں کے سکول میں داخل کروا دیا تھا۔ یہ ایسا فیصلہ تھا کہ جس نے جوہر کے خیالات کو زمینداروں کی بچی کے مدمقابل لا کھڑا کیا تھا۔

ان کی مسلی برادری میں آمو اور جوہر وہ پہلے بچے تھے جنہیں سب کی مخالفت کے باوجود تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا جا رہا تھا۔

جہان نے فرشتے کو ان دونوں کی کہانی اپنی زبانی نہایت مسرت وفخر سے سنائی تھی۔ وقت نے دونوں کا ساتھ دیا۔ جوہرو نے مڈل اور آمو نے بی اے کی ڈگری حاصل کر لی۔ آمو کے دھیمے پن میں رتی بھر فرق نہ آیا تھا جبکہ جوہرو تو اک بارود سے بھرا ہوا پٹاخہ ثابت ہوئی۔ اب وہ اپنی برادری کی کسی لڑکی کو گھاس تک نہیں ڈالتی۔ تم نے اس کے تیور' نخرے اور ادائیں تو دیکھ ہی لی ہیں جب تک وہ اپنے حقوق سے نا آشنا تھی ہماری اُترن پہنتے ہوئے بہت شاداں ہوا کرتی تھی۔ اب ڈیزائنر ملبوسات کو بھی ری جیکٹ کر کے اپنے پھٹے پرانے گھسے پٹے کپڑے پہننے میں فخر محسوس کرتی ہے۔'' جہان نے اسے اس کے تمام خیالات خاصی مسرت سے بتائے۔

''لیکن وہ ان کپڑوں میں بھی کسی مزارع کی بیٹی نہیں لگتی۔ نہایت سلیقہ شعار اور مہذب معلوم ہوتی ہے۔'' فرشتے نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''کریڈٹ گوز ٹو یو۔''

''مگر تم نے یہ نیکی کر کے اس پر بہت بڑا ظلم کیا ہے جہان۔ تم نے اُسے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ اس نے تعلیم کو غلط رنگ دے کر دوسری لڑکیوں کے رستے ہمیشہ کے لئے بند کر دیئے ہیں۔'' فرشتے نے افسردگی سے کہا تو وہ اس کی باتوں پر غور کرنے لگی۔ بات تو سچ تھی کہ آئے دن ماں کے دھپے اور باپ کے دھموکے' بھائیوں کا قہر وغصہ' بہنوں کی زندہ نگل جانے والی نظریں اور رشتہ داروں کے طنزیہ زہریلے تیر اس کی انہونی سوچ کو نہ بدل سکے تھے۔ سسرال بھی اسی احاطے میں آباد تھا پہلے اس کی تعلیم پر انہیں بھی فخر تھا۔ اس لئے کبھی اعتراض کرنے کی نوبت نہ آئی تھی کیونکہ ان کے پڑھے لکھے بیٹے کے ساتھ وہی خوب جچتی تھی۔ ان کے مثبت اور حوصلہ افزا خیالات کی وجہ سے جوہرو بھی اپنی برادری کے تمام رواجوں سے بے خبر و لاتعلق اپنے مراق میں گم کسی کو خاطر میں نہ لاتی۔ فضول اور بیہودہ باتوں سے احتراز کرتی اور کبھی شائستگی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹتی تھی۔ یہی اس کا غرور اور نخرہ تھا جو دوسروں کو کھٹکتا تھا۔ گھنٹوں بالشت بھر کے شیشے میں خود کو تکتے ہوئے جہان کی طرح آنکھیں مٹکا کر اور ہاتھوں کو لہرا کر انگلش اور اردو بولنے کی پریکٹس کیا کرتی تھی اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرتی کہ ان عورتوں میں ایسا کونسا سرخاب کا پر لگا ہوا ہے کہ ان کے نصیب میں عیش وعشرت اور پروقار و باعزت زندگی کے بغیر اور کچھ لکھا ہوا نہیں ہے۔ نہ انہیں کھانے کی فکر ہے نہ ہی انہیں کسی اور شے کے حصول کی خاطر دن رات مشقت کرنی پڑتی ہے۔

وہ معصوم کیا جانے کہ ہر ذی روح اپنے ہی لیول کے دکھوں اور غموں میں گھرا ہوا ہے۔ امرا کی خواہشات کا پیمانہ بھی اپنے ہی سائز کا اور درد و دکھ بھی اپنی حیثیت کے مطابق ہیں۔ بیچارے وہ بھی دِل کے غریب ہوتے ہیں اور ذہنی مفلس بھی حد درجے کے ہوتے ہیں کیونکہ انہیں بھی ہر وقت بہتر سے بہترین ہونے کی لاتعداد خواہشوں نے اپنا غلام بنایا ہوتا ہے۔

نئی نئی امنگوں کے گرویدہ یہ لوگ بھی تو بھکاری ہیں۔ ان کی زندگی میں بھی ان مسکینوں کی طرح

کبھی دلی اطمینان اور ذہنی سکون نہیں ہوتا۔ روح انہی کی طرح بھوکی اور پیاسی بھٹکتی ہی رہتی ہے۔
جوہرو کم عمری میں ذہنی طور پر اتنی گہرائی میں سوچنے سے قاصر تو تھی لیکن اٹھتے بیٹھتے اس کا ہر لمحہ زندگی کو باعزت اور پر آسائش طریقے سے گزارنے کے منصوبے بناتا رہتا۔ ٹی وی ڈرامے اور رسالے اس کی سوچ کو دن بدن مستحکم بنانے میں مددگار ثابت ہو رہے تھے۔ اس کا نرالا اور انوکھا رویہ زمینداروں کے صاحبزادوں کو بھی نہایت گراں گزرتا تھا۔ کہاں باقی ہاریوں کی بیٹیاں ان کے قبضے میں تھیں اور یہ انہیں منہ تک نہ لگاتی تھی۔ اس کی بے رخی اور بے نیازی دیکھ کر وہ چڑ جاتے اور ان کے چہروں پر قہر و جلال کی پرچھائیاں گہری ہوتی جاتیں۔ دوستوں ہاریوں میں جھوٹی بڑھکیں چلتیں اور ہر وقت کی دھمکیاں گفتگو کا حصہ بنی رہتی تھیں۔ س سے پہلے کہ اس کے والدین کو گاؤں چھوڑنے کے وارنٹ جاری ہو جاتے انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ایک ہفتے کے اندر ہی اسے تین کپڑوں میں آمو کے ساتھ رخصت کیا اور تب کہیں وہ میٹھی اور گہری نیند سو سکے۔ ایک فرض سے بھی سبکدوش ہو گئے اور دوسرا اپنے مالکوں کے سامنے سرخرو بھی ہونے پر نازاں اور فرحاں ہو گئے۔
جوہرو جب اپنی ہی ذات برادری میں اسی احاطے میں بیاہ کر چلی گئی تو اس کے طور و اطوار کو سسرال نے بدلنے کی ٹھان لی۔ شادی سے پہلے اس کی تعلیم پر بے پناہ گھمنڈ تھا۔ اب وہی احساس ندامت میں بدل چکا تھا۔ تعلیم اِک غلیظ گالی کی صورت میں ہر وقت اس کے روبرو کھڑی ملتی۔ مگر وہ ان تمام اعتراضات کو جوتی کی نوک پر گزار دیتی۔
بے فکری اور بے پروائی میں تمام دن بکین کے سائے تلے ڈائجسٹ پڑھتی اور ہر کہانی کے بارے میں غور و خوض کرتی۔ رات گئے تک ٹی وی دیکھتی اور آمو کے لئے ہر وقت سرخی پاؤڈر کا جل اور اس کی کمائی سے خریدے ہوئے کپڑے زیب تن کئے کبر و پندار سے اکڑ کر چلتی اور اپنی نندوں کو حقارت و نفرت سے دیکھتی جنہوں نے چودھری صاحب کی بیٹیوں کی بوسیدہ سی اترن پہنی ہوتی تھی۔ اس رویے پر سسرال کب تک صبر کے گھونٹ پی کر اسے قبول کئے رکھتے۔ آخر شب و روز گالی گفتار اور مار کٹائی میں گزرنے لگے مگر جوہرو نے اپنی روش نہ بدلنے کی قسم اٹھا رکھی تھی۔ پرانا معمول بدستور جاری و ساری تھا۔ ڈراموں اور افسانوں نے اسے اپنے حقوق کے لئے تمام جنگی ہتھیاروں سے لیس کر ڈالا تھا اور وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کے تمام گر سیکھ کر خاصی جنگجو بن چکی تھی۔
میکے اور سسرال سمیت وہ گاؤں بھر میں ہر ایک کی آنکھ میں کھٹک کر شوہر کی آزمائشوں میں اضافہ کیے جا رہی تھی۔ آمو ن بدن کشمکش میں گھرا رہتا۔ آخر اس نے سب سے بائیکاٹ کر کے آمو کو گاؤں کو خیر باد کہہ کر شہر میں کسی نوکری کے لئے آمادہ کر لیا۔ مگر ہزار ہا منتوں اور ساجتوں کے باوجود چودھری صاحب اسے اجازت دینے کے لئے تیار نہ ہوئے تو جوہرو نے گاؤں سے بھاگ جانے کی پیشکش کی۔ جسے آمو نے قبول نہ کیا۔ چودھری صاحب کے سامنے ٹھوس دلائل دینے کی اس میں ہمت

نہ تھی۔ دل اور ذہن پر عقل کے پہرے بٹھا کر وہ پھر سے دلجمعی سے اپنے فرائض ادا کرنے لگا۔ اس کی علامہ اقبال سے حاصل شدہ ڈگری کے مطابق نہ تو اس کا کام بہترین تھا' نہ ہی تنخواہ قابل قبول تھی۔ مگر وہ پھر بھی خاموشی سے کولہو کا بیل بنا ہوا تھا۔

دو سالوں میں جوہر کے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہو چکا تھا۔ ماحول میں ہر وقت دنگا فساد اور گالی گلوچ کا بازار گرم رہنے لگا۔ اپنی نسل بڑھانے کی آرزو بھی سسرال کی جانب سے ہتھوڑے کی طرح اس کے سر پر برسنے لگی تو جوہر و نے نہایت خود اعتمادی سے اپنی منطق جھاڑی کہ جب تک آمو شہر نئی نوکری نہیں پکڑے گا وہ بچوں کے الجھیڑوں میں آنے والی نہیں۔ اگر اتنا ہی شوق ہے تو اس کے لئے کوئی اور بیوی لے آئیں۔ اس کی اس دیدہ دلیری اور بے باکی کے اثرات نے ایسا رنگ چھوڑا کہ آمو نے طوعاً کرھاً اس کی بات کو اہمیت دیتے ہوئے سردیوں کی تاریک رات میں ماں باپ کی اجازت کے بغیر گاؤں کی تمام پابندیوں اور کلفتوں سے آزاد ہو کر اسے ساتھ لے کر شہر کی طرف چل نکلا۔

جوہر کے من میں لڈو پھوٹ رہے تھے جبکہ آمو فکرمندی اور خوف سے اندر ہی اندر سے لرز رہا تھا۔ اس مسکین میں اتنا بڑا قدم اٹھانے کی ہمت ہی کہاں تھی؟

رات انہوں نے سٹیشن پر چوروں کی طرح منہ چھپا کر گزاری اور صبح پانچ بجے کی ٹرین سے وہ لاہور کے لئے نئی منزل کی طرف رواں دواں ہو گئے۔

❖ ❖ ❖

''بیٹا تمہاری شادی تو کھٹائی کی نذر کر دی تمہارے پاپا نے۔ مجھے یہ سوچ کر بہت سبکی محسوس ہو رہی ہے۔ فرشتے کیا سوچے گی کہ یہ لوگ بھی فراڈیے ہی نکلے۔'' ممی نے دکھی دل سے کہا۔ ''پہلے ہی پاکستانیوں کے بارے میں اس کا امیج درست نہیں۔''

''ممی اب پاپا کا غصہ تو ٹھنڈا پڑ چکا ہوگا۔ اس بار میں ان سے بات کر کے دیکھتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ دل میں رحم امڈ آئے۔ پتا جاگ جائے۔ ممی پاپا تو بہت نائس انسان ہیں۔ اب نجانے انہیں کیا ہو گیا ہے۔'' وہ حیرت سے بولا۔

''بڑھاپے نے دماغ خراب کر دیا ہے۔ اگر جوانی میں ایسے ہوتے تو ایک پل بھی ان کے ساتھ نہ رہتی۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''بھئی کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ ضرور میرے خلاف پروپیگنڈا ہو رہا ہے۔ جو ماں بیٹا اس قدر سر جوڑے بیٹھے کھسر پھسر کر رہے ہیں۔'' پاپا نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا تو دونوں نے چونک کر انہیں دیکھا۔

''پکڑے گئے ناں۔'' وہ خوشدلی سے بولے۔ ''کبھی اس مسکین باپ کو بھی لفٹ کرا لیا کرو

یار۔ مجھے بتاؤ کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ ویسے میں جانتا ہوں کہ تم دونوں کی گفتگو کا موضوع کیا تھا؟''

''پاپا آپ سب کچھ جانتے ہیں تو پھر اپنے بیٹے کی خوشی پر توجہ کیوں نہیں؟ لمبی چپ سادھنے کا مطلب سمجھ نہیں آ رہا۔ آپ نے آنکھیں کیوں بند کر رکھی ہیں؟'' شامیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''آنکھیں ہی تو کھلی رکھتا ہوں۔ ہر دم ہر وقت چوکنا رہتا ہوں۔ تمہاری ماں کی طرح جذباتی اور جلد باز نہیں ہوں۔ ہر کام ہر فیصلہ سوچ سمجھ کر کرنے کا عادی نہ ہوتا تو آج تم دولت میں کھیل نہ رہے ہوتے۔'' وہ مطلب سمجھ کر چڑ کر بولے۔

''بیٹا مجھے یہ بتاؤ کہ کیا پاکستانی لڑکیاں ختم ہو گئی ہیں جو ہم افغانیوں سے رشتہ جوڑ بیٹھیں۔ یقین جانو مجھے اپنے دوستوں اور بہن بھائیوں سے مشورہ لیتے ہوئے بھی سبکی محسوس ہو رہی ہے۔ سب کیا سوچیں گے کہ اپنے خاندان اور اپنے ملک سے تمام لڑکیاں ختم ہو گئی ہیں۔ تم ایسے دل پھینک نکلے کہ بغیر سوچے سمجھے چٹی چمڑی پر ہی مر مٹے۔'' وہ نخوت سے بولے۔

''پاپا آپ زندگی میں اتنے چوزی تو کبھی نہ تھے۔ اب کیا ہو گیا ہے؟''

''مجھے اتنی بڑی تبدیلی نے حیران و پریشان کر دیا ہے۔ ممی فرشتے سے بات کر چکی ہیں کیونکہ اس کی رائے لینا بہت ضروری تھی۔ اب ہماری طرف سے خاموشی اسے بہت ہرٹ کرتی ہو گی۔'' شامیر بھی سنجیدگی سے بولا۔

''جب میری طرف سے او کے کی رپورٹ آپ لوگوں تک نہیں پہنچی تھی تو پھر اس سے بات کرنے کی بیوقوفی کیوں کی؟ قصور میرا نہیں تم لوگوں کی جلد بازی کے نتائج ہیں یہ۔'' وہ خفگی سے بولے۔ ''اب ماں بیٹا بھگتو۔''

''پاپا آپ کے تمام اعتراضات ناقابل قبول ہیں۔ میں فرشتے کے حُسن کا دلدادہ نہیں۔ اس کی عادات و خصلت کا شیدائی ہوں۔ آپ ایک بار اس سے مل تو لیں۔ بات تو کر دیکھیں۔ آپ کے تمام ڈر اور خدشے دور ہو جائیں گے۔'' وہ التجائیہ لہجے میں بولا تو وہ سوچنے لگے۔

''لگتا ہے اس سے ملنا ضروری ہو گیا ہے۔'' وہ دونوں کے چہروں کا جائزہ لیتے ہوئے بولے۔

''تو مل لیتے ہیں۔ دیکھتے ہیں حسینہ عالم کے رنگ ڈھنگ' جس نے میرے اس بدھو پر جادو کر ڈالا ہے۔ ویسے ہے کوئی دھماکہ چیز۔ حسن بھی لاجواب اور پھر من گھڑت کہانی بھی خاصی ٹھوس اور مضبوط۔ کیریکٹر کی بے مثال اور مضبوط ہونا ضروری ہے۔ اس پر کمپرومائز کرنا اپنی بربادی و تباہی کو آواز دینے کے برابر ہے۔ اس کے اسٹیٹس کا زہریلا گھونٹ پی سکتا ہوں اپنے اس ایڈیٹ کی خاطر۔'' لہجے میں دھیما پن تھا۔

''مجھے تو اس سے بات کرتے ہوئے ندامت ہو رہی ہے۔ وہ میرے بارے میں کیا سوچتی ہو گی۔'' ممی نے آہستگی سے کہا۔

''تو اسے سوچنے دو۔ جاؤ بے شمار دروازے تمہارے لئے وا ہیں۔'' وہ بے رخی سے بولے۔

''پاپا ان معصوم بچیوں کو گناہوں کی دلدل میں دھکا دینے والے لوگ ہم جیسے ہی ہوتے ہوں گے۔ بہت دکھ ہوا آپ کے خیالات سن کر۔ اگر ایک بے آسرا لڑکی کو سہارا دینے کا گولڈن چانس ہمیں مل ہی گیا ہے تو اسے ٹھکرانے کا ہمیں فائدہ نہیں ہوگا۔ اوپر اللہ بھی تو دیکھ رہا ہے ناں۔'' وہ تاسف بھرے لہجے میں بولا اور اٹھ کر باہر نکل گیا۔

''مطلب یہ ہوا کہ تم اس کا دماغ درست کرنے میں ناکام رہی۔ یہ سب ہماری دوستی کے رنگ ہیں۔ ہم شامیر سے کچھ زیادہ ہی فری ہو گئے ہیں۔ مانوسیت تو اک زہریلی مرض ہے۔ ہمیں اسی کے زہر کا پیالہ پلانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔'' وہ قہرمان نظروں سے دیکھ کر بولے۔

مگر ممی خاموش رہی کیونکہ وہ ان کی سائیکی سے اچھی طرح باخبر تھی کہ اگر یہ بات سمجھنا نہ چاہیں تو سن کر اور سمجھ کر بھی ایسے عجیب سوالات کریں گے کہ جیسے اس سے مشکل ترین سوال آج تک ان کے سامنے اٹھا ہی نہ ہو۔ ان کی اس نازیبا حرکت پر وہ سمجھا سمجھا کر سر پیٹ لیا کرتی تھی۔ مگر وہ دائیں بائیں بھٹکتے ہوئے اصل رستے پر آتے ہی نہیں تھے تو پھر وہ اک طویل خاموشی سادھ کر انہیں بے وقوف ہونے کا اشارہ دے دیا کرتی تھی۔ آج بھی اس نے ایسا ہی رویہ روا رکھا تھا۔ وہ اوٹ پٹانگ بولے جا رہے تھے اور وہ خاموشی سے دل ہی دل میں درود شریف پڑھ کر صبر کی دعا مانگ رہی تھی کہ کہیں اتنی غیر مناسب اور بیہودہ باتیں سن کر اس کے بند ہونٹ حرکت میں نہ آ جائیں۔

''تم مجھے جواب دینا بھی گوارہ نہیں کر رہی۔ بیٹے کی طرح دماغ چل گیا ہے کیا؟'' وہ تلملا کر بولے۔ مگر دوسری طرف خاموشی تھی۔

''وہ تو کل کا بچہ ہے۔ تم تو ساٹھ سالہ تجربہ کار بڈھی ہو۔ پھر مسئلہ کیا ہے؟'' وہ چیخ کر بولے۔

''بڈھے کھوسٹ آپ خود' بابا جی آپ خود اور سر پھرے عمر رسیدہ سال خوردہ شوہر آپ خود۔ چلے ہیں مجھے بڈھی کا خطاب دینے۔ خبردار جو آج کے بعد مجھے بڈھی کہہ کر پکارا۔ آپ کو کچا چبا جاؤں گی۔'' وہ ایک دم سے ایسے اچھلی جیسے پاؤں آبلے پر جا پڑا ہو۔ وہ اس کی اس حرکت پر اِدھر اُدھر دیکھ کر اپنی مسکراہٹ کو چھپانے کی کوشش کرنے لگے۔

''عزت نفس پر حملہ کرنے کی اجازت ہرگز نہ دوں گی اور سن لیں کان کھول کر کہ اب اپنے بیٹے کی شادی کی تمام ذمہ داری آپ خود اٹھائیں۔ مجھے کارڈ بھیج دیجئے گا شرکت کر لوں گی مہمانوں کی طرح۔'' وہ چیخ کر بولی۔

''آپ کی بے تکی باتیں سن کر مجھے خود سے نفرت ہونے لگی ہے۔ تمام جوانی آپ جیسے مرد کے ساتھ کیونکر برباد کر ڈالی۔ یہی تو ہمارا سب سے بڑا نقص ہے کہ والدین نے جس کے پلے باندھ دیا بس اسی کے ہو کر رہ گئے۔ یہ نہ سوچا کہ اس نامراد کے ساتھ جوانی تو پھر بھی بیت ہی جائے گی۔

بڑھاپا سراسر آزمائش بن جائے گا۔ وہی ہوا ناں کہ اب میرا بڑھاپا آپ کی ان نادانیوں اور ہٹ دھرمیوں کی وجہ سے آپ کے قدموں میں جا گرا ہے۔ کرلیں جی بھر کر ذلیل وخوار مجھ پر اپنوں کو جی بھر کر ہنسالیں اور اپنی ماں کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کے بعد یہ خوشخبری سنانا مت بھولئے گا۔ کم از کم ان کی دلی خواہش تو پوری ہوئی ناں۔'' وہ تڑپ کر بولے۔

''بیگم بیگم۔'' وہ اسے کندھوں سے پکڑ کر بولے۔ ''دھیمی پڑ جاؤ۔ اس عمر میں بلڈ پریشر ہائی ہو گیا تو مجھے بہو کے بجائے اپنی دلہن لانی پڑ جائے گی۔ تم جانتی تو ہو کہ مجھے تو ہر وقت تندرست' چاک وچوبند اور خوبصورت گار بیوی چاہئے۔ روں روں کرتی ہوئی ٹوٹی پھوٹی بیوی تو نرا عذاب ہے خاندان بھر کے لئے۔'' اب وہ اسے چھیڑنے پر اتر آئے تھے۔

''چار شادیاں اسی لئے تو جائز ہیں مگر ہماری خواتین تو اللہ کے اس حکم کو مان کر نہیں دیتیں۔ مرنے مارنے پر تل جاتی ہیں۔''

''کچھ شرم کریں۔ منہ میں دانت نہیں سر پر بال نہیں چال کا کوئی حال نہیں اور چلے ہیں اپنے لئے نئی دلہن بیاہنے۔'' وہ دانت چبا کر بولی۔

''ویسے بیگم میں نے نوٹ کیا ہے کہ بیوی چاہے کتنی ہی اعلیٰ تعلیم یافتہ کیوں نہ ہو جب بیوی کے رنگ میں آتی ہے تو ڈھنگ ہی نرالے ہو جاتے ہیں۔ پرلے درجے کی جاہل' اناڑی اور اَن پڑھ معلوم ہونے لگتی ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولے۔

''آپ کی اپنی زبان ہے جی اس کا استعمال بھی آپ کے اختیار میں ہے۔ میں اس غیر ضروری تکرار کا آپ کو کیا جواب دوں؟ جنہوں نے پڑھ لکھ کر کنویں کی نظر کر ڈالا ہے۔ تجربات ومشاہدات کو اپنی ضد کے بھینٹ چڑھا دیا ہے۔ اسے ہی تو جہالت کہتے ہیں۔ ورنہ جاہلوں کی پیشانی پر کچھ کندہ تو نہیں ہوتا۔ باتوں اور حرکات وسکنات سے ہی ان کی جہالت کا اندازہ لگا لیا جاتا ہے۔'' وہ نارمل لہجے میں بول رہی تھی۔

''اف تم نے تو حد ہی کر دی ہے۔ لگتا ہے بیٹا مجھ سے آگے ہو گیا ہے۔'' وہ تنک کر بولے۔

''ہاں بھئی آخر ماں ہوں اس کی۔ آج تک آپ نے بھی مجھے اپنی ماں کے سامنے ہمیشہ ڈی گریڈ ہی کئے رکھا ولاد اور ماں کا رشتہ ازل سے ابد تک اٹوٹ اور پائیدار ہوتا ہے۔ آپ کیوں جیلس ہونے لگے ہیں۔ دیکھئے گا بہو کو آنے دیں۔ آپ کی ماں جیسی ساس نہ بنوں گی۔ آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے نہیں دیتی تھی۔ کیوں بیاہ کر لائی تھی مجھے۔'' وہ پر ملال لہجے میں بولی۔ ''میری جوانی روتے پیٹتے ہی گزر گئی۔ اگلے جہاں پکڑلوں گی محترمہ کو کان سے۔''

''نجانے آپ کے خاندان کے اتنے انوکھے اور عجیب سے اصول کیوں ہیں؟ رائی کا پہاڑ بنانا' کانؑ سے گراں (کوئے سے گاؤں) بنانا تو کوئی آپ لوگوں سے سیکھے۔ ہمیشہ خوشی میں بھی مایوسی اور

اداسی کا تڑکہ لازم کیوں سمجھا جاتا ہے۔'' وہ تنک کر بولی۔
''چلو بیگم کیا یاد کرو گی کہ کس حاتم طائی سے پالا پڑا تھا۔ہم پہاڑ کو رائی میں تبدیل کرنے کے لئے رضامند ہو گئے ہیں۔اب تو مسکرا دو اور اپنے لاڈلے کو بھی یہ مژدہ سنا دو۔''
''سچ۔'' وہ ایک دم سے کھل گئی۔ چار سو جلترنگ کی صدائیں ابھریں۔
''ہاں مگر فیصلہ میری ملاقات کے بعد ہوگا۔آخر اس سے ملاقات اور بات چیت پر میرا بھی تو اتنا ہی حق ہے جتنا تمہارا ہے۔''
وہ مسرت آگین لہجے میں بولے۔
''شرطیہ آپ اس سے بات چیت کرنے کے بعد اپنے بیٹے کی پسند کی داد دیئے بغیر نہیں رہیں گے،آپ نے اسے دور سے سرسری طور سے دیکھا تھا۔ پرکھا نہیں۔ جانا اور سمجھا نہیں ہم ماں بیٹا ایسے بھی احمق نہیں ہیں کہ بغیر سوچے سمجھے اس پر مرمٹ جاتے۔اس کا کردار مقناطیسی ہے۔'' وہ چہک کر بولی۔
''یار لڑکے کی ماں بہو لانے سے پہلے ایسی ہی باتیں کرکے بیٹے کو بیوقوف بنانے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔میری اماں نے بھی ایسے ہی کیا تھا۔اس لیے یہ تعریفیں جانی پہچانی اور سنی ہوئی لگ رہی ہیں۔کوئی نیا انکشاف کرو۔ میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ بہو کے بعد ایک اور افغانی کیسی رہے گی۔ اس بڑھاپے میں تمہیں خوب آرام بھی دے گی۔تم کہلاؤ گی مہارانی اور وہ ہوگی تمہاری نوکرانی۔سودا گھاٹے کا نہیں۔ ذرا اس بارے میں بھی اپنی آنکھیں کھلی رکھنا۔''
وہ مذاقاً بولے تو کمرے میں قہقہے گونج اٹھے۔

❖ ❖ ❖

وہ ہوسٹل میں کمرے کی کھڑکی میں کھڑی باہر کا جائزہ لے رہی تھی۔ جہان ابھی تک آفس سے واپس نہیں آئی تھی۔فرشتے نے بے تاب ہو کر اسے فون کیا۔
''فرشتے! میں ڈرائیونگ کر رہی ہوں۔بس پانچ منٹ میں پہنچنے والی ہوں۔خیریت تو ہے۔''
وہ بھی بے قرار سی ہو گئی۔
''خیریت ہی تو نہیں تم آؤ گی تو بات ہوگی۔'' فرشتے نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔
اب کونسی پریشانی لاحق ہو گئی ہے۔فرشتے کی تمام فکریں خود ساختہ جو ہوتی ہیں۔ہلکی سی آہٹ پر ایسے چونکتی ہے جیسے بچھو نے کاٹ لیا ہو۔ جہان بڑبڑاتی ہوئی گاڑی ڈرائیو کرتی رہی۔تھوڑی دیر بعد جب وہ کمرے میں پہنچی تو فرشتے سر کے درد کی شدت میں مبتلا ہو چکی تھی۔ جہان نے جلدی سے خانساماں کو چائے کا آرڈر دیا اور پلنگ پر اس کے قریب بیٹھ کر اپنائیت سے بولی۔''خیریت تو ہے۔ کیا بات ہے؟ اتنی پریشان کیوں ہو؟ تمہیں میری قسم جو مجھ سے پردہ داری کی۔''

''خیریت ہی تو نہیں۔'' وہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔ ''تمہیں نہیں بتاؤں گی تو کیا اپنی بی بی جان کو بتاؤں گی۔''

'' کچھ بول بھی دو۔ کیوں میرا سانس روکنے کی کوشش میں ہو۔ جلدی بولو۔ کیا ہوا ہے تمہیں؟'' وہ بے قراری سے بولی۔

''وہ شامیر ہے ناں......'' وہ اتنا کہہ کر خاموش ہوگئی۔

''تمہارے قدموں میں دل کا نذرانہ پیش کرنے آیا تھا تو جلدی کہہ چکو۔ اس کے علاوہ تمہیں اور کونسی پریشانی لاحق ہوسکتی ہے۔ کیونکہ وہ مسکین تمہیں کسی بھوت پریت سے کم تو لگتا نہیں۔ بہت ہی ٹھنڈی ٹھار لڑکی ہو، اموشن نام کی کوئی چیز ہے تم میں جو اسے نارمل انسان سمجھ سکو۔'' جہان نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ایسا تو نہیں ہوا۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

'' دل چاہتا ہے یا تو اپنا سر پھوڑ دوں یا تمہارے سر کو دو حصوں میں تقسیم کردوں۔ کچھ منہ سے پھوٹو بھی تو کہ ہوا کیا ہے؟ جو یوں سوگ منائے بیٹھی ہو۔'' وہ چڑ کر بولی۔

''جہان! شامیر کے پاپا مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ خوف اور فکر مندی نے مجھے بری طرح جکڑ لیا ہے کیا کروں؟'' وہ سر کو ہاتھوں سے دباتے ہوئے بولی۔

''جہان مجھے لگ رہا ہے کہ یہ جاب چھوڑ دینا میرے لیے بہتر ہے۔ یہ لوگ تو پیچھے ہی پڑ گئے ہیں۔ میں تو سمجھی تھی کہ بھول گئے ہیں۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ تم مجھے مشورہ دو۔ انہیں انکار کردوں۔'' وہ تذبذب میں بولی۔

''کیا تم پاگل ہوگئی ہو؟ پہلے پاگل خانے کا وزٹ کر کے آؤ پھر سسر جی سے ملاقات کا پروگرام بنانا۔ بہت ہی اناڑی ہو۔ اللہ تعالیٰ ایسے رشتے جوڑتے ہوئے بہت فخر اور بے پناہ خوشی محسوس کرتا ہوگا کہ میں انسانوں پر اپنی رحمتوں اور عنایتوں کے دروازے کھولتے وقت اسٹیٹس پر غور و خوض کرتا ہوں نہ ہی انسانوں کے سلوک اور رویئے پر نظر ثانی کرتا ہوں۔ نہ شکلوں کو اہمیت دیتا ہوں۔ نہ عقل و سمجھ کو اولیت دیتا ہوں۔ یہ معجزہ ہی تو ہے کہ معجزات بن کر زمین پر اترتے ہیں اس کے فیصلے اور دنیا والے دنگ رہ جاتے ہیں۔ خوش ہو جاؤ پگلی کہ تم جیسی کم عقل کے لیے اس کا یہ فیصلہ اگر تمہیں اپنی شادی کی اسچوایشن ہینڈل کرتے ہوئے شرم آرہی ہے یا سبکی ہو رہی ہے تو میں حاضر ہوں۔ تمہارے ساتھ چلوں گی۔ فکر کی بات ہی نہیں ورنہ خوامخواہ کے من گھڑت شکوک و شبہات تمہیں کہیں کا نہ چھوڑیں گے اور تم بنتی ہوئی بات کو بگاڑ دو گی' کیونکہ تم سے مجھے یہی توقع ہے۔''

وہ اسے سختی و نرمی سے سمجھائے جا رہی تھی کہ فرشتے کے موبائل پر رنگ ٹون نے دونوں کو چونکا دیا۔

''شامیر کی ممی کا فون ہے۔'' وہ گھبراہٹ بھرے لہجے میں بولی۔ ''اب کیا کروں؟''

''اٹینڈ کرو۔ وہ تمہیں کھا نہیں جائیں گی۔ بہت اناڑی کھلاڑی ہو۔ نجانے زندگی کی دو درجن رتوں کو کہاں گزارا ہے تم نے...... بات کرو جلدی سے۔''

وہ بے قراری میں بولی۔

''جی آنٹی......'' وہ موبائل کان کو لگا کر بولی۔ ''فرمایئے آنٹی۔''

''تم تیار ہو ناں۔ میں تمہیں لینے آ رہی ہوں۔'' لہجے میں پیار ہی پیار تھا۔

''جی جی۔'' اس نے اتنا ہی کہا اور فون بند کر دیا۔ آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ اپنے ماں باپ' اپنی بہنیں اور بھائی یاد آنے لگے۔ جہاں رشتے طے کرتے وقت کن کن ضروریات کا خیال رکھا جاتا تھا۔ بیٹی کے لیے سسرال سے گھر کا اور بنک بیلنس مقرر کروا کر بیٹی کو سکیور کیا جاتا تھا۔ یہاں وہ کس قدر بے قیمت اور بے وقعت ہے کہ مجھے بیاہ کر لے جائیں گے۔ کوئی گارنٹی دے سکتا ہے کہ کیا وہ میرے ساتھ جوڑے ہوئے اس رشتے کو ہمیشہ کے لیے نبھائیں گے۔ وہ بمشکل بول رہی تھی۔

''فرشتے تم اپنے رواج کابل چھوڑ آئی ہے۔ یہاں ایسا نہیں ہوتا۔ یہاں بیٹی والے اس کے سسرال کو منہ مانگی قیمت ادا کرتے ہیں۔ یہاں سفید پوش لوگوں کی بیٹیاں اپنی جوانی جہیز نہ ہونے کی وجہ سے والدین کے گھر بتا دیتی ہیں۔ یہ تو فرشتہ خصلت اور قابل ستائش لوگ ہیں جنہیں نہ جہیز کی پروا ہے نہ ہی لوگوں کی باتوں کی۔ تمہیں پسند کر لیا بغیر کسی طمع و لالچ کے۔ یہی ان کا بڑا پن ہے۔ چائے پیو اور یہ کھاؤ دھما کہ خیز پین کلر اور خوبصورت سا ڈریس نکالو اور خوشی خوشی تیار ہو کر فی الحال اپنی ساسو جی کے پہلو کی رونق بن جاؤ اور سنو خبردار جو منہ لگا کر بیٹھی۔ مسکینیت حسن کو کھا جاتی ہے۔ خود اعتمادی کی تو دشمن ہے پگلی! اس لیے ذرا سر اونچا اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا اپنے سسر جی سے۔'' وہ خوشی اور محبت کے ملے جلے جذبات میں بولے جا رہی تھی اور فرشتے حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھی کہ جہان اتنی ایکسائٹڈ کیوں ہو رہی ہے؟

''حیران کن بات نہیں۔ اب تم پنجابی خاندان کی بہو بننے جا رہی ہو۔''

''آہستہ آہستہ سب کچھ سمجھ جاؤ گی۔'' وہ اس کے منہ میں پین کلر ڈالتے ہوئے بولی۔ ''تم میرے ساتھ چلو گی۔'' وہ چائے کا سپ لے کر بولی۔

''وہ لوگ مائنڈ ہی نہ کر جائیں۔ رشتوں کا افیئر بہت پرائیویٹ ہوتا ہے۔ دوسروں کی موجودگی میں بہت ناگوار گزارتی ہے لوگوں کو۔ آخر میں ہوں تو آؤٹ سائیڈر۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''ایسا ہرگز نہیں انہیں علم ہونا چاہیے کہ تم میری کیا ہو؟ تم میری ماں' میری بڑی بہن اور میری پرخلوص اور سچی دوست کے ناطے سے میرے ساتھ چلو گی اور میری ایک شرط ان کے گوش گزار نا مت بھولنا کہ مجھے سکیورٹی چاہیے۔ میں ان دیکھے نئے انجان لوگوں پر بھروسہ نہیں کر سکتی۔'' وہ سوچتے

ہوئے بولی۔

''جہان کابل میں ایسے نہیں ہوتا۔ سگی بہن بھی اپنی بہو بھانجی کو ہر طرح سے سیکیور کر کے بیاہ کرلاتی ہے۔ جہان ان رشتوں میں ذراسی غلط فہمی پر موڈ بدلتے' مزاج بگڑتے دیر نہیں لگتی۔ شادی سے پہلے تو سبھی آسمان سے تارے توڑ لانے کی قسمیں کھاتے ہیں۔ مانگ میں چاند سجانے کی لمبی چوڑی باتیں کرتے ہیں۔ بعد میں ہواؤں کا رخ کس طرف بدل جائے۔ کسی کو علم نہیں ہوتا۔ اندھا اعتماد اور لہروں پر مکمل بھروسہ کر کے سمندر میں چھلانگ لگا دینا بہت بڑی نادانی ہے۔ میں ایسا نہیں کرسکتی۔ جہان آئی ایم سوری۔ تنہا زندگی گزارنا اس آزمائش سے آسان ہے۔''

وہ خوفزدہ سی ہو کر رہ گئی تھی۔

''پگلی یہاں ایسے نہیں ہوتا۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں تمہاری اس شرط پر یہ لوگ رشتے سے منکر نہ ہو جائیں۔'' وہ پریشان سی ہو گئی۔

''کردیں انکار۔ ایسے تاریک مستقبل سے میرا روشن حال بدر جہا بہتر ہے جہان۔ جو تم نے اپنے رواجوں کا انکشاف کیا ہے۔ مجھے سن کر بہت افسوس ہوا ہے۔''

''یہاں لڑکی پر بہت زیادتیاں کی جاتی ہیں۔ بے انصافی برتی جاتی ہے جہان مجھے اس سوال کا جواب دو کہ والدین آنکھیں بند کیے پرانے وقتوں کے رواج کو ابھی تک کیوں اپنائے ہوئے ہیں؟ بیٹی کے مقدر کا فیصلہ کرتے وقت معصوم اور انجان کیوں بن جاتے ہیں۔ کیا زمانہ جاہلیت میں بیٹی کو زندہ درگور کر دینا اور گلا دبا کر اس سے گلوخلاصی کر لینا بہتر نہیں تھا۔'' دکھ و کرب سے اس کی آواز بھرا گئی۔

''فرشتے میں نے کہا ناں کہ تم اب پاکستان میں ہو۔ تمہیں لاہوری پنجابی کے رسم و رواج سے باخبر ہونا چاہیے۔ اس وقت ایک چھت کا سایہ تمہارے سر پر بہت ضروری ہے۔ یہی لڑکی کی سکیورٹی ہے میری جان۔ خدا کے لیے آج کے بعد ایسی انہونی باتیں میں نہ سنوں۔ تم اچھی بھلی سمجھدار لڑکی ہو۔ موقع کی نزاکت کو سمجھو اور خود کو اللہ کے سپرد کر دو۔ میری طرف دیکھو۔ میں اپنے تایا کی بہو بننے والی ہوں۔ پھر بھی میرے والدین انہیں منہ مانگے جہیز سے نواز رہے ہیں۔'' جہان اسے دیر تک سمجھاتی چلی گئی۔

''حیرت کی بات ہے۔ کنڈیشنگ انسان کو ہر حال میں خوش رہنے پر مجبور کر دیتی ہے تم بھی بہت مطمئن اور خوش و خرم رہو گی۔''

''ہر طرح کی سکیورٹی کے بغیر۔'' فرشتے نے پژمردگی سے کہا تو وہ مسکرادی۔ ''تم ابھی نہیں سمجھو گی۔ جب اس ماحول میں رچ بس جاؤ گی تو پھر یہ سب بہت نارمل لگنے لگے گا۔''

''ہاں تو میری ایک بات مان لو پلیز۔ اپنے سسر کے سامنے بس تم زیادہ بڑ بڑ نہ کرنا۔ بات

میں ہی کروں گی۔ میں ہی سنبھالوں گی۔ کہیں تم رنگ میں بھنگ ہی نہ ڈال دو۔ یہاں ہر صورت اور ہر حال میں تمہارا رشتہ جڑ جانا چاہیے۔ یہ میرا حکم بھی ہے۔ میری آرزو بھی سمجھو اور اپنی بہتری بھی مانو۔" وہ پیار بھرے لہجے میں بولی۔

"بغیر سکیورٹی کے بغیر کسی تحفظ کے۔ یہ خوب رہی۔" وہ اچنبھے سے بولی۔ "کل مجھے پکڑ کر گھر سے باہر نکال دیا تو بتاؤ پھر کہاں جاؤں گی؟"

"بچے ماں کی سکیورٹی سمجھے جاتے ہیں۔ جہاں بچے ماں کے پاؤں کی زنجیر تصور کیے جاتے ہیں۔ وہاں باپ بھی اس زنجیر سے آزاد نہیں سمجھا جاتا۔ ایک زنجیر کے دوسروں میں دونوں کے پاؤں جکڑے ہوتے ہیں۔ اس زنجیر کو توڑنا اتنا آسان نہیں جتنا کہ سمجھا جاتا ہے۔" جہان نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"میں تمہاری اس بے معنی سی مثال سے اتفاق نہیں کرتی۔" وہ مسلسل سرنفی میں ہلا رہی تھی۔

"تم چپ رہوگی۔ سن لیا ہے کہ لکھ کر دوں۔" جہان نے اس کے لمبے بالوں کو درست کرتے ہوئے کہا۔ "آج مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ تم خاصی بونگی اور ضدی لڑکی ہو۔ اگر آج اپنی ضد کو اسی کمرے میں چھوڑ کر نہ گئی تو وہاں سب کے سامنے تھپڑ رسید کردوں گی' اس من موہنی شکل پر۔"

"سن لیا ہے، سن لیا ہے، میری اماں۔" وہ زوردار لہجے میں بولی۔ "تم تو اماں کیا دادی جان سے بھی بڑھ کر ظالم اور سخت نکلی۔"

موبائل کی بیپ پر اس نے دیکھا۔ آنٹی کا فون تھا۔

"جہان! فون ہے۔" وہ سہم کر بولی۔ "وہ گیٹ پر انتظار کر رہی ہوں گی۔"

"سن لو۔ ایسے خوفزدہ ہو جیسے بکرے کو چھری کے نیچے ذبح کرنے کی تیاری ہو رہی ہو۔" جہان نے مذاقاً کہا تو اس نے فون کان کو لگالیا۔

"آنٹی! میں تیار ہوں۔ میرے ساتھ میری دوست جہان بھی ہے۔ کیا اسے ساتھ لانے کی اجازت ہے۔" وہ آہستگی سے بولی تو جہان نے اُسے گھورا کہ اجازت لینے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اگر انہوں نے انکار کر دیا تو تو............ پھر تمہیں ہر صورت میں اکیلا ہی جانا پڑے گا۔ بہت بدھو ہو۔

"کیوں نہیں بیٹا تمہاری دوست ہے تو ہمارے لیے تمہاری طرح قابل عزت ہے۔ ماشاء اللہ یہ تم نے بہت عقلمندانہ کام کیا ہے کہ اسے ساتھ لے کر آ رہی ہو۔" وہ خوش ہوتے ہوئے بولی۔

"تھینک یو آنٹی۔" فرشتے نے مؤدبانہ انداز میں کہا اور دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل گئیں۔

❖ ◆ ❖

پر پل کلر کا کامدار افغانی ڈریس جو کہ منگنی کے لیے فرشتے کی خواہش کے عین مطابق تیار کروایا

گیا تھا' خاصا قیمتی اور خوبصورت تھا۔ اس کے خاندان میں منگنی کا ڈریس اسی رنگ میں سسرال سے آیا کرتا تھا۔ فرشتے نے اپنی روایت کے پیش نظر اور اپنے خاندانی رواجوں کی یاددہانی میں جہان سے اس کا سر سری ساذکر کیا تھا۔ جسے جہان نے بھی باتوں ہی باتوں میں آنٹی کے گوش گزار دیا تھا۔ آنٹی نے سرپرائز دینے کی خاطر اس تیاری کو صیغہ راز میں ہی رکھا۔ جہان کے ساتھ مل کر چاؤ سے اپنی بہو کی پسند کی چیزیں خریدتے ہوئے می خوشی سے نہال ہو رہی تھی۔ منگنی کی ادائیگی کی رسم میریٹ میں ہی تھی۔ کیونکہ ان کا لاڈلا اور اکلوتا بیٹا ہونے کی وجہ سے والدین اس کی شادی کا ہر فنکشن بہت دھوم دھام سے منانے کے آرزومند تھے۔ فرشتے کو جہان نے خاموش رہنے کی تلقین کی ہوئی تھی۔ ورنہ وہ اپنوں کے بغیر اتنے لمبے چوڑے فنکشن کے حق میں نہیں تھی۔

جب فرشتے کو جیولری اور ڈریس سمیت پارلر ڈراپ کیا تو اسے اپنی پسند کا اتنا مہنگا ٹنڈیشل ڈریس دیکھ کر غش ہی تو آنے لگی۔ جب لش پش کرتے ہوئے زیورات دیکھے تو سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہوا۔ اسے ایسے لگا جیسے سنڈریلا کی طرح اس کے ساتھ بھی کوئی عظیم معجزہ پیش آنے والا ہے۔ بیوٹی پارلر میں تیار ہونے کے بعد جب اسے فوٹو شوٹ کے لیے پارلر کے اسٹوڈیو لے جایا گیا تو وہاں شامیر کو محوانتظار پا کر وہ پہلے تو گھبرائی اور پھر شرما کر پلکیں جھکالیں۔

اور وہ اسے اچنبھے سے ایسے دیکھ رہا تھا' جیسے کسی پرنسز نے اپنے اسٹیٹس کا کھلم کھلا دعویٰ کر دیا ہو۔ حالانکہ وہ خود بھی تھری پیس سوٹ میں لائٹ لامیلک ٹائی باندھے بہت ہینڈسم لگ رہا تھا۔ ایک سیر تھا دوسری طرف سوا سیر ہونے پر یقین ہونے لگا تھا۔

اللہ تعالیٰ جب آسمان پر جوڑا بناتا ہے تو ان میں کچھ تو کامن ضرور ہوتا ہے۔ جو شمال کی مٹی جنوب میں اور مشرق کی مٹی مغرب میں بکھیر دیتا ہے۔ فوٹو سیشن کے بعد دونوں مرسیڈیز میں بیٹھے اور ہوٹل کی طرف چل پڑے۔ فرشتے کے کانوں میں پلوشہ کی زہر میں ڈوبی ہوئی باتیں گونجنے لگیں میرے پاؤں کے نیچے مرسٹیڈیز ہوتی ہے دیدی۔ ہمیں جوائن کرلو۔ بہت فائدے میں رہوگی۔ وہ کانوں پر ہاتھ رکھ کر سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ اتنے حسین لمحوں میں وہ بہنوں کی کڑواہٹ سے بھرپور باتیں یاد کر کے خود کو مضطرب کرنا نہیں چاہتی تھی۔ مگر بعض اوقات انسان بے بس اور مجبور ہو جاتا ہے۔

شامیر ڈرائیو کرتے ہوئے اسے بار بار پرستائش نظروں سے دیکھتا اور ماشاءاللہ کہہ کر سیدھا ہو جاتا۔ یکدم سامنے سے تیز رفتار گاڑی کو آتے ہوئے دیکھ کر وہ چیخی۔ ''شامیر آگے دیکھیے۔'' وہ ایک دم سے سنبھل گیا اور یوں ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا۔

''آج کے بعد ڈرائیور کا ساتھ ہونا ضروری ہو گیا ہے۔ آپ نے تو حد ہی کر دی۔'' وہ خوف سے لرز رہی تھی۔ ''مجھے ایسا شاکس دینے کی ضرورت نہیں سر۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''سر نہیں محترمہ۔ شامیر میرا نام ہے۔ پیار سے شامو بھی ہوں۔ تم جو چاہو پکار سکتی ہو۔ آئی ایم

ایکسٹریلی سوری۔ تمہارا حسن قیامت ڈھا رہا ہے۔ ایسے گمان ہو رہا ہے جیسے آسمان سے کوئی حور اتر کر زمین پر آ گئی ہو۔ اس میں میرا کیا قصور ہے بھلا۔'' وہ شگفتہ لہجے میں بولا۔ ''تمہارے اور میرے درمیان ڈرائیور کا داخلہ منع ہے۔ ہمیشہ کے لیے، زندگی کے لیے۔''

''سب وقتی باتیں ہیں۔'' وہ بڑبڑائی۔

اور ذرا سا مسکرا کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی۔ شامیر کی پوری توجہ ڈرائیونگ کی جانب مبذول ہو گئی۔ کیونکہ اس نے موت کے فرشتے کو اپنے آس پاس منڈلاتے جو دیکھ لیا تھا اب محتاط اور خاموش تھا۔ ہال میں سبھی انہی کی آمد کے منتظر تھے۔ ممی نے ہال کے داخلی دروازے پر انہیں روک کر صدقہ اتارا اور نظر بد سے بچنے کے لیے بے شمار دعائیں پڑھ کر ان پر پھونک کر مطمئن ہو گئیں۔ وہ اسٹیج تک ممی اور پاپا کی بے شمار دعاؤں کے سائے تلے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے پہنچ گئے۔ کرسیوں پر براجماں اپنے رشتہ دار اور دوست احباب نے طنزیہ انداز سے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔ کسی نے کہا لو میرج ہے۔

کسی نے کہا۔ افغانی کے خوبصورت چنگل میں پھنس کر اتنا بڑا قدم اٹھانا درست کہیں سے بھی نہیں لگ رہا۔ والدین کی عقل ماری گئی تھی کیا جو افغانی لاوارث لڑکی کو اپنے اکلوتے بیٹے کی دلہن بنانے چل پڑے۔ جتنے منہ اتنی ہی باتیں ہال میں محو گردش تھی۔ مگر ممی اور پاپا کو کسی کی باتوں کی قطعاً پروا نہ تھی۔ نیکی کے اس کام میں وہ سرشار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کارجہان میں خدمت خلق اور انسانیت و شرافت کا درس سکھانے بھیجا تھا۔ نفسا نفسی، خود غرضی، مطلب پرستی کے لیے تو یہ کائنات تشکیل نہیں دی گئی تھی۔ مگر شیطان کے چیلے ہر طرف بکھر کر انسانی پیدائش کے حقیقی اور سچے مقصد کو زمین کی گہرائیوں میں دفن کرنے میں کافی حد تک کامیاب بھی ہوئے تھے اور ناکامی کا سامنا بھی کرنا پڑا تھا۔ جیسے موذی مرض کمزور اور لاغر انسان پر کسی حیل و حجت کے بغیر نہایت آسانی اور سرعت سے حملہ آور ہوتا ہے۔ اسی طرح عقیدے و ایمان کی کمزوری کو شیطان بہت جلد بھانپ لیتا ہے اور اپنے پیروکار کو شکنجے میں جکڑ کر اسے ذلتوں کے حوالے کر دیتا ہے۔

ممی اور پاپا مضبوط و مستحکم شخصیت کے مالک تھے۔ اس کار خیر میں پاپا پر شیطانیت اپنا کام نہ کر سکی تھی اور اپنے مالدار شریف النفس بیٹے کے لیے ایسی لڑکی کا انتخاب کر لیا جس کے سر پر جتنے بال ہیں، ہر پل اتنے ہی ثواب، اتنی ہی رحمتیں اور برکتیں ان کے اعمال نامے میں درج ہوتی چلی جائیں گی۔ جزاک اللہ۔ وہ اس احساس سے ہی نہال ہوتے جا رہے تھے۔ انگوٹھی پہناتے ہوئے شامیر کے ہاتھوں میں پختگی لیکن فرشتے کے ہاتھوں میں لرزش تھی۔ حیرت ابھی تک برقرار تھی۔ الجھن رفع نہ ہوئی تھی کہ وہ یکدم پستیوں سے بلندیوں تک کیسے پہنچ گئی۔ اس کا مختلف تجربوں سے گزرا ہوا شعور ابھی تک بے یقینی میں ملوث تھا۔

اپنوں کی باتوں کے گھیراؤ میں قید جب ہال تالیوں سے گونج اٹھا اور مبارک کی بلند مگر کھوکھلی سی آوازیں ابھرنے لگیں تو فرشتے اپنی خیالی دنیا سے باہر نکل آئی اور حقیقت کی اس بزم کی طرف بے اختیاری میں نظر اٹھ گئی۔ وہاں اپنا پن نہ تھا۔ غیریت اور بیگانہ پن تھا۔ پاکستانی کمیونٹی کو اس شان وشوکت میں اس نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ جھلمل کرتے ہوئے ڈریسز اور زیورات، جوان دوشیزاؤں کے فیشن اور ناز ونخرے وہ اندر ہی اندر تاسف سے بڑبڑائی پلوشہ مجھے میرے مولا نے اپنی بے حساب نعمتوں سے نوازا ہے۔ کاش تم بھی صابر وشکر ہو کر اپنا مقدر بدل سکتی۔ اللہ تعالیٰ تو صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ تم نے خوامخواہ دل چھوٹا کیوں کر لیا تھا۔ ان دنیاوی چمکتی دمکتی ہوئی بے وقعت سی چیزوں کی خاطر اپنی عزت نفس، خودداری اور نسوانی کردار کو بیچ ڈالا۔ بہت برا کیا تم نے میری جان میری جان۔

اس کے لبوں پر یہ الفاظ رقصاں تھے۔ آنکھوں میں حسرت و یاس کی پرچھائیاں گہری ہوتی جا رہی تھیں۔ جہان نے قریب آ کر اسے ہلایا۔

"فرشتے! تمہاری جان تو تمہارے پہلو میں ہے۔ شامیر بھائی یہ لڑکی تو کام سے گئی۔ بھلا یہ محبت، دیوانگی اور عشق کا منوں ہوش وحواش کو سلامت رہنے بھی دیتا ہے۔ اسے سنبھالیے شامیر بھائی۔" وہ دونوں کو سرگوشی کے انداز میں کہتے ہوئے ہنسنے لگی تو فرشتے یکدم پراسرار اور رنجور دنیا سے نکل کر اپنے جوان رعنا ساتھی کی قربت میں پلٹ آئی۔ ایسی دنیا جو اسے خوش آمدید کہنے کے لیے بے تاب اور اسے اپنی بانہوں کے حصار میں تحفظ سے ہمکنار کرنے کو تیار تھی۔ اسے راضی برضا کے انداز میں ایک تسکین سے بھرپور لمبی سانس اندر کھینچی اور اس دلنشین ماحول کا حصہ بن کر سب پر چھا گئی۔

ڈنر کے بعد سب اپنے اپنے گھروں کی طرف چل پڑے۔ فرشتے کا تو کوئی گھر نہ تھا۔ ہوٹل کی اونر ریحانہ نے آگے بڑھ کر فرشتے کی کمر میں بازو حائل کیا اور انسیت واپنائیت سے بھرپور لہجے میں بولی۔

"فرشتے ہم بھی اپنے گھر چلتے ہیں۔" وہاں کھڑے ممی پاپا اور دوسرے کئی قریبی رشتہ داروں نے جب یہ الفاظ سنے تو ہلکی آنکھیں آنسوؤں سے تر بتر ہو گئیں۔ آخر رب العزت نے دلوں کی سختی کے ساتھ اک نرم گوشہ بھی تو ہمیں نوازا ہے۔

"بھئی ابھی رخصتی تو نہیں ہو رہی۔ جو رو دھو کر الوداع کیا جا رہا ہے۔"

آنٹی ریحانہ نے خوش دلی سے کہہ کر سوگوار ماحول کو بدلنا چاہا۔

تو سب آنسو صاف کرتے ہوئے مسکرا دیئے۔ جہان نے فرشتے کو سہارا دے کر اسٹیج سے نیچے اتارا۔ ریحانہ نے بھی ساتھ ہاتھ بڑھایا اور شامیر کی گاڑی میں اس کے ساتھ بٹھا دیا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر شامیر کو دیکھ کر وہ ایک دم سے گھبراہٹ میں بے اختیاری سے بولی۔ "آپ کے ساتھ نہیں

جاؤں گی۔ مجھے کہاں لے جانا چاہتے ہیں۔''

اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور فرماتی۔ شامیر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی اسٹارٹ کردی۔

''پلیز سیدھے ہوسٹل ہی جایئے گا۔ اِدھر اُدھر بھٹکنے کی ضرورت نہیں۔ وہاں ہوسٹل کی تمام لڑکیاں اس کے انتظار میں گیٹ پر کھڑی ہیں۔ اس لیے شامیر صاحب فی الحال فرشتے پر آپ کا کوئی حق نہیں۔''

ریحانہ نے دونوں کی طرف نہایت لگاوٹ سے دیکھ کر شریر لہجے میں کہا۔

جب سے فرشتے کی منگنی ہوئی تھی۔ ہوسٹل میں گہما گہمی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ ایک مہینے بعد شادی کی تاریخ آنٹی ریحانہ اور جہان کی موجودگی میں فکس ہوئی تھی اور ڈنر بنگلے کے وسیع وعریض لان میں دیا گیا تھا' جس میں فرشتے بھی آنٹی ریحانہ اور جہان کے ہمراہ موجود تھی۔ ہوسٹل کی تمام لڑکیوں کے لیے فرشتے کو مٹھائی کے ساتھ رخصت کیا گیا تھا۔ اسے یہ اک سہانہ خواب لگ رہا تھا۔ جس کے ٹوٹنے کا اس نے تصور بھی نہ کیا۔ بس کھلی آنکھوں اور روشن دماغ سے اس خواب کے سچا ہونے کو تسلیم کرنے کی کاوش میں دن گزرتے چلے گئے۔ مگر تینوں بہنوں کا خیال پل بھر کے لیے بھی اس سے جدا نہ ہوا تھا۔ کئی بار اس کا دل چاہا کہ وہ پشاور جا کر انہیں منا لے۔ انہیں اتنی عظیم خوشخبری سنا کر گناہوں بھری دنیا سے باہر نکلنے پر مجبور کردے۔ مگر وہ اپنی عافیت خاموشی میں ہی جان کر من کے اندر ہی تڑپ کر رہ گئی تھی۔

ایک ماہ گزرتے دیر ہی نہ لگی۔ خوشی کے لمحات میں سالوں کی مسافت بھی منٹوں میں طے ہوجاتی ہے۔ سوچ کر فرشتے چونک سی گئی کہ وقت کے نتیجے کی خبر ہی نہ ہوئی۔ دادی گل عموماً فرمایا کرتی تھی۔ اک عمر بیت جانے کا تجربہ تھا کہ جب آئینہ سچائی بولتا ہے۔ وجود میں بھی وقت کے گزر جانے کی تمام نشانیاں ابھرنے لگتی ہیں۔ ذہن بھی وقتاً فوقتاً روز مرہ پیش آنے والی تمام باتوں کو بھولنے لگتا ہے۔ دل جو جوانی میں سخت تھا اب اتنا نرم ونازک ہوچکا ہے کہ کسی کی ٹریجڈی کو بیان کرتے یا سنتے ہوئے آنکھیں بھر بھر جاتی ہیں۔ جو قدم احتیاط کو پس پشت ڈال کر اٹھائے جاتے تھے اب غور وخوض کے بعد فیصلہ کرنا فطرت کا حصہ بن گیا ہے تو ایک دم سے اس بے پرواہ وقت، نادان عمر اور جوشیلی جوانی کے بیت جانے کے احساس نے مجھے تو چونکا ڈالا ہے۔ ہائے یہ لمحہ کس قدر جان لیوا اور بھاری ہوتا ہے جب ذہن بیت جانے والے اک طویل عرصے کو قبول کرلیتا ہے۔ تو ڈپریشن اس کے لیے اپنے دریچے کھول دیتی ہے۔ دنیا کی رنگینیوں سے ناطہ ٹوٹ جاتا ہے اور دل ودماغ سے نیلی چھت والا زندگی کی تمام رونقوں کی چاہ اور جستجو سے بے بہرہ کر کے اگلی دنیا کے سفر کی تیاری سے بہرہ اندوز کرنے لگتا ہے۔

جب میں یہاں سے رخصت ہوجاؤں گی تو وہی تنہائی میری ہمجولی بن کر لحد میں اتر جائے گی

اور مجھے تم سب کو چھوڑنا محسوس تک نہیں ہوگا۔ کیونکہ جب سے میں نے اس اٹل حقیقت پر سرنگوں کیا ہے۔ میں اس مقدس ذات کے اتنے قریب ہو چکی ہوں کہ ہر وقت مجھے، وصال یار کا انتظار مضطرب کرنے لگا ہے۔ اب تو اپنے بچھڑے ہوئے پیاروں کی دنیا کا باسی بننے کا انتظار کاٹے نہیں کٹتا۔ ہجر کی راتیں اور دن طوالت پکڑ گئے ہیں اور میں ہر ساعت و ہر زماں سجدہ ریز ہو کر اپنے مالک سے اپنی کوتاہیوں اور گناہوں کی معافی کی التجائیں کر کے اس وقت کو بھی اس کے سپرد کر کے اسے عبادت کی فہرست میں لکھوا دیتی ہوں۔ زندگی کے آغاز و اختتام کی سچی کہانی اور اٹل حقیقت سے بھی اگر میں نے کوئی درس نہ سیکھا تو پھر حیف ہے۔ آج کل اسے دادی کی باتیں اس کی رہنمائی کرتی رہتی تھیں۔ وہ بڑبڑائی۔ یہ تو صرف ایک مہینے کا گزر جانا تھا۔ تیس دنوں کا جو پلک جھپکتے کٹ گیا۔ کیونکہ اس کا ہر لمحہ بے حد حسین اور دلکش جو تھا۔ ان گنت امیدوں اور آسوں کے ہمراہ چاؤ چونچلوں اور محبتوں کی لگاوٹوں میں جڑا ہوا پل بھر میں ماسب ہو گیا اور فرشتے صبح سویرے نہا دھو کر سسرال سے آیا ہوا نواح کا گرین رنگ کا جوڑا پہنے کھڑی تھی۔ اس کے خاندان کے رسم و رواج کے مطابق نکاح کا جوڑا گرین رنگ کا پہننا اچھے شگون کی نشانی ہی سمجھا جاتا تھا۔ جہان نے آنٹی سے کہہ کر گرین رنگ کا جوڑا بھی فرشتے کو بتائے بغیر ہی تیار کروا لیا تھا۔

ریحانہ آنٹی نے ہوسٹل کو بھی خوب سجا دیا تھا۔ ایک ہفتے سے اس کی عمارت بھی دلہن بنی کھڑی تھی۔ سب کا دن اپنی اپنی ڈیوٹیز میں گزرتا اور رات کا نصف حصہ ڈھولک پر گیت الاپنے اور انڈین گانوں پر رقص کرنے کی تیاری میں بیت جاتا چھیڑ خانیاں چلتیں اور ریحانہ آنٹی کے لطیفوں کی بھرمار نے ہوسٹل میں قہقہوں کی بارش سے سب کو محظوظ کر رکھا تھا۔ اسے فرشتے کو کئی بار ہمدردی و محبت میں سرشار ہو کر اس کی رخصتی اپنے گھر سے کرانے پر رضا مند کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر فرشتے کو یہ مناسب نہ لگا تھا۔ وہ ہر بار انکار کر دیتی تھی۔ ریحانہ بھی اس کی انا کو سمجھ تو چکی تھی خاموش ہو گئی۔ ریحانہ آنٹی ہر فن مولا تھی۔ اس نے فرشتے کا ہلکا سا میک اپ کیا۔ بالوں کا جوڑا بنایا اور زمرد کا قیمتی سیٹ اسے پہنا کر اس کے اوپر جب کامدار گرین دوپٹہ ڈالا تو فرشتے کی موٹی غلافی آنکھوں سے اشکوں کی بارش ہونے کو تھی کہ ریحانہ آنٹی نے ایک گرما گرم چٹ پٹا سا لطیفہ سنا کر اس کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کر لیا۔ دوپٹے کو پن اپ کر کے ریحانہ آنٹی نے اس کا صدقہ اتارا اور ماتھے پر بوسہ دے کر لگاوٹ سے بولی۔

تمہاری ساسو ماں آتی ہی ہوگی تمہیں لینے۔ اسی سمے می کمرے کے دروازے میں پہنچ کر فرشتے کو دیکھ کر کھل اٹھی۔ ہلکے سے میک اپ میں اس کا حسن رنگ و روپ کسی حور سے کم نہیں تھا۔

''ماشاء اللہ۔ بے شک ہم میں سے کسی نے بھی آج تک جنت کی حور کا دیدار نہیں کیا۔ مگر آج مجھے یقین ہو چلا ہے کہ وہ میری بہو سے مشابہت رکھتی ہوگی۔ کیوں ریحانہ تمہارا کیا خیال ہے اس

بارے میں؟''

ممی نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے مسرت آگین لہجے میں کہا کہ۔''میرا خیال بھی آپ کے خیال کی تائید کرتا ہے اور پھر مزے کی بات یہ کہ خصلت اور فطرت بھی تو پاکدامن حوروں کی مانند ہے۔''

وہ خوش ہوتے ہوئے بولی۔

''شکر ہے خدا کا۔ اللہ تعالیٰ نظر بد سے محفوظ رکھے اس نئے جوڑے کو۔''

ممی نے اس کا بوسہ لیتے ہوئے کہا۔ باہر سب انتظار کر رہے ہیں خاص کر شامیر۔ ایک مہینے میں اس کا وہ حال ہوا ہے کہ خوشی سے پھولا نہیں سماتا۔

''آپ دونوں بھی ہمارے ساتھ ہی چل رہی ہیں ناں۔'' وہ مسرت آگین لہجے میں بولی۔

''کیوں نہیں؟ میری بیٹی کا نکاح ہے۔ ماں کیسے غیر حاضر ہو سکتی ہے۔ آپ چلیں ہمیں گاڑی کا کوئی مسئلہ نہیں ہم دونوں کے پاس اپنی اپنی گاڑی ہے۔ آپ اپنی امانت کو سنبھالیے اور خوشی خوشی اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ تحفہ ہمیشہ کے لیے قبول کرتے ہوئے صدقہ دینا اور نظر اتارنا مت بھولیے گا۔'' ریحانہ نے فرشتے کو پیار کر کے ممی کے حوالے کر دیا۔

''اتنی دیر کا قیام ہوتا ہے۔ بیٹی کا اپنے ماں باپ کے گھر میں اس کے نصیب میں وہ بھی نہ تھا۔ کوئی فرشتے جیسی تنہا بیٹی بھی نہ ہو۔ شکر ہے اسے اگلے قیام کے لیے رفاقت نیک لوگوں کی مل گئی۔ اللہ تو کتنا رحیم و کریم ہے۔'' وہ ہاتھ اٹھا کر اس کی خوشحالی کے لیے دعائیں مانگنے لگی۔

''آنٹی ہم دونوں ایک ہی گاڑی میں چلتی ہیں۔ گپ شپ بھی رہے گی۔'' جہان نے اپنی خدمات پیش کیں۔ تو ریحانہ نے گاڑی کی چابی پرس میں ڈال دی۔

''وائے ناٹ۔ گڈ آئیڈیا۔'' وہ خوش ہوتے ہوئے بولی اور ممی کے ساتھ دونوں باہر نکل گئیں فرشتے کو ممی نے اپنے ساتھ چپکا لیا اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اسے گاڑی تک لے آئی۔ BMW کی نرم و گداز سیٹ پر بیٹھ کر اس نے کنکھیوں سے شامیر کو دیکھا۔ بوسکی کا کرتہ اور لٹھے کی شلوار اور سلور کھسے میں وہ بہت ڈیفرنٹ سا لگ رہا تھا۔ شال اس نے بڑے خاص اسٹائل سے کندھے پر ڈالی ہوئی تھی۔ آج فرسٹ ٹائم اس نے اسے پاکستانی لباس میں دیکھا تھا۔ کس قدر ڈیسنٹ لگ رہا تھا کہ وہ کھو سی گئی۔ پلوشہ کی باتیں اسے پھر سے مضطرب کرنے لگی تھیں۔ تم نے بہت بے صبری دکھائی۔ ویری سوری پلوشہ وہ دل ہی دل میں اپنی بہنوں کی زندگی پر افسوس کیے جا رہی تھی۔ عورت کی شرافت اور عزت ہی تو سب سے بڑی دولت ہے۔ اسے زمانہ قدم قدم پر پرکھتا ہے۔ پہلے دانہ ڈالتا ہے۔ پیسوں کے جھنکار سے کانوں کی قوت سماعت کو سلب کرتا ہے۔ اس کی چمک سے آنکھوں کے نور کو چھین لیتا ہے اور ذہن و قلب پر ایک مضبوط اَن مٹ مہر ثبت کر کے پاک دامنی کا بیوپاری بن جاتا

ہے۔

تم تینوں کے ساتھ یہی کچھ ہوا ہے کہ تلخ حقیقت اور زہریلی سچائی کو مادر شیر سمجھ کر خود کو سیراب کرلیا۔ پیٹ میں انگارے بھر لیے۔ بدن کو بچھوؤں اور سانپوں سے ڈھک لیا۔

''فرشتے! کیسا لگ رہا ہے یہ سب؟'' شامیر نے سوچوں میں غرقاں فرشتے کا ہاتھ پکڑ کر آہستگی سے کہا۔ تو وہ ایک دم سے چونکی اور اپنی سوچوں سے نکل کر آس پاس کا جائزہ لینے لگی۔ شامیر کو دیکھ کر ذرا سا نادم ہوئی اور ملائمت سے کہا۔

''آپ نے کچھ فرمایا ہے؟''

''فرشتے میرے اینجل میں تمہاری فیلنگز کو سمجھتا ہوں۔ اپنے ماضی کو ہر قدم پر یاد کرو گی تو حال ناخوشگوار ہو جائے گا۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا' اسے بھولنے کی کوشش کرو نہ کہ ہر قدم پر یادوں سے خود کو اذیت پہنچاتی رہو۔ ہمیں ایک حسین و مضبوط حال اور کامیاب مستقبل چاہیے۔ ورنہ اس رشتے کی بنیادوں میں کمزوری آجائے گی اور لوگوں کی الٹی سیدھی باتیں سچی لگنے لگیں گی اور یہ رشتہ پچھتاووں کی نذر ہو جائے گا۔ ہمیں اپنے اس فیصلے کو استحکام دے کر فولادی قلعے کی مانند مضبوط بنانا ہے۔ میں تمہارا تحفظ ہوں فرشتے۔ دل سے تمام خدشات جڑ سے اکھاڑ پھینکو۔ یہ جو آج تم نکاح نامے پر دستخط کرنے جا رہی ہو۔ اس کا مقصد مجھ سے جینے مرنے اور وفا کا عہد ہے۔ مگر انہی میں یہ عہد بھی پوشیدہ ہے کہ آج کے بعد میں تمہارے چہرے پر ناخوشی، اداسی اور مایوسی نہ دیکھوں۔ میں اتنے سے عرصے میں سمجھ گیا ہوں کہ تم نہایت سادہ طبیعت کی کم گو لڑکی ہو۔ تمہیں میری طبیعت کا بھی اندازہ تو ہو گیا ہو گا ناں۔ بس ہم دونوں نے ایک دوسرے کی سنجیدگی اور شوخی کو شریک سفر جان کر ایک دوسرے کے ساتھ چلنا ہے۔ میں تھوڑا مدھم ہونے کی کوشش کروں گا۔ فی الحال تمہیں مجھے جوائن کرنے میں مشکل ہرگز نہیں ہو گی۔ اور ایک دن آئے گا۔ جب لوگ کہنے لگیں گے۔ کیسی ہم آہنگی ہے فطرت میں اور کیسی مشابہت ہے شکلوں میں بہت جلد میاں بیوی بہن بھائی لگنے لگتے ہیں ناں۔'' وہ شوخی سے بولا۔ ایک نسوانی کھنکتی ہوئی ہنسی ابھری اور وہ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے کھینچ کر کسمسائی اور جھجکتے ہوئے بولی۔

''آج تو ڈرائیور کا ہونا ضروری تھا۔ مجھے تو آپ کی ڈرائیونگ سے بہت خوف آنے لگا ہے۔''

''ہم دونوں کے درمیان زندگی بھر ڈرائیور نہیں آئے گا۔'' وہ میریٹ کے سامنے جا رکا۔ پورچ میں ممی' پاپا' ریحانہ اور جہان محو انتظار تھے۔

پاپا نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور بے حد شفقت سے اسے پکڑ کر باہر نکالا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ہال کی طرف چل دیئے۔

فرشتے کو اپنی تقدیر پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ پاکستانیوں کے بارے میں جو امیج تھا وہ تو یکسر ہی کہیں غائب ہو گیا تھا۔ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں [illegible] کی باتیں اس کے کانوں میں

گونجنے لگیں۔ ہم کسی کے حالات کو معلوم کئے بغیر، کسی کی فطرت کو جانے بغیر ججمنٹل کیوں ہو جاتے ہیں۔

وہ دل میں ہی خود کو لعنت ملامت کرتی اسٹیج تک پہنچ گئی۔

شامیر نے اپنا ہاتھ بڑھا کر اسے اسٹیج کی دو عدد سیڑھیاں چڑھائیں اور ساتھ ہی مولوی صاحب نے نکاح کے خطبے کے آغاز کر ڈالا۔ ہال میں بیٹھے ہوئے تھوڑے سے لوگوں نے تمام تر توجہ مولوی صاحب کے خطبے کی طرف کر دی۔

نکاح سے فارغ ہونے کے بعد پاپا نے دعا کی۔ محبت کے جذبات سے بھرپور اور پائیدار دعا سن کر کس کی آنکھوں میں آنسو نہ آئے تھے۔ فرشتے نے آنسو ضبط کر لیے تھے۔ کیونکہ آج نکاح نامے پر دستخط کرتے ہوئے اس نے ہمیشہ خوش و خرم رہنے کا عہد بھی تو کیا تھا۔ ماضی کو بھول جانے اور حال کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھنے کا پکا اور مستحکم وعدہ بھی تو کیا تھا۔

رخصتی کے موقع پر بھی شادی کا ڈریس فرشتے کی پسند کے مطابق بنایا گیا۔ سفید رنگ کے ڈریس میں وہ بہت پاکیزہ اور حد سے زیادہ نکھری اجلی لگ رہی تھی۔ ان کے رشتے داروں نے اس انگلش ویڈنگ ڈریس پر اعتراض بھی کیا اور سینکڑوں طعنے بھی دے ڈالے جبکہ ممی پاپا اور شامیر کو اس کی اس خواہش پر اعتراض ہوا تھا نہ ہی انکار کی نوبت آئی تھی۔ کیونکہ وہ فرشتے کی خوشیوں اور چاہتوں کو جس حد تک پورا کر سکتے تھے۔ اسے نبھانا چاہتے تھے سوچا جائے تو یہ بات بہت چھوٹی تھی، مگر ایسا کرنے کے نتائج بہت عظیم تھے۔ آخر فرشتے نے انہی کی نسل کو آگے بڑھانا تھا جس کی نام کومل شخصیت کو ان کی محبتوں کی چاشنی میں پروان چڑھنا لازم تھا۔ وہ زیرک لوگ اس کی زندگی میں پہلے دن سے بے اعتنائیوں اور بے پرواہیوں کا بیج کیونکر بوتے۔ یہ دور اندیش اور خوف خدا رکھنے والے دانش مند لوگ تھے۔ اس لیے انہوں نے کسی کی باتوں کی پروا کئے بغیر اپنے بیٹے کی ہر رسم کو خوب نبھایا تھا۔ ہر رسم پر ایسے محسوس ہوتا تھا جیسے شامیر کے لیے کسی شہزادی کا انتخاب کیا گیا ہے۔ جن کی خوشی کی خاطر شادی کی ہر رسم انہی کے مطابق تشکیل دی جا رہی ہے۔ مگر پراپرٹی میں اس کا کہیں نام نہ ڈالا گیا تھا کیونکہ یہ یہاں کا رواج جو نہ تھا۔

ہوسٹل کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ کر وہ اپنے پیا کے گھر سدھار گئی۔ اس کے رستے ہوئے زخموں پر شامیر نے جو مرہم رکھا تھا۔ اس کی طمانیت میں سرشار ہو کر وہ شکرانہ ادا کرتی کہ اللہ کے کتنے خوبصورت اور دلکش رنگ ہیں جنہیں پہچاننے کے لیے راسخ ایمان کی کنجی کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ کنجی باری تعالیٰ ان بندوں کو سونپتا ہے جنہیں اس کی نوازشات و عنایات کے دروازے کھولنے کا ڈھنگ و سلیقہ آتا ہو۔ جو صابر و شاکر ہوتے ہیں۔ خود کو حالات کے مطابق ڈھال کر بھی پرسکون رہتے ہیں۔ دوسروں کو حسد و عناد سے نقصان نہیں پہنچاتے۔ نہ ہی دوسروں کو حسرت و یاس سے دیکھ کر اپنے

بے نیاز رب سے گلہ وشکوہ کرتے ہیں۔ راضی برضا رہنے کو عبادت سمجھ کر سجدہ ریز رہتے ہیں اور منہ زور جوانی کی طاقت کے بے جا استعمال سے پرہیز کرتے ہیں اور اپنے مستحکم کردار کی بلندیوں پر براجمان رہ کر ثابت قدمی سے بامقصد زندگی گزار جاتے ہیں۔

وہ گہری سوچ میں غرقاں اللہ سے ہم کلام تھی۔ وہ اس کے احترام میں بڑبڑانے لگی۔ یہی لوگ اپنے رب کے بہت قریب ہوتے ہیں جنہیں وہاں اپنے رسولوں کی قربت نصیب ہوگی اور انہی پیاروں سے اللہ تعالیٰ روبرو بات کرے گا اور ہر طرف سے مبارکبادیں وصول کرتے ہوئے وہ دنیا کے چند لمحوں کے قیام کی آزمائشوں کو فراموش کردیں گے ان کی وہ تمام دعائیں جو عرش معلیٰ پر محفوظ تھیں۔ وہ تمام پوری کردی جائیں گی۔ لاریب فیہ وہ دنیا حسین اور پرتسکین ہے۔ اللہ ہی لافانی ہے اس کی ذات کو بقا اور دوام ہے۔ وہاں کی زندگی ابدی ہے جو زوال سے محفوظ اور عروج سے ہمکنار رہے گی۔

یہاں کی چند لمحوں کی بے وقعت سی زندگی کے لیے کیا رونا دھونا اور دوسروں کے حقوق ڈھٹائی سے غصب کرنا سراسر گھاٹے کا سودا ہے۔

مگر ہم یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی ایمان وعقیدے کے بہت کمزور اور لاغر بندے ہیں۔ نہ ہمیں اپنے جذبات ومحسوسات پر قابو ہے۔ نہ ہی زبان اور ذہنی سوچ اور دلی فیصلوں پر اختیار ہے۔ اختیارات تو اسے ہمارے ہاتھ میں دے رکھے ہیں۔ اسی پر عذاب اور ثواب واقع ہوتے ہیں' مگر توفیق بھی تو اسی کی مہربانی سے آتی ہے ہمت وقوت دینے والا بھی تو وہی ہے۔ تقدیر کا لکھاری بھی وہی۔ تدبیر اور کوشش کی مقبولیت میں بھی اسی کا ہاتھ ہے۔ وہ بہت گہری باتیں سوچے جارہی تھی۔ اتنی کمسنی اور نوعمری میں زمانے نے اسے دانشمند بناڈالا تھا۔

✣ ❖ ✣

وہ ہنی مون کے لیے ملائیشیا روانہ ہونے لگے تو ممی کی آنکھوں سے اداسیاں چھلکنے لگی تھیں۔ اسے آج جان لیوا احساس ہوا کہ اس نے اپنا بیٹا اپنے ہی ہاتھوں سے ایک انجان لڑکی کے آنچل سے باندھ کر خود سے دور کردیا ہے۔ صرف بیٹی ہی پرائی نہیں ہوتی۔ بیٹا بھی تو اپنا نہیں رہتا۔ اگر ماں کا دل دھرتی کی طرح وسیع اور سمندر جیسی فراخی اور آکاش جیسی رفعتوں سے بھی عظیم تر نہیں ہوگا تو وہ تقدیر کی لکھی ہوئی اس دوری اور جدائی کو برداشت نہیں کرپاتی۔ ممی فرشتے کو کمرے میں پہنچا کر شب بخیر کہتے ہوئے ڈھل گئی تھی۔ وہ رات بھر سو نہ سکی تھی۔ اس کا لخت جگر جس کو اس نے نو مہینے اپنی کوکھ میں محفوظ کرکے اسے اپنے خون سے سینچ کر اپنے وجود کا حصہ بنائے رکھا۔ اس کی پیدائش پر دردزہ کو ہنس کر برداشت کیا تھا اور پھر اس کے دن کا سکون وآرام اور رات کی میٹھی نیندوں کو قربان کرکے اسے پروان چڑھایا تھا۔ اس نے جہاں پاؤں رکھا تھا ماں نے اس جگہ کی بلائیں لی تھیں۔ جب اس

کی زبان سے پہلا لفظ ماما ادا ہوا تھا۔ تو اس نے صدقہ وخیرات کیا تھا۔ وہ رویا تو اس پر جان نثار کرنے کو تیار ہوگئی۔ بیمار پڑا تو راتیں ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر گزرنے لگیں۔ اس کی ایک مسکراہٹ اس کی زندگی کی تمام تر کلفتوں پر حاوی ہوگئی۔

مگر بہو کے آتے ہی سناریو بدل کیوں جاتا ہے؟ اس کی ہنسی کھٹکنے لگتی ہے۔ اس کی خوشی اور کامیابی کی چاہ مٹی میں دفن کیوں ہوجاتی ہے۔ ماں اس معاملے میں نابلد ہوتی ہے۔ بیٹا بھی سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے اور زندگی حسرتوں اور ناامیدی ومایوسی کی آماجگاہ میں جا چھپتی ہے۔ ممی شکستہ دلی اور ذہنی انتشار میں مقید انہیں ایئرپورٹ چھوڑتے ہوئے خود پر قابو نہ رکھ سکی۔ نیر بہاتی آنکھوں سے انہیں ڈھیر ساری دعاؤں کے ہمراہ دکھے دل سے الوداع کیا اور بوجھل قدموں سے پاپا کا سہارا لے کر گاڑی تک بمشکل پہنچی اور تمام رستہ جی بھر کر رونے میں طے ہوا۔

پاپا کو اپنی مرحومہ ماں کی تمام غیر مناسب اور غیر موزوں حرکات وسکنات یاد آنے لگیں۔ وہ بھی تو اس کے پاؤں کی بیڑی بن گئی تھی۔ تعلیم کی کمی کی وجہ سے بہو کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ وہ سراسیمگی کے عالم میں گھر پہنچے۔ ممی ایسی دل برداشتہ ہوئی کہ کمرے میں قید ہوگئی اور تین دن تک باہر نہ نکلی۔ نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ محض عبادت پر پوری توجہ دے کر خود کو سنبھالنے کی کوشش میں محو رہی۔

پاپا تمام وقت اس کے ساتھ بیٹھے اسے سمجھاتے رہتے اور اس حقیقت کو جو کڑوی کہیں سے نہیں تھی۔ دل وجان سے قبول کرنے کی تلقین کرتے رہتے، مگر اس پر کوئی اثر ہی نہ ہو رہا تھا۔ بیٹے کا فون آتا تو دھاڑیں مار مار کر رونے لگتی۔ بہو کو اپنی اداسی کا طویل ترین نقشہ کھینچ کر پیش کرتی۔

ظاہر ہے شامیر کا پریشان اور فکر مند ہونا ایک فطری امر تھا۔ فرشتے کو بھی گلٹی فیلنگ نے مضطرب کر کے رکھ دیا تھا۔ دس دن گزرنے کے بعد ان کی سنگاپور روانگی تھی۔ ممی ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ کر رہ گئی۔ اسی کیفیت میں بیٹے کو فون کر ڈالا۔

''شامو بیٹا۔ بس دس دن بہت ہیں جدائی کے جلدی سے واپس گھر پہنچو۔''

''اب میں ایک لمحہ بھی تمہارے بغیر نہیں گزار سکتی۔'' لہجہ تحکمانہ تھا۔

''ممی! آپ ہمارے ساتھ ہی آجاتیں تو بہتر تھا۔ خوب مزا رہتا۔ ابھی تو ہم دونوں کے دل ودماغ میں آپ ہی سمائی ہوئی ہیں۔ دل پریشان سا ہی ہوگیا ہے۔ ہنی مون کا سارا مزا کرکرا ہوگیا ہے۔''

وہ متذبذب لہجے میں بولا۔

اس سے پہلے کہ ممی کوئی اور قصیدہ پڑھتی۔ پاپا نے فون اس کے ہاتھ سے لے لیا اور شامیر کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ''تم اپنا ہنی مون کمپلیٹ کر کے نہ لوٹے تو میں خفا ہوجاؤں گا۔ ویسے بھی اب تمہاری ماں کو عادت ہوجانی چاہیے کہ اب تمہاری اپنی زندگی ہے۔ اپنی زندگی میں خوشیوں

اور راحتوں کے رنگ بھرنے پر تمہارا حق ہے۔ فرشتے کو پریشان کرنے کی ضرورت نہیں۔ مشکل سے تو اس کے چہرے پر سکون اور ہونٹوں پر مسکراہٹ رقصاں ہوئی ہے۔ اس لیے آج کے بعد نہ تو ہمیں فون کرنا نہ ہی ہمارا فون اٹینڈ کرنا۔'' انہوں نے سختی سے کہا اور فون بند کر دیا۔

''ہمیشہ آپ نے مجھ پر ظلم ہی ڈھائے ہیں۔ مگر اب آپ کی یہ زیادتی اور بے انصافی برداشت نہیں کروں گی۔ بیٹا چھوٹ گیا ناں مجھ سے تو سن لیں کان کھول کر میں آپ کو بھی چھوڑ جاؤں گی۔'' وہ گلوگیر لہجے میں بولی۔

''بیگم ماں چاہے غریب ہو یا امیر۔ ان پڑھ ہو یا پڑھی لکھی۔ سب کے احساسات وجذبات ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں۔ خدا کے لیے اپنے بچے کی زندگی عذاب مت بناؤ۔ اسے آزاد کر دو۔ رہائی دے ڈالو اسے ورنہ وہ خود ہی تمہار پیار وصحت کی اسیری سے نکل جانے پر مجبور ہو جائے۔ پھر تم اس کی اس حرکت کو برداشت کیسے کرو گی۔ مر جاؤ گی جیتے جی اور خوب تماشہ بنو گی اپنے شریکوں اور برداری میں۔ میری بات پر غور کرو تم تو بہت سمجھدار خاتون ہو۔ تم سے ایسی امید تو ہرگز نہ تھی۔'' وہ نرمی سے بولے۔ ''بس کہہ دیا ناں کہ میں یہ صدمہ برداشت نہیں کر سکتی۔''

''وہ میرا بیٹا ہی نہیں میرا غمگسار اور ہمدرد دوست بھی ہے۔ اس کے بغیر جینے کا تصور کرنا ہی حرام ہے۔'' وہ آنسو صاف کرتے ہوئے بولی تو وہ غصے سے چیخے۔

''تو پھر جاؤ۔ ہم تو ویسے ہی بونس پر ہی زندہ ہیں۔ اپنے بچے کی زندگی کو بچا لو۔ فرشتے کی خوشیوں کو ازلی بنا دو بیگم۔ اس گھر کی خوشیاں صرف تمہارے ہاتھ میں ہیں۔ دیکھو تم ہم سب کے لیے کتنی اہم ہو۔ تمہیں ہم ناخوش نہیں دیکھ سکتے۔ سنبھلنے کی کوشش کرو۔ میری ماں کی طرح تھوڑ دلی نہ بن جانا۔''

''آپ نے مجھے کہہ دیا کہ مر جاؤں۔ اب میری ضرورت نہ تو آپ کو ہے نہ ہی آپ کے بیٹے کو تو خوب رہی کہ مر جاؤں۔'' وہ ایک دم سے آنسو صاف کر کے سنجیدہ ہو گئی۔ ''میری اہمیت کا احساس تو آپ نے مجھے دلا ہی دیا ہے۔ تھینک یو ویری مچ۔''

''بیگم تمہیں چند الفاظ میں بہت عظیم داستان سنانے جا رہا ہوں۔ ذہن کو ہر طرح کی منفی سوچوں سے پاک کر کے مثبت خیال سے فیصلہ کرنا کہ تم کیا کرنا چاہتی ہو۔

ماں

میرا ایکا ایمان ہے
اور سچا عقیدہ ہے
تیرے مقدس پاؤں کے نیچے
میری حسین جنت ہے میری بخشش ہے

لیکن میرا اک سوال ہے تم سے
اپنے پلائے ہوئے دودھ کی قسم
رت جگے اور تیرے ایثار کی قسم
بتا اے ماں
جب سے میری زندگی کے سفر میں
میرے ساتھی نے شرکت کی ہے
خوشیاں کہاں چلی گئیں
تیری بے لوث محبت پر منوں مٹی کیوں
اور میری زندگی جہنم کیوں؟

اپنے بچے کی زبان سے یہ سوال اگلوانا چاہتی ہو تو جس راستے پر چل نکلی ہو۔ چلتی جاؤ۔ آگے خندق ہی تمہاری منزل مقصود ہوگی۔''

وہ اسے اتنا سا کہہ کر بے رخی سے اٹھے اور باہر نکل گئے

وہ سکتے کے عالم میں انہیں جاتا ہوا دیکھنے لگی۔

''یہ کیسا پیار ہے؟ جو اک اٹوٹ زنجیر ہے میرے بچے کے پاؤں کی۔''

وہ ایک گھمبیر سوچ کے بعد بڑبڑائی اور اٹھ کر فریج سے پانی نکال کر پینے لگی۔

''الٰہی مجھے صبر دے دے۔ جب سے یہ دنیا وجود میں آئی ہے ماؤں کا یہی رول رہا ہے۔ اس کے نصیب میں تم نے زندگی میں ہی اولاد کی جدائی لکھ دی کہیں پیار و ممتا سے جدائی۔ میٹھے جذبوں سے جدائی۔ معطر خوشبو سے جدائی، کلکاریوں سے جدائی، اس کی چاہتوں سے جدائی۔ اس کی دلربا باتوں سے جدائی۔''

''جدائی میرا مقدر ہے میرے مولا میں بھی اک مخلص اور بے لوث ماں بن کر اپنے بچے کی جدائی کو ہنس کر سینے سے لگالوں۔ کہیں میرا شامیر میری محبت کے جال میں پھنس کر اپنی شریک سفر سے الگ نہ ہوجائے۔ اس سے دور ہوکر وہ میرے قریب کیسے رہ سکتا ہے۔ وہ تو مجھ سے نفرت کرنے لگے گا۔''

اس نے اسی وقت شامیر کو کال ملائی تو دوسری رنگ پر شامیر نے فون اٹھالیا۔ دل میں پریشانی تو پہلے سے ہی تھی اب اداسی سی چھا گئی کہ اگر ماں نے واپس آنے کا حکم صادر کردیا تو وہ انکار نہیں کرسکے گا اور فرشتے کیا سوچے گی۔ میں ابھی تک ماں کے پلو سے بندھا چل رہا ہوں۔

''جی ممی! فرمائیے۔'' وہ نہایت مؤدبانہ گزارش میں بولا۔

''آئی ایم سوری بیٹا میں خوامخواہ ہی جذباتی ہورہی تھی۔ تم فرشتے کے ساتھ خوب انجوائے کرو۔

یہ دن بار بار نہیں آتے۔ ہر لمحہ ہر ساعت انمول ہوتا ہے ان دنوں کا۔'' وہ ملائمت سے بھرپور لہجے میں بولی تو وہ شاکڈ سا ہوگیا کہ ایک گھنٹے میں بھی کسی انسان میں اتنی بڑی تبدیلی رونما ہوسکتی ہے اور پھر وہ بھی ماں میں یہ کیسے ہوگیا؟ یہ اللہ ہی تو ہے جو دلوں کو بدل ڈالتا ہے۔

''بیٹے! خاموش کیوں ہو؟ یقین نہیں آرہا میری جان کو۔ میرے دل کے شہنشاہ کو۔ میری روح کے سکون کو میری آنکھوں کے نور کو۔ ہے ناں یہی بات۔'' وہ محبت آگیں لہجے میں بولی۔

''ممی فرشتے نے آپ کو یوں تڑپتا بلکتا ہوا سن کر واپسی کا پروگرام بنالیا ہے۔ ہم سنگاپور کے بجائے پاکستان واپس آنے کی تیاری کررہے ہیں۔''

وہ بھی پیار بھرے لہجے میں بولا۔''آپ نے اب پریشان نہیں ہونا ممی میں آپ کو دکھی نہیں دیکھ سکتا۔''

''میری فرشتے سے بات کراؤ۔ اللہ اس کو رہتی دنیا تک سہاگن رکھے۔''

وہ دعائیہ انداز میں بولی تو شامیر دل میں ہی ماں کی دعا سن کر مسکرادیا۔ دعا بھی دی تو بیٹے کی ذات سے وابستہ دعا۔ یہ ماں بھی نجانے کس مٹی سے تشکیل دی گئی ہے۔

''فرشتے! آپ دونوں اپنا ہنی مون مکمل کرکے واپس لوٹیں گے تو مجھے بے پناہ خوشی ہوگی۔ اس لیے سنگاپور جانے کی تیاری کرو۔ اپنی خیریت کی خبر دینا مت بھولنا'' وہ شگفتہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔''بس میری اسی واحد خواہش کی قدردانی کرنا۔ تمہاری تہہ دل سے مشکور رہوں گی۔''

''ممی! آپ کی خوشی مجھے مقدم ہے بہت عزیز ہے۔ آپ کی ناخوشی اور پریشانی میں ہم انجوائے نہیں کرسکتے۔ ماں کی آنکھوں سے گرے ہوئے چند آنسو بھی اولاد کے مقدر کو تاریک کرسکتے ہیں۔ ممی ہمیں آپ کی ہر سانس کے ساتھ خلوص ہمدردی اور الفت ولگاوٹ سے بھرپور دعائیں چاہئیں۔''

وہ عقیدت مندانہ لہجے میں بولی۔

''وہ تو ہر وقت جاری وساری ہیں میرے بچے۔ جاؤ اپنے میاں کے ساتھ جی بھر کر گھومو پھرو اور اسے سمجھنے اور اس پر حکمرانی کرنے کے گر سے آشنا ہونے کی کوشش کرو۔'' وہ پیار سے بولی۔ تو فرشتے کچھ مطمئن سی ہوگئی فون بند ہوگیا اور ممی اپنے تکیے پر ہی سجدے میں گر کر خدا کا شکرانہ ادا کرنے لگی کہ بروقت اس نے اپنے گھر کو جہنم کا اکھاڑہ بننے سے بچالیا۔

وہ گھر جسے آباد اور خوشحال رکھنے کے لیے اس نے ان گنت قربانیوں پر بھی مسکراہٹیں بکھیری تھیں۔ اپنی جابر وطناز ساس کی ہر کڑوی کسیلی بات کو شہد کا گھونٹ سمجھ کر پی لیا تھا۔ آج بھی اسی گھر کی خاطر دل پر سل رکھ لو۔

''فرشتے! تم میں اور مجھ میں کونسی عادت مشترک ہے جانتی ہو ناں۔ بڑوں کی عزت کی

پاسداری کرنا۔ بس اس لیے تو تم پر بغیر کسی سوچ بچار کے فنا ہو گیا۔''
شامیر نے اسے پیار بھری نظر سے دیکھ کر کہا۔
''آپ نے درست فرمایا ہے۔''
''ہمارے خاندان میں بھی بچے بڑوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بات بھی نہیں کرتے۔ جہاں بزرگ حضرات براجمان ہوں' وہاں ہم اپنی زبانوں کو لگام لگا لیتے ہیں چاہے ان کی کسی بات پر ہمیں اختلاف ہی کیوں نہ ہو؟ حالانکہ انہی بزرگوں سے ہماری دوستی و یاری بھی بے حد مضبوط ہوتی ہے۔ مگر زبان درازی، بدتمیزی اور ان کے کسی بھی فیصلے سے انکاری ناممکن ہے۔ میں نے اپنے گھر کی چار دیواری میں اپنی ماں کی آغوش میں یہی اصول سیکھے ہیں۔ اس لیے مجھے ممی کی کوئی بات بری نہیں لگتی۔ وہ آپ کی ماں ہیں۔ بھلا میں کل کی آئی ہوئی آپ کو ان سے دور کرنے کا گناہ کیونکر کروں۔'' وہ سمجھداری سے بولی۔
''ہمارے کلچر میں بھی ایسا ہی قانون صدیوں سے نافذ ہے۔ اب والدین کی کلوزنیس کی وجہ سے کچھ تبدیلیاں رونما ہونے لگی ہیں۔ اگر والدین پیار کے ہاتھوں کمزور نہ پڑ گئے تو احترام و لحاظ ہمیشہ برقرار رہے گا۔ ورنہ اپنی تہذیب اور اس کے جاری کردہ اصول مین ٹین کرنا آسان نہیں ہوگا کیونکہ ہم پر مغربی تہذیب کی چھاپ نے ہمیں مشرق سے دور کر دیا ہے۔''
وہ عمدہ طریق سے بول کر اسے مطمئن کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔
''شامیر! میں نے ممی میں اپنی ماں کی جھلک دیکھی ہے۔ بھلا انہیں پریشان کیسے دیکھ سکتی ہوں۔ پاپا، میرے والد کا درجہ رکھتے ہیں۔ میرا آپ سے وعدہ ہے کہ آپ کو ماں اور بیوی کی کھینچا تانی میں کبھی پریشان نہیں کروں گی۔ آپ پر ماں کا حق مجھ سے زیادہ ہے۔ انہیں کبھی بھی رنجیدہ نہیں کریئے گا۔ ماں باپ تو مہمان ہوتے ہیں نجانے کب اپنے اصلی گھر کی سمت چل پڑیں۔'' وہ سمجھانے کے انداز میں بولی۔
''تو محترمہ یہ بتاؤ کہ مابدولت کس کیٹیگری میں آتے ہیں۔'' وہ اس کے قریب ہوتے ہوئے بولا۔ ''ڈاکو، چوراچکا اور دھاندلی باز پرلے درجے کا۔ یہ ہے آپ کا اسٹیٹس۔'' وہ بے اختیاری سے بولی تو شامیر نے اسے پیار سے ہلکی سی چپت رسید کرتے ہوئے کہا۔ ''مزاجی خدا پر یہ تمام القابات خوب بیٹھتے ہیں۔ میری کیٹیگری کا چناؤ بالکل درست ہے۔ ہم سر تسلیم خم کرتے ہیں محترمہ۔''
وہ اپنی قسمت پر نازاں و فرحاں ہوتی ہنستی چلی گئی۔
ایسی ہنسی جس میں سچائی و رعنائی تھی۔ طمانیت و اپنائیت تھی۔
''ویسے فرشتے تم میری سوچ سے زیادہ سمجھدار نکلی ہو۔'' وہ جذبات سے مغلوب ہو کر محبت بھرے لہجے میں بولا۔

''وہ کیسے؟'' وہ اس کی آنکھوں کی گہرائی میں کھبتے ہوئے بولی۔

''تم میری بات کو اس حد تک اہمیت دو گی۔ مجھے اندازہ نہ تھا کہ تم تو دلوں کے حال جانتی ہو۔ ارادے پہنچاتی ہو۔ بہت دوراندیش ہو۔ اپنی عمر سے بہت بڑی کہیں مجھ سے دھوکہ تو نہیں ہو گیا کہ اپنی عمر سے بڑی لڑکی سے شادی رچالی۔''

وہ چھیڑتے ہوئے بولا۔

''کونسی بات۔ میں تو بھول گئی ہوں اور دھوکہ تو ہوا ہے مانتی ہوں۔''

''یہی کہ دستخط کرنے کے ساتھ خوشیوں کے گوشواروں پر بھی اعتراف کرنا اور پھر اس پر عمل کرنا۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔''اس پر قائم رہنے کا شکریہ۔''

''شامیر آپ کی قربت میں نہ تو کسی قسم کا ڈر خوف ہے' نہ ہی کوئی پریشانی لاحق ہے۔ اپنوں کی یادیں بھی کچھ مدھم اور دھیمی پڑ گئی ہیں۔ پھر کیونکر ناشکری کروں اس سب کی۔ جس نے مجھ ناچیز کو آپ جیسا ہم سفر دیا۔ میں بہت خوش بخت ہوں شامیر۔'' خوشی سے اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔''میں تو اک ناچیز اور بے نام سی لڑکی تھی۔ آپ نے اپنا نام سونپ کر مجھے اعلیٰ ارفع مقام پر پہنچا دیا۔''

''تمہاری آنکھیں اتنی حسین ہیں کہ ان میں آنسو جچتے نہیں ہر انسان ناچیز ہے۔ جب تک اس میں اللہ کے رنگ سرائیت نہیں کر جاتے۔ وہ بے نام بھی ہے۔''

وہ اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے بولا۔''رونے پر پابندی ہے۔ یاد ہے ناں تمہیں کہ تعریف نے فراموش کر دیا ہے اس وعدے کو۔''

''شامیر بعض اوقات شکرانے میں خوشی میں بھی آنسو بہہ نکلتے ہیں۔ آپ تو سراسر اناڑی ہی نکلے۔ غمی اور خوشی میں بہنے والے آنسوؤں کی پہچان سے ہی نابلد ہیں۔'' وہ چھیڑتے ہوئے بولی۔

'' ہاں بھئی ہم ٹھہرے سیدھے سادے شوہر۔ بھلا کیسے جان پائیں گے تمہاری اندرونی کیفیات کو۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔

'' سیدھے سادے ہیں آپ۔ آپ جیسے چار اور مل جائیں ناں تو قسم سے پاکستان بھی کابل بن جائے۔ قندھار بن جائے۔'' وہ ایک دم سے سنجیدہ ہو گئی۔

''انجلی۔ کبھی کسی ملک میں اتنی بدامنی اور ظلم و تشدد نہ ہو فرشتے تم کسی وقت مجھے اپنی فیملی کے بارے میں تفصیلاً ضرور بتانا کہ تم نے زمین اور آسمان کو پلٹتے کیسے دیکھا تھا؟ کیا محسوس کیا تھا تم نے تمہارے کچھ رشتے دار کابل اور قندھار میں آج بھی موجود تو ہوں گے۔ میں آج تک تمہاری خوشی کو مدنظر رکھ کر پوچھنے کی جسارت نہ کر سکا۔''

وہ سوچتے ہوئے بولا تو وہ پاؤں تک لرز گئی۔ وہ کیسے بتاتی کہ اتنی دور کیا جاتا؟ اسی ملک میں میری تین بہنیں' ایک ماما' مامی اور ایک کزنز موجود ہیں۔ بہنوں سے ان کے کرتوتوں کی وجہ سے نہیں

ملاسکتی۔ ماما سے ان کی ناگفتہ بہ حالت کی وجہ سے ملوانا مشکل ہے۔

زرتاش نجانے زندہ بھی ہے کہ نہیں۔ کس کس کا حال کن الفاظ میں پیش کروں خاموشی ہی بہتر ہے۔ وہ سوچ میں کھوگئی تھی۔

''اینجل۔ میں تمہیں کابل لے چلوں گا۔ تمہیں تمہارے رشتہ داروں سے ملوالاؤں گا۔ اور اس گھر کی زیارت کرنے ضرور جاؤں گا۔ چاہے وہ گھر کھنڈرات میں ہی کیوں نہ بدل گیا ہو؟ وہاں اللہ کے حضور سربسجود ہوکر شکرانہ ضرور پیش کروں گا جس نے تم جیسی شریک حیات میری قسمت میں لکھ دی۔'' وہ سرشاری میں بولے جارہا تھا۔

''شامیر! آپ زندگی کے کسی موڑ پر بدل تو نہیں جائیں گے۔ یہ خوف ہر وقت مجھ پر طاری رہتا ہے۔ باقی تو تمام اندیشوں اور خدشوں سے رہائی مل گئی ہے۔ مگر میں اس ڈر کی تاریک آماجگاہ میں ہر پل مضطرب سی رہتی ہوں۔ اس سے چھٹکارا کیسے حاصل کروں؟ شامیر زندگی میں ڈر ایسا عذاب الٰہی ہے جو سوتے جاگتے شعلوں کی تپش سے ہمکنار رکھتا ہے۔''

وہ سہمے ہوئے لہجے میں بولی۔

''فرشتے! ایسی بیہودہ سوچوں سے باہر نکل کر میرے خلوص و پیار کو پرکھو۔ میری جان۔ تمہیں خوشیاں دینے کے لیے اپنایا ہے۔ دکھوں میں اضافے کا پروگرام قطعاً نہیں۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔

''اگر نیکی کرنے کی استطاعت نہ ہو تو برائی کرنے کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ بے فکری میں زندگی گزارو۔''

''اس کا بھی پورا بھروسہ اور یقین ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''چلو اٹھو تیار ہوجاؤ۔ باہر نکلتے ہیں۔ سنگاپور بھی اپنے ہی مزاج کا ملک ہے۔ عجوبہ ہے چند کلومیٹر پر آباد یہ ملک ترقی یافتہ ملکوں کی فہرست میں آتا ہے۔'' وہ صوفے سے اٹھتے ہوئے بولا۔

''اب ہم اچھی اور دل و دماغ کو تروتازہ رکھنے والی باتیں کریں گے ٹھیک ہے ناں۔'' فرشتے نے اس کی توجہ دوسری طرف مبذول کرنا چاہی۔

''حکم بسروچشم۔'' وہ بھی صوفے سے اٹھ کر آئینے میں اپنا جائزہ لینے لگی۔

حسن نکھر کر اور بھی دلنشیں اور دلکش ہوگیا تھا۔ جب سے شامیر نے اس کے ساتھ زندگی نبھانے کے عہد و پیمان کیے تھے۔

''شامیر ہوٹل سے نکلنے سے پہلے ممی کو فون کرنا اور ان کی ڈھیر ساری دعائیں وصول کرنا مت بھولیے گا۔'' وہ انگڑائی لے کر بولی۔

''یاد دہانی کا شکریہ۔ اینجلی تمہاری رفاقت میں اس ماں کو بھول جاتا ہوں۔ جس کا میں پہلے دن سے ہی عقیدت مند تھا۔ فرشتے ممی سے مجھے کتنا پیار ہے۔ تم اس کا اندازہ نہیں لگاسکتی۔ تمہارے پیار میں بھی کمی نہیں ہونی چاہیے' مگر اب تم بہو والے روپ میں مجھے ان سے دور کرنے کا پروگرام

بنا چکی ہو۔ اللہ خیر ہی کرے۔'' وہ مذاقاً بولا۔

''اللہ کرے عاشق بھی سلامت رہے اور معشوقہ بھی اور درمیان میں ولن بھی اپنا رول پلے کرنا نہ بھولے۔ آزمائش کے بغیر عشق وجنون، محبت وچاہت کا مزا تو نہ ہوا'' وہ قہقہہ لگا کر بولی۔

''تم اور ولن۔ ناممکن ہے جیلسی تو تم میں نام کی نہیں ہمارے معاشرے کی لڑکی تو نکاح کے چند بول کے ساتھ ہی ساس کو اس حقارت سے دیکھتی ہے کہ اللہ معاف کرے۔ جیسے اب اس پر اس کی ماں کا تو کوئی حق ہی نہیں رہا۔ شوہر کا ناک میں دم کر دیتی ہیں دونوں خواتین۔ مجھے ایسی لڑکیوں سے بہت نفرت ہے اینجل جو ساس کے تقدس کو فراموش کر دیتی ہیں اور اس مقام کے حصول کی خاطر شوہر کے کان میں ہر وقت الٹی سیدھی باتیں ڈال کر اسے ماں سے متنفر کرنے کی کوشش میں لگی رہتی ہیں۔''

وہ جاگرز پہنتے ہوئے بول رہا تھا۔ فرشتے اس کی باتیں سنتے ہوئے برش سے بال درست کرتی رہی۔ پھر اس نے ہونٹوں پر لپ اسٹک لگا کر اس کے قریب ہو کر کہا۔

''شامیر میرے خاندان میں ساس کو وہی درجہ دیا جاتا ہے جو اپنی ماں مجھے اپنی بیٹی سمجھ کر میری عزت افزائی کی اور شادی کے تمام تہواروں میں مجھے کسی کمی کو محسوس تک ہونے دیا۔ ان کا احسان زندگی بھر مجھے آنکھ اٹھا کر بات کرنے سے روکے رکھے گا۔ ان کے لئے میری جان بھی حاضر ہے۔''

''میری طرف سے مطمئن رہیں۔ آپ کے دل میں جو یہ ڈر سمایا ہوا ہے۔ اس کو دل سے نکال دیں۔ ڈر اور خوف کا کرب مجھ سے پوچھیں کہ خیال آنے پر بھی نیندیں اڑا دے اور مسکراہٹوں کی جگہ آہیں بھر دے۔''

وہ لمبی آہ بھر کر جوتے پہننے لگی۔

دونوں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے کمرے سے باہر نکل کر لابی میں بیٹھ کر ادھر اُدھر آتے جاتے ہوئے لوگوں کو دیکھ کر محظوظ ہونے لگے۔

سنگاپور دیکھنے کے لیے زیادہ دنوں کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کا کونہ کونہ انہوں نے دیکھ لیا تھا۔ اس محنت کش قدم پر فخر بھی ہوا اور اپنی قوم کی سستی، ہڈحرامی اور رشوت خوری پر تاسف بھی ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ ٹیلنٹ کی یہاں بھی کمی نہیں۔ ویژن بھی بے شمار۔ مگر بدقسمتی سے یہاں کا ہر رہائشی ایک رات میں کروڑ پتی بننے کے خوابوں میں الجھ کر رہ گیا ہے جس کی وجہ سے کرپشن چھوٹے لیول سے لے کر بڑے لیول تک عام ہے۔ اب تو حرام پر ندامت اور پچھتاوے کا احساس بھی مر چکا ہے۔ ڈنکے کی چوٹ پر ہر غلط کام کرنا جائز قرار دے کر اپنی مکاری، فریب کاری اور چالبازی کو دانشمندی، دور اندیشی اور وقت شناسی کا نام سونپ کر غرور و تکبر سے اپنی دولت کی نمائش کی جاتی ہے شامیر سارا وقت انہی سوچوں میں الجھا رہا تھا۔

''آنچلی! ریحانہ آنٹی کے لیے ان کے شوخ مزاج کے مطابق کوئی چمکیلا اور بھڑکیلا سا پریذنٹ خریدنا چاہیے کیونکہ جب تم ہنی مون سے واپسی جاؤ گی۔تو وہ تمہیں ملنے ضرور آئیں گی۔''

شامیر نے شاپنگ مال میں داخل ہوتے ہی خوشگواری سے کہا۔

''ضرور ضرور مگر زیادہ مہنگا نہ ہو۔'' وہ ایک دم سے بولی۔

''ہر بار تم اپنے لیے بھی یہی الفاظ استعمال کرتی ہو۔ دوسروں کے لیے بھی ایسے ہی خیالات ہیں تمہارے۔ میں تمہاری کنسرن کی قدر کرتا ہوں۔ یہ سب تم میری ہمدردی میں کہتی ہو۔ میں جانتا ہوں۔مگر ڈئیر مجھ سے ہمدردیوں کے اور بھی بہت سے روپ ہیں۔بس ان پر نظر کرم رکھنا۔''

وہ ذومعنی بولا تو وہ مسکرادی اور سوچنے لگی کہ اس نے تو کنجوسی میں جینا سیکھا تھا۔ اسے اپنی عادات سے فضول خرچی اور تمام خواہشات کا قلع قمع کرنے میں مشکل پیش نہ آئی تھی۔اسے تو چند سکوں میں ہی اپنی زندگی کو گزارنے پر جو فخر تھا۔ وہی اس کی راہوں کی روشنی تھی اور اسی روشنی میں اس نے شامیر کو پالیا تھا۔اسے تو پیسہ بچانے اور اپنی ہر خواہش پر قابو پانے کی عادت ہوگئی تھی۔

ہنی مون کے اس ٹرپ پر لاکھوں کا خرچہ اسے پشیمان بھی کرتا اور وہ نادم ہوئے بغیر ہی نہ رہتی تھی۔

وہ جو اپنے والدین کے سائے تلے رزق کی فراوانی میں پل کر جوان ہوئی تھی۔ حالات کے شکنجے میں اس نے خود کو پسنے نہ دیا تھا۔ اسی میں ڈھل کر پوتر اور کامیاب رہی۔ شامیر اس کی سائیکی سے باخبر تھا اس لیے وہ اسے مہنگی اور قیمتی شاپنگ سے خوش کرنے میں کوشاں تھا۔ کھلے ہاتھ اور فراخدلی سے اس پر پیسہ نچھاور کرکے اس کے اندر سے کنجوسی کا بیج نکال کر دولت کے خوش ذائقے سے متعارف کرنے کا خواہشمند تھا۔

شامیر نے ممی پاپا اور ریحانہ آنٹی اور جہان کے لیے ہزاروں کے تحائف خرید لیے تھے جو فرشتے کی طرف سے انہیں دینے کا پروگرام تھا۔

''شامیر ایک بات کہوں برا تو نہیں منائیں گے۔'' وہ جھجکتے ہوئے بولی۔

''برا تو چھوٹا لفظ ہے، خفا ہو جاؤں گا۔ میری جان میرے خاندان کا پیسہ کس کا ہے۔صرف میرا اور تمہارا اسے صرف کرتے ہوئے تمہیں تکلیف کیوں ہو رہی ہے؟'' وہ پیار بھرے لہجے میں بولا۔

''بہت مشکل اور جان جوکھوں میں ڈال کر کمائے ہوئے رزق کو یوں اڑا دینا بھی تو عقلمندی نہیں ہے ناں۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''بیگم کشکول سے جب تک ہم کچھ نکالیں گے نہیں اسے اللہ تعالیٰ دوبارہ کیسے بھرے گا اس کو خالی رکھو تاکہ اللہ تعالیٰ اسے اپنے فضل وکرم سے بھرتا رہے۔ یہ اصول اپنی زندگی کے اصولوں میں شامل کرلو۔''

اس نے اس شاپ سے ڈائمنڈ کا بریسلٹ پہناتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دی۔

❖❖❖

''زینت آنٹی! کیا کروں کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ میرا رزق حلال کیوں نہیں کھل رہا۔ ہر جگہ نوکری حاصل کرنے میں ناکامی ہی رہی۔ اب تو فرسٹریس کا شکار ہونے لگی ہوں میں۔''

زرمین پریشانی کے عالم میں زینت کے کمرے میں آ کر بولی۔

''بیٹھو بیٹا! اس میں اتنی پریشانی کی کیا بات ہے؟ نوکری نہیں تو کیا تم بغیر چھت کے سڑک پر بھوکی مر گئی ہو ایسا کچھ بھی نہیں ہونے والا۔'' وہ ہمدردانہ لہجے میں بولی۔

''وٹ ڈو یو تھنک کہ میں واپس پشاور چلی جاؤں مجھے آپ کا مشورہ چاہیے۔'' وہ کرسی پر بیٹھ کر اضطراری کیفیت سے بولی۔ ''وہاں کی نوکری بھی تو قابل قبول نہیں۔ یہاں کوئی گھاس تک ڈالنا پسند نہیں کرتا۔ بہت فکرمند ہو گئی ہوں۔ فیصلہ کرنا ہی مشکل ہو گیا ہے۔''

''بیٹا! ایسی تو کوئی بات نہیں۔ دراصل تم صرف اسکول میں ٹیچنگ کرنا چاہتی ہو۔ ورنہ نوکریاں تو آگے پیچھے بے شمار ہیں۔'' وہ تسلی دینے کے انداز میں بولی۔ ''یہ تو ہے آنٹی! میرے لیے ریسپکٹ ایبل جاب یہی ہے۔ باقی نوکریاں مجھے پسند نہیں ہیں۔''

وہ سوچتے ہوئے بولی۔ ''آنٹی میرا ایک خان ماما حیات آباد میں مقیم ہیں پلوشہ تو وہاں چلی گئی۔ میں بھی وہاں جا سکتی تھی۔ مگر مجھے تو ڈیڈی کی خاطر یہاں آنا پڑا۔ نوکری نہیں ملی تو اتنے بڑے شہر میں ڈیڈی کہاں سے ڈھونڈ نکالوں گی۔ اٹ از امپاسیبل، گھر سے قدم نکالتے ہی پرس کھل جاتا ہے۔ اب خالی پرس میں پیسہ تو نوکری سے ہی آئے گا تو ڈیڈی کو ڈھونڈ پاؤں گی۔ آپ بتائیں کہ میرے لیے واپس جانے میں بہتری ہے کہ یہاں رکنے میں وہ سخت بے قراری سے بولی۔ کابل کے حالات، درست نہیں ہیں۔ نجانے زرتاش ڈیڈی کس حال میں ہیں۔ وہاں کے رستے بھی بند ہیں۔''

''مشورہ چاہیے بیٹا شادی مسئلے کا حل ہے۔ کوئی اچھی فیملی کا شریف اور پڑھا لکھا لڑکا مل جائے تو تمہیں تحفظ دے سکے اور دو وقت کی روٹی سے پیٹ کی آگ بجھا سکے میرا یہی مشورہ پہلے بھی تھا۔ آج بھی اسی پر قائم ہوں۔''

''بیٹا! مجھے تو یہی سلوشن نظر آتا ہے، تم خوبصورت ہونے کے ساتھ بالکل تنہا کب تک شیطان کی نظروں اور ہتھکنڈوں سے بچتی رہو گی۔ یہ دنیا بڑی ظالم ہے۔''

''بیٹا! یہاں سات پردوں میں بیٹھی ہوئی بچیاں ہلکی سی لغزش پر جہنم رسید ہو جاتی ہیں۔ تم تو بالکل ہی اکیلی ہو اور ہو بھی افغانی۔ جنہیں ہر ایک اپنی پراپرٹی سمجھ کر قبضہ کرنے کے تمام ناجائز طریقے استعمال کرنے سے باز نہیں آتا۔ یہ ٹھیک نہیں نہ تو تم پشاور جانے کا سوچو نہ ہی نوکری ڈھونڈنے کی ضرورت ہے۔ میری بات پر غور کر کے بتاؤ۔ میں آج ہی سے تمہارے لیے مناسب

رشتہ ڈھونڈنا شروع کردوں گی۔ والدین کے اکیلے چھوڑ جانے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اپنی زندگی کو ضائع ہی کردو۔" وہ نہایت اپنائیت سے دکھ بھرے لہجے میں بول رہی تھی۔

"آنٹی مجھ سے کون کرے گا شادی۔ کوئی بہت ہی گیا گزرا ہی ہوگا بے چارا۔ اب تو میں بھی یہاں کے اصولوں کو جان گئی ہوں کہ یہاں لڑکے کے والدین تو اپنے بیٹے کی بولی لگادیتے ہیں بھلا وہ مجھ لاوارث لڑکی کو اپنے خاندان کی عزت کیونکر بنائیں گے۔ ان کی بہت سکی ہوگی۔ ایک گئے گزرے کی بیوی بننے سے بہتر تو یہی ہے کہ نوکری مل جاتی اور آپ کے زیر سایہ میری جوانی کے دن اور راتیں باعزت طریقے سے کٹ جاتیں۔" وہ روہانسی ہوگئی۔ "میں نے تو یہی سوچ رکھا ہے۔"

"بات تو تمہاری درست ہے۔ یہ بدقسمتی ہے ہماری۔ تم پریشان ہونا چھوڑ دو۔ میں تمہیں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھنے کے لیے تیار ہوں۔ مگر کب تلک آخر مجھے بھی تو ایک دن یہاں سے رخصت ہوجانا ہے۔ اس لیے میں چاہتی ہوں کہ یہ کارخیر میری موجودگی میں ہی انجام خیر تک پہنچے۔ اس لیے بیٹا میرے مشورے کے بارے میں صدق دل اور کھلے ذہن سے ضرور سوچنا۔ ان شاء اللہ کسی قابل قبول لڑکے سے تمہاری شادی کردوں گی۔ ان شاء اللہ ایرا غیرا نہیں ہوگا بیٹا مجھے اس نیک کام کرنے کی اجازت دے دو۔ شاید میری غلطیوں اور کوتاہیوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں۔ میری تو یہ قبول کرلیں۔" وہ حسرت ویاس سے بولی۔ "آپ تو جنتی خاتون ہیں آنٹی۔ آپ کو کس بات کی فکر ہے بخشش کے ضرورت مند لوگ تو میرے جیسے ہوتے ہیں۔ ناشکرے اور بے صبرے۔"

"آپ کا تو جواب نہیں۔ آپ تو اس ذات کے بہت قریب ہیں۔ اللہ کے ناموں کا ورد ہی آپ کی بخشش ہے۔ آپ نے آج سفید کپڑوں کے علاوہ کسی اور رنگ کی زینت کرنے کا کبھی تصور نہیں کیا۔ آنٹی گنہگار تو ہم جیسی بے سہارا بچیاں ہوتی ہیں جن کے بگڑنے کے چانسز خاصے روشن ہیں۔"

"آنٹی مجھے ڈر لگتا ہے کہ آخر میں ہوں تو صنف نازک کہیں کوئی غلط فیصلہ ہی نہ کر بیٹھوں۔ ان حالات کے ہاتھوں مجبور ہوکر، تنگ ہوکر۔ مجھے اتنے مہینے ہوگئے ہیں آپ کے پاس آئے ہوئے۔ اب تو مفت کا نوالہ حلق سے نہیں اترتا۔ کیا کروں؟"

"وہ بے بسی سے بول رہی تھی۔

"دو ٹکے کی نوکری کر کے کیا کرو گی۔"

"خوامخواہ بندھ کر رہ جاؤ گی چند سکوں کے عوض۔ آئندہ تم نے میرے ساتھ غیریت برتنے کی کوشش کی تو بہت برا ہوگا تمہارے ساتھ باہر شیطان اپنے خونخوار دانت نکالے تمہارا خون چوسنے کا منتظر ہے۔ بیٹا تم مجھ پر ہرگز بھاری نہیں ہو۔ اپنی زندگی بیتانے کا بہترین رشتہ ڈھونڈو چھوڑ دو یہ نوکری چاکری کی خواہش کو۔"

''بس ہر وقت میری بخشش کی دعا مانگو یہی تمہاری جاب ہے۔''

وہ محبت آگین لہجے میں بولی۔ ''تم یہاں ہی بیٹھو میں تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔ نئی وارڈن کے انٹرویو کے لیے کچھ خواتین باہر میرا انتظار کر رہی ہیں۔ میں تمہیں چائے بھجواتی ہوں۔ تم چائے پیو اور میرے مشورے کے بارے میں سوچ بچار سے فیصلہ کرو کہ تمہارے لیے کیا بہتر ہے؟''

''آنٹی مجھے وارڈن کی نوکری دے دیجئے۔ کیا میں اس قابل نہیں ہوں۔ محفوظ ہاتھوں اور مضبوط سائے تلے میری زندگی گزر جائے اس سے بڑھ کر اور کونسا انعام ہو سکتا ہے۔'' وہ ایک دم سے تڑپ کر بولی۔

''چراغ تلے اندھیرا۔ یہ مثال تو ہم پر ہی فٹ آتی ہے۔ مجھے کبھی خیال ہی نہ آیا کہ تم یہاں سکیور بھی رہو گی اور خوش بھی تمہاری انا بھی مجروح نہیں ہوگی۔ بات تو تم نے کروڑوں کی کر ڈالی۔'' وہ مسکرا کر بولی اور باہر نکل گئی۔ زرمین خوشی سے جھوم ہی تو گئی۔ اٹھ کر کمرے میں ادھر اُدھر پھرنے لگی اور سہانے سپنے اس کا پیچھا کرنے لگے کہ کم از کم اس ہوسٹل کی چھت بھی پکی ہوئی اور تنخواہ باقی اخراجات پورے کرنے کے لیے کافی ہے۔ اسے آج یقین ہو چلا تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم میری طرف ایک قدم بڑھاؤ میں تمہاری طرف دس قدم چل کر آؤں گا۔

یعنی تمہاری مدد کو، تمہارا ایمان وعقیدہ مضبوط کرنے کو اور تمہیں دو جہان میں پاک وصاف کرنے کو واہ میرے رب میں ہی خسارے میں تھی۔ تو تو بہت بڑا رحیم وکریم ہے وہ تو ہی تو ہے غفور ودرگزر کرنے والا انسان کی توبہ قبول کر کے اسے پاکیزگی کے اعلیٰ درجات سے نوازنے والا۔ میرے رب میری کم عمری میں ہونے والی غلطیوں کو معاف کر دے اور میرے گناہوں کی بخشش فرما کر مجھے پاکیزگی اور عزت وتحریم کی آماجگاہ کی باسی بنا دے۔ وہ چلتے ہوئے ہاتھ اٹھائے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگ رہی تھی۔ زینت کے رائٹنگ ٹیبل پر بکھری ہوئی کتابیں اور پیپرز دیکھ کر اس نے ٹیبل کو نہایت عقیدت واحترام سے سیٹ کرنا شروع کیا ہی تھا کہ ایک لفافہ اس کو چونکا گیا۔ فرشتے کی رائٹنگ بھلا کیسے نہ پہچانی جاتی۔ اس لفافے سے خوشبو ہی فرشتے کی آ رہی تھی۔ اس نے مارے تجسس وحیرت کے لفافہ کھولا۔ فرشتے کے نام کو مارکر سے مٹانے کی کوشش کی گئی تھی مگر عبارت کے ہر لفظ میں فرشتے کی پرسنالٹی کی جھلک نمایاں تھی۔ اس نے جو تحریر کیا تھا یہ ہمت اور حوصلہ وہی کر سکتی تھی۔ کسی اور کے بس کا روگ نہ تھا۔ زرمین نے اس کی تحریر کو اپنی آنکھوں سے لگایا۔ ہونٹوں سے چھوم ڈالا اور سینے پر اس کی تحریر کو لگا کر اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

میں کتنی بے غیرت اور بے عزت ہوں کہ آنٹی کی تمام نوازشات کو ڈنکے کی چوٹ پر اویل کر رہی ہوں۔ ان کی ہمدردیاں بٹور رہی ہوں اور اپنی زندگی کے فیصلے اور اہم مشورے ان سے لینے میں مجھے رتی بھر عار محسوس نہیں ہو رہی۔ آہ جو لڑکی ایک بار اپنی عزت نفس کا سودا کر چکی ہو۔ اپنی

پاکیزگی کی دھجیاں اڑا چکی ہو۔ اس بے غیرت کو کسی کے رزق سے دو وقت کا کھانا کھانے میں کوئی قباحت محسوس نہیں ہوسکتی میں بھی تو دیدی کی غیرت مند بہن تھی۔ مگر کیا ظلم ڈھا دیا خود پر۔

میری انا وخودداری کا اس لیے قتال ہوا تھا۔ جب میں نے اپنی جاب کو پیسے اور گلیمر کو اپنی ذات سے بڑھ کر اہمیت ووقعت دی تھی۔ اس گناہ میں یہ معاشرہ قصوروار نہیں میں نے اپنی قیمت تو خود تجویز کی تھی۔ اپنی بولی لگانے کی سب کو اجازت دی تھی۔ وہ خود کلامی کرتی ہوئی اپنے کمرے میں آ کر بستر پر گر کر زاروقطار رونے لگی۔ کہ دروازے پر ناک ہوئی تو وہ فوراً سنبھل کر کھڑی ہوگئی۔ چہرے کو دوپٹے سے صاف کیا اور دروازہ کھول کر جلدی سے چائے کی پیالی پکڑی اور شکریہ بول کر پلٹ گئی۔ چائے پیتے ہوئے وہ سوچنے لگی کہ آنٹی زینت سے فرشتے کے بارے میں پوچھے یا خاموش رہے ان کے آپس میں کیسے تعلقات تھے؟ وہ یہاں سے اسے بتائے بغیر کیوں چلی گئی اور کہاں جانے میں اس نے بہتری سمجھی۔ بیسیوں سوال اس کے ذہن میں ابھرتے ہوئے اسے بے چین کرنے لگے تھے میں موقع محل دیکھ کر ہی فرشتے کے متعلق انفارمیشن لینے کی کوشش تو کروں گی۔ مگر ڈر ہے کہ آنٹی جاننے کے بعد مجھ سے خفا ہوگئیں تو پھر اس حالت میں تنہا خالی ہاتھ کس کے پاس جاؤں گی۔ آنٹی ایک نیک طبیعت اور خدا پرست خاتون ہیں۔ مجھے تو ابھی تک ان میں کوئی نقص نظر نہیں آیا۔ فرشتے دیدی یہاں سے ایک دم کیوں چلی گئی؟ وہ گہری سوچ میں اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کرنے لگی۔

وہ رات بھر کروٹیں بدلتی رہی۔ اپنی قسمت پر نالاں کہ جاب کی صورت میں خوشی ملی تو وہ بھی دیدی کو گنوا کر اپنی اہمیت ہی کھو بیٹھی۔ میرے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ فجر کی نماز پڑھ کر وہ دیر تک سجدے میں گری اپنے باری تعالٰی سے اپنے گناہوں کی معافی اور دیدی کو پانے کی مدد کے لئے گڑگڑا کر دعائیں مانگ رہی تھی۔ کہ یکدم دل میں تسکین سے بھرپور لہر نے اسے چونکا دیا۔ جیسے کسی نے ہلکی سے سرگوشی کی ہو۔ زندگی ہو تو ملاقات کا ہونا ناممکن نہیں ہوسکتا۔ شکر ادا کرو کہ تمہیں فرشتے کی خوشخبری ملی ہے۔ وہ یہیں کہیں تمہارے آس پاس ہی ہوگی۔ ایک دن اچانک ہی کسی ہجوم میں وہ تمہیں مل جائے گی۔

وہ امید وبیم کی کیفیت میں جانماز سے اٹھی اور بستر پر لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔ دل قدرے پرسکون اور ذہن مطمئن تھا۔ وہ نیند میں چلی گئی اور خواب میں اس نے فرشتے کو دیکھا وہ دلہن کا جوڑا پہنے اس کے سامنے لڈو لئے کھڑی تھی۔ مگر جوڑا پاکستانی اور لال رنگ میں تھا۔ اس کی طرف وہ لڈو بڑھاتی ہے تو زرمین نے منہ اس کی طرف کھولا اور پورا لڈو منہ میں ٹھونس کر کھانے لگی اور فرشتے ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوتی چلی گئی۔ دوپہر کے بارہ بجے جب اس کی آنکھ کھلی تو اس کے چہرے پر عجیب سی رونق اور طمانیت تھی۔ جیسے فرشتے سے ابھی ابھی ملاقات کا شرف حاصل کیا ہو۔

دیدی! مجھے آپ کی طرف سے سندیسہ مل گیا۔ مژدہ راحت دینے کا شکریہ دیدی۔ آپ نے تو کسی پاکستانی لڑکے سے شادی کرلی ہے اور میرے لیے بھی کوئی بہترین فیصلہ ہونے والا ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ کیا فیصلہ؟ شاید وارڈن کی جاب میں میرے لیے خوشی ہو یا ہوسکتا ہے کہ آنٹی کہیں شادی......

یہ سوچ کر وہ اضطراری کیفیت میں مبتلا ہوکر کانپنے لگی۔ شادی اور میں دو مختلف نام بھلا یکجا کیسے ہوسکتے ہیں۔ شادی اک پاکیزہ جذبے کا نام ہے اور میری ذات ذلت اور غلاظت کا ڈھیر جس ڈھیر پر غلاظت تو پھینکی جاسکتی ہے۔ پاکیزگی تو اس سڑاند سے کوسوں دور اس عورت کی آماجگاہ میں جابستی ہے جو اس کے قابل ہوتی ہے۔ یہ سوچ کر وہ دکھی سی ہوگئی۔

زرمین کو وارڈن کی تھرڈ کلاس جاب قطعاً دل کو نہ بھائی تھی۔ اس کے باوجود اس کی زبان پر ہر وقت تشکر آمیز کلمات رقصاں رہتے تھے کیونکہ اس کے نقصانات تو کسی صورت میں نظر نہیں آرہے تھے۔ زینت بھی تارا کے بعد اتنی خوش تو نہ تھی' لیکن زرمین کی کنسرن کو محسوس کرتے ہوئے وہ بھی قدرے مطمئن ہوگئی تھی۔

زرمین کی سلیقہ شعاری اور انتھک محنت سے ایک دم ہوسٹل کی شکل میں بدل گئی تھی۔ لان میں ہڈحرام مالی کو نکال کر دوسرا مالی رکھا گیا۔ کچن میں ماسی کے کان کھینچ کر اسے کھانا پکانے کے طریقے سکھائے گئے۔ صفائی کرنے والی ماسی کو حرام خوری پر ڈانٹ ڈپٹ کر سیدھا کیا گیا اور صبح آٹھ بجے ہوسٹل کے انہی ٹوٹے پھوٹے ملازمین کی حاضری لگائی جاتی اور شام کو واپسی پر ان کے کام کی انسپیکشن کی جاتی اور آنٹی سے ری کیوسٹ کرکے ان کی تنخواہوں میں بھی اضافہ کرادیا گیا تھا۔ جس کی وجہ سے سب اس کی ہر بات ماننے کو تیار ملتے تھے۔ ہوسٹل میں قیام کرنے والی لڑکیوں کو ہال میں اکٹھا کرکے پرسنل ہائی جین پر لیکچر مہینے میں ایک بار دیا جانے لگا۔ سبھی نے اپنے کمرے اپنے رائٹنگ ٹیبلو کو ایسے سیٹ رکھنا شروع کیا جیسے اس سلیقے وقرینے کے بغیر انہیں کھانے سے روک دیا جائے گا۔ غربت یہ تو نہیں کہتی کہ اپنے آس پاس چیزیں بکھیرے رکھو۔ بدسلیقی اور بدنظمی سے زندگی گزاردو۔ سلیقہ شعاری، کفایت شعاری اور نرم مزاجی تو عورت کا حقیقی حسن ہے۔ جس کے لیے کسی دولت کی ضرورت نہیں ہوتی یہ تو من کے اندر کا معاملہ ہے۔ یہ سب کچھ فطرت وسرشت سے وابستہ ہے۔ امانت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ہم میں سلیقہ مندی کا فقدان جہالت کی غمازی کرتا ہے۔ غربت کی نہیں۔ وہ انہیں بہت پیار سے سمجھا کر راہ راست پر لے آئی تھی اور وہ بھی اس سے بہت خوش تھیں۔ انہیں اپنے رہن سہن اور اٹھنے بیٹھنے اور بات چیت کرنے کے انداز سے ہی اپنی اسی کلاس کو کئی سیڑھیاں اونچائی پر کھڑے پایا تھا۔ زینت کا ہوسٹل بھی اس تھرڈ کلاس سے تعلق نہ رکھتا تھا۔ ہر وقت باوردی یونیفارم میں ملبوس چوکیدار گیٹ پر اٹین شین موجود رہتا تھا۔ جوں ہی موسم بدلا تو جس لان کو دیکھ کر ویرانے اور

اجاڑپن کا احساس ہوا کرتا تھا۔ اب موسمی پھولوں اور کشن گرین گھاس سے وہاں زندگی کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ اپنی تنخواہ سے بچت کر کے زرمین نے ہوسٹل کو وائٹ واش کرادیا تھا گیٹ اور کھڑکیاں پینٹ کرنے سے ہوسٹل کی شکل وصورت ہی بدل گئی تھی۔ یہ تمام زینت کے احسانات کا بدلہ تھا۔ جو زرمین چکا دینا چاہتی تھی اسے بھی اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ آئندہ کی زندگی کا تمام وقت یہاں ہی گزارنے والی ہے۔

زرمین کا اگلا ٹارگٹ ہوسٹل کا فرنیچر تھا۔ جو زمانہ قدیم کی نشاندہی کیا کرتا تھا۔ اس نے تمام فرنیچر کو آہستہ آہستہ ری پیئر کرایا اور پھر جونہی اس کے بجٹ نے اجازت دی اسے پالش کرا کر صوفوں اور کرسیوں کی پوشش بدل ڈالی۔ اب اس ہوسٹل میں اچھے گھروں کی سلیقہ منداور سلجھی ہوئی بچیاں بھی قیام کرنے میں عار محسوس نہیں کرتی تھیں۔ ان کے آنے سے ماحول میں اک خوشگوار تبدیلی رونما ہوئی تھی۔ اور انکم میں بھی خاصا اضافہ ہو گیا تھا۔

دیکھا دیکھی سبھی ڈیمانڈ کئے بغیر ہوسٹل کی صفائی ستھرائی اور سلیقے وقرینے کا خیال رکھنے لگی تھیں۔ زینت کو اور کیا چاہیے تھا نہ اس کا پیسہ خرچ ہوا نہ ہی محنت ومشقت کرنی پڑی۔ نہ ہی سرکھپائی اور اپنا آرام وسکون غارت کرنا پڑا اور بیٹھے بٹھائے اس کے ہوسٹل کا نام قابل قبول ہوسٹلز کی فہرست میں آنے لگا تھا۔ یہ سب زرمین کی انتظامیہ کا کمال تھا۔

زینت نے اس کی کارکردگی سے خوش ہو کر اس کے رشتے کی بات بہت اونچے اور باعزت گھرانے میں چلادی جس کی اجازت زرمین سے لینا ضروری سمجھ کر اسے تمام اونچ نیچ کی شدبد دینے کی بھرپور کوشش کامیاب ہوگئی اور وہ شادی کے لیے رضامند ہوگئی کیونکہ آنٹی کی نیت پر اسے پورا بھروسہ ویقین تھا۔

اگلے ہی دن اس نے جہاں زیب کو ہوسٹل میں ہی چائے پر مدعو کرلیا۔ مقصد دونوں کو ایک دوسرے سے ملنے اور پرکھنے کا تھا۔ زرمین بے حد سادہ اور ڈھیلے ڈھالے کپڑوں میں ملبوس اس سے ملنے ریسپشنس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ سامنے ہی جہاں زیب آنٹی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا وہ فوراً پہچان گئی۔

اونچا لمبا فربہ جسامت کا مالک جہاں زیب ایک میچور مرد تھا۔ اس کی چال ڈھال اس کا پہناوا اس کی حیثیت کی غمازی کر رہا تھا۔ زرمین امپریس بھی ہوئی، مگر تھوڑی دیر کے لیے تذبذب میں بھی گھر گئی کہ وہ اچھے بھلے باعزت اور کھاتے پیتے گھر کا فرد مجھ سے شادی کیوں کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لیے لڑکیوں کی کمی نہیں۔ کافی دیر تک دونوں کی گفتگو جاری رہی۔ باتیں ذاتیات سے ہٹ کر ہوتی رہیں۔ جن میں شادی کا ذکر تک نہ تھا آخر وہ خوش ومطمئن ہو کر جانے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ زرمین کے لبوں پر بھی اک دلربا مسکان بکھری ہوئی اس کے نکھرے دھلے حسن میں اضافہ کئے ہوئے تھی۔

زینت کی عقابی نظروں نے دونوں کے چہرے کے تاثرات کو بہت جلد پڑھ لیا تھا۔ وہ بھی اس جوڑ پر بہت شاداں نظر آ رہی تھی۔ جہاں زیب جانے کے لئے کھڑا ہوا تو زرمین بھی اس سے پرے ہو کر ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔ نگاہیں زینت کی متلاشی تھیں۔

''زرمین اگلی ملاقات کہاں ہوگی؟ یعنی آنٹی............ کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو دو لوگوں کے درمیان ہی رہیں تو بہتر ہے۔'' وہ نہایت اپنائیت سے بولا تو اس کے وجود میں پھر پری گھوم گئی اپنے پرانے تجربات و مشاہدات کے مطابق اور پھر پیشانی پر افغانی کے چسپاں لیبل کے تحت اگلی ملاقات تو شادی کے بعد ہی ہوگی۔ اگر ابھی بھی سبق نہیں سیکھا تو زرمین چلو بھر پانی میں ڈوب مرو۔ وہ دل ہی دل میں بڑبڑائی۔ اس کو خاموش دیکھ کر وہ بھی خاموش ہو گیا۔ آنٹی کو سامنے سے آتا ہوا دیکھ کر اس نے نگاہیں جھکائے اسے خدا حافظ کہا اور سرعت سے دوسری طرف چلی گئی۔ وہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھتا رہ گیا۔

''کیسی لگی میری بیٹی؟'' زینت نے اس کی مسکراہٹ سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

''بہت خوب آنٹی اسے میرے حالات بتانا نہ بھولیے گا۔ میں اپنی کسی کمزوری کو در پردہ رکھ کر اس معصوم لڑکی کو دھوکہ نہیں دینا چاہتا۔ شادی تو اک ایسے بندھن کا نام ہے جس کی ہر گرہ اعتماد و بھروسہ اور یقین کا ورد کرتے ہوئے لگائی جاتی ہے۔'' جہاں زیب نے زینت کو سرگوشی کے انداز میں کہا۔

تو زینت اس کا ہاتھ نہایت اپنائیت و لگاوٹ سے پکڑ کر بولی۔

''جہاں زیب صاحب آپ بے فکر رہیں۔ میں خود انہی اصولوں کو اولیت دیتی ہوں کسی بھی رشتے میں بنیادیں مضبوط ہوں تو عمارت فولادی تیار ہوتی ہے۔ سب سے پہلا قدم تو ایک دوسرے کو پسند کرنے کا تھا۔ مجھے امید ہے کہ اس میں تو کامیابی ہوگئی ہے۔ ایک بار زرمین کی رائے معلوم کرلوں۔ پھر اسے آپ کے تمام حالات سے روشناس کرنا میرا فرض ہے۔'' وہ خود اعتمادی سے بولی۔

''مجھے محسوس ہوا ہے کہ وہ مجھ سے نہ تو ملنا چاہے گی نہ ہی کسی قسم کا سوال پوچھنے کو ضروری سمجھے گی۔ اسے آپ پر پورا بھروسہ ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''بس جہاں زیب صاحب اس کے بھروسے کی لاج رکھیے گا۔ اسے کسی چیز کی کمی نہ آئے آپ سے اسے اتنا پیار، توجہ اور عزت ملے کہ وہ اپنے ماضی کے سانحے کو بھول جائے۔'' وہ دکھی لہجے میں بولی۔ ''ہر انسان اپنے ہی مسائل میں گھرا ہوا ہے وہ کسی کے لیے جتنا سا بھلا کر سکتا ہے اس میں کنجوسی نہ برتے۔''

''آپ ابھی سے زرمین کی فکر کرنا چھوڑ دیں۔ حالانکہ میں نے ان آنکھوں سے کردار کی بے حد مضبوط اور پتھر کی مانند سنگین افغانی لڑکیوں کو ریت کا ذرہ بنتے دیکھا ہے۔ اپنی کم مائیگی اور لاوارثی

میں بے بس، کمزور اور بے دم ہوتے دیکھا ہے۔ یہ ان کا مقام نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کے اندر ایک کی ہو کر رہنے کی چاہ ڈال کر اسے ذہنی طور پر سٹیلر بنایا ہے۔ وہ ہر پھول کا رس چوسنے والا بھنورہ نہیں ہوتی۔ وہ تو اک حسین وجمیل نرم ونازک تتلی کی مانند ہے جو ہوا کی تیزی اور گرمی کی شدت کو بھی برداشت کرنے سے قاصر ہے۔ زینت آنٹی میری ہر ممکن یہی کوشش ہوگی کہ اسے موسموں کی شدت سے بچائے رکھوں۔ یہ میرا اللہ سے وعدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا عہد و پیمان توڑنے والے پر اس کی لعنت میرا رب مجھے اس سے محفوظ رکھے۔"

وہ عاجزی وانکساری کا پیکر لگ رہا تھا۔ دونوں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے باہر نکل گئے۔

زرمین نے کھڑکی سے پردہ ہٹا کر دیکھا۔ پورچ میں ریڈ کلر کی پیجیرو دیکھ کر وہ پھر سے دہل گئی۔ دونوں اس سے ٹیک لگائے کسی گہری گفتگو میں محو تھے۔ اسے آج پہلی بار زینت کے چہرے پر بہت عجیب اور انہونے سے تاثرات دیکھ کر بے کلی سے ہونے لگی تھی۔ یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ کیا فرشتے دیدی پر بھی ایسی ہی عنایتیں ہوئی تھیں۔ اگر وہ جائز تھیں تو دیدی اچانک روپوش کیوں ہو گئی؟ وہ سوچوں کی دنیا میں نجانے کہاں سے کہاں پہنچ گئی تھی۔ نہ دل دھڑکا تھا نہ ذہن نے مسرت کی گھنٹی بجائی تھی خاموش تھے نہ ہی فیلنگز تھیں۔ بس تن وبدن میں سکوت تھا ٹھہراؤ ہی ٹھہراؤ تھا

❖ ❖ ❖

"تم مجھے تنہا چھوڑ کر چلی جاؤ گی۔ یہ سوچ کر دہل جاتی ہوں۔ تم تو میرے لیے ایسی بابرکت ثابت ہوئی ہو کہ میری زندگی کے اجاڑپن پر ہریالی بن کر چھا گئی ہو۔ میں زمین جیسی مخلص اور بے غرض بیٹی، دوست اور ہم خیال کہاں سے ڈھونڈ کر لاؤں گی۔ تمہارا گھر بس جائے مجھے اس سے بڑھ کر اور کیا خوشی ہوگی۔" زینت دل کی تہوں تک افسردہ ہو گئی تھی اس کی آنکھوں میں آنسو بھر بھر کر رک رہے تھے۔

"آپ بہت گریٹ ہیں آنٹی۔ پاکستانی قوم جب گریٹ ہونے پر آئے تو پھر اس کا کوئی جواب نہیں۔ یہی ہوسٹل میرا میکہ رہے گا اور میرا گھر آپ کا اپنا گھر ہوگا آنٹی۔ شادی کا مقصد اپنوں کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہنا نہیں ہوتا بلکہ آپ کا ایک گھر روئے زمین پر وجود میں آ گیا ہے جہاں آپ جب چاہیں تشریف لا سکتی ہیں۔" وہ تسلی وتشفی دینے لگی۔

"بیٹا! جہاں زیب سے دو چار دفعہ مل لو۔ ذہنی مطابقت وہم آہنگی ہی میاں بیوی کے رشتے کو مضبوط بناتی ہے۔ وہ بھی یہی بات بار بار کہہ رہا ہے۔ زمانہ بدل گیا ہے بیٹا اب یہ شرم وحیا پردہ داری چھوٹے لوگوں کا شیوہ ہے۔ تمہیں کیا لگے ان اصولوں سے بڑے گھر کی بیٹی ہو۔ اور مالدار مرد کی بیوی بننے جا رہی ہو۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"آنٹی ایسے نہیں ہوگا۔ شادی کے بعد کی انڈرسٹینڈنگ پر مجھے بھروسہ ہے۔ یہ تمام نئی

اختراعات بہت بے معنی اور فضول ہیں۔ یہ دن شرمانے لجانے اور چھپنے چھپانے میں اشتیاق کو بڑھا دیتے ہیں۔ اس رشتے کا حسن نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ لڑکا اور لڑکی چاہے دس سال دن رات ایک دوسرے کی قربت میں کیوں نہ گزار لیں ایک دوسرے کی عادت وفطرت کو نہیں پہچان سکتے۔ نکاح کے بعد چند گھنٹوں کی رفاقت سے ایک دوسرے کے اندر پوشیدہ امراض کو بھانپ لیتے ہیں کیونکہ دونوں نے اپنے ملن کے تمام عرصے میں خود پر اچھے اور بہترین ساتھی ہونے کا لبادہ جو چڑھا رکھا ہوتا ہے۔" وہ سمجھانے کے انداز میں بولی تو آنٹی مسکرا دی۔

"اس لیے مجھے ان سے ملنے کی کوئی چاہ نہیں۔ شادی کے بعد ہی ملاقات ہوگی ان شاء اللہ میں اسی میں خوش ومطمئن ہوں۔ مجھے آپ پر خود سے زیادہ اعتماد ہے۔ آپ نے جو بھی فیصلہ کیا ہے میری بی بی جان بن کر کیا ہے۔" وہ عقیدت مندانہ لہجے میں بولی۔

"بیٹا! میں نے تمہاری اتنی میچور، سمجھدار، ارادے کی پکی اور نیت کی سچی لڑکی آج تک نہیں دیکھی۔ جہاں زیب بہت خوش قسمت ہے جس کی شریک حیات تم جیسی ہے۔ اللہ تمہیں خوش رکھے اور تم سدا سہاگن رہو۔"

وہ محبت آگیں لہجے میں بولی۔

"آنٹی مجھے اپنی خوش بختی پر ابھی بھی یقین نہیں آرہا۔ کہیں یہ سہانا خوش آئند، دلربا سپنا ٹوٹ تو نہیں جائے گا۔" وہ امید وبیم لہجے میں بولی۔

"اللہ نہ کرے کہ ایسا ہو۔" وہ اچنبھے سے بولی تو وہ بھی دل ہی دل میں اپنے لیے دعائیں مانگنے لگی کہ اللہ کرے میں جہاں زیب کی توقعات پر پوری اتر سکوں۔

چند دنوں بعد جہاں زیب ہوسٹل میں دو دوستوں کے ہمراہ آیا۔ اور دلہن کا لال رنگ کا ڈریس اور روبی کا قیمتی چمکتا دمکتا ہوا سیٹ مع ڈائمنڈ کے کنگن اور انگوٹھیوں کے زینت کے سپرد کیا تو اس کی رال ٹپکنے لگی۔ حسرت ویاس سے بھرپور آہ بھر کر اپنی قسمت پر ماتم کناں ہوتی ہوئی اسے دعائیں دینے لگی۔

زرمین کو ہوسٹل کی لڑکیوں نے ہی تیار کیا۔ اس کا حسن ابل اٹھا تھا۔ آنکھیں اداس اور چہرے پر مایوسی سی چھائی ہوئی تھی۔ قیمتی پہناوا اور مہنگے زیورات کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا تھا کیونکہ اس نے تو ایسی چیزوں کا لالچ پشاور چھوڑتے ہی اپنی ذات سے نکال کر اسی کی مٹی میں دفن کر دیا تھا۔ اسے فکر اور غم کھائے جارہا تھا کہ جہاں زیب کہیں اسے دھوکہ نہ دے ڈالے۔

زینت نے سامنے والی مسجد سے مولوی صاحب کو بلا کر نکاح پڑھوا دیا۔ تو زرمین نے حیرت سے کہا کہ چوروں کی طرح رات کی تاریکی میں اکیلا ہی مجھے لینے آیا ہے۔ اس کے رشتے دار اور عزیز واقارب کیوں نہیں آئے۔ یہ کیسی رخصتی ہے کہ ایک وہ ایک میں ہمارے بیچ رشتہ مضبوط کرنے والے

کہاں گئے وہ بوکھلاسی گئی۔

''بیٹا جہاں زیب نے گھر والوں سے چوری شادی کی ہے، ناں اس کی اولاد نہیں۔''

''پہلی بیوی خالہ کی بیٹی ہے۔ اسے طلاق دینا تو در کنا اسے گھر سے نکالنے کی جرأت تک نہیں کرسکتا۔ تمہارے لیے اس نے پوش ایریا میں وسیع وعریض بنگلہ خریدا ہے۔ دیکھو گی تو خوش ہو جاؤ گی۔ اپنی قسمت پر ناز کرنے لگو گی۔'' وہ خوشی سے بولے جارہی تھی۔

اور زرمین سکتے میں چلی گئی تھی۔ پانیوں کی بنیاد پر اک نئی عمارت کی تعمیر اسے گرتی ہوئی محسوس ہورہی تھی۔

''زرمین!'' زینت نے اسے شانوں سے پکڑ کر ہلایا تو وہ چونک اٹھی۔

''کیا ہوا بیٹا! ایسی شاکنگ نیوز تو نہیں تھی؟'' وہ لاپروائی سے بولی۔

''اگر یہ شاکنگ نیوز نہیں تھی تو مجھے نکاح سے پہلے ہی ان حالات سے باخبر کر دیا ہوتا۔ مجھ سے چھپانے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ مجھ ناچیز سے شادی کی یہ وجہ تھی۔ اب سمجھی۔'' وہ بیزاری سے بولی۔ ''مجھے اس مسئلے سے بے خبر رکھ کر میری وقعت اور حیثیت کی یاد دہانی کرانے کا آپ کا شکریہ۔''

''تم خوامخواہ ہی پریشان ہوگئی ہو۔ بیٹا جہاں زیب نے تم سے نکاح کیا ہے۔''

''اپنی نسل تم سے چلانا چاہتا ہے۔ تمہارا رتبہ تو بہت اونچا ہے میری جان ایک دن آئے گا جب تم اس کے خاندان کا اہم حصہ بن جاؤ گی۔ اس کی فکر نہ کرو۔''

وہ محبت سے بھرپور انداز میں بولی تو زرمین نے سوچتے ہوئے اس کی بے لوث چاہ کو سراہا۔

''دوسرا بیٹا ضروری نہیں کہ ہر راز سے پردہ ہی اٹھایا جائے۔ تم بھی تو اتنے عرصے سے دربدر کی ٹھوکریں کھا رہی ہو۔ کیا تم نے اپنے بارے میں ایک لفظ تک مجھے بتانے کی ضرورت محسوس کی ہے۔ پھر میاں بیوی کے رشتے میں ایک دوسرے کو وہی بات بتائی جاتی ہے جو کان سننا چاہتے ہوں۔ جس پر یقین کر کے دل کو پرسکون کیا جاتا ہے۔ جہاں زیب نے پہلے دن ہی مجھے کہا تھا کہ میرا مسئلہ تمہیں بتادوں میں نے اس لیے بتانا مناسب نہ سمجھا کہ تم اس معمولی سے مسئلے کو بہت بڑا سمجھ کر انکار نہ کردو۔ یہ رشتہ چھوڑنے کے قابل نہیں تھا۔ اس کی عظمت کی میں داد دیتی ہوں کہ تم پر مکمل اعتبار کر کے تمہارے ماضی کو کریدے بغیر اپنا نام دے کر تمہیں تحفظ دے ڈالا۔ اب گھر بھی تمہارا ہے۔ جہاں زیب بھی تمہارا ہے۔ اس نے گھر تمہارے نام کرنے کی تمام پیپرز مکمل کر لیے ہیں۔ بس صرف کورٹ میں تمہارے دستخط کا کام باقی رہ گیا ہے۔ بس بیٹا مجھے اس کے سامنے کبھی شرمندہ نہ کرنا۔ اسی کی ہو کر رہنا۔ میاں بیوی میں کئی بار ایک دوسرے کے خیالات میں اختلافات ہو جاتا ہے۔ عورت کا کام ہے صبر وتحمل سے ہر طرح کی اسچویشن کو قابو میں رکھنا۔ شوہر پر کمند ڈالنا اتنا مشکل نہیں۔ جتنا ہم

نے سمجھ رکھا ہے۔ شوہر تو بہت معصوم اور بے ضرر سے رشتے کا نام ہے۔"

وہ پیار سے اسے سمجھائے جارہی تھی تو وہ ایک دم سے دھیمی پڑ گئی۔ بات تو اس کی درست تھی۔ وہ بھی تو خالص اور کھرا موتی نہ تھی۔ اس نے بھی تو اپنے ماضی کی تاریکیوں کی ہلکی سی رمق بھی ان کو دکھانے کی ضرورت محسوس نہ کی تھی۔ بھلا وہ اپنے پیٹ سے پردہ اٹھا کر خود کو ہر ایک کی نظروں میں کیونکر گراتی۔ خاموشی میں ہی مصلحت تھی۔ عافیت تھی اور اسی میں کامیابی تھی۔

اس نے آنٹی کی باتوں کو غور سے سن کر اپنے دل میں محفوظ کرلیا۔ کیونکہ وہ ہر صورت اپنی شادی کو کامیاب بنانا چاہتی تھی مگر خوف نے اسے فکر مند کر دیا تھا۔

وہ ہوسٹل کی تمام لڑکیوں کے بیچ گھری ہوئی ان کی چھیڑ خانیوں سے محظوظ ہونے کے بجائے مضطرب ہو رہی تھی اور مسلسل ایک ہی سوچ ذہن پر غالب ہو کر ستائے جارہی تھی کہ کہیں شادی کے فیصلے میں جلد بازی تو نہیں کر ڈالی۔ یہاں وہ تو دیدی کی تلاش میں نکلی تھی۔ دیدی تو کہیں نہ ملی۔ کسی اور ہوسٹل میں اس کا نام درج نہ تھا میں نے یہ کیا کر دیا جس مشن پر نکلی تھی اس محاذ پر تو شکست ہوگئی۔ اپنی ازدواجی زندگی کا چناؤ کر ڈالا۔ یہی سوچتے ہوئے ہال کے کلاک نے دس بجا دیئے۔ تو وہ چونک سی گئی۔ اس کی رخصتی کا وقت آچکا تھا۔ پانچ منٹ بعد جہاں زیب اندر داخل ہوا اور زینت قرآن مجید کے سائے میں اسے ڈھیر ساری دعاؤں کے ساتھ کار تک لے گئی اسے ڈرائیونگ سیٹ کے پہلو میں بٹھا کر جہاں زیب کے کندھے پر محبت سے بھرپور ہاتھ پھیرا اور اس کے سامنے قرآن مجید کھول کر کھڑی ہوگئی اسے بلند آواز میں آیت پڑھی۔

اور اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر سفید رنگ کا لفافہ نکالا اور قرآن مجید میں رکھ کر اللہ کی اس مقدس کتاب کو چوم کر بند کر دیا۔ یہ زرمین کے سر کا صدقہ سمجھئے گا۔

زینت کا چہرہ ایک دم کھل گیا تھا۔ خود پر قابو پاتے ہوئے آہستگی سے بولی۔ "جہاں زیب صاحب میری بیٹی کو بہت خوش رکھیے گا۔ یتیم بھی ہے اور لاوارث بھی۔ اسے جتنا پیار سے رکھیں گے آپ پر اللہ تعالیٰ کی اتنی ہی رحمتوں کی فراوانی ہوگی۔ یاد رکھیے گا۔ ورنہ میں اپنی بچی کو واپس ہوسٹل میں ہی لے آؤں گی میرے لیے تو زرمین میرا کماؤ پوت ہے۔ مجھے قطعاً بھاری نہیں۔"

لہجے میں بناوٹ تھی۔

بے جان اور بے دم تڑی اور دھمکی تھی۔ جہاں زیب مسکرا دیا اس نے اس کی زبان کو ہمیشہ کے لئے کاٹ ڈالا تھا۔ پھر تڑیاں کیسی؟ اور دھمکیاں کیوں۔ وہ اس کی عزت تھی۔ اب جس کی طرف اس کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی غلطی کی بھی اجازت نہیں تھی۔

"اب یہ معاملہ دونوں کا ہے۔ آپ بالکل فکر نہ کریں۔ زرمین میری ذمہ داری اور میری عزت ہے۔ اس کی عزت کی پاسداری میرا فرض ہے۔"

وہ اسے تسلی دے کر کار کی طرف بڑھ گیا اور ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر گاڑی میں بیٹھ کر سٹریٹ کی مدھم اور ملگجی سے روشنی میں اس نے زرمین کی طرف سر گھما کر غور سے دیکھا۔ وہاں آنکھوں میں کسی قسم کے تاثرات نہ تھے۔ اک گہری خاموشی اور گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا۔ نہ پیار نہ خوشی نہ ہی کچھ پا لینے کی فتح مندی کا احساس تھا وہ گھبرا سا گیا۔

''ماضی سے باہر نکل کر حال کی ہو جاؤ۔'' وہ نرماہٹ سے بولا۔ ''زرمین میں نے تمہیں آنٹی زینت سے حاصل کر لیا سمجھو کہ اک معرکہ سرانجام دے ڈالا ہے میں نے' بڑی ٹیڑھی عورت ہے۔ منہ کی مٹھی مگر دل کی زہریلی ناگن اور ذہن کی حد درجے کی شاطرا ور چالاک منافقت تو ختم ہے اس کے بعد۔''

وہ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے بول رہا تھا۔

وہ ایک دم سے چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''میں نے گھر تمہارے نام کرنے کے تمام پیپر کمپلیٹ کر لیے ہیں۔ اس فیصلے میں آنٹی کا کوئی رول نہیں۔ یہ میرا اپنا فیصلہ ہے کل صبح ہی سب سے پہلے کورٹ جائیں گے۔ یہ تحفہ ہے منہ دکھائی کا۔ پسند آیا کہ نہیں۔''

وہ خوشگوار لہجے میں بولا۔

'' ایسی بھی کیا جلدی ہے؟ آپ مجھ سے جدا نہیں ہیں ہم ایک ہیں ہماری روحیں ہمارا دل اور ذہن ایک ہے۔ آپ ان تکلفات میں مت پڑیں مجھ ناچیز کو آپ کا باعزت باوقار نام کا سہارا مل گیا مجھے اور کیا چاہیے؟ دو جہان کی دولت آج میری آغوش میں سمٹ آئی ہے گھر اینٹ اور سیمنٹ کی سختی سے بنتے ہیں۔ مگر انسانی وجود گوشت پوست اور خون و پانی کے ملاپ سے تشکیل دیا گیا ہے جس میں نرمی بھی ہے' گرمی بھی ہے' محبت بھی' ہے حدت بھی ہے' جذبات بھی ہیں' احساسات بھی ہیں مجھے میرے مالک نے آج ایسی ہی دولت نعمت اور رحمت سے مجھے نوازا ہے۔''

وہ اس کی اپنائیت ولگاوٹ سے امپریس ہو کر تشکرانہ انداز میں بولی۔ جہاں زیب نے اپنے تمام حالات گوش گزار دینے کے بعد کہا اس لیے میں کل سے ہی تمہارے نان نفقے کا بندوبست کر کے مکمل طور پر مطمئن ہونا چاہتا ہوں کیونکہ میں تمہاری لاوارثی کا ناجائز فائدہ اٹھانے کی غلطی نہیں کرنا چاہتا۔ زیادتی اور بے انصافی اپنے لیول کے بندے کے ساتھ کروں تو مزا ہے پہلی بیوی کے ساتھ ایسا سلوک روا رکھوں جو میرے مقابلے کی ہے میرے اسٹیٹس کی ہے۔ تم سے میرا رشتہ رحمدلانہ اور مخلصانہ جذبات کے تحت طے ہوا ہے۔ آج کے بعد ہماری زندگی میں آنٹی کی دخل اندازی نہیں ہونی چاہیے۔ میں نے اس کی منہ بولی قیمت ادا کر کے تمہیں حاصل کیا ہے۔ اب وہ یہاں نہیں آئے گی اور نہ ہی اب وہاں تمہارا کوئی کام ہے۔ وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولا اور ڈیفنس میں ایک بنگلے کے

سامنے اس کی کار رکی۔ باوردی چوکیدار نے پھرتی سے گیٹ کھولا اور کار ایک کشادہ پورچ کے نیچے جارکی۔

جہاں زیب باہر نکل کر اس کی سائیڈ کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ کھول کر اس نے اسے پکڑنے کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا تو زرمین نے جذبات سے عاری نگاہوں سے اسے دیکھا اور یخ بستہ ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے کر ڈریس کو سنبھالتی ہوئی باہر نکل گئی۔

''اتنے بھاری بھرکم اور قیمتی ڈریس کی ضرورت نہیں تھی۔'' وہ کاریڈور عبور کرتے ہوئے آہستگی سے بولی۔ ''اس کی رقم سے بھی آنٹی کا منہ بند اور پیٹ کی بھوک کو ختم کر دینا چاہیے تھا۔'' وہ حقارت ونفرت سے بولی۔

''دلہن بننے کی خواہش ہر لڑکی اپنے دل میں لے کر پیدا ہوتی ہے۔ مجھے بھی تمہیں دیکھ کر اچھا لگ رہا ہے اب تو محترمہ کا کردار بہت شاہانہ اور اعلیٰ ہو گیا ہے کہ وہ لڑکیوں کا نکاح پڑھوا کر پکا کام کرنے لگی ہے۔ ورنہ یہ ظالم اور جابر عورت معصوم غریب بچیوں کو بغیر نکاح کے دوسروں کے حوالے کر کے منہ مانگی رقم وصول کیا کرتی تھی۔''

اب تو اس نے یہ سب کر کے کار خیر کی شروعات کی ہے۔ بے شک اس کے لالچ میں کمی نہیں آئی لیکن یہ بات قابل ستائش ہے کہ اس کے اس رحمدلانہ رویے سے کتنی ہی ان گنت بچیوں کی زندگیاں تاریک ہونے سے بچ گئی ہیں۔

وہ اسے آنٹی کے ماضی کی کتنی ہی سچی اور لوگوں کی من گھڑت داستانیں سنانے لگا۔ جب کسی کے ہاتھ میں دوسرے کی کمزوری آجاتی ہے تو صداقت اور حقیقت کے ساتھ نئی نئی جھوٹی، من گھڑت کہانیاں بھی سرابھارنے لگتی ہیں اور گردوپیش کے ماحول میں محو گردش ریپیوٹ پر اس کے نیک اعمال پر بھی شیطانیت مکاری، چالبازی اور فریبی کی چھاپ چسپاں ہوجاتی ہے۔ یہی حال آنٹی کا تھا۔

وہ اس کی باتیں سن کر تھر تھر کانپنے لگی تھی اور فرشتے کا مسئلہ سمجھنے میں اسے زیادہ دیر نہ لگی تھی۔ اب ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں تم میری بیوی ہو اور مجھے اپنی جان سے بھی بڑھ کر عزیز ہو۔ کیونکہ تم میری ہو جیسے بے شمار رشتے ان گنت دوست اور بے حساب منہ بولے رشتے ان سب میں تمہارے شار کو اولیت کا درجہ حاصل ہے۔ کیونکہ تم میرے جسم کا حصہ اور میرے ہر سانس کی حصہ دار ہو۔ اب تم پر شیطانی خصلت رکھنے والے لوگوں کی ہلکی سی پرچھائیں بھی نہیں پہنچ پائے گی۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ایسے بول رہا تھا۔ جیسے اس سے پختہ اور مستحکم عہد کر رہا ہو۔ اس نے ذہن کی صدا پر کان لگا کر سننے کی کوشش کی۔ تمام مثبت اور آس وامید اور روح افزا اور زریں تھیں۔ زندگی میں ان رشتوں پر بے اعتباری جو اس عظمت سے ناشناسا ہیں جن سے دنیاوی اور غیر پائیدار سا تعلق وابستہ ہے ان پر بھروسہ کرنا جائز نہیں کیونکہ ایسے ہی لوگ ہمیشہ زبان میں شرینی اور چہرے پر شرافت چسپاں کیے مجھ

جیسی بے کس لڑکیوں کو پھانسنے میں کامیاب ہوتے ہیں اس مرد سے میرا رشتہ اللہ نے آسمانوں پر مقرر کیا تھا۔ اس کا تجویز کردہ یہ بندھن نا قابل یقین اور نا قابل تحسین کیسے ہوسکتا ہے۔ یہ تو وفا اور عطا کا رشتہ ہے۔ یہ ایک عام سی شخصیت کا حامل مرد نہیں اس نے نہ تو مجھے سر سبز باغوں کا باسی بنانے میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے نہ ہی وعدے وعید کیے اور نہ ہی میرے حسن میں غرق ہونے کی نوید سنانے کی ضرورت محسوس کی۔ اس نے مجھے اپنا نام دیا اور میرے ننگے سر کی پردہ داری کر دی اور ان مٹ نادیدہ تحفظ کی بخشش کر دی۔ اک پر تسکین سوچ نے اس کے لبوں پر شگفتگی اور تازگی سے بھرپور مسکان بکھیر دی۔ اس نے اپنا جھکا ہوا سر اس کے شانے سے لگا دیا۔ آج سالوں بعد اس کے دل نے سکون سے لبریز انگڑائی لی تھی۔ نکاح کے چند بولوں میں کتنی استحکامت اور اپنائیت ہے۔ اسے آج یقین ہو چلا تھا۔

❖ ◆ ❖

"جہاں زیب! آنٹی زہریلی ناگن سہی، خود غرض اور لالچی سہی مگر میری زندگی تو سنوارنے میں اسی کا ہاتھ ہے۔ ورنہ مجھے آپ جیسا ساتھی نہ ملتا۔ چاہے میں بستی بستی ملکوں ملکوں آپ کے نام کا ڈھنڈورا پٹوا دیتی۔ پھر بھی حاصل نہ کر پاتی۔" وہ احسان مندی سے بھرپور لہجے میں بولی۔

"بات تو ٹھیک ہے۔ تم اس خاتون کو جانتی نہیں۔ بدنام زمانہ ہے کچھ عرصے سے نجانے کیوں اس کے کام کی نوعیت بدل گئی ہے۔ مگر لالچ اپنی جگہ برقرار ہے۔ تمہیں اس سے کسی قسم کا رابطہ یا تعلق رکھنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ زبان کے نیچے مصری کی ڈلی رکھنے والی ایسی خواتین فطرت میں دھوکے باز اور مکار ہوتی ہیں۔ تمہیں اس سے بچ کر رہنے کی اشد ضرورت ہے۔ نجانے وہ پھر سے کیسا غائبانہ وار کر دے کہ ہمیں خبر تک نہ ہو۔" وہ گھر کے پیپرز اسے پکڑاتے ہوئے بولا۔ "انہیں اپنے لاکر میں ہی محفوظ کر لینا۔ گھر ہمیشہ عورت کا ہوتا ہے۔ وہی اس کی وارث ہوتی ہے۔ میں تمہارے قانون، جانتا ہوں تمہارے معاشرے میں پہلے بیٹی کو سیکیور کیا جاتا ہے۔ والدین بیٹی سے جان نہیں چھڑاتے۔ ہمارے ہاں ایسا نہیں ہوتا۔ لعنتوں سے بھرے ہوئے اس معاشرے کا اللہ ہی مالک ہے۔ میں تمہارے لیے اور بھی کچھ کرنے کا سوچ رہا ہوں۔"

"میرے بعد تمہیں فائننشلی طور پر کسی قسم کی اذیت و مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ یہ زندگی تو پانی کا بلبلہ ہے اس پر کیا ناز کرنا ابھی ہے تو اگلے لمحے دغا دے جائے اس کا کیا بھروسہ۔" وہ ایک لمبی آہ بھر کر بولا۔

"آپ مجھ سے یہ دل دکھانے اور چونکا دینے والی باتیں مت کیا کریں اپنوں کے دکھوں کے زخموں کے گھاؤ ابھی تک بھرے نہیں۔ جہاں زیب ان سے ہر وقت خون رستا ہے۔ دکھن اور چبھن ان کی یاد سے بے خبر نہیں ہونے دیتی۔ آج کے بعد آپ نے ایسی باتیں کیں تو میں ہر وقت کے ڈر

اورخوف میں مزید الجھ کر رہ جاؤں گی۔ بس اللہ تعالیٰ سے میری ایک التجا ہے اگر وہ سن لے۔ قبول کرے تو کتنا ہی اچھا ہو جائے۔" وہ افسردہ لہجے میں بولی۔

"ایسی کونسی التجا ہے؟" وہ بے قراری سے بولا۔

"کہ میری بقیہ عمر آپ کے نصیب میں لکھ ڈالے۔ میری تمام مسرتیں اور راحتیں آپ کی جھولی میں بھر دے۔" وہ عقیدت مندی سے بولی۔

"یہ ٹھیک رہی۔" ایک بھرپور قہقہہ فضا میں بکھر گیا۔ "میں نے جو کیا وہ میرے فرائض کے زمرے میں آتا تھا۔ تم جو مانگ رہی ہو اپنے رب سے وہ جائز دعا نہیں۔ تمہارا فرض ہے اپنے شوہر کی تابعداری اور اس سے وفاداری کرنا' اس کے مال کی حفاظت اور اس کی نسل کی دین و دنیا کے اصولوں کے مطابق پرورش کرنا۔ مجھے تم سے اسی نوید کی امید ہے۔" وہ پیار سے مغلوب ہو کر بولا۔

"جہاں زیب بھی میں آپ کی مدد سے دیدی کو ڈھونڈنے کا مشن کمپلیٹ کر سکتی ہوں۔ نجانے کہاں ہو گی۔" وہ بے قراری میں رونے لگی۔

"وہ جہاں بھی ہو گی بہترین ہو گی ایسی پاکدامن اور خوددار لڑکیاں جنگلوں میں بھی اپنے اردگرد ایسا مضبوط حصار کھینچ لیتی ہیں جسے درندے بھی عبور نہیں کر سکتے۔ اس کی فکر کرنا چھوڑ دو۔" وہ خوشیوں کے ہلکورے لے رہی ہو گی۔

"ان شاء اللہ ہم اس تک بھی ضرور پہنچ جائیں گے۔ ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے۔ نہ اس وقت سے پہلے نہ اس کے بعد تکمیل ہوتا ہے۔ فیصلہ اس کا ہے۔ اللہ پر بھروسہ رکھو وہی سوکھے سے ہرا کرتا ہے اور موت کے بعد زندگی دینے کا وعدہ بھی اسی کا ہے۔ ہمیشگی کی کامیاب اور خوش و خرم زندگی اور وہ بچھڑے ہوئے پیاروں سے ملائے گا۔ یہاں نہیں تو وہاں سہی۔ ملاقات کروا کر چھوڑے گا۔ اس لیے اپنا ہر مسئلہ اس پر چھوڑ کر دیکھو کہ تم کتنی پرسکون رہنے لگو گی۔ خوشیاں تمہاری ذات کا حصہ بن جائیں گی۔ میرے کہنے پر ایسا کر کے آزما لو۔"

وہ اسے پیار سے سمجھانے لگا تھا۔

یہ فرشتہ میری زندگی میں کیسے وارد ہو گیا؟ میں تو حد درجے کی گنہگار ہوں ناپاک ہوں پھر اتنی رحمتیں مجھ پر کیونکر نازل ہو رہی ہیں۔ اسے پلوشہ اور ریشم کے بارے میں بتا دوں۔ شاید انہیں بھی ڈھونڈ نکالیں۔ نہیں ایسی غلطی مت کرنا آخر ہے تو یہ بھی انسان خان ماما اور ان کی فیملی کے بارے میں کیا بتانا۔ کہیں ان کے مقدر کی سیاہی میرے نصیب کو سیاہ اور تاریک ہی نہ کر دے۔ وہ جہاں بھی رہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا بھی حامی و ناصر ہو۔ جیسے اس نے میرے لیے آنٹی کو فرشتہ بنا کر بھیجا تھا' میری باقی بہنوں کو بھی ایسے ہی فرشتوں کے زیر سایہ تحفظ و سکون عطا فرما دے۔ میرے رب تیرے دربار میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ میں نے اسی لمحے یہ مسئلہ تم پر چھوڑ دیا۔ تو بہت عظیم ہے میرے مولا اور

تیری یہ بندی بہت حقیر چیونٹی سے بھی چھوٹی اور کمتر ہے۔ وہ دل ہی دل میں دعائیں مانگے جارہی تھی۔

وقت کے ساتھ دونوں ایک دوسرے کے دلوں میں کبھی نہ نکلنے کے لیے بس گئے تھے۔ جہاں زیب اس کے سامنے ڈریسز' جیولری' پرس اور جوتوں کے ڈھیر لگادیتا تھا۔ مگر وہ اس طرف دیکھ کے نہ دیتی۔ ان دنیاوی چیزوں کی اب اسے طلب ہی نہ رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے رزق کی فراوانی اور شوہر کی بے حساب توجہ اور صحت سے نواز دیا تھا۔ بھوک پیاس ایسے مٹی تھی جیسے اس نے اسے کبھی ستایا ہی نہ تھا۔ زندگی پرسکون اور خوشیوں کے جھولے جھول رہی تھی۔ بہت جلد ہی اس کی پرگنینسی کی خبر نے تو جہاں زیب کو سرتاپا ہی جیت لیا تھا اور جب الٹرا ساؤنڈ کے بعد یہ مژدہ سنا کہ جڑواں بیٹے تشریف فرماہیں تو اس کی خوشی دیدنی تھی۔ اس کا جو وقت پہلی بیوی کے ساتھ گزرا کرتا تھا۔ نت نئے بہانوں سے اس کے ساتھ گزرنے لگا تھا۔ ابھی تک اس شہر میں اس کی اس شادی کی دو دوستوں کے علاوہ کسی بھی عزیز واقارب کو خبر تک نہ ہوئی تھی یہ مژدہ راحت وہ ڈیلیوری کے بعد سب کو سنانے والا تھا اور اپنی پہلی بیوی کو ٹھوس دلائل کے ساتھ زرمین کو قبول کرنے پر رضا مند کرنے کی خوش فہمی میں مبتلا رہتا تھا۔ اسی انتظار کی گھڑیوں کو وہ امیدوں کے مرغزاروں میں سجائے الجھن کی کیفیت سے باہر نکل چکا تھا۔

زرمین اپنی عادات کی وجہ سے شوہر کی نورِ نظر تو بن ہی چکی تھی اب اس کی ہتھیلی کا چھالا بن کر رہ گئی تھی۔ آج بھی وہ حسرت واندیشوں میں گھری ہوئی سوچے جارہی تھی کہ وہ گناہوں کی دنیا سے نکل کر جس دنیا کی باسی بن گئی ہے۔ اس کا اپنا گھر ہے اس کا شوہر ہے کل وہ ماں کے مقدس رتبے پر براجمان ہوکر عورتوں کے اس گروہ میں شامل ہوجائے گی جنھیں عزت وتکریم کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ میں اتنی خوش قسمت تو نہ تھی کہیں کسی بڑی آزمائش کسی کٹھن امتحان کا بلاوا تو آنے والا نہیں۔

وہ یہ سوچ کر لرز گئی تھی لیکن جہاں زیب سے اپنا خدشہ اور وسوسہ شیئر نہ کرسکی۔ جن دنوں میں جہاں زیب اپنی پہلی بیوی کے ساتھ رہ کر اپنے تمام فرائض ادا کرنے اور ترازو کا پلڑا برابر رکھنے کی کاوش میں مبتلا ہوتا تو وہ جان لیوا گھڑیاں گزر جانے کا نام نہ لیتی تھیں۔ مگر وہ اپنی پوریٹ، ڈر اور خوف کو اس کے گوش گزار نے سے کتراتی رہی۔

نو مہینے آس وامید اور مسرتوں وراحتوں کی گھنیری چھاؤں میں ستاتے گزر گئے اور نازک اندام زرمین کے وجود سے دوگل گوتھنے سرخ وسفید پھولوں کی آمد نے آنگن کو مسحور کن خوشبو سے لبریز کردیا۔ آج اس نے عورت کی اصل حیثیت اور اعلیٰ مقام کو پالیا تھا۔ وہ خوشی کے اس ذائقے پر جو بالکل ہی نیا تھا اپنے تمام دکھوں اور محرومیوں کے درد کو یکسر بھول گئی تھی۔

خوشی کی خبر کو اپنے من میں چھپا کر ہضم کرنا اور پردہ داری رکھنا جہاں زیب کے لئے آسان نہ

تھا۔ اس نے موقع غنیمت جان کر یہ خبر اپنے والد صاحب کے گوش گزار دی تو وہ حیرت سے ہارٹ اٹیک سے تو بچ گئے' مگر مسرت سے ان پر رعشہ طاری ہو گیا تھا۔ فوراً ہسپتال اپنے دونوں پوتوں کو دیکھنے پہنچ گئے۔ حسین و جمیل بہو کی آغوش میں اپنی نسل کو دیکھ کر انہوں نے اپنے جذبات پر نجانے کیسے قابو پایا۔ یہ وہی جانتے تھے۔ ہسپتال کے کمرے میں لڈو پہنچائے گئے۔ تمام سسٹرز کو بھی خوش کرنے میں کمی نہ چھوڑی۔ لیڈی ڈاکٹر کو تو قیمتی انعام سے نوازا گیا تھا۔ اور ہسپتال میں کام کرنے والے تمام ورکرز کے لیے ہسپتال کے عقب میں ہی لنگر کھول دیا گیا۔ زرمین خوشی و فخر سے پھولی نہ سما رہی تھی۔ سسر اور شوہر کے چاؤ چونچلے اور لاڈ پیار آسمان کو چھو رہا تھا۔

والد صاحب نے جہاں زیب کو اس خوشی کو صیغہ راز میں رکھنے کی تلقین کی کیونکہ ان کا کمزور دل اور پرانے خیالات کا ذہن اس کی اجازت دینے سے قاصر تھا کہ کہیں اتنی عظیم الشان خوشی میں اپنوں کی طرف سے آہوں اور بددعاؤں کی آمیزش نہ ہو جائے۔ حاسدوں کی نظر نہ لگ جائے۔ جہاں زیب نے بھی ان کی نصیحت پر عمل کیا کہ بچے ذرا بڑے ہو جائیں تو پھر اس خوش خبری سے پردہ کشائی کی جائے تو بہتر ہو گا۔

آخر پہلی بیوی بھی تو اپنی خالہ کی بیٹی تھی اور والد صاحب کی لاڈلی اکلوتی سالی کی نورِ نظر جو تھی فی الحال اس خبر کو پی جانے میں ہی دانشمندی اور مصلحت تھی۔

آج ایک ہفتہ ہونے کو آیا جہاں زیب کہاں چلے گئے؟ وہ ٹمو اور ہاشو کے بغیر جتنا وقت باہر گزارتے تھے دس بار فون پر ان کا حال پوچھنا ان کا معمول تھا۔ اللہ خیر کرے طبیعت ٹھیک ہو۔ میں نے لاپروائی اور غیر ذمہ داری کی ان کی فطرت میں ہلکی سے جھلک بھی نہیں دیکھی پھر یہ خاموشی کیوں۔ اب اس پر پیچ خاموشی کی وجہ کہاں سے معلوم کروں؟ نہ تو میرے پاس ان کے گھر کا ایڈریس ہے ان کا فون بھی بند ہے۔ بابا بھی ملنے نہیں آئے کچھ گڑبڑ ضرور ہے۔ وہ چار مہینے کے بیٹوں کو سینے سے لگائے اپنے گھر کے ہر کمرے میں بے قراری سے چکر لگانے لگی۔ حالانکہ جہاں زیب سے یہاں تو چھپا ہوا نہ تھا۔ بار بار مین دروازہ کھول کر بڑے مین گیٹ سے پار سڑک پر نظریں جمائے کھڑی ہو جاتی۔

کہاں چلے گئے مجھے اس دنیا میں اکیلا چھوڑ کر جہاں زیب آپ کے لاڈلے آپ کی راہ تک رہے ہیں۔ آپ کی زری آپ کو دیکھنے کے لیے بے تاب ہے۔ جلدی سے آجائیے۔

وہ بڑبڑاتی اور بلکتی تڑپتی ہوئی گھر کے اندر آگئی۔ کسے بتاتی اپنا درد۔ کیسے اس پریشانی کا انکشاف کرتی۔ ان سکیورٹی کی زنجیروں میں جکڑی وہ شب و روز اس کی منتظر تھی۔ سسر کا فون بھی بند تھا۔ وہ کس سے معلوم کرے کہ خاموشی کی وجہ کیا ہے۔

جہاں زیب کے دو بھائی حال ہی میں کینیڈا شفٹ ہو گئے تھے جہاں زیب اپنے والد صاحب

کی بزنس کی دیکھ بھال اور جمع وتفریق کرتے ہوئے بزنس کو خوب چمکا چکا تھا۔ دولت کی ریل پیل تھی۔ دنیا کی تمام آسائشات اس کی لونڈیاں تھیں۔ جس نعمت کی کمی تھی وہ زرمین نے پوری کردی تھی۔ اب وہ بہت خوش ومطمئن رہنے لگا تھا کیونکہ اب اس کی زندگی میں کوئی خلا نہ تھا۔ جو اسے مضطرب رکھتا۔

ایک رات اپنے کام سے فارغ ہوکر دونوں باپ بیٹا گھر واپس جارہے تھے جب ان کی جیپ کی سڑک کی سائیڈ پر کھڑے ٹرک سے ایسی زوردار ٹکر ہوئی کہ فضا میں دھماکہ اور پھر چیخوں کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ لوگوں کے ہجوم نے باپ بیٹے کو جیپ سے نکالا۔

ایمبولینس پہنچنے میں بھی دیر نہ لگی۔ دونوں کے سانس ابھی تک نہایت دھیمی رفتار سے چل رہے تھے۔ جونہی انہیں سٹریچر پر ڈالا گیا دونوں گوشت کی بے سدھ لاشیں معلوم ہونے لگیں۔ سانس کی ڈوری ٹوٹ چکی تھی اور وہ خالق حقیقی سے جا ملے تھے زرمین کو اس سانحے کی خبر دینے والا کوئی نہ تھا۔ اس شادی اور بچوں کی آمد کا علم کسی تیسرے بندے کو تھا ہی نہیں۔ اڑوس پڑوس میں بھی نہ کسی سے ملنا جلنا تھا۔ نہ ان کے حالات سے کوئی آشنا تھا۔ رازدارانہ شادی راز میں ہی جا چھپی تھی۔

زرمین کا شب وروز کے انتظار میں حیرت وتاسف بتدریج بڑھتا جارہا تھا۔ جہاں زیب کی محبت اور وفا پر یقین بھی تھا۔ اور بے یقینی بھی خاصی تھی۔ اسی امتزاج میں وہ ڈانواں ڈول ہوکر اپنے زندگی کے دن کاٹنے لگی۔ بچے بھی آٹھ مہینے کے ہوگئے تھے۔ مگر ٹمو ایک نارمل بچے کی طرح نہ بیٹھتا تھا نہ ہی سر سنبھال سکا تھا۔ وہ پہلے تو اسے سستی اور آرام طلبی وسہل پسندی کا نام دے کر خود کو مطمئن کرتی رہی مگر ڈیسنائیل میں زندگی گزارنا آسان تو ہرگز نہیں ہوتا۔ پھر بھی وقتی طور پر خود کو بے وقوف بنانا بہت اچھا لگتا ہے مگر چوبیس گھنٹے ایک سی کیفیت میں تو گزر نہیں سکتے۔ دل میں خدشات کے ان گنت کانٹے بھی چبھنے لگتے تھے۔

جب ڈاکٹرز کی رپورٹیں بھی تسلی بخش ہوتیں۔ تو چند دنوں کے لیے وہ پھر سے اپنی تمام فکرات کو ذہن سے روپوش کرنے میں کامیاب ہوجاتی اور تمام توجہ جہاں زیب کے آناً فاناً روپوش ہونے کی طرف مبذول ہوجاتی۔ ایک دن اس نے گھر سے تمام میل سرونٹس کو کام سے فارغ کردیا اور ایک پارٹ ٹائم عورت سے گزارا کرنے لگی کیونکہ وقت کی یہی ضرورت تھی۔ وہ ابھی بھی ناامید نہیں ہوئی تھی۔ اس کے انتظار میں وہ راتوں میں اٹھ اٹھ کر اس کا راہ تکتی کہ شاید وہ کہیں سے اچانک ہی آجائے۔ مگر اس نے نہیں آنا تھا وہ کیسے آتا؟ ہر وقت اس کی جان کی سلامتی کی بھیک مانگتی تو ساتھ ہی بے وفا خود غرض اور نجانے کتنے القابات سے پکارتی ہوئی تڑپ تڑپ کر رونے لگتی۔ آخر اس نے اپنے اخراجات کے بوجھ کو کم کرنے کے لیے انیکسی کرائے پر دینے کا فیصلہ کرلیا۔

مرتی کیا نہ کرتی؟ پیٹ کھانے کو بھی مانگتا تھا۔ تیمور کے ڈاکٹروں کے چکروں نے ہی اسے کنگلا

کردیا تھا۔اس کا یہ فیصلہ کافی حد تک تسلی بخش تھا۔گھر کے عقب میں انیکسی عموماً ویران اور غیر آباد ہی رہا کرتی تھی۔اس نے اسے کھلوا کر ملازمہ سے صاف کرایا۔وائٹ واش کرا کر فرنیچر کو پالش کروایا۔صوفے اور کرسیوں کی پوشش بدلنے سے ہر چیز میں نیا پن آ گیا تھا۔پردے ڈرائی کلین کروانے کے بعد انیکسی کو سلیقے سے سیٹ کر کے پراپرٹی ڈیلر سے رابطہ کیا کہ کوئی نیولی ویڈ کپل مل جائے تو سب سے بہتر رہے گا۔ان کے مسائل کم ہوتے ہیں کیونکہ وہ اپنی نئی ازدواجی زندگی میں ہی اتنے معروف اور خوش ہوتے ہیں کہ گردوپیش کی خبر تک نہیں ہوتی۔بڑے سے بڑا مسئلہ بھی بہت مہین اور بے معنی سا معلوم ہوتا ہے۔زرمین کی خواہش کے مطابق کرائے دار مل گئے۔وہ کافی مطمئن ہو گئی لیکن اخراجات پورے کرنے کے لیے انیکسی کا کرایہ کافی ہرگز نہ تھا۔تو پریشان ہو کر سوچنے لگی کہ اس گھمبیر مسئلے کو حل کیسے کرے؟ کیا خود انیکسی میں شفٹ ہو جائے اور چھ بیڈروم کا یہ گھر جس میں خود رہائش پذیر تھی۔کرائے پر چڑھا دے لیکن اگلے ہی لمحے جہاں زیب کا خیال آ گیا جس نے کتنی چاہت اور لگن سے اس گھر کی ایک ایک چیز خریدی تھی۔بچوں کی پیدائش پر ان کے کمروں کو انٹیریر ڈیکوریٹرز سے سیٹ کرایا تھا۔وہ اس کے اس سیٹ اپ کو بگاڑنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔اس نے اپنے ارادوں کو یکسر ہی بدل ڈالا۔دھیان زیورات کی طرف چلا گیا اور ان ڈیفنس سیونگز سرٹیفکیٹ کی طرف جو جہاں زیب نے زبردستی اس کے خرید کر لاکر میں رکھوائے تھے اسے ان چیزوں سے رتی بھر دلچسپی نہیں تھی۔اس لیے اس نے انہیں کھول کر دیکھا بھی نہیں تھا کہ ڈیفنس سیونگز سرٹیفکیٹ کتنی مالیت کے ہیں۔آج جہاں زیب کی دور اندیشی پر حیران ہو کر سوچنے لگی کہ کیا وہ مجھے چھوڑ دینا چاہتے تھے جو مجھ پر احسان عظیم کر گئے لیکن بچوں سے تو انہیں بے پناہ پیار تھا۔انہیں تو چھوڑنا ناممکن تھا اس کی سوچ اک نقطے پر آ کر رکی تو پھر آگے نہ بڑھی۔

اس نے اپنے تمام زیورات کو بیچ کر کروڑوں حاصل کر لیے۔ڈیفنس سیونگز سرٹیفکیٹ سے بھی کروڑوں ملے پجیرو کو بھی بیچ ڈالا ایک گاڑی ٹیوٹا کرولا اس کی ضروریات کو پوری کرنے کے لیے کافی تھی۔

تمام پیسوں کو اکٹھا کر کے اسے پراپرٹی ڈیلر کی مدد سے چار فلیٹ خرید لیے اور اب اس کے بچوں کو کسی قسم کی تنگی نہ تھی' کمی تھی تو باپ کی بے پناہ شفقت کی کمی تھی اور زرمین تو ویسے بھی ہر طرح کے لالچ سے باہر نکل آئی تھی۔اس کے اپنے اخراجات کے لیے تو انیکسی کا کرایہ بھی ڈھیروں ڈھیر تھا۔مگر کمی تھی تو سکیورٹی کی جہاں زیب کی موجودگی اور توجہ و پیار کی۔جسے دو جہاں کے خزانے بھی خریدنے سے قاصر تھے۔مشکل وقت میں صبر سے کام لے کر اس نے اپنی زندگی کو دو بچوں کے ساتھ گزارنے کے تمام رستے خوشنما رنگوں اور دلفریب پھولوں اور مسحور کن خوشبو سے سجا لیے تھے اور زندگی کی گاڑی خراماں خراماں چل پڑی تھی۔لیکن خدا کی طرف سے کرنا ایسا ہوا کہ انیکسی میں رہائش پذیر جوان کپل

نے اپنی زندگی کی روش بدل کر اسے حیران و پریشان کر دیا۔ چند دنوں میں ہی وہ اس کا ناک میں دم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ تمام دن میوزک ہائی والیم میں بجتا ہوا بچوں کو سونے نہ دیتا تھا رات بھر دو خونخوار کتوں کے بھونکنے کی آوازیں نیند کو ہڑپ کر گئیں۔

معاملہ اس سے ذرا آگے بڑھا تو سرِ شام جوان لڑکوں کی آمد شروع ہو گئی شراب کی محفلیں سجنے لگیں۔ رات بھر شطرنج اور جوئے کی بازیاں چلتیں۔ جنہیں جوان ماڈرن لباس میں ملبوس لڑکیوں نے بھی جوائن کر لیا تھا۔ شور شرابا، ہلہ گلاسن کر وہ دہل جاتی۔ اور جہاں زیب کی یاد سر چڑھ کر بولنے لگتی۔ دل غیر محفوظ ہونے کے احساس سے لرز اٹھتا کیونکہ اس نے ایسی غیر مہذب محفلوں کو سینکڑوں بار دیکھا تھا اور انہی پارٹیز کا وہ اہم کردار بھی ہوا کرتی تھی۔ وہاں کی غلاظت اور ذلالت کا سوچ کر وہ رات بھر گھر کے ٹیرس پر چکر لگاتی رہتی کہ ان کے بھیانک انجام میں کہیں پولیس اسے بھی دھر کر نہ لے جائے کہیں کالونی کے شرفا کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر اسے تنگ ہی نہ کرنے لگیں۔ کہیں ان کے گناہوں کا الزام اس کے سر تھوپ کر اسے رسوا نہ کر دیا جائے۔ ایک تنہا عورت اپنی بے گناہی کو کیسے منوا سکے گی۔ اپنی پاکیزگی کا کیسے یقین دلائے گی۔ جب مجھ پر انگلیاں اٹھائی جائیں گی تو کس کس کا منہ بند کروں گی۔ یہ سوچ کر اس نے اپنے ان عیاش کرائے داروں کو انیکسی خالی کرنے کا نوٹس بھجوا دیا۔ پہلے تو کچھ اسے تڑیوں سے رام کرنے کی کوشش کرنے لگا مگر زرمین نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ آخر پراپرٹی ڈیلر کی کوشش سے انیکسی تو خالی ہو گئی مگر چند ماہ کے قیام نے ہی وہاں کے ہر شے کو توڑ پھوڑ ڈالا تھا۔ کچن کی حالت تو ایسی تھی جیسے زمانہ قدیم کے کھنڈرات ہوں۔ باتھ روم غلاظت اور گندگی کی وجہ سے کچرے کا ڈسٹ بن لگ رہے تھے۔ پھر بھی زرمین نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ عزت بچ گئی وہ صبح کتنی ہی سوگوار تھی زرمین کے دل کی طرح جب پراپرٹی ڈیلر نے اسے جہاں خود کو دنیا کو فیس کرنے کے لیے تیار کرتی رہی۔ وہ جہاں زیب کی امی اور سوتن کے ساتھ رہنے کے بارے میں سوچنے لگی تھی۔ مگر ذہن اجازت نہیں دے رہا تھا۔ اسے بچوں کے چھن جانے کا خطرہ اور اپنی ذلتوں، رسوائیوں کا خوف عملی قدم اٹھانے سے روک رہا تھا۔

زرمین کرائے داروں کی بے مروتی اور بے لحاظی سے بال بال بچ گئی تھی۔ نئے سرے سے نئے کرائے دار ڈھونڈنے کی تگ و دو شروع ہو چکی تھی۔ اس بار انیکسی کرائے پر دینے کا مقصد بدل چکا تھا۔ اسے اپنے گھر کے کے احاطے میں سکیورٹی چاہیے تھی۔ اسے انیکسی کسی کم تنخواہ دار کو کیوں نہ دی جائے۔ شرافت پہلی شرط تھی۔

اس بار زرمین ہر آنے والے کا خود انٹرویو لیتی اور اگر ان کی روش و چلن اور خصلتوں پر معمولی سا شک بھی گزرتا تو وہ نہایت نرماہٹ سے انکار کر دیتی۔

اسی کشمکش میں چار مہینے کا عرصہ بیت گیا۔

ایک دن پراپرٹی ڈیلر صبح سویرے ہی ایک جوان کپل کو لے کر انیکسی دکھانے پہنچ گیا۔ زرمین نے ٹمو اور ہاشو کو پش چیئر میں ڈالا اور انیکسی کی طرف نکل گئی۔

پراپرٹی ڈیلر سے ان کی بے حساب تعریفیں سن کر اسے ان سے ملنے کا تجسس بھی تھا اور اس کی تسلی کے لیے ضروری بھی تھا۔

جونہی زرمین انیکسی میں بچوں کے ساتھ داخل ہوئی تو نیا جوڑا نہایت مؤدبانہ انداز میں کھڑے ہو گیا۔ آخر اس صفت کی ان کے خون میں شمولیت تو تھی ناں۔ وہ لاشعوری طور پر ان کی شخصیت میں عود کر آئی تھی۔

زرمین نے گفت وشنید کے بعد ان کی ظاہرانہ سادگی کو بھی پرستائش نظروں سے دیکھا دل قدرے مطمئن سا ہو گیا تھا۔ مگر وہ ابھی تک ان کا نام تک تو جانتی نہ تھی۔ آپ دونوں کا تمام حدود اربع پوچھ لیا مگر نام نہ پوچھا وہ مسکرا کر بولی۔

''میڈم میرا نام چودھری احمد علی ہے۔'' وہ خود اعتمادی سے بولا۔

''میڈیم میں زارا چودھری ہوں۔'' وہ بھی خود اعتمادی سے بولی۔

نام بھی خوب اور کردار بھی بہترین۔ اس نے دل میں سوچا

اور زرمین نے انیکسی کی چابی پراپرٹی ڈیلر کی طرف سے بڑھا کر سرگوشی کے انداز میں کہا۔

''ضرورت مند ہیں کرایہ کم ہی رکھیے گا۔''

''اوکے میڈم۔'' وہ باہر نکل آئی پراپرٹی ڈیلر بھی ساتھ ہی باہر نکلا۔ تو خوشگوار لہجے میں بولی۔

''بھائی صاحب! آپ کا بہت بہت شکریہ مجھے ایسے ہی کرائے دار چاہیے تھے بس ذرا دیکھ لیجئے گا۔''

''ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں۔''

''میڈم یہ لوگ تو ابھی ہی اپنی شرطیں منوانے پر تلے ہوئے ہیں۔ آپ نے مزید ڈھیل دے ڈالی تو کہیں آپ کو پریشانی کا سامنا ہی نہ کرنا پڑے۔ سوچ لیجئے ایسا نہ ہو کہ چند مہینوں بعد ان کی کرایہ دینے کی استطاعت ہی نہ رہے۔ پھر ہمیں مصیبت پڑ جائے گی آپ کو انیکسی کا رنگ روغن کرنے اور مجھے نئے کرائے دار ڈھونڈنے کی۔''

''کیسی شرائط؟'' وہ حیرت سے بولی۔

''ایک تو سال کا ایڈوانس نہیں دینا چاہتے۔ ہر مہینے کرایہ دینے پر بہت بضد ہیں۔ میں نے انہیں مشورہ تو دیا ہے کہ جس گھر میں اس وقت ان کا قیام ہے ان کے بہتر ہے کیونکہ اس کا کرایہ بہت کم ہے میاں تو مان ہی جاتا مگر بیوی وہاں رہنا ہی نہیں چاہتی پوش ایریا میں رہنے کا شوق مار گیا۔ وہ بیچارا بہت شریف اور دبکو سا شوہر لگتا ہے۔ بیوی نے خوب موٹی کاٹھی ڈال رکھی ہے اس پر ہر وقت بیوی کی سواری کے لیے تیار ملتا ہے اور اتنی بار لاد دیا ہے اس پر کہ سر جھکائے آنکھیں بند کیے چلتا

جا رہا ہے۔گدھا کہیں کا۔ وہ نخوت سے بولا نجانے کس گاؤں سے اٹھ کر آ گئے ہیں۔ چودھری تو دیکھیں کیا ایسے ہوتے ہیں چودھری پلے نہ دھیلا تے کردی میلا میلا۔''

''بس بھائی صاحب مجھے ایسے ہی لوگ چاہیے ان کی تمام شرائط مان لیں۔'' وہ اس کی قیاس آرائیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔

''میں نے سال کا کرایہ ایڈوانس نہ لیا تو کونسا قیامت آ جائے گی۔ ہر مہینے بھی درست ہے۔ ہاں انہیں یہ بتانا نہیں بھولیے گا کہ یہاں ان کا کوئی رشتہ دار کوئی عزیز و دوست نہیں آئے گا۔ بس میری طرف سے فقط یہی ایک شرط ہے۔ اگر انہیں میری شرط منظور ہے تو بہترین ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں بولی اور گھر کے اندر آ گئی۔ جہاں زیب کی یادیں آنکھوں کے رستے بہہ نکلی تھیں۔ آپ جیسا فرشتہ صفت مرد میں نے ہزاروں مردوں میں بھی نہ دیکھا تھا۔ آپ تو اس بے معنی بے ثبات اور جھوٹی دنیا کے قابل ہی نہیں تھے۔ آپ کی خصلتوں میں پیغمبروں کی جھلک تھی۔

اسی کی ذات پاک ہے جو انسانوں کی صورت میں فرشتے نازل کرنے کا اختیار رکھتی ہے۔ جب وہ انہی فرشتوں سے اور کام لینے کی ضرورت محسوس کرتا ہے تو انہیں اپنی جوار رحمت میں لے لیتا ہے آپ یہاں کے کاموں سے فارغ البال ہو کر اسی لیے اس کے پاس چلے گئے اور اپنی تمام تر ذمہ داریاں مجھے سونپ کر پرسکون ہو گئے آپ نے میرے نان نفقے کا جو انتظام کیا ہے اس کا اجر آپ کو اگلی دنیا میں ضرور ملے گا ورنہ آج میں اور آپ کی اولاد تو دربدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہوتے۔ زینب آنٹی جیسی عورت پھر سے میرا سودا کر چکی ہوتی۔ میرے بچوں کا کیا انجام ہوتا۔ جہاں زیب آپ تو ولی اللہ نکلے جنہیں الہام ہو گیا تھا اپنے جانے کا اس لیے تو آپ اٹھتے بیٹھتے اپنے جانے کی پیشین گوئیاں کرتے ہوئے مجھے ذہنی طور پر تیار کرنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے اور گھنٹوں مجھے ان بچوں کے ساتھ زندگی گزارنے کے درس دیتے ہوئے کھو سے جاتے تھے۔ جب سوچ بچار سے باہر نکلتے تو آپ ایک وکیل کی شکل میں میرا سامنا کرتے اور بچوں کے بالغ ہو جانے پر انہیں ان کی وراثت سے اپنے حصے اور حقوق حاصل کرنے کے قانون سکھایا کرتے تھے۔ آپ کتنے عظیم انسان تھے؟ کہ اپنی پہلی بیوی کا دل دکھانے کا سوچ کر ہی پریشان ہو جایا کرتے تھے۔ کاش آپ نے مجھے اپنے خاندان کا حصہ بنا دیا ہوتا۔ کاش جہاں زیب کاش! تو آج میرا یہ حال نہ ہوتا۔ میں آپ کے خاندان کے مضبوط سائے تلے آپ کی قلیل مدت کی ان گنت حسین یادوں کو سینے سے لگائے اپنی زندگی کے دن پورے کر لیتی۔ مجھے نہ تو اپنی عزت بچانے کا غم ہوتا نہ ہی آپ کے بچوں کے مستقبل کی فکر ہوتی۔

بس صرف میں ہوتی اور میرے ساتھ آپ کی حسین اور ان مٹ یادوں کا کبھی نہ ختم ہونے والا ساتھ ہوتا۔ کاش آپ میرے لیے ایسا بھی انتظام کر گئے ہوتے۔ وہ روتے ہوئے اس کی تصویر سے

باتیں کیے جا رہی تھی۔ وہ ایک دم سے ہاشم اور تیمور کے رونے کی آواز پر سنبھل گئی اور تیمور کو گود میں لے کر بہلانے لگی اور ہاشم کے منہ میں چوسنی دے کر سہلانے لگی۔

میرے اللہ مجھے اولاد کے دکھ سے محفوظ رکھنا۔ میرا تیمور اتنا سلو کیوں ہے؟ شائد میں ماں کے ناطے زیادہ ہی فکرمند ہو جاتی ہوں۔

جبکہ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ ہر بچہ اپنے ہی مزاج کا ہوتا ہے۔ بعض بچے ہائپر ایکٹیو ہونے کی وجہ سے بہت جلد چلنا شروع کر دیتے ہیں اور بعض اتنے آرام طلب ہوتے ہیں کہ ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھاتے ہیں۔ قوت گویائی اور رسپانس میں بھی سبھی ایک دوسرے سے فرق ہوتے ہیں۔ وہ اسے قالین پر بٹھانے کی کوشش کرنے لگی مگر وہ بغیر سہارے کے گر جاتا تھا پھر وہ اسے قالین پر کھڑا کر کے اسے چلانے کی کوشش کرنے لگتی مگر وہ قدم اٹھانے کے بجائے چیخیں مار مار کر رونے لگتا تھا۔ جیسے ماں نے ظلم ڈھا دیا ہو۔ تو اس کی آنسو بھی رکنے کا نام نہ لیتے تھے۔ دن اسی کشمکش میں بیت رہے تھے۔

❖❖❖

گاؤں سے چوری چھپے بھاگنے کے بعد وہ لاہور کے اسٹیشن پر اترے۔ جوہرو نے پہلی مرتبہ ریل کی سواری کی تھی اور لاہور کا اتنا بڑا اسٹیشن دیکھ کر بوکھلا سی گئی تھی۔ آمو کے ساتھ جوان بیوی کسی عذاب سے کم نہ تھی۔ اکیلا تو وہ اسٹیشن کے بنچ پر بھی رات گزار سکتا تھا' مگر اس شوقین مزاج بیوی کے ساتھ تو ہر صورت شام ہونے سے پہلے چھت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ جذباتی اور جلد بازی کے فیصلے پر اس نے جوہرو کو کس کر جوتے بھی رسید کیے تھے۔ اسے برا بھلا بھی کہہ ڈالا تھا' پھر خاموش ہو گیا کیونکہ اسے اس کی جدت پسندانہ سوچ سے اتفاق تھا تو اپنے گاؤں سے ہجرت کرنا مشکل نہ لگا تھا۔

اب سب سے پہلا مسئلہ سر چھپانے کا تھا۔ جوہرو نے بڑے پیار و اعتماد سے اسے سمجھایا کہ وہ دونوں چند راتیں اتنے بڑے اسٹیشن پر تو گزار ہی سکتے ہیں۔ منجی نہ سہی بسترا تو ساتھ ہی لائے ہیں۔ کہیں بھی بچھا کر کمر سیدھی کر ہی لیں گے۔ سب سے پہلے ہم شہر کی طرف نکلتے ہیں۔ تم مزدوری پکڑو میں بھی کسی کے گھر معمولی سا کام وقتی طور پر پکڑ لیتی ہوں۔ اس کے بعد اسی شہر میں چاہے گندے نالے میں جھونپڑی بھی کرائے پر ملتی ہے تو اسے حاصل کر کے اپنا یہ مشکل وقت پاس کر لینے میں کوئی قباحت نہیں۔ تم دیکھنا آمو ایک دن ایسا بھی آئے گا جب میرا سوہنا شہزادہ میرے لیے محل خریدے گا۔ وہ جھومتے ہوئے بولی۔

”اتنی اونچی اڑان نہ اڑ۔ منہ کے بل گر جاؤ گی بتیسی زمین پر پڑی ہو گی۔ بہتری مان کر نکل تو پڑا ہوں۔ اب رب ہی جانے کہ تو مجھے کتنا ذلیل کرواتی ہے۔“ وہ ناراضگی سے بولا۔

”اے ذرا مرداں والا حوصلہ پکڑ۔ میں زنانی ہو کے اتنے بہادر اور دلیر ہوں تجھے کیا ہو گیا ہے کم ہمتے نہ پڑنا۔ واپس جانے کے تمام راہ ہم نے بند کر دیئے ہیں۔ اب اِدھر ہی اسی اتنے بڑے شہر

میں ہی ہمارا جینا اور مرنا ہے۔ یہ فیصلہ کرو گے۔ تو تب تیرا دل ادھر لگے گا۔ ورنہ ذلیل ہوتے ہنستی جی بنے زندگی گزار دو گے۔ یاد رکھ فیر تیرے نال نیں رہوئے گی جوہرو۔'' وہ اسے غیرت دلانے کے انداز میں بولی۔

''چل پھر اٹھ۔ چلتے ہیں نوکری چاکری ڈھونڈنے۔'' وہ بنچ سے اٹھ کر آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔

''میرے اللہ مجھے اپنی منزل مقصود کے رستے پر ڈال دے۔'' اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور دونوں نے اپنا سامان سر پر رکھا اور چل دیئے۔ انجانی منزل کی جانب ناشناسا رستوں پر مگر جوہرو افسانوں اور ڈراموں سے سیکھے ہوئے درس پر انضباط سے ڈٹی ہوئی تھی۔ علو کے نشے کا مربوط تسلسل پیش پیش تھا۔

شاہانہ اور امیرانہ سوچ بھی عجیب عذاب اور کٹھن آزمائش ہے۔ معاشرے میں باعزت مقام حاصل کرنے کے نشے میں شب وروز کی مشقت میں تھکن یا اکتاہٹ کا احساس تک نہیں ہوتا۔ جب بادل چھٹ جاتے ہیں تو امیدوں وآسوں کی عجیب سی طمانیت وتسکین کی پھوار کے ساتھ روشنی کی کرنیں پھوٹ کر انہیں مژدہ راحت سناتی ہیں۔ تاریکی کے بعد نور سحر کا سندیسہ سرشاری وتشکر آمیزی کی بے حد وبیکراں کے کناروں کو چھونے لگتا ہے تو پھر احساس ہونے لگتا ہے کہ ان دنیاوی آسائشات کے حصول کی خاطر محنت تو کی مگر جھوٹ اور دغابازی بھی ہر جگہ کی۔ بے شک جوہرو کے خواب آکاش سے تارے توڑنے اور مانگ میں سجانے کے سہی۔ وہ پرلے درجے کی جذباتی اور شیخ چلی کی رفیق ہی سہی تھی تو جدت پسند اور آزاد رو۔ ایک ہفتے کی ان تھک محنت آخر رنگ لے آئی اور آمو کو پرائیویٹ آفس میں معمولی سی نوکری مل گئی۔ وہ دن بھر ہر آنے جانے والے مہمانوں کے لیے چائے بناتا اور سرو کرتا تھا۔ لاہور کے سب سے پسماندہ علاقے کی تنگ وتاریک گلیوں میں اس نے ایک بیٹھک کرائے پر لے لی اور گھر سے لائے ہوئے اثاثے کے ہمراہ دونوں نے اس ایک ہی کمرے میں چولہا چوکی بھی رکھ لیا اور اچھے دنوں کے انتظار میں دونوں ایک دوسرے سے سر جوڑے وقت گزارنے لگے۔ ایک کمرے کے قید خانے میں جوہرو کے حوصلے پست نہ ہوئے کیونکہ مقصد حیات سامنے تھا۔ جو انہیں بانہیں پھیلائے خوش آمدید کہنا چاہتا تھا۔

تھوڑی سی تنخواہ کو دانتوں میں دبا کر خرچ کرتی۔ مگر خود کسی بنگلے پر نوکری کرنے کے لیے تیار نہ ہوئی۔ اس کی سوچ کے مطابق یہ سراسر ذلالت تھی اگر اسے ایسی گھٹیا نوکری کر کے پیٹ بھرنا تھا تو گاؤں بہترین تھا۔ یہاں آنے کے مقصد کی ہلاکت کا تصور کرنا بھی اس کے لیے گناہ کبیرہ تھا۔ آمو اپنے محلے میں اعلیٰ اخلاقیات وخوش مزاجی اور شیریں زبان کی وجہ سے چودھری احمد علی کے نام سے پہچانا جانے لگا اور جوہرو نے تو سب کو جیتنے کے گر سیکھ ہی رکھے تھے۔ اپنے سلیقے اور ہر ایک سے

دوستانہ رویئے کی وجہ سے چھوٹے اسے زارا باجی کہہ کر عزت دیتے اور بڑے اسے محبت سے زارا بیٹی پکار کر اسے دلی وروحانی تسکین بخشتے تھے۔ جب بھی وہ کسی کو اپنا نام زارا چودھری بتاتی تو کسی انجانے سے دُنوں میں کھو جاتی۔ نگاہوں میں تفاخر در آتا اور دل میں اپنے زمینداروں کو دس گالیاں دیتی اور ان کی بیگمات اور بہو بیٹیوں کو بیسیوں بددعائیں دے کر خود کو پرسکون کرتی رہتی تھی۔

آج اس کا پاؤں زمین پر ٹکنا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ ہواؤں کے روش کسی ان دیکھی دنیا میں پہنچ گئی تھی۔ کیونکہ آج ایک سال کی انتھک محنت ومشقت کے بعد آمو کو سکول کی کمپیوٹر لیب میں انسٹرکٹر کی نوکری مل گئی تھی اور تنخواہ پچیس ہزار کا سن کر وہ بے ہوش ہوتے ہوتے بچی تھی۔ اس کے ہاتھ تو پچیس روپے سے بھی بے بہرہ اور نا آشنا تھے۔ پچیس ہزار اس کے ہاتھوں میں کیسے سمائیں گے۔ وہ اپنے ہاتھوں کو کبھی کھولتی اور کبھی بند کر کے حیرت ومسرت سے آمو کو دیکھے جا رہی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کے گلے لگ کر خوشی کے آنسو بہاتے ہوئے اپنے والدین اور بہن بھائیوں کو یاد کرنے لگے۔ جو زمینداررں کے چنگل سے زندگی بھر نکلنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے ایک ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والے بچوں کی شکلیں اور قسمتیں فرق سے بنائی ہیں اور جب لکھاری نے مقدر کے لکھے کے مطابق تیار کرنا ہو تو وہی پالنہار ان کے لیے ہر رستہ آسان کر دیتا ہے۔ اور ذہن کو وسیع اور دل قوت ارادی اور حوصلہ بلند کر دیتا ہے۔ یہ فیصلے اسی کی طرف سے ہوتے ہیں اور پھر اپنے کئے ہوئے فیصلوں کو انسان سے تسلیم کروا کر تمام ذمہ داری اس پر چھوڑ دیتا ہے اور ایمان کے پختہ اور عقیدے کے راسخ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے اس خوبصورت کھیل کی سمجھ آ جاتی ہے اور وہ سر تسلیم خم کیے اس کے ہر فیصلے پر خوش وخرم نظر آنے لگتے ہیں۔ آج دونوں اپنی اس کامیابی پر خود کو بہت اعلیٰ وعقلمند تصور کرتے ہوئے اپنی نادانی اور ناسمجھی کا ثبوت دیتے ہوئے گاؤں میں اپنی ذات برداری کے لڑکے اور لڑکیوں کی قسمتیں سنوارنے پر حیرت وتاسف سے سوچ جا رہے تھے۔ اپنے دیہاتی سیٹ اپ کو حقارت اور تنقید سے دیکھنے کا شعور تنخواہ پا کر مزید بیدار ہوا تھا کہ اس کائنات میں ہمیں بھی انسان ہونے کے ناطے جینے کا حق ہے تو اعزاز واکرام سے کیوں نہ جیا جائے۔ ہم وڈیروں اور زمینداروں کے مطیع وغلام بن کر تمام عمر کسمپرسی وکم مائیگی اور جہالت میں کیوں بیتا دیتے ہیں۔ خوشامد کے عادی ان زمینداروں کو خوف خدا کیوں نہیں آتا۔ انسانی شخصیت کی توڑ پھوڑ کر کے انہیں اپنے تیار کردہ سانچے کی شکل دے کر ان مسکینوں پر انہیں ترس کیوں نہیں آتا۔ جب فصلوں کی بیجائی کا وقت آتا ہے تو ہم سے ہمت وطاقت سے بڑھ کر کام لیا جاتا ہے۔ شب وروز نہ سونے کا وقت نہ ہی کھانا کھانے کی پرواہ رہتی ہے، جب فصل اٹھانے کا وقت آتا ہے تو ہمارے خون پسینے سے حاصل کی ہوئی دولت سے زمینداروں کی تجوریاں بھر جاتی ہیں اور اس کے متبادل محنت کشوں کے نصیب میں چند من گندم رہ جاتی ہے۔ جسے ہم غنیمت سمجھ کر سال بھر رکھی سوکھی روٹی پر گزارہ کرتے ہوئے

بھی اللہ تعالیٰ کا شکرانہ ادا کرتے نہیں تھکتے۔ یہ غلامیت نسل در نسل رواں دواں رہ کر زمینداروں کو بتدریج مستحکم اور مضبوط بنائے جا رہی ہے۔ غریبوں اور ہاریوں کو کمزور سے کمزور تر کر رہی ہے۔

''آمو! یہ بے انصافی ہمارے ساتھ کیوں ہے۔ میرا رب ایسا تو نہیں چاہتا۔ اس نے تو ہمیں پیدا کیا ہے۔ وہ تو ہماری ماں ہے۔ ہمارے ساتھ زیادتیاں اس کے بندے کر رہے ہیں۔ وہ تو نہیں کر رہا۔'' وہ کامیابی حاصل کرنے کے بعد مسرت آگین لہجے میں تیز تیز بولے جا رہی تھی۔ مگر اندرونی جذبات کا کرب بھی نمایاں تھا۔

''ایک تو جوہرو بیڑا ہی غرق ہوا ان ڈراموں کا اور رسالوں کا۔ تم نے ان سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ اچھا بھی اور برا بھی۔ چھوڑ یہ باغیانہ باتیں۔ ہم غریب لوگ ہیں۔ آپے میں ہی رہنے میں ہماری بہتری ہے۔ یہ جو تم بہت اونچے لمبے چوڑے خواب دیکھتی رہتی ہو ناں۔ ہمارے خاندان کو بہت نقصان پہنچائیں گے۔ اب دیکھ نہ جانے ہمارے گھر والوں کا کیا حال ہوا ہوگا۔ چودھری اللہ مارا بخشش اور معاف کرنے والا انسان نہیں وہ فکرمندی سے بول کر اس کی اتنی اونچی اڑان کو نیچا کرنا چاہتا تھا۔''

مگر وہ تھی کہ آگے سے مزید آگے بڑھنے کی چاہ میں سرگرداں۔ جب آمو کو لیب میں سر چودھری کہہ کر پکارا جاتا تو اسے حویلیوں میں بسنے والے حرام کی دولت پر کنڈلی مار کر بیٹھنے والے خاندانی جاگیرداروں پر مضحکہ خیز ہنسی آجاتی کہ بہت جلد اس کی اگلی نسل پر بھی چودھری خاندان کی مہر ثبت ہو کر رہے گی۔ بشرطیکہ اس کے بچوں نے بھی تعلیم حاصل کر کے معاشرے میں اعلیٰ مقام حاصل کر لیا۔ پیسے کے بل بوتے پر آج شہروں میں بسنے والے تمام لوگ ہی خاندانی کہلانے کے حقدار مانے جاتے ہیں چاہے وہ مسلی، بھنگی اور میراثی خاندان کا پروردہ کیوں نہ ہو تو انہیں خاندانی چودھری کہلوانے میں کیا مضائقہ ہے۔ ایک دن آئے گا کہ شرفا ہم سے مصافحہ حاصل کرنے کا شرف اور ہماری رفاقت میں بیٹھنے پر فخر محسوس کریں گے اور اپنا شجرہ نسب گھما پھرا کر ہمارے ساتھ منسوب کرنے لگیں گے۔ ذات پات منوں مٹی کے نیچے دب کر رہ جائے گی۔ نام و نمود اور اسٹیٹس کا بول بالا ہوگا۔

جوہرو کی مثبت سوچ کے کیا کہنے؟ تو تو گھر بیٹھ کر بھی مجھ سے بہت آگے نکل گئی۔ ایسے تو بڑے بزرگ نہیں فرماتے کہ عورت خاندان کا ستون ہوتی ہے۔ آخر کار میری نسل کو بدلنے میں جوہرو کا باغیانہ رویہ کام آ ہی گیا۔ وہ اس سچائی اور حقیقت کو پا کر جوہرو کی ہر بات کو اہمیت دینے لگا تھا۔ اب اس کے کہنے کے مطابق اس نے غلیظ محلے کی تاریک کمرے کو چھوڑا اور اپنے کولیگ کے ساتھ مل کر ایک دو کمرے کا چھوٹا سا گھر کرائے پر لے لیا۔

اس پرموشن پر جوہرو پھولی نہ سما رہی تھی۔ یہاں ان کے تین سال ہنسی خوشی میں گزر گئے۔ آمو

نے کمپیوٹر کے بے شمار کورسز کر کے خود کو کافی حد تک سٹیبل کر لیا تھا۔ سکول کی نوکری کے بعد اس نے یونیورسٹی کی لیب میں نوکری کی درخواست دی تو ویکنسی خالی تھی دوسرا اللہ تعالیٰ کی اسپیشل نظر کرم تھی۔ اسے پچاس ہزار تنخواہ پر ایک باعزت نوکری مل گئی جس میں پرموشن اور تنخواہ بڑھنے کے چانسز بھی روشن تھے۔

جس دن پچاس ہزار ان کے ہاتھ میں آیا تو دونوں سجدے میں گر کر دیر تک رو رو کر عطا کرنے والے کا شکریہ ادا کرتے رہے ان کے لیے پچاس ہزار کی رقم پچاس لاکھ سے کم ہرگز نہ تھی۔ پیسے کی بڑھاوت کے ساتھ ہی جوہرو کو پھر سے گھر بدلنے کی کھد بدھ ستانے لگی تھی۔ نیندیں حرام ہوگئیں دن کا سکون غارت ہوگیا تھا۔ آخر زرمین کی انیکسی کا انہیں فورڈ ایبل لگی تھی۔ زرمین بھی ان کے ظاہرانہ پن سے کمفرٹ ایبل تھی اور یوں دونوں ایک پوش ایریا کی فرنشڈ انیکسی میں شفٹ ہوگئے۔ حسب معمول اور حسب طبع جوہرو کی چند ہی دنوں کی کاوش سے زرمین سے دوستی ہوگی۔ اب اس کے سامنے جیتی جاگتی چلتی پھرتی اور اسٹائل سے ہونٹوں کو گول کر کے باتیں کرنے والی افسانوں کی ہیروئن زرمین اس کی رول ماڈل بن چکی تھی۔ جوہرو سلائی کڑھائی میں ماہر تھی۔ ٹی وی چینل سے اس نے زرمین کے کچن میں نت نئے کھانے پکا کر اسے بھی کھلائے اور خود بھی جی بھر کر لطف اندوز ہوئی تھی۔ جوہرو زرمین کو کمپنی دینے کی خاطر اس کے ساتھ پارلر جاتی تو وہاں کے ہر کام کو گہرائی سے دیکھتی۔ ٹی وی سے میک اپ کرنا بھی سیکھ لیا تھا۔ زرمین کے ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر وہ اپنا میک اپ کرتی۔ کیونکہ اپنے رول ماڈل کی کلاس میں داخل ہونے کے کچھ قواعد وضوابط کو ملحوظ خاطر لانا بھی تو بہت ضروری تھا۔ زرمین اسے کسی بات پر ٹوکتی نہیں تھی۔ کیونکہ وہ اس کی بہت مخلص اور ہمدرد دوست تھی۔ اس لیے وہ بھی اسے ہر کام سیکھنے کی اجازت دے کر مطمئن رہتی تھی۔ جب تک آمو گھر نہ آجاتا وہ اسے تنہا نہ چھوڑتی تھی۔ ٹمو کو نہلاتی اور اسے لوریاں سنا کر سلاتی ہوئی جوہرو زرمین کے دل میں گھر کر گئی تھی۔ اس کے دو بچوں کی وہ خالہ جو تھی اس کا پہناوا، چال ڈھال، اٹھنا بیٹھنا کیا بدلا؟ دیدہ وری، دوررسی اور ذوق گویائی میں خوب عبور حاصل کر لیا تھا۔ اسے دیکھ کر غمگین رنگ پر تیکھے نقوش میں کہیں سے جوہرو کا گمان نہ ہوتا تھا۔ وہ زارا چودھری اور بیگم چودھری احمد علی کے روپ میں ابھر کر قابل عزت وقابل تحسین درجات تک پہنچ چکی تھی۔ زرمین کا حلقہ احباب بہت محدود تھا۔ اپنے جیسی سنگل خواتین سے اس کی جان پہچان ہوئے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی مگر مسائل ایک جیسے ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے بہت قریب تھیں۔ جوہرو بھی اس کے گروپ میں فوراً جمپ کر گئی تھی۔ جب بھی ان کے درمیان حالات حاضرہ پر دھواں دھار بحثیں چلتیں تو یہ برابر کی شریک ہوتی۔ مگر جہاں کہیں انٹیلکچول باتوں کا پرت کھلتا تو وہ ان میں حصہ لینے میں محتاط ہو جاتی اور وہاں سے کھسک جانے میں عافیت سمجھتی۔ خود کو چودھری خاندان سے منسلک کر کے وہ بھی شاداں

رہنے لگی تھی کہ نوشتہ تقدیر سے گلا وشکوہ کرنا بھول گئی تھی۔ ہر وقت سربسجود ہو کر اپنے تشکیل کردہ دھوکے اور فریب کی پردہ داری کی دعا کرتی رہتی تھی۔ ان کی زندگی جھوٹ وسراب کے تناسب میں رواں دواں تھی اب انسانی فطرت کے مطابق وہ اپنے حالیہ اسٹیٹس کو سٹیبل بنانے اور رات میں کروڑ پتی بننے کے سہانے سپنے دیکھنے لگی تھی۔ اسے امید ہو چلی تھی کہ اس کی زندگی میں ایسا وقت بھی ضرور آئے گا کہ بہت جلد مستقبل میں کوئی نہ کوئی لامحدود اور چونکا دینے والا معجزہ رونما ہو کر ان کی زندگی کو مزید خود مختاری اور ابدیت سے ہمکنار ضرور کرے گا۔ اس کے لیے صبر ہمت اور ثابت قدمی چاہیے جس کی مجھ میں کمی نہیں وہ ایک دم سے ہنسنے لگی تھی۔ آخر زارا چودھری ہوں کوئی چھوٹی موٹی بات نہیں۔

وہ جھومتی ہوئی زرمین کی طرف چل پڑی۔ اور لبوں پر ایک ہی دلنشیں لغزہ تھا۔ زری آپی زندہ باد۔ زارا چودھری جیتے ہی جیتے۔

✣ ❖ ✣

''ایجنل! خاموش کیوں ہو؟ کس سوچ میں گھری ہوئی ہو۔ آج کل ذہن وقلب میں کیا چل رہا ہے؟ کچھ نہ کچھ خوف، خدشہ، ڈر اور رشک تو پال ہی رکھا ہوگا جو کہ تمہاری فطرت کا اہم جز ہے۔''

شامیر نے ہنستے ہوئے چھیڑا۔ حسب عادت حسب معمول خود ساختہ پریشانی اور فکریں۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' وہ کسمسائی۔

''کسی نے کچھ کہا ہے کیا۔ اس کا تو مجھے یقین ہے کہ ممی کو تو ڈانٹ ڈپٹ آتی ہے نہ ہی لڑائی جھگڑا۔ سونے اور ہیروں کی کان ہیں وہ ضرور پاپا نے کچھ کہا ہوگا۔''

''بالکل بھی نہیں۔ یہاں کا ہر فرد مجھے بے پناہ پیار کرتا ہے۔ آپ سے بھی کہیں زیادہ۔'' وہ مسکرا کر بولی۔ مگر دل کی کیفیت بتدریج رنجور ہی رہی۔

''ممی تو میٹھی چھری ہیں۔ ذبح ہونے کے بعد بھی یقین نہ آئے کہ ہم پر تو اللہ اکبر نہ پڑھی بتاؤ کہ تم کبھی کبھار نجانے کہاں کھو جاتی ہو۔ یار بعض اوقات ضمیر کو سنے لگتا ہے کہ جیسے ہم تمہیں خوش نہیں رکھ سکے۔ کیا یہ سچ ہے کہ ہمارا وہم ہے۔ تم ہی ہماری پریشانی دور کر سکتی ہو۔'' وہ محبت آگیں لہجے میں بولا۔

''میں یہاں بہت خوش ہوں۔ ناشکری کبھی نہیں کروں گی لیکن ایک بات تو تسلیم کریں کہ شامیر چاہے میں کتنی ہی خوشحال کیوں نہ ہو جاؤں کبھی تو اپنے والدین، بھائی بہنیں میرے دل ودماغ پر اپنی یادوں کی دستک تو دیں گے اور اس معاملے میں یہ دل اتنا کمزور اور بے دم ثابت ہوتا ہے کہ میرے قابو میں نہیں رہتا۔ یہ قدرتی امر ہے یہ سلسلہ تو اپنی زندگی کے ساتھ ہی چلتا رہے گا آپ میری مجبوری کو سمجھ سکتے ہیں۔

ورنہ آپ کی طرف سے تو مجھے رتی بھر کسی قسم کی تکلیف ہے نہ ہی کوئی گلہ وشکوہ ہے۔ آپ نے

مجھے جتنا پیار اور عزت دے ڈالی ہے اگر اس میں کمی ہوتی تو مجھے ہر وقت اپنوں کی محرومی کا احساس تڑپاتا رہتا۔ جبکہ اب ایسا نہیں ہے۔"

"شامیر آپ جیسے لوگوں کو ٹھکانہ تو جنت میں ہے اور آپ نے اپنی فطرت سے اس دنیا کو ہی جنت الفردوس کا رنگ دے ڈالا ہے۔ مجھے اور کیا چاہیے۔" وہ سرشارانہ لہجے میں بولی۔

"فرشتے میں تمہارے احساسات وجذبات سے بے بہرہ نہیں ہوں۔ مجھے کسی ایک رشتے دار کے بارے میں بتاؤ ہوسکتا ہے میں انہیں ڈھونڈ نکالوں۔ تمہاری یہ اداسیاں اور مایوسیاں ختم تو نہ ہوں گی لیکن ان میں کمی ضرور آجائے گی۔ ہر ایک کو اپنوں کی ضرورت ہر قدم پر محسوس ہوتی ہے۔ حالانکہ ان سے مورل سپورٹ کے علاوہ اور کچھ نہیں ملتا اور یہ وہ خزانہ ہے جو قارون کا خزانہ لٹانے سے بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اپنے خاندان اور خونی رشتوں کو چھوڑنا گناہ کبیرہ کے زمرے میں اسی لیے تو آتا ہے۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"شامیر فقط ایک خان ماما نے کابل سے ہجرت کی تھی جب ان کے بیٹے شہید ہو گئے تھے۔ ہم بھی اپنی بی بی کے ہمراہ انہی کے پاس آنے کی تیاری کر رہی تھیں۔ جب بی بی شہید ہوگئیں۔"

"بی بی کی وصیت کا پاس رکھتے ہوئے ہمیں ماما کے پاس آنا پڑا تھا۔ وہ حیات آباد کی کچی آبادی میں رہائش پذیر تھے۔ چند ماہ کے قیام کے بعد ہم شہر میں شفٹ ہوگئیں تین بہنوں کے لاپتہ ہونے کے بعد میں اسلام آباد آ گئی۔"

"اس کے بعد خان ماما کہاں گئے مجھے کچھ علم نہیں اس وقت وہ واپس جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ ورنہ ہم وہاں سے نکلنے کا تصور بھی نہ کرتیں۔ ویسے بھی آپ کا اسٹیٹس انہیں ملنے کی اجازت نہیں دے گا۔ شامیر خان ماما تو بہت مفلسی کی حالت میں کچی آبادی میں رہ رہے تھے۔" وہ سوچتے ہوئے بولی تو کیا اپنوں کو اس حالت میں تنہا چھوڑ دیا جاتا ہے۔

"میں تمہیں وہاں لے کر ضرور جاؤں گا۔ اپنے چاہے غریب ہی کیوں نہ ہوں۔ ان کی قربت میں رہنے کا مزا ہی اپنا ہے۔ تم جو یہ ہر وقت اداس اور خاموش رہتی ہو ناں دیکھنا ملنے کے بعد تمہارا مزاج بہتر ہو جائے گا۔" وہ نہایت ملائمت سے بولا۔

"میں بہت جلد پروگرام بناتا ہوں کوشش کرنے میں تو کوئی حرج نہیں۔ اگر وہ کابل واپس چلے گئے ہیں تو ہم کابل جائیں گے۔ وہاں انہیں ڈھونڈنا کونسا مشکل ہوگا۔"

"ان سے ملنا آپ کی شان کے خلاف ہوگا۔ شامیر! مجھے ممی کے سامنے بہت سبکی ہوگی۔ آپ اس داستان کو خاموش ہی رہنے دیں۔ خوامخواہ آپ اپنا قیمتی وقت اس کام پر کیونکہ ضائع کریں۔" وہ ایک دم سہم کر بولی۔

"کیسی عجیب باتیں کر رہی ہو۔ ممی کی فطرت سے تم ابھی تک ناآشنا ہو۔ میری پگلی بیگم ان

رشتوں کی حدت اور محبت اسٹیٹس سے نہیں پرکھی جاتی۔ خاندان کے ہر فرد کے وجود میں خون کا رنگ اور نسل کا ڈھنگ ایک جیسا ہوتا ہے اس لیے خاندان میں امارت اور غربت کے باوجود ہم ایک ہیں جو لوگ اپنے خاندان میں تمیز اور تفریق کرنے لگتے ہیں۔ وہ ہمیشہ گھاٹے کا سودا کرتے ہیں تم ہماری نسل سے نہیں ہو' لیکن میں سمجھتا ہوں کہ میاں بیوی کے رشتے میں بھی نسلوں کی تمیز نہیں رہتی کیونکہ ہم دونوں کے خون کی یکجائی سے ہمارا مشترکہ بچہ پروان چڑھے گا۔ تو یہ کیا ہے؟"

"اینجل ہم ایک ہیں۔ اگر میرے حالات آج مجھے دغا دے جاتے ہیں تو کیا تم مجھ سے منہ پھیرو گی۔ ایسے نہیں ہوتا بلکہ مجھے سہارا دے کر اٹھانے کی کوشش کرو گی۔ آج کے بعد ایسی بیہودہ اور جاہلانہ باتوں سے پرہیز رکھنا اور مجھ سے آئندہ غیرت اور بڑے چھوٹے کی باتیں کہیں تو ایسا خفا ہو جاؤں گا کہ معافی کے باوجود تمہاری اس غلطی کی تلافی نہیں ہو گی۔"

"ہم حیات آباد ضرور جائیں گے اور خان ماما سے مل کر ان کے تمام مسائل کو حل کرنے کی کوشش کریں گے۔ ٹھیک ہے ناں۔" وہ مستحکم لہجے میں بولا۔

"شامیر! وہ وہاں سے چلے گئے ہیں۔ اگر وہ وہاں ہوتے تو میں اسلام آباد کیوں آجاتی اور پھر لاہور کیونکر شفٹ ہوتی۔ خان ماما کے پاس چلی جاتی۔" وہ مضطرب سی ہو کر بولی۔

"مجھے تمہاری ہر بات سے اتفاق ہے۔ پھر بھی ہم ایک بار ٹرائی تو ضرور کریں گے۔" وہ پھر مستحکم لہجے میں بولا۔

"میری مان جائیں۔ اس کی ضرورت نہیں۔ میں ہر لحاظ سے خوش اور مطمئن ہوں۔ کم گوئی تو مجھے گھٹی سے ملی ہے۔ سنجیدگی بچپن سے ہی میری ہم جھولی رہی ہے۔ آپ میری فکر کرنا چھوڑ دیں۔" وہ زبردستی مسکرا کر بولی۔

"مسرت، مسکراہٹ اور فرحت جوانی کی رفیق ہونی چاہیے۔ اس کے لیے اب مجھے ہی خوش آئند قدم اٹھانا پڑے گا جناب۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "فیل ایٹ ہوم۔ ممی سے ڈرنا چھوڑ دو۔ تم جانتی ہو ان کی حسین فطرت کو بھلا تمہیں طعنہ کیونکر دیں گی۔"

"تم صرف میری ہی نہیں ان کی بھی پسند ہو۔ پسندیدگی ایسا انعام ہے جس میں بڑھاوت ہوتی ہے جس پر کبھی پچھتاوا نہیں ہوا کرتا۔ یہ تو ایک شرینی ہے جو ہر دم روح و جان کو تقویت پہنچاتی ہے۔ اس میں ہر لمحے اضافہ ہوتا ہے۔ کمی واقع نہیں ہوتی۔"

وہ نرماہٹ سے بولا۔

"میں جانتی ہوں شامیر۔ پھر بھی نجانے مجھے کیوں کھٹکا سا لگا رہتا ہے کہ ایسی غلطی نہ کر بیٹھوں کہ وہ مجھ سے خفا ہی ہو جائیں میں ان کی ممتا اور آپ کے پیار کے سائے میں رہنے کی عادی ہو گئی ہوں۔ مجھے ہمیشہ اسی کا ڈر رہتا تھا۔ آخر آپ دونوں نے مجھے اپنا محتاج بنا ہی لیا۔" وہ بناوٹی شگفتگی

سے بولی۔

"ایسا فیل کرنے کی کوئی تو وجہ ہوگی۔ یا پھر تمہاری اپنی ذہنی اختراعات نے تمہارا جینا دوبھر کر رکھا ہے۔" وہ پیار بھرے لہجے میں بولا۔

"تم منفی انداز میں کیوں سوچتی ہو۔ ہم بھی تو دل و جان فدا کرنے کے بعد تمہارے رحم و کرم کے عادی ہو چکے ہیں۔"

"آپ کی ممی آپ سے بہت پیار کرتی ہیں۔ کئی بار ان کی نگاہوں میں میں نے اپنے لیے نفرت کے بادل اڈتے دیکھے ہیں۔ حالانکہ زبان سے اس کا اظہار نہیں کرتیں۔ مجھے خدشہ ہے کہ آپ کے پیار میں کہیں وہ کوئی غلط فیصلہ ہی نہ کر بیٹھیں۔ کیونکہ آپ بھی تو ماں کی حکم عدولی کرنے کی ہمت نہیں رکھتے۔" وہ لرزیدہ لہجے میں بولی۔

"شامیر مجھے خود سے جدا مت کیجئے گا۔ میں اسی گھر کے کونے میں پڑی رہوں گی۔"

"اس لیے تو کہتا ہوں کہ ان کی زندگی میں جونیئر شامیر کی اشد ضرورت ہے۔ تمہیں اس بات کی گارنٹی دیتا ہوں کہ وہ اس میں ایسے بہل جائیں گی کہ میری طرف دیکھنا بھی گوارہ نہیں کریں گی۔ مگر تم آج اور کل پر ٹال رہی ہو۔" وہ راز داری سے بولا۔

"آپ درست فرما رہے ہیں۔ اس کا بھی ڈر لگتا ہے۔" وہ بے اختیاری میں بولی۔

"اب بھی ڈر۔ بھئی کتنے ڈر پالو گی اس نازک اور ننھے منے سے دل میں بولو کہ بچہ پیدا کرنے پر ڈر کیوں لگنے لگا۔ یہ اتنی وسیع و عریض دنیا میں کروڑوں افراد دیکھ رہی ہو ناں۔ آسمان سے اتارے گئے ہیں نہ ہی درختوں سے توڑے گئے ہیں۔ انہیں تمہارے جیسی جوان دوشیزاؤں نے ہی جنم دیا ہے۔ اس خدائی عمل میں بھلا ڈر کس بات کا۔" وہ ہنسے جا رہا تھا۔

"آپ کو کیسے بتاؤں؟ کہ دل میں ڈر اور خوف تو آپ سے بچھڑنے کا ہے۔ کہیں جونیئر شامیر کو پانے کے بعد مجھے فارغ تو نہیں کر دو گے۔ مجھے محسوس ہوتا ہے جیسے ممی کو فقط بچے کا انتظار ہے۔ اسی سے غرض ہے ان کے حکم کو مان تو نہیں جاؤ گے۔ کیونکہ آپ بیٹے ہی بہت فرمانبردار ہیں۔ ماں سے آگے آپ کو کوئی اور رشتہ نظر ہی نہیں آتا پلیز میرا تحفظ مجھ سے چھین نہ لیجئے گا۔" وہ تڑپ کر بولی۔

"او مائی گاڈ۔ نجانے تم ہر وقت کیا سوچتی رہتی ہو۔ ایسا کچھ بھی ہونے والا نہیں۔ پلیز شکوک وشبہات کی دنیا سے باہر نکل آؤ۔ بے فکر ہو کر سونے کی تیاری پکڑو۔ میں ممی کو شب بخیر کہہ کر آتا ہوں۔ تم جانتی ہو وہ میرے انتظار میں جاگ رہی ہوں گی۔"

وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولا اور سرعت سے اپنے کمرے سے باہر نکل گیا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کا شب بخیر کا وقت کتنا طویل ہوتا ہے۔ وہ بھی نائٹ سوٹ پہن کر سونے کی ناکام کوشش کرنے لگی تھی۔ انتظار بے سود تھا۔ وہ مسلسل سوچے جا رہی تھی۔

شامیر اور اس کے خاندان کا ہر فرد بہت سلجھا ہوا اور محبتیں نچھاور کرنے والا ہے۔ مگر ہر فرد ہی پرلے درجے کا پوزیسیو ہے۔ سبھی شامیر کو اپنے ہی گرد طواف کرانے کے تمام طریقوں سے خوب باخبر ہیں اور وہ بھی اسی میں خوشی اور فخر محسوس کرتے نہیں تھکتے اور ممی کا تو جواب ہی نہیں۔ اب تو مجھے ان کی نیت پر یقین ہونے لگا ہے کہ وہ مجھ لاوارث اور ناچیز کو بیاہ کر ہی اسی لیے لائی ہے کہ میرے ہونٹوں پر کم مائیگی کی پٹی بندھی رہے۔ میرے کان اور آنکھوں پر ان کے پیار کے پردہ پیچھے اندھا اور بہرہ رکھے۔ تاکہ میرا ذہن مفلوج رہ کر کچھ بھی سوچنے کے قابل ہی نہ رہے۔ ممی نے جس چاؤ سے اپنا اکلوتا لختِ جگر میرے سپرد کیا ہے۔ اس میں ان کی اپنی خوشی اور پذیرائی کا خاصا دخل ہے ہر ایک سے تعریفیں اور داد بھی وصول کر لی۔ کیونکہ ایک بے سہارا لڑکی کو اپنے خاندان کا نام ونمود بخشنا معمولی بات نہیں۔ عظمت اور بڑائی ہے جس کی مثال ممی نے قائم کی ہے۔ بیٹے کے لیے بیوی بھی ایسی لے آئیں جو ان کے سامنے اپنے حقوق کے حصول کے لیے ایک لفظ کہنے کی مجاز نہ ہو۔

دنیا ہے ہی شیطان کی آماجگاہ فریب، دھوکہ، مکاری، جھوٹ، خودغرضی اور بے حسی میں اسی کی مکروہ، منحوس، بھدی اور بھونڈی شکل نظر آتی ہے۔ وہ بستر پر کروٹیں بدلتی رہی۔ مگر نیند کوسوں دور تھی۔ اسے یکدم خیال آیا کہ آج پاپا تو گھر پر موجود ہی نہیں ہیں وہ اپنی کاروباری میٹنگ کے سلسلے میں بیجنگ جا چکے ہیں۔ شامیر تو وہیں سو گئے ہوں گے۔ اپنی ماں کے پہلو میں اگلے دس دن کے لیے تم تو خود کو فارغ ہی سمجھو۔ وہ یہ سوچ کر بے بسی کے عالم میں کمرے میں بے مقصد ہی چکر لگانے لگی۔ بھلا نصیبوں کی سیاہی کو انسان ضوفشانی میں کیسے بدل سکتا ہے۔ ایسا کرنے کی مجھ میں نہ تو ہمت ہے نہ ہی میں اپنے مالک سے گلہ شکوہ کر سکتی ہوں۔ اس نے مجھے میری حیثیت سے بڑھ کر نوازا ہے۔ لیکن شکستگی ابھی بھی باقی ہے شامیر میرا ہو کر بھی میرا نہیں۔ میرے مالک تو ہی معجزات دکھاتا ہے۔ تقدیروں کو بدلنے میں تیرا ہی ہاتھ ہے۔ جیسے ہمیں آکاش سے زمین پر پٹخنے کا تجھے اختیار ہے۔ میرے رب اسی طرح ہمیں مٹی کے ایک ذرے سے تو پہاڑ جیسی مضبوطی اور رعب دواب بخش سکتا ہے۔ ابھی تو نے میرے لیے ایسا سوچا ہی نہیں۔ جب سوچ لیا تو تیرا اتنا ہی کہنا کافی ہوگا۔ کہ کن فیکون۔ تو میری زندگی کا دھارا ہی بدل جائے گا۔ اس میں پھر نہ تو حسرتیں اور پچھتاوے ہونگے اور نہ ہی احساس کم مائیگی جان لیوا ہوگا۔

❖ ❖ ❖

''شامیر! ممی کو پتہ چل گیا ناں کہ ہم پشاور صرف خان ماما کو ڈھونڈنے جا رہے ہیں تو وہ شامت آئے گی کہ یادگار بن جائے گی۔ پلیز شامیر مجھ پر رحم کیجئے گا۔ وقتاً فوقتاً مصلحتاً جھوٹ بولنا بھی تو جائز ہے۔ بس معاملہ راز میں ہی رکھیے گا۔ یہ میری خواہش ہے۔'' وہ خوفزدہ ہوتے ہوئے لرز رہی تھی۔

''فرشتے تم سے ناطہ جڑنے کے کچھ فرائض مجھ پر عائد ہوتے ہیں۔ ان کا ڈھنڈورا پٹوانا

عقلمندی نہیں سراسر حماقت ہے۔ممی کی فطرت کو تم بہت اچھی طرح سمجھ گئی ہو۔ دل کی بری نہیں ہیں۔ ذہنی طور پر بھی مثبت سوچیں ہی رکھتی ہیں۔ دوسروں کی ہمدرد اور دکھوں میں شریک ہونے والی نہایت رحم دل خدا ترس اور مسیحا خاتون ہیں۔ میرے معاملے میں بھی ان کا یہی پرابلم ہے کہ مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں۔ اک عام ماں سے بڑھ کر۔ اللہ کا شکر ہے کہ تم انڈرسٹینڈ کرتی ہو۔ ورنہ کوئی اور بہو ہوتی تو اب تک ناک سے چنے چبوا چکی ہوتی اور کب کی مجھے چھوڑ کر جا چکی ہوتی۔ فرشتے تمہاری خوبیوں اور اچھائیوں کا تو جواب ہی نہیں۔ ممی بھی اٹھتے بیٹھتے تمہارے ہی گیت الاپتی رہتی ہیں۔ تم نے ممی کے دل کو جیت کر مجھ پر فتح حاصل کر لی ہے۔ اس کا صلہ تمہیں اوپر والا ضرور دے گا۔ مگر میں تمہارے احسانات اور اس ایثار و قربانی کے بدلے کچھ تو کرنے کا حق رکھتا ہوں۔ ہم ممی کو کچھ نہیں بتائیں گے۔ کل پاپا، واپس آ رہے ہیں میں نے پرسوں ہی پشاور جانے کا پروگرام بنا لیا ہے۔ ان شاءاللہ صبح سات بجے روانگی ہوگی۔'' وہ پیار بھرے لہجے میں بول رہا تھا۔

فرشتے اس کی ہمدردانہ سوچ پر فدا ہو کر رہ گئی۔ دس راتیں جو اس نے اپنے کمرے میں تنہائی میں روتے بلکتے اور اللہ تعالیٰ کے حضور فریادیں و التجائیں کرتے گزاری تھیں۔ آج زخم اور اس کے درد پر اس کی ہمدردی کا مرہم اسے پرسکون کر گیا تھا اور وہ اس کے بازو پر سر رکھ کر طمانیت و تسکین سے آنکھیں موندھ کر لیٹ گئی۔

''اینجل! اگر ہمیں خان ماما مل گئے تو پھر مجھے کیا دو گی؟ اک بڑا حسین سا تحفہ سمجھ رہی ہوناں۔ میری مان جاؤ۔ پھر سینئر شامیر صبح دوپہر شام اور تمام رات تمہارے چرنوں میں بیٹھا رہے گا۔ جونیئر شامیر کی موجودگی میں ممی سینئر کو سراسر ہی فراموش کر بیٹھیں گی۔'' وہ خوشگوار لہجے میں بول رہا تھا۔

''تمہاری ممی عمر کے اس حصے میں اپنے جوان شادی شدہ بیٹے کا پلو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تو میں ایک معصوم کو اپنے دل کے ٹکڑے کو خود سے جدا کیسے کر سکوں گی۔ تم بھی کتنے طناز اور جابر ہو۔'' دل نے سرگوشی کی تھی۔

''تم نے مجھے اپنانے اور میرا سہارا بننے کا جو احسان مجھ پر کیا ہے۔ اس کا بدلہ تو تم ہر پل وصول کر ہی رہے ہو۔ اب مجھ سے میری ممتا کی قیمت لگا کر وصولی کے لیے تیاری پکڑے ہوئے ہو۔ اگر تم نے مجھ پر یہ ستم ڈھایا تو تم بھی جوابی کارروائی کو زندگی بھر یاد رکھو گے کہ میں بھی ماں ہوں۔ میں اپنے جسم کے اس حصے کو لے کر یہاں سے فرار ہو جاؤں گی۔'' اللہ کی ڈری سہمی ہوئی آواز پر اس نے سر جھکا دیا۔

''نہیں، نہیں پگلی شامیر کو کیسے چھوڑ سکتی ہو؟ اس کے بغیر خود بھی راہوں کی دھول بن جاؤ گی اور اپنی اولاد کی حیثیت و اہمیت کا بھی قتال کر بیٹھو گی اور لوگوں کے ان خیالات پر بھی سچائی کی مہر ثبت کر دو گی کہ افغانی لڑکیاں تو چالو ہیں ان کا نہ تو کوئی کریکٹر ہے نہ ہی ویلوز ہیں۔ کسی ایک کا ہو کر رہنا

ان کی فطرت میں نہیں۔"

"کیا سوچ رہی ہو؟ میں جانتا ہوں سب۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"کیا جانتے ہیں آپ؟" وہ اچنبھے سے بولی اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"وہی جو تم سوچ رہی تھی۔ پگلی والدین کو اولاد کی بہت سے حرکتوں پر بے پناہ اعتراضات ہوتے ہیں ان کے اعتراضات کو دل سے لگانا اپنی خوشیوں کی تباہی کو آواز دینے کے برابر ہے۔ تم اپنے پیرنٹس کا وقت یاد کرو کہ ہر وقت ہر بات پر تنقید اور ہر حرکت پر رکاوٹ بننا ان کا مشغلہ ہوتا ہوگا۔ اس لیے کچھ ضروری کام اور فرائض ان کو بتائے بغیر بھی پایہ تکمیل تک پہنچائے جا سکتے ہیں۔" وہ اسے تسلی دیتے ہوئے بولا۔

"تمہاری اور میری بات میں رتی بھر بھی فرق ہوا تو ممی کو سمجھنے میں دیر نہیں لگے گی کہ ہم پردہ داری میں کچھ کرنے والے ہیں۔"

"وہ بہت جہاندیدہ ممی ہیں بھئی۔"

"میرے دل کے نہاں خانوں میں پنہاں بات کو پکڑ لیتی ہیں۔ ان سے غلط بیانی سے کام لینا بہت مشکل ہے۔"

وہ ہنستے ہوئے ممی کو بے وقوف کہنے سے پرہیز کر گیا۔

"اسی لیے تو مجھے ان سے بہت ڈر لگتا ہے شامیر اگر ہماری چوری پکڑی گئی تو میری تو فوراً ہو جائے گی چھٹی۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"چھٹی اتنی آسانی سے نہیں مل سکتی محترمہ اپنا دل و جان تم پر فدا کر کے تمہیں حاصل کیا ہے میں نے۔ اب مر کر ہی چھٹی ملے گی۔"

وہ شگفتہ لہجے میں بولا۔

"ویسے شامیر خان ماما کو ڈھونڈنا اتنا ضروری بھی نہیں۔ وہ جہاں بھی ہیں جس حال میں بھی ہیں اب تک خود کو ایڈجسٹ کر ہی لیا ہوگا۔ چھوڑیں رہنے دیں۔ اس سردردی کو پتہ چلے اور ہی مصیبت میں گھر گئے ہیں۔ جس عمل کے لیے جھوٹ کا سہارا لینے کی ضرورت محسوس ہونے لگے وہ عمل کبھی بھی نہ تو درست ہوتا ہے نہ ہی اس کا انجام بخیر ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہمیں خان ماما کو ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"بڑی عجیب بات کی ہے تم نے۔ مجھے تو اپنے تینوں ماموں بہت عزیز ہیں۔ ان کی خاطر جان بھی قربان کر سکتا ہوں۔ بڑے خاندانوں میں یہی تو خوبی ہوتی ہے کہ سب ایک دوسرے سے جڑے زندگی گزارتے ہیں۔ برا بھلا سب چلتا ہے۔ مگر دل دور نہیں ہوتے۔ خونی رشتوں کی تپش میں کمی نہیں آتی۔ برے وقت میں سب سر جوڑ کر آزمائش سے نبرد آزما ہونے لگتے ہیں۔" وہ متذبذب

ہو کر بولا۔

''تم ایسی بے حس باتیں مت کیا کرو۔''

''شامیر وہ تو میں نے ممی کی وجہ سے کہا ہے۔''

''ہمارے خاندان کے بھی یہی اصول اور طریقے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ممی کے ساتھ اور آپ جیسے ظالم شوہر کے ساتھ کبھی بھی ایڈجسٹ نہ ہو پاتی۔ یہ میرے خاندان کے قانون کے مطابق میری تربیت کے نتائج ہیں۔'' وہ چھیڑتے ہوئے بولی۔

''اب تم میرے خاندان کا فرد ہو فرشتے۔ تمہارے مسائل میرے مسائل تمہاری کامیابی میری کامیابی ہے۔ یہ مت بھولنا جیسے تمہاری وفا اور محبت صرف میرے لیے ہے۔ بالکل اسی طرح اور اس بات پر بھی پورا بھروسہ رکھو کہ تم ممی کی روح رواں بھی ہو۔ آخر ان کے بیٹے کی دلہن ہو۔ کیا مجال کہ کسی کو تم میں سے نقص نکالنے کی جرأت ہو۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''اس میں تو کوئی شک نہیں شامیر۔ مجھے آج تک انہوں نے کسی بھی بات سے ٹوکا روکا ہے نہ ہی کبھی ڈانٹ ڈپٹ کر اپنی حیثیت اور اپنا مقام جتانے کی کوشش کی ہے۔ بہت ڈی سینٹ خاتون ہیں۔'' وہ پرستائش لہجے میں بولی۔

''اگر وہ ایسی مربی خاتون نہ ہوں تو آپ کے خاندان والے مجھے فارغ کروا کر چھوڑیں۔''

''تھوڑی سی معمولی سی رتی بھر بھی دل میں ان کے بارے میں غلط فہمی نہ لانا۔ وہ اپنی مامتا کے ہاتھوں مجبور ہیں اور کوئی وجہ نہیں فرشتے جب یہ پیارے رشتے ہمیشہ کے لیے دور چلے جاتے ہیں تو پھر ان کی اہمیت کا احساس ہوتا ہے پھر ان کی ہر بات کی قدر آتی ہے۔ ان کی منطقانہ باتیں سمجھ آنے لگتی ہیں۔ میں اسی لیے تو ان کے معاملے میں بہت محتاط رہتا ہوں کہ ان کے جانے کے بعد کہیں پچھتاووں میں گھر کر اس دنیا کی ہی نہ ہو جاؤں۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہاری موجودگی ممی کو کھٹکنے لگے اور گھر میں ساس بہو کی چپقلش شروع ہو جائے۔ تم بہت عقلمند ہو جو مجھے ان مسائل کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ تو کیا میں تمہاری خاطر اتنا سا نہیں کر سکتا آج کے بعد ایسی باتیں مت کرنا تمہیں زیب نہیں دیتیں۔''

''ان شاء اللہ پرسوں پشاور اور پھر کچھ عرصے بعد ہم کابل کی سیر وسیاحت اور اپنے رشتوں کی کھوج کو نکلیں گے۔'' وہ خوش دلی سے بولا تو وہ خود پر قابو پا کر بولی۔

''ضرور چلیں گے۔ مگر ابھی نہیں اس کا فیصلہ میں کروں گی۔''

فیصلہ کرنے میں چار سال کا طویل عرصہ گزر گیا۔ دو عدد بچے بھی اب تو سمجھدار ہو گئے تھے انہی کو پروان چڑھانے کے چکروں میں کابل جانا اک خواب بن کر رہ گیا جسے تعبیر نہ ملی تھی۔ آخر اتنے عرصے بعد شامیر نے پھر اٹھتے بیٹھتے حیات آباد جانے کی رٹ لگا دی تو وہ چونک سی گئی۔

''آپ ابھی تک بھولے نہیں۔ ابھی تو میں گارنٹی سے کہتی ہوں کہ خان ماما کو ڈھونڈ نہیں پائیں گے۔ شامیر میں ماضی کو کریدنا نہیں چاہتی۔ میں نے اپنوں کی موت کے بعد اپنے قریبی خونی رشتوں کو بدلتے دیکھا ہے۔ ان کی آنکھوں میں غیریت محسوس کی ہے۔ نفانفسی کے اس عالم میں ہر ایک کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ اپنا مال بچانے کی فکر لاحق ہو گئی تھی۔ آپ کابل مجھے کس کے پاس لے جانا چاہتے ہیں۔ وہاں میرا کوئی نہیں سب دوسرے ممالک میں ہجرت کر گئے تھے۔ دور پار کے رشتے داروں سے مجھے کچھ بھی لگاؤ نہیں کہ دو بچوں کے ساتھ وہاں چل پڑوں۔ اتنے سالوں میں ماضی پر دھول کی گہری تہہ جم چکی ہے۔ اسے کھرچ کر صاف کرنے سے ہمیں کیا حاصل ہوگا۔ پریشانی اور دکھ کے۔''

وہ آہ بھر کر بولی۔ ''شامیر میرے زخموں کے منہ بند ہی رہنے دیں انہیں کریدا تو مجھے بہت تکلیف ہوگی۔ برداشت نہ کر سکوں گی۔''

''سوری، سوری آئندہ کچھ نہیں کہوں گا۔ مگر خان ماما سے ملنے تو جائیں گے ناں یار میرے بچوں کو ننھیال کی ضرورت ہے۔'' ان کے پیار کا تو کیا کہنا۔ وہ اپنی ضد پر اڑا ہوا تھا اور وہ اسے ہر ممکن روکنے کی کوشش میں تھی۔

''شامیر مجھے امید ہے وہ بھی کابل واپس جا چکے ہوں گے۔ اپنا ملک، اپنا گھر، اپنا نام چھوڑنا آسان کام نہیں ہے۔ ہجرت کا کرب مجھ سے پوچھیئے۔ دردزہ سے تعلق ہے اس کا۔ جان سولی پر لٹکی ہوتی ہے مگر روح جسم سے جدا ہوتی ہے نہ ہی کھل کر سانس آتا ہے۔ اگر میں لڑکا ہوتی تو کب کی واپس جا چکی ہوتی۔ لڑکی ہونے کے ناطے اتنا حوصلہ ہی نہیں ہے مجھ میں۔ اتنے سال کابل سے باہر گزارنے کے بعد میرے رشتے دار مجھے قبول ہی نہیں کریں گے۔ میں اب وہاں جا بھی نہیں سکتی۔'' وہ اس سے نظریں چرا کر بولی۔

''پھر بھی ٹرائے کرنا چاہیے۔ اپنے چاہے نفرت ہی کرتے ہوں۔ اپنوں کو کبھی برے حال میں دیکھ نہیں سکتے۔ تڑپ اٹھتے ہیں ان کے ہونے کا احساس ہی ایسا خوش آئند ہوتا ہے کہ دل و دماغ پرسکون اور روح مطمئن سی رہتا ہے۔'' وہ بلا تامل بولے جا رہا تھا۔ وہ لاجواب سی ہو کر متعجب نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

حیرت اور فکرمندی کا مقام ہے کہ شامیر میرے رشتے داروں سے ملنے کیلئے ایک دم پھر سے اتنے بے تاب کیوں ہو گئے۔ کیا ان کا مقصد میری اصلیت جاننے کا ہے؟ کیا انہیں میری زبان سے ادا کردہ کہانی پر یقین نہیں جو جانچ پڑتال کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ایسے متلون مزاج اور خفیہ تو ہیں نہیں۔ بے حد کھرے اور سچے ہیں اگر انہیں مجھ پر اعتماد نہیں تو وہ مجھے کھلم کھلا کہہ سکتے ہیں۔ شائد مجھے ان پر اعتماد اور بھروسہ نہیں' ہو سکتا ہے۔ ان کی سوچ درست ہو۔ یا الٰہی میری بہنوں کے کرتوتوں کی پردہ

کشائی نہ کرنا۔ اگر ان کے گھناؤنے کردار کی ان کے کان میں بھنک بھی پڑ گئی تو وہ مجھے جھوٹی، فریبی اور دھوکے باز سمجھ کر اپنی زندگی سے نکال دیں گے۔ میرے رب میری عزت رکھ لے ہمارے عیبوں کی پردہ داری کر کے ہمیں سرخروئی بخش دے۔ شامیر میری اس شرمناک زندگی کا بیت جانا محال ہو جائے گا۔

ایسے محسوس ہوا جیسے اس کے سر پر ننگی تلوار لٹک کر اسے موت سے ہمکنار کرنے کو بے قرار ہے۔ اس نے خوفزدہ ہو کر شامیر کی طرف دیکھا۔ جو کمپیوٹر کھولے بیٹھا تھا۔ وہ وہاں سے اٹھ کر می کے پاس چلی گئی جو اس کا بہت بڑا سہارا' مسیحا اور ہر غم کا مداوا بھی تھی۔ آخر یہ ان کے لاڈلے بیٹے کے جسم کا حصہ جو تھی۔

❖ ❖ ❖

"آمو! دل ناخوش اور مندا سا رہنے لگا ہے۔ نجانے مجھے اچانک یہ کیا ہو گیا ہے؟"
جوہرو نے ٹی وی دیکھتے ہوئے گہرے دکھی لہجے میں کہا۔
"کیوں جوہرو؟ دل مندا رہنے کی وجہ سمجھ نہیں آئی۔ بتا! اب کس سوچ نے تنگ کر رکھا ہے؟"
آمو نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔
"بس آمو۔ ہم غریب اور مفلس ہی مر جائیں گے۔ کیا تمہیں یہ منظور ہے؟"
وہ آہ بھر کر بولی۔
"ہم غریب کہاں سے ہو گئے۔ اری تیرے خصم کی پچاس ہزار تنخواہ ہے اور تو کہہ رہی ہے کہ غریب ہیں۔" وہ اچنبھے سے بولا۔
"اے جھلے اب زمانہ ہزاروں کا نہیں رہا۔ لاکھوں اور کروڑوں کا ہے۔ زمانہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا؟ تم کنویں کے مینڈک ہی نکلے۔" وہ تنک کر بولی۔
"گدھی ہو نری۔ ناشکری مت کر۔ وہ اوپر والا ناراض ہو گیا ناں تو واپس گاؤں بھیج دے گا۔ توبہ کر۔" وہ بھی الجھ کر بولا۔
"پچاس ہزار بہت کم ہے آج کے دور میں۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔
"تو کیا ڈاکہ ماروں۔" وہ کاٹ دار آواز میں بولا تو وہ خاموش ہو کر لیٹ گئی۔ نہ ڈیزائنر کپڑے خرید سکتی ہوں اور نہ ہی برینڈڈ جیولری خریدنے کا تصور کر سکتی ہوں۔ وہی جوہرو جس کے ہاتھوں میں پچیس ہزار نہ سماتے تھے۔ آج پچاس ہزار کی اہمیت پچاس روپے کے لگ بھگ معلوم ہوئی تو بے کل ہو کر اس کے خوابوں نے رخ بدلا اور پچاس لاکھ کی تمنا چیخ چیخ کر دہائی دینے لگی۔ مگر یہ پچاس لاکھ اوپر پھر ایک کروڑ اور پھر اس سے بڑھ کر کیسے اور کہاں سے آئیں۔ وہ ہر وقت کھوئی ہوئی رہنے لگی اور ہر زاویے سے دولت مند ہونے کے طریقے سوچنے لگی۔

زرمین نے کئی بار اس کی پریشانی معلوم کرنے کے لیے سوال بھی کیا لیکن وہ کیا جواب دیتی؟ اپنے دل کا لالچ اس پر کیسے عیاں کرتی؟ اپنے ذہن کی شوریدگی سے کیسے پردہ اٹھاتی؟ جن میں جھوٹ اور لالچ کے بغیر اور کچھ نہ تھا۔ بس ہنس کر ٹال جاتی اب آمو بھی اپنی ڈیمانڈ پوری کرانے کے لیے مضبوط ہو چکا تھا۔ اسے بچے کی خواہش کا اظہار کیا تو اس نے یہ کہہ کر ٹال دیا۔

''جب تک ہم پچاس لاکھ کے مالک نہیں بن جاتے۔ بچے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں اپنی اولاد کو تڑپتا اور بلکتا ہوا دیکھنے کی ہمت نہیں رکھتی تم تو جھلے ہو گئے ہو۔ ہماری جوانی کونسی بیتی جارہی ہے۔ جو ایک نیا خرچہ بڑھالیں ابھی بھی روپیٹ کر گزارہ کرتی ہوں اپنے کپڑے سلائی کر کر کے کمر اور کندھوں میں درد ہونے لگا ہے اعصابی کمزوری ہوگئی ہے محنت کرنے سے۔''

وہ بیزاری سے کہہ کر منہ دوسری طرف موڑ کر لیٹ گئی۔

''اپنی حیثیت کو مت بھولو جوہرو۔ میڈم سے کہو اپنی اترن سے تمہیں نواز دیا کرے ان امیروں کی اترن کو کونسا پیوند لگا ہوتا ہے۔ نئی نکور ہی تو ہوتی ہے۔ تمہارے وارے نیارے ہی تو ہو جائیں گے۔ خوامخواہ کپڑوں پر اتنا پیسہ لگا دیتی ہو اور کمر بھی توڑ ڈالی ہے تو نے۔''

وہ طنز کے نشتر چلاتے ہوئے بولا۔ ''میڈم کے کپڑے اور جوتے پہن کر میڈم ہی دکھو گی۔ تجربہ کر کے دیکھو۔ سچ کہہ رہا ہوں۔''

''میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے۔ حرام ہے جوان بڑی چودھرانیوں کی اترن اپنے تن پر لگائی ہو۔ ہاں اگر وہ میری اترن پہننے میں قباحت محسوس نہیں کرتیں تو مجھے بھی اعتراض نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو برابری دی ہے جینے اور مرنے کے طریقوں میں بھی فرق نہیں ڈالا۔ تو میں کون ہوتی ہوں ان میں اور خود میں تفریق کرنے والی۔ کیوں گناہگار بنوں۔''

اس نے بھی کراری زبان اور اونچی آواز میں جواب دیا۔

''یاد رکھنا جوہرو کسی دن منہ کی کھاؤ گی۔ جس دن ہمارے مسلی خاندان کا ایک فرد بھی ہمیں ڈھونڈتا ہوا یہاں پہنچ گیا تو پھر دیکھنا کہ ہمارا سامان سڑک پر پڑا ہوگا۔ اس لیے اس دن سے ڈر اور اپنی ذات برادری کے مطابق سوچ میرے ساتھ کے بیاہے ہوئے لڑکے تین چار بچوں کے باپ بن چکے ہیں۔ تمہارے انہی نخروں میں میں اپنی نسل ختم نہیں کر سکتا ورنہ دوسرا ویاہ کر لونگا۔ پھر نہ کہنا۔''

وہ غصے سے بولا۔

''ایہہ جھلے ذرا ہولے بول۔ آسمان سر پر اٹھانے سے بچہ نہیں آجائے گا۔ اپنا بھانڈا خود ہی پھوڑنا چاہتے ہو ہولے بول۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ تم کیا جانو ایسی عقلمندانہ باتیں کبھی کوئی رسالہ اخبار پڑھا ہو تو کچھ خبر ہو کہ دنیا کدھر جارہی ہے۔ کبھی فلم اور ڈرامہ دیکھا ہو تو تمہیں علم ہو کہ ایک رات میں کروڑ پتی کیسے بن سکتے ہیں؟'' وہ اکڑ کر بولی۔

"ڈاکہ زنی کا پیشہ ہی باقی رہ گیا ہے۔" وہ دھیمی آواز میں بولا۔

"اب اس کے لیے مت اکسانا۔ تمام عمر جیل میں چکی پیستے کٹ جائے گی۔"

"یہ مشورہ میرا نہیں۔ تمہاری سوچ ہی خراب ہے۔ حلال طریقے سے بھی تو دولت اکٹھی کی جاتی ہے۔ اس کا سوچ۔ غلط دھندے کا انجام کبھی بھی درست نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں شیطان کا ساتھ ہوتا ہے۔" وہ بھی آہستگی سے بولی۔

"ناممکن۔ وافر مقدار میں نہیں آتی دولت حلال طریقوں سے۔ ہاں اس میں برکت بے تحاشا ہوتی ہے۔ کسی چیز کی کمی کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ اپنے خود پر نظر دوڑا کہ تھوڑی سی تنخواہ میں مہارانیوں والی زندگی گزار رہی ہو۔" وہ تشکرانہ انداز میں بولا۔

"شکر کیا کر اور اپنے پچھ کو مت بھول بڑا ہولا ہے ہمارا پچھ۔"

"بس دال روٹی پر ہی شکرانہ ادا کرتے رہ۔ عمر بھر اللہ تعالیٰ تمہیں وہی دیتا رہے گا۔ خدا کے بندے اتنی سی عطا پر اعتراض کرو۔ دعا مانگو تاکہ ہمیں مرغ مسلم سے نوازا جائے۔" وہ تلخی سے بولی۔

"دال کھا کر ڈکار لیتا ہے تو کیسے بلند آواز میں کہتا ہے۔ اللہ تیرا شکر۔"

"کرتا رہ اسی پر شکر۔ وہ پروموشن دینے والا نہیں۔ اسی حساب کتاب میں ہمیں الجھائے رکھے گا۔" وہ تنک کر بولی۔

"کافر کی بچی توبہ کر اور اس کی نعمتوں اور رحمتوں کا شکر ادا کر۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میڈم کی کمپنی تمہارے لیے بہتر ثابت نہیں ہوئی۔ لگتا ہے یہ گھر چھوڑنا ہی پڑے گا۔ تم تو بڑے لوگوں میں رہ کر بالکل ہی ناشکری ہو گئی ہو۔"

"کان کھول کر سن لو۔ تم جاؤ گی گاؤں اور میں یونیورسٹی کی بیرک میں رہ جاؤں گا۔ تمہیں دانہ پانی بھیجتا رہوں گا۔ یہی ہے تمہاری اوقات اور اصلیت۔"

وہ خفگی سے بولا۔

"ایسا غضب مت ڈھانا ظالم۔ ایسا کرنے کا سوچا بھی تو تخت سے گر کر تختے پر آ لٹکو گے۔ نالائق اور نافہم تو تم ہو۔ آمو یہ آج جو بھی تم کما کر لاتے ہو ناں میرے مشوروں کی وجہ سے ہے۔ تم مجھے اپنی زندگی سے نکالو گے تو کوڑی کوڑی کے محتاج ہو جاؤ گے۔ رزق عورت کی قسمت کا اور اولاد مرد کے مقدر کی۔" وہ فخر سے بولی۔

"میرے مقدر پر تو تم پھن پھلائے بیٹھی ہو۔" وہ پھر چیخ اٹھا۔ "رب سے مقابلہ کرنے لگی ہو کافی کی بچی۔"

"چپ!" وہ اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر بولی۔ "تمہیں سکھ کاٹنے لگا ہے نامراد کہیں کے۔ نالی کے کیڑے جو ٹھہرے۔ وہ میں نے ایک افسانے میں ایک مثل پڑھی تھی کہ نالی کی اینٹ غلطی

سے چوبارے میں لگ گئی تو وہاں ٹکتی نہیں تھی۔ بار بار نالی میں ہی آ گرتی تھی۔ لگتا ہے کہ آخر تمہارا انجام یہی ہوگا۔ میں تمہارے ایسے تاریک مستقبل کے ساتھ ایک دن بھی نہ رہوں گی۔ یہ میری جو کھوپڑی ہے نا۔ اس میں کیسے کیسے خزانے چھپے ہوئے ہیں تم کیا جانو؟ جنگلی اور اناڑی۔ جاہل اور ان پڑھ کہیں کے۔"

وہ دانت پیستے ہوئے بولے جا رہی تھی۔

"اچھا...... تو پھر مجھے اپنا اگلا پروگرام بتا دو۔ جو تم نے کروڑ پتی بننے کا بنا رکھا ہے۔" وہ اس کی اس بات پر طنزیہ قہقہہ لگا کر بولا۔

"ابھی اس پر ورک آؤٹ کر رہی ہوں۔" وہ تن کر بولی۔

"لگتا ہے کہ تمہارے فیصلوں میں میڈم کے مشورے بھی شامل ہونے لگے ہیں۔ جوہرو ایسا ظلم خود پر اور مجھ پر نہ ڈھانا۔ ہمارا میڈم سے کیا مقابلہ؟ بیوہ ہونے کے باوجود دولت میں کھیلتی ہے۔ موٹر بھی ہے، محل جتنا بڑا گھر بھی ہے اور کتنے ہی فلیٹوں کا کرایہ بھی کافی تگڑا آ رہا ہے۔ تم نے اپنی زندگی کو کن جھمیلوں کی نذر کر ڈالا ہے۔ الو کی پٹھی تم تو نجانے اپنی زندگی کو کس کس داؤ پر لگا سکتی ہو۔ مجھے تو اب تمہاری سوچ پر شک ہونے لگا ہے تم مجھے ذلیل و خوار نہ کر دینا میرا مشورہ مانو۔ تو ایک بات کہوں۔" وہ اس کی طرف متذبذب نظروں سے دیکھ کر بولا۔

"بول جلدی بتا کہ کیا کہنا چاہتا ہے؟ بچے کے علاوہ ہر بات کہنے کی اجازت بھی ہے اور مجھے خوشی بھی ہوگی کہ تم نے بھی سوچ بچار شروع کر ہی دی ہے آخر۔ دیکھو دو دماغ مل کر سوچیں تو میدان جنگ میں بھی کبھی شکست نہیں ہوتی۔"

وہ اس کے قریب ہو کر مسرت آگین لہجے میں بولی۔

"جوہرو زندگی بھی جنگ کا میدان ہی ہے۔ مگر اس میں ہر فرد کامیاب نہیں ہوتا۔ جو تقدیر لکھوا کر لاتے ہیں۔ اسی کے مطابق ان کی زندگی گزر جاتی ہے۔" وہ آہ بھر کر بولا۔

"مجھے تمہاری اس بات پر یقین نہیں۔ آمو جھلے مثال تمہارے سامنے ہے تیری اور میری۔ ہم نے اپنی لکھی ہوئی تقدیر کو مٹا کر اپنی تقدیر کو اپنی مرضی اور پسند کے مطابق تحریر کر لیا ہے۔ اب آگے آگے دیکھنا کہ ہم کیسے اپنی تقدیر کے ہر لمحے میں کامیابی اور خوشحالی کی مٹھاس بھرتے رہیں گے۔"

"میری آج کی قیاس آرائی یاد رکھنا آمو کہ ہم دونوں ایک دن انہی لوگوں کی طرح عیش و عشرت کی زندگی گزاریں گے۔"

"ہاں تو بتا تم مجھے کیا کہنے والے تھے۔ کونسی گل افشانی کرنے لگے تھے۔ جلدی سے بتاؤ" وہ چہکتے ہوئے بولی۔

"جوہرو! تم اپنے کپڑوں پر جیتی محنت کرتی ہو۔ اگر یہی محنت دوسروں کے لیے کرنے لگو۔ تو کیا

ہی مزا آئے۔ جب چار ہاتھ کماتے ہیں ناں تو بنک بھر جاتے ہیں۔'' اس کے لہجے میں بھی بے تحاشا حسرت عود کر آئی تھی۔

'' کیا میں دوسروں کے کپڑے سیونگی۔ واہ جی واہ۔ تمہاری سوچ ہی بہت چھوٹی ہے۔ وہی مسلیوں والی سوچ۔ کمی کمینوں والی سوچ۔ ہاریوں اور مزارعوں والی سوچ۔ لعنت ہے تم پر۔ میری تمام محنت تو تم نے مٹی میں ہی ملادی۔ وہ تقریباً چیخ اٹھی تھی۔ تم کاٹھ کے الو ہی بھلے۔ جو میں مشورہ دیتی ہوں ناں بس مانتے چلے جاؤ۔ خبر دار جو آج کے بعد ایسا گھٹیا مشورہ دیا مجھے میں وزن نہیں ہوں کم بخت کہیں کے۔ زارا چودھری ہوں اور آج کے بعد مجھے اکیلے میں بھی زارا ہی بلانا۔ جوہر و تو اور آمو کو کہیں دفن کئے بہت عرصہ ہو گیا ہے۔ پھر انہوئے ناموں کی رٹ سے گاؤں کی یاد دہانی کیوں کراتے ہو؟''

'' ٹھیک ہے بھئی زارا چودھری۔'' اس نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ مگر وہ تو اس کے قابو سے باہر ہو چکی تھی۔ بیسوں طعنے وتشنے دے کر کروٹ بدل کر سوگئی۔

✣ ❖ ✣

'' زارا جان! ممو کی طبیعت بہت ناساز ہے۔ اسے ہسپتال لے کر جارہی ہوں۔ اگر فارغ ہو تو میرے ساتھ چلو۔ اس کی آیا بھی تین دن سے غائب ہے۔ وہ بھی میری ضرورت اور مجبوری کو بھانپ گئی ہے۔ نئے ڈرائیور کی تو چھٹی ہی کرنی پڑی وہ بھی بہت آنکھیں دکھانے لگا تھا۔

وہ موبائل پر فکر مندی اور پریشانی بھرے لہجے میں بولی۔

''زری آپی! فکر کیوں کرتی ہو۔ تمہیں ساری دنیا چھوڑ دے۔ تمہاری یہ دوست زندگی بھر تم سے منہ نہیں پھیرے گی۔ آج چوہدری بھی گھر پر ہی ہے۔ اللہ کے حکم سے وہ تمہارا بھائی ہے۔ تمہیں وہ ہسپتال لے جائے گا۔ میں گھر میں ممو کے کام کئے دیتی ہوں۔ جب تک واپس آؤ گی اس کا کمرہ سیٹ ہو گا ہاشو کو بھی دیکھ لوں گی۔ فکر نہ کرنا میری بات مان لو۔ گارڈ رکھو۔ ڈرائیور بھی کمپنی سے ہی منگوالو اور خانساماں بھی۔''

''یعنی میں اکیلی جان اور مجھ پر انجانے مردوں کی بھرمار۔ ایسے نہیں ہوسکتا۔''

وہ اچنبھے سے بولی۔'' گارڈ گھر کا چور اور ڈاکو، ڈرائیور گاڑی کا لٹیرا اور خانساں جان و مال کا دشمن۔ چند ہزار پر مخبری کرسکتا ہے۔ میرے تمام کام سیٹ ہیں۔ ڈرائیونگ ویسے بھی مجھے پسند ہے۔ جوان بیوہ کے گھر میں مردوں کا داخلہ نہیں ہونا چاہیے۔ عورتیں پھر بھی قابل قبول ہیں۔'' وہ سنجیدہ ہو گئی تھی۔

'' ایک عورت تمہارے گھر میں کام کرنے والی بھی تو باہر کی دنیا سے ہی آتی ہیں۔ ان کا رابطہ بھی تو اپنی کلاس کے مردوں سے تو ہر وقت رہتا ہی ہے۔ وہ بھی تو مخبری کرسکتی ہے۔''

''تم اس پر اتنا بھروسہ کیوں کرتی ہو۔ کان سے پکڑ کر باہر نکالو۔ کسی نہ کام کی عورت ہے۔ ہر روز اس کے بہانے اور آئے دن اس کی چھٹیاں نجانے تم نے اسے کیسے برداشت کیا ہوا ہے۔'' وہ چڑ کر بولی۔

''اگر تم کہتی ہو تو اس کی بھی چھٹی کئے دیتی ہوں۔ ویسے بھی جب سے تم آئی ہو۔ مجھے ذہنی اور دلی تسلی رہتی ہے ہر وقت۔ چودھری صاحب بہت شریف النفس اور ہمدرد انسان ہیں۔ مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے تم لوگوں کی وجہ سے میرا گھر سیکیور ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نجانے میری کس نیکی کے بدلے میں مجھے تم جیسی بہن اور چودھری صاحب جیسا مربی و محسن انسان دیا ہے۔ تم لوگوں کے سہارے بیوگی کے باقی دن بھی کٹ ہی جائیں گے۔ بس مجھے دغا نہ دے جانا۔ اب تو مجھے تم دونوں کی عادت ہو چکی ہے۔ بچے تمہارے ساتھ گھل مل گئے ہیں۔ آخر تم ان کی خالہ جو ہو۔'' وہ تشکر آمیز لہجے میں بولی۔

''زری آپی میرے اس مشورے کے بارے میں ضرور سوچنا۔''

''اس بھری جوانی میں شادی کرنے سے تمہارے بے شمار مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔ اس میں شک کی گنجائش ہی نہیں کہ میں تمہاری ہمدرد اور بہن نہیں ہوں۔ ان شاء اللہ یہ رشتہ نبھا کر دکھاؤں گی میں تمہیں غلط مشورہ کیونکر دوں گی۔'' وہ نصیحت کے انداز میں بولی۔

''اپاہج بچے کے ساتھ مجھے کون قبول کرے گا زارا۔ دنیا کنواری لڑکیوں سے بھری ہوئی ہے۔ ایک بیوہ کی تمہارے معاشرے میں حیثیت ہی کیا ہے؟ دوسرا مجھے اپنے شوہر سے بے پناہ محبت تھی اور ہے۔ میں اسی کے نام پر مرنا چاہتی ہوں۔ اس کی جگہ کسی اور کو سونپنا ناممکن ہے۔ قیامت کے دن اسے کیا جواب دوں گی؟ وہ جو میرے لیے کیا کچھ نہیں کر گیا۔ اس کے بدلے میں میں سہی۔ اس کا نام اپنے نام کے ساتھ لکھتی رہوں۔ یہی میری پہچان ہو۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔ ''آخر ان دو بچوں کا باپ بھی تو وہی ہے اک انجانا غیر اور نیا مرد انہیں باپ جیسی شفقت تو نہیں دے سکتا۔''

''اچھا چھوڑو۔ اس موضوع پر پھر بات کریں گے۔ تم تیار ہو جاؤ۔ میں تمہارے بھائی کو بھیجتی ہوں۔'' وہ ایک دم سے بولی۔

''تم کیوں نہیں آجاتی؟''

''آج احمد کے چند دوست ڈنر پر انوائیٹڈ ہیں۔ اس لیے کھانا بنا رہی ہوں۔'' وہ خود اعتمادی سے بولی۔ ''احمد سے کیا ڈرنا؟ سرے کی جگہ آنکھ میں ڈال لو۔ چبھن کا احساس تک نہ ہوگا۔ بے فکری سے جاؤ۔''

اس نے اتنا کہہ کر فون بند کر دیا اور زرمین سوچ میں پڑ گئی کہ وہ احمد کے ساتھ ہاسپٹل جائے یا نہ جائے۔ اڑوس پڑوس میں سے کسی نے دیکھ لیا تو اک سکینڈل کھڑا ہو جائے گا جبکہ آج تک کسی نے

میرے گھر میں جھانک کر نہیں دیکھا۔ مدد کرنا تو درکنار کبھی کسی نے حال تک نہیں پوچھا۔ مگر موقع ملتے ہی الزام تراشیوں میں سب سے آگے ہوں گے۔ وہ جانے کے لیے اٹھی اور بے بس اور لاغر ٹمو کو بھی بمشکل تیار کیا۔ تین سال کا بچہ نہ چل سکتا تھا۔ نہ ہی سر سنبھال سکتا تھا۔ زبان بھی صاف نہیں تھی۔ گوشت کی اس لوتھ کو پیار کر کے اس نے اپنے سینے سے لگایا اور گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر نکل گئی۔ آمو گاڑی کے پاس ہی اس کا منتظر تھا۔ نظریں نیچی کئے اس نے اسے سلام کیا اور اس سے چابی لے کر گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا اور زرمین نے بچے کو سیٹ پر لٹا دیا اور اس کے قریب آڑھی سی ہو کر بیٹھ گئی۔

آمو نے گاڑی اسٹارٹ کی اور خاموشی سے ہسپتال کی جانب چل پڑا۔ اس کے بعد جوہرو کے کہنے پر آمو از راہ ہمدردی وقتاً فوقتاً نہایت دلجوئی اور سعادت مندی سے بچوں کو پارک لے جانے لگا۔ جوہرو بھی ساتھ ہی ہوتی۔ اس نئی دنیا کے رنگوں کے مزے لوٹتے ہوئے نہال ہو ہو جاتی۔ ڈرائیور نہ ہونے کی وجہ سے ہر شام آمو زرمین کے چھوٹے موٹے کام کرنے لگا اور آہستہ آہستہ تمام ذمہ داری آمو پر آ گئی۔ جیسے جوہرو اور آمو نے بخوشی قبول کر لیا۔ اس کا مشورہ بھی دینے والی جوہرو ہی تھی۔ زرمین کو کمفرٹیبل کرنے میں بھی جوہرو کی محنت کا کمال تھا۔ کیونکہ جوہرو کو ٹھوس دلائل سے دوسروں کو کنونس کرنے کے تمام طریقے جو آ گئے تھے۔ زرمین کی احسان مندی اور تشکر آمیزی سے آنکھیں اٹھ نہیں پاتی تھیں۔ جوہرو اپنے مقصد کی کامیابی کی خوشی میں زرمین پر حاوی ہوتی جا رہی تھی۔

اب وہ زندگی کے ایک ڈرامے کے مکمل ہونے کے بعد وہ دوسرے ڈرامے کا اسٹیج سیٹ کرنے لگی تھی۔ اب اس کے ذہن پر ایک ڈرامائی اور شیطانی سوچ نے غلبہ پالیا تھا۔ اس نئے ڈرامے کی شروعات حوصلہ افزا اور اختتام کے خوشگوار ہونے کی امید و آس میں گم ایک رات میں کروڑ پتی بننے کے خوابوں کو خوش چلتے پھرتے اب ہر وقت اس کے ہاتھ میں رسالے ناول اور رات دن زرمین کے پلازما پر ڈرامے دیکھنے پر زور دیا جانے لگا۔ زرمین ان کے سرپرستانہ رویے کی وجہ سے ان کے احسانات کے بوجھ تلے دب تو گئی تھی۔ مگر اس کی شخصیت میں بہت بڑی تبدیلی رونما ہونے لگی تھی۔ وہ جو ہر وقت خوفزدگی اور فہمائشی سوچوں میں مقید ڈری سہمی رہا کرتی تھی۔ ہر قدم نہایت سوچ بچار کے بعد محتاط طریقے سے اٹھایا کرتی تھی۔ طبیعت میں لچک سی آ گئی۔ اس کی باتوں میں طمانیت اور اس کے ہر انداز سے خود اعتماد پھوٹنے لگی تھی۔ بعض اوقات اپنے ماحول کی تبدیلی کی خاطر وہ بیٹوں کے ساتھ انیکسی جانے لگی۔ اور دیر تک دونوں گپ شپ اور ٹی وی دیکھنے میں مصروف رہتیں۔ اور طرہ یہ کہ زرمین جوہرو کو ڈرائیونگ سکھانے کی کوشش کرنے لگی۔ جوہرو کو اور کیا چاہیے تھا۔ گھر بیٹھے بٹھائے دلی مرادیں بر آتی تھیں۔ آمو کی مخالفت کے باوجود اس کی غیر موجودگی میں گھنٹوں زرمین کے ساتھ خالی سڑکوں پر ڈرائیونگ کی پریکٹس کرنے لگی۔ آخر چند مہینوں کی محنت کے نتائج کافی کارآمد نکلے۔ اور

جو ہرو ہا شو کو سکول لے جانے اور واپس لانے کی ڈیوٹی سنبھال کر زرمین پر چھا کر رہ گئی۔

رات کی تاریکی اور جاڑے کی جان لیوا خاموشی سے زرمین کا دل دھک دھک کر رہا تھا اس کی تنہائی، اداسی اور خوفزدگی اس کے لئے نئی بات نہیں تھی۔ ایسے ماحول کی وہ تو عادی ہو چکی تھی۔ مگر آج صبح کا بے چینی سے انتظار تھا۔ اس نے اپنے بیٹے ٹمو پر رحم و ترس سے بھرپور نظر دوڑائی۔ چیسٹ انفیکشن کی وجہ سے اس کی بے ربط سانسوں میں اذیت دہ تاثر کمرے کی فضا کو اور سوگوار بنائے جا رہا تھا۔ اس نے ٹیبل لیمپ کی مدھم سی روشنی میں اس کے زرد چہرے پر بوسہ دیا۔ بخار کی شدت میں اس کے لب انگارہ بن گئے۔ اس نے تڑپ کر تھرما میٹر نکالا اور اس کے گرم کپڑوں کے اندر بغل میں دبا کر اللہ تعالیٰ سے اس کی صحت کی دعا مانگنے لگی ٹمپریچر 104 ڈگری تک دیکھ کر وہ اچھل کر بستر سے نیچے اتری۔ اور بے اختیار زبان نے جنبش کی۔

یا حفیظ یا سلام۔ تو میرے بچے پر رحم کر دے۔ اسے صحت عطا کر اور اس کو عمر دراز بخش دے۔ میں اس کی اسی طرح خدمت کرتی رہوں گی۔

اس نے کھڑکی کا پردہ سرکا کر باہر دیکھا۔ تاریکی نے تمام مناظر اپنے اندر ہی سمو لیے تھے۔ پورچ کی مردہ سی بلب کی روشنی افسردگی اور پژمردگی سے پھینک رہی تھی۔ گرد و پیش کے ماحول پر سردی کی یخ بستگی چسپاں تھی۔ وسیع و عریض لان کی گھاس جس کی نوخیزی اور شادابی پر سوکھا پن حاوی تھا۔ اداسی کا اعلان کر رہی تھی۔ رات صبح کے انتظار میں طوالت پکڑے بیٹے کی طبیعت خرابی کے خدشات و اندیشے کو بڑھا کر اسے مضطرب کئے جا رہی تھی۔ یکدم ٹمو کا سانس رکا۔ اس نے اس کے چہرے پر پاک کلام پڑھ کر پھونک ماری اور اس کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس نے قے کر کے اپنے سانسوں کے تسلسل کو بحال کیا اور ساتھ ہی رونے کی آواز ابھری۔ اللہ تیرا لاکھ شکر ہے۔ زرمین اس کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے التجائیہ لہجے میں بڑبڑائی۔ اس کے وجود سے شعلے نکل رہے تھے۔ اس نے اسے کال پول پلا کر بستر پر لٹا دیا اور بھاگنے کے انداز میں باہر نکل گئی۔ اس کا رخ انیکسی کی طرف تھا۔

دروازہ کھٹکانے کے انداز میں حد درجے کی پریشانی نمایاں تھی۔ دروازہ کھلتے ہی اس نے اپنی بکھری ہوئی ہمت کو یکجا کیا اور آہستگی سے گویا ہوئی۔

''چودھری صاحب! تیمور کی حالت بہت خراب ہے۔ صبح کے انتظار میں کہیں اسے کھو ہی نہ دوں۔ بس اس خدشے......''

''ابھی ہسپتال لے چلتے ہیں میڈم آپ نے پہلے بتا دیا ہوتا۔ آپ تیار ہوں۔ میں زارا کو بھی جگاتا ہوں۔'' احمد علی نے اس کی بات کاٹ کر تیزی سے کہا اور اپنے کمرے کی طرف مڑ گیا۔ زرمین دل ہی دل میں اسے دعائیں دیتی ہوئی اپنے گھر کی طرف چل دی۔

آمو ہسپتال پہنچتے ہی تیمور کو آئی سی یو کی طرف لے کر بھاگا اور اسی وقت ڈیوٹی ڈاکٹر اور نرسوں نے تیمور کا علاج شروع کر دیا۔ اگر آج اسے بروقت یہاں نہ لایا جاتا تو اس کا بچنا مشکل ہی نہیں ناممکن تھا۔ ڈاکٹر کی زبان سے یہ الفاظ سن کر زرمین چکرا گئی تھی۔ آمو کو احساس مندانہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اس کا بار بار شکریہ ادا کر رہی تھی۔ اسے ہمیشہ کی طرح آج بھی آمو رحمت کا فرشتہ معلوم ہوا تھا اور زارا کی عزت تو اس کی نظروں میں کتنے درجے اوپر چلی گئی تھی کہ اگر زارا تعاون کرنے والی بیوی نہ ہوتی تو آمو کی کیا مجال تھی؟ کہ اس کے رتی بھر کام آتا۔ یہ اسی کی مہربانیوں کی وجہ سے اسے آمو دن رات ہاتھ باندھے ہوئے غلام کی مانند تیار ملتا تھا۔

❖ ❖ ❖

”زارا تم نے مجھ سے غیریت برتی تو یہ اچھا نہ ہوگا۔ تم میری چھوٹی بہن ہو۔ اپنی بہن بھی ہوتی تو وہ بھی تم سے بہتر اور مجھے تم سے پیاری نہ ہوتی۔ تم نے جتنا مجھے سکھ و آرام دے ڈالا ہے۔ اس کا بدلہ چکانا بھی چاہوں تو چکا نہ پاؤں گی۔“

زرمین تشکرانہ انداز میں بولی۔

”زرمین آپی۔ بات اصول کی اور کھری ہونی چاہیے۔ تم مجھے انگلی پکڑ کر چلانا سکھا رہی ہو۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ میں پورا بازو ہی نگل جاؤں۔ ہم دونوں میاں بیوی یہاں بہت خوش اور آرام و سکون میں ہیں۔ ہماری فکر کرنا چھوڑ دو آپی، اپنی بات کرو ہم پوری کرنے کو تیار ہیں۔“

جوہرو نے پیار سے بھرپور لہجے میں کہا۔

”کبھی تو میری بات غور سے سن لیا کرو۔ فرسٹ فلور میں الو بول رہے ہیں۔ وہاں تمہارے آنے سے وہ حصہ آباد ہو جائے گا اور انیکسی کرائے پر چلی جائے گی۔ مجھے کنوینس کر لو کہ اس میں میرا نقصان کہاں پر ہے؟ میری انکم میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ بلکہ اب تو کرائے بہت بڑھ گئے ہیں۔ میرا فائدہ اس میں نقصان تو ہرگز نہیں۔“ وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔

”آپی! تمہارے بھائی سے مشورہ کر لیتی ہوں۔ اگر تم اپنی ضد سے باز نہیں آتی۔ مجھے تو اعتراض نہیں۔ تمہیں بہن کہا ہے پھر انکار کیوں کروں گی۔“

وہ ذرا نخرے دکھاتی ہوئی بولی۔

”چودھری صاحب! انکار نہیں کریں گے زارا۔ وہ تو اتنا اچھا اور اعلیٰ انسان ہے کہ اگر وہ میرا مقدر بدلنے کا اختیار رکھتا ہو۔ تو جہاں زیب کو واپس لا دے۔ ٹمو کو نارمل کر دے۔ مگر اللہ کے کاموں اور فیصلوں پر انسانی اختیار نہیں ہے۔ وہ بے چارے کیا کر سکتے ہیں؟ سینکڑوں کاموں کی ذمہ داری اپنے سر لے رکھی ہے۔ ورنہ میں تنہا یہ گھر یہ بچے کیسے چلا سکتی تھی۔“ وہ اک لمبی سرد آہ بھر کر بولی۔

”ہاں زری آپی یہ تو تم نے درست کہا ہے۔ وہ تمہارے لیے ہر وقت فکرمند رہتے ہیں۔ اگر

ہم یہاں سے چلے گئے تو تم بہت تنہا ہو جاؤ گی۔ اس بھری جوانی میں شادی کے بارے میں سوچو۔ تمہارا تو بچہ بھی نارمل نہیں۔ نجانے کب تلک تمہارا اور اس کا ساتھ ہے۔ ہاشم بھی بیچارہ اپنے بیمار بھائی کی وجہ سے مندا پڑ گیا ہے۔'' وہ پژمردگی میں بولی۔

''یار شادی کرنے سے میرے مسائل کم نہیں ہوں گے بلکہ بڑھ جائیں گے۔ پہاڑ جیسے بڑے زخم دیکھنے کے بعد مجھ میں سسرال اور شوہر کی خدمت گزاری کی ہمت کہاں ہے۔ میرے لیے جہاں زیب کی نشانیوں کا ساتھ ہی کافی تسلی بخش ہے۔ مجھے جینے کا ایک بہانہ مل گیا ہے۔ اللہ کرے یہ ساتھ رہتی دنیا تک سلامت رہے۔''

اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ ''زارا مجھے تمہارا ساتھ بھی تو چاہیے۔ تم پر بہت تکیہ کرنے لگی ہوں۔ تمہیں چھوڑنے کی بات تو درکنا کبھی تصور بھی نہ کرنا۔ اس لیے تو چاہتی ہوں۔ یہاں انیکسی میں غیروں کی طرح کیوں پڑی ہو؟ گھر کے اندر بس کر میرے چھوٹے سے مختصر خاندان کا فرد بن جاؤ۔ زندگی مزے میں گزر جائے گی۔ مل جل کر رہنے میں مزا ہی اور ہے۔''

وہ سمجھاتے ہوئے بولی۔

''آپی میں آج ہی احمد سے بات کرتی ہوں۔ وہ بڑا ضدی انسان ہے مانے گا نہیں زمینداروں کے خون سے خودداری، غرور اور تکبر نکال دو تو بدن میں صرف سفید پانی رہ جاتا ہے۔ جسم میں خون اور پانی تناسب سے رواں دواں ہے تو محبت بھی برقرار رہتی اور موڈ بھی خوشگوار رہتا ہے۔ ہوسکتا ہے بہن کے گھر رہنا اس کی غیرت وانا کے خلاف ہو۔''

وہ بہترین ایکٹنگ کرتے ہوئے بولی۔ ''منت سماجت کرتی ہوں اس کی۔ شاید مان جائے۔ آپی دعا کرنا۔ مجھے تو تمہارے ساتھ رہنے میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی۔ آخر میں بھی تو اسی خاندان سے ہوں۔ مجھ میں تکبر اور غرور کیوں نہیں۔''

''تم اس سے بات تو کر کے دیکھو۔ اگر نہ مانے تو مجھے منانے کی اجازت دے دینا۔ مجھے امید ہے میری اسی چھوٹی سے خواہش کو رد نہیں کریں گے۔ ان کی نظر میں میری عزت بھی بہت ہے اور مجھ سے ہمدردی کے ساتھ بچوں کے ساتھ لگاؤ بھی تو حد درجے کا ہے۔ ان کے لیے تو ایک پاؤں پر کھڑے رہنا بھی انہیں تکلیف نہیں دیتا۔ بس میں تو آپ دونوں کو دعاؤں کے سوا اور کیا دے سکتی ہوں۔'' زرمین نے دعائیہ انداز میں کہا۔ ''تم بہت لکی ہو زارا۔ اللہ تمہیں ہمیشہ سہاگن رکھے اور اولاد نرینہ سے تمہاری جھولی بھر دے۔''

''بچے تو نری مصیبت ہیں آپی۔ اگر میرا ایک بھی بچہ ہوتا تو نہ تو میں ڈرائیونگ سیکھ پاتی نہ ہی اپنے بقیہ شوق پورے کر سکتی۔'' وہ ناک چڑھا کر بولی۔

''پگلی! بچے ہی تو میاں بیوی کے رشتے کو مضبوط اور اٹوٹ بناتے ہیں۔ یہ مزا یہ ذائقہ مجھ سے

پوچھو۔ جب ٹمو اور ہاشو پیدا ہوئے تو جہاں زیب کا زیادہ تر وقت میرے ساتھ گزرنے لگا تھا۔ میں جہاں پاؤں رکھتی تھی وہ نظریں بچھادیتے تھے۔ کاش وہ ان بچوں کے صدقے ہی زندہ رہتے۔ وہ بہت بدنصیب انسان تھے جس نعمت کے لیے ترستے رہے جب اس سے جھولی بھری تو خود ہی چلے گئے۔'' وہ لمبی آہ بھر کر بولی۔ ''زارا میری مانو ایک بچہ پیدا کر کے اس لطافت کا مزا تو چکھ لو۔''

''بہت بڑی نعمت کو ٹھکرا رہی ہو۔ اگر تمہارے شوہر نے دوسری شادی بچے کی خاطر کرنے کا فیصلہ کرلیا تو کیا کروگی؟ مرد ذات پر بھروسہ کرنے والی عورت بہت احمق ہوتی ہے۔ تم تو ایسی ہرگز نہیں۔ کم تعلیم کے باوجود بے حد دانشمند واقع ہوئی ہو۔''

''اس کے کونسے مربے چیخ رہے ہیں کہ وارث چاہیے۔'' اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

ایک دم سے خود پر قابو پا کر بولی۔ ''آپی جس گاؤں میں ہم قدم نہیں رکھ سکتے وہاں کی زمینوں پر ہمارا کونسا حق ہے کہ وارث بہت ضروری ہے۔ دوسرا احمد مجھ سے بچپن سے ہی بہت پیار کرتا ہے۔ دوسری شادی کر کے تو دیکھے اس کا گلا دبادوں گی۔ میں بھی چودھریوں کی اولاد ہوں۔ کوئی بھنگن یا چمارن نہیں کہ شادی کرے گا اور اس کی پوچھ کچھ نہ ہوگی۔''

''بہت باؤلی اور ناسمجھ ہو۔ والدین زیادہ دیر ناراض نہیں رہ سکتے۔ آخیر ایک دن تو وہ تم دونوں سے راضی ہو ہی جائیں گے۔ تم ایک بچہ پیدا کرو اور اسے لے کر سسرال اور میکے جاؤ۔ دیکھنا تمام غلطیوں کی معافی اور تلافی ہوجائے گی۔ یہاں ان کا آنا جانا شروع ہوجائے گا۔ تم دونوں کی زندگیاں بچے کے بغیر بہت نامکمل ہیں۔'' وہ اسے پیار کرتے ہوئے بولی۔

''میری بات مان جاؤ۔ تم سے بڑی بھی ہوں اور اپنے شہری ماحول میں پروان چڑھ کر دنیا کے بڑے رنگوں کو دیکھا بھی ہے' خود پرکھا بھی ہے۔ نشیب وفراز کو جانتی اور پہچانتی بھی ہوں۔ گاؤں میں تمہارا ایکسپوژر بہت کم تھا۔ زمینداروں کی بچیاں تمہارے جیسی ہی ہوتی ہیں۔ معصوم اور سادہ وصلح جو اس لیے تو محبت کی خاطر ایک کو قبول کرلیا اور سینکڑوں خونی رشتوں کو چھوڑ دیا۔ ابھی بھی بے حد باوفا اور بے لوث پیار کرنے والی لڑکی ہو۔ مگر ہو ابھی بھی بے وقوف تم میری سنتی ہی نہیں۔ اب خدا کے لیے اپنی تمام ضدیں چھوڑ دو۔ میرے پاس شفٹ ہوجاؤ۔ ایک بچہ بھی پیدا کرو۔ دیکھنا ماں بننے میں کتنا مزا ہے۔''

''میں خود تمہارا بہت خیال رکھوں گی۔'' وہ مسرت آگیں لہجے میں بولی۔

''ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں زارا۔''

''آپی گاؤں میں سیکھنے کے لیے وہ کچھ ہے جس کا تمہیں اندازہ بھی نہیں۔ باقی ٹی وی اور رسالے زندہ باد۔ سڑکوں پر آوارہ گھومنے بازاروں میں فضول خرچی کرنے سے عقل گھٹتی ہے بڑھتی نہیں۔ نجانے شہری لوگوں کو اس کا اتنا مان اور غرور کیوں ہے؟ گاؤں والوں کو اتنی چھوٹی نظر سے کیوں

دیکھتے ہیں۔ کیا سمجھتے ہیں خود کو؟‘‘

وہ ناگواری سے بولی اور منہ دوسری طرف موڑ کر بیٹھ گئی۔

’’اوہو تم تو برا مان گئی۔‘‘ وہ قریب ہو کر اپنائیت سے بولی۔

’’ہاں زمیندار باپ کی بیٹی ہوں۔ کسی سے کم نہیں سمجھتی خود کو۔ گاؤں میں دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک ہمارے جیسے اور ایک ہماری خدمت گار نسل کے لوگ وہ تنک کر بولی۔ دونوں کے مزاج میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔‘‘

’’بھئی خفا ہونے کی نہیں ہو رہی۔ میرا مطلب تمہیں برا بھلا کہہ کر اپنی بات منوانا نہیں تھا۔ اللہ کی قسم اور کچھ نہ تھا۔ تم تو بہت عقلمند بھی ہو اور دور اندیش بھی۔ اس وقت دور اندیشی سے کام لو اور عقلمندانہ فیصلہ کرو۔‘‘ وہ ہنستے ہوئے بولی۔ مگر جوہرو خاموش رہی۔ حالانکہ دل چاہ رہا تھا کہ اسے ان عنایات پر گلے لگا لے مگر ایسا کرنا ڈرامے کے مطابق سراسر غلط تھا۔ اسے تڑپانا اور پھر اس کی بات مان جانا بہتر تھا۔ کیونکہ ایسے ہی رویئے کی دنیا قدر دانی کرتی ہے۔ کھرے کھرے ہر بات پر راضی برضا ہونے سے نہ اپنی وقعت رہتی ہے اور منہ سے نکلی ہوئی کروڑوں کی بات بھی بے قیمت ہو جاتی ہے۔ وہ بھی سوچتی ہوئی اٹھی اور باہر نکل گئی۔ میں نے خوامخواہ خفا کر دیا اسے۔ اسے گاؤں کا طعنہ دے کر میں نے اچھا نہیں کیا۔ احمد علی آفس چلا جائے تو پھر اس بدتمیز کے کان کھینچوں گی اور میں اپنی بات منوا کر چھوڑوں گی۔ نجانے بھلے کی بات اس کی کھوپڑی میں کیوں نہیں بیٹھ رہی۔ زرمین بڑبڑاتی ہوئی ٹمو کو دودھ پلانے لگی۔

✤✤✤

’’جوہرو! میں پہلے ہی میڈم کی بے پناہ توجہ اور خلوص سے خائف رہنے لگا ہوں۔‘‘ آمو نے فکرمندی سے کہا۔

’’پہلی بات تو یہ کہ میں زارا چودھری ہوں۔ آج کے بعد میرا نام پکارنے سے پہلے عقل کو ہاتھ مار لیا کر کہ بات کس سے کرنے جا رہے ہو۔ میری ماسی دیا پترا تمہیں سبق سکھا سکھا کر پھاویں ہو گئی ہوں۔ پر پٹ دماغ نے کچھ سیکھ کر نہ دیا۔‘‘

وہ سختی سے بولی۔ ’’باقی فضول اندیشوں اور بے جا وسوسوں میں گھر کر نہ مجھے پریشان کر نہ ہی اپنے ساتھ دشمنی کر۔ تمہارے خون میں بزدلی کم مائیگی اور غلامی رچی بسی ہوئی ہے۔ اس سے سینہ تان کر اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کیا کر میری طرح اگر اسے تمہارے اس خوشامدی رویئے سے ہلکا سا شبہ بھی ہو گیا ناں تو ہمیں اپنے ان خونخوار کتوں کا نوالہ بنا دے گی۔ تمہیں کتنی بار سمجھا چکی ہوں کہ خود اعتمادی، خوش گفتاری، تمکنت اور وقار تمہاری شخصیت میں نظر آنا چاہیے۔ اس کے سامنے جاتے ہوئے اور گفتگو کرتے ہوئے سچ مچ رامے مسلی کی اولاد معلوم ہوتے ہو۔ مجھے دیکھو۔ مجھ میں

غلامی اور توہین نفس نام کو نہیں۔ کڑا کے سے بولتی ہوں اور دھڑلے سے جواب دیتی ہوں۔ مجھے تمہاری عاجزی وانکساری اور خوشامدی پن سے ڈر لگنے لگا ہے۔تم پڑھے لکھے ہو۔ پھر بے سروسامانی کیوں؟''

''میری نصیحت پر عمل کر اور ذرا مردانگی سے سر اٹھا کر چلا کر۔ پھر دیکھنا ہمارا مستقبل کیا روشن ہوگا؟ تمہارا اور میرا خاندان سر کے بل چل کر ہم سے معافی مانگنے نہ آئے تو مجھے گھر سے نکال دینا۔ وہ آج کے افسانے کے تمام ڈائیلاگ بول کر اپنی لیاقت پر نازاں ہونے لگی۔ پھر سوچتے ہوئے بولی۔

''چودھری احمد علی صاحب کاش میں تعلیمی سفر میں تمہاری شریک ہوتی۔ آج جدوجہد کے اس تپتے ریگستان میں تمہارے شانہ بشانہ چل کر تمہاری پیاسی زندگی کو سیراب کر رہی ہوتی۔ کاش ایسا ہوجاتا۔'' لہجے میں یاسیت عود کر آئی تھی۔

''زارا چودھری تم بغیر ڈگری کے ہی پڑھی لکھی ہو۔ تم لاکھوں پر بھاری ہو۔ تمہاری سوچ حسن عمل اور بلند کرداری ودور اندیشی میں ماسٹرز کی جھلک نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ چند مہینوں کی بات ہے جس رفتار سے تم جا رہی ہو۔ پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنا کونسا مشکل کام ہے تمہارے لیے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولے جا رہا تھا۔

''جل گئے ہو میری عقل اور سمجھ سے۔'' وہ چڑ کر بولی۔

''ایسی بات تو نہیں۔ آج کے باعزت و پروقار زندگی کا سہرا تمہارے سر سجتا ہے۔ میری بی اے کی ڈگری کی اہمیت وحیثیت تمہارے ادبی رجحانات اور پائیدار نظریات نے بڑھادی ہے۔ ورنہ میں گاؤں میں تنخواہ کے بغیر ہی تاحیات چودھری جی کا منشی ہی رہتا۔ تمہارے خوابوں نے مجھے تخت سلمانی سے روشناس کرایا اور اس کا مالک بنا ڈالا۔ اب تمہاری سوچ ہی اس خزانے کو پانے کے گر اور طریقے تجویز کرے گی۔''

وہ ایک دم سے سنجیدہ ہوکر بولے جا رہا تھا۔

''تو پھر میری مان لو۔ زرمین کی آفر کو قبول کرلو۔ کرایہ بھی بچے گا اور آمو تم جانتے ہو۔ اوپر والے لاؤنج میں 56 انچ کا اتنا بڑا پلازما بھی رکھا ہوا ہے۔ خوب مزا رہے گا۔'' وہ چہک کر بولی۔

''مان لیا۔ میری جان تم نے میری بند آنکھوں کو کھول کر دنیا کے شوخ وشنگ رنگوں کو دیکھ کر پرکھنا سکھایا ہے۔ تمہاری جدت پسندانہ سوچ نے مجھے چودہراہٹ کے ذائقے اور نشے سے روشناس کیا ہے۔ میں تمہاری ہر بات کیوں نہیں مانوں گا۔ تمہارے خیالات اور سوچ تک میری رسائی نہیں۔'' آمو کے چہرے پر تشکر آمیز عبارت تھی اور وہ دعائیہ انداز میں اسے دیکھ رہی تھیں۔

''آمو یہ جو پیدائشی صاحب اور بیگم کا لقب لے کر نازل ہوتے ہیں ناں قسم سے ہماری طرح کے انسان ہیں۔ عقلمندانہ بات کرنے کی ان سے توقع رکھنا سراسر نادانی ہوگی۔ نہ ہی سوچ میں

دور اندیشی ہوتی ہے۔ اسے کیا کہتے ہیں آموویژن ہاں نہ ہی ویژن ہوتی ہے۔ بیوقوفانہ باتیں تو ان کی گھٹی میں ہوتی ہیں۔ نامرادوں کی پھر بھی واہ واہ ہو جاتی ہے۔ سب پیسے کا چکر ہے۔ حالانکہ ہماری سوچیں مثبت اور پرامید سوچنے اور سمجھنے کے لیے ذہن جذبات ومحسوسات کے لیے دل اور عفو ودرگزر کے لیے ضمیر اوپر والے نے ہمیں بھی بخشا ہے۔ پھر ہم ان سے کمتر اور حقیر کیونکر ٹھہرائے گئے ہیں۔''
وہ کرب سے بول رہی تھی۔ بجز اس کے اس کی شاطرانہ چالوں کے اس کی باتوں میں راست بازی تو تھی۔

''ہاں زارا! تم ٹھیک کہتی ہو۔ اس کم عمری میں کتنی بڑی بڑی باتیں کرنے لگی ہو۔ میں بہت خوش قسمت ہوں زارا۔''

''آمو جانو! میری ایک خواہش پوری کرو گے تمہاری جو ہر وبنتی کرتی رہے گی عمر بھر۔ تجھ پر دن میں دس دفعہ قربان ہوگی۔'' جب وہ اپنا مطلب نکالنے پر تل جاتی تو اپنی حقیقت اور اہلیت پر اتر آتی تھی۔ اس کی باتوں کا طریقہ اور حرکتوں کا ہر انداز خالص اور بے لوث ہوا کرتا تھا۔ اور اس کی زبان اپنے خاندانی انداز سے چل رہی ہوتی تھی۔

''بولو! جوہر وحکم کر۔'' وہ محبت آگیں لہجے میں بولا۔

''آج میں نے ایک بہت ہی مزیدار سا افسانہ پڑھا ہے۔ لاجواب اور بے مثال یارو ماسٹر کرلو۔ شہر کا کچھ تو فائدہ اٹھالو۔ دیکھنا تمہارا رتبہ زمین کی پستیوں سے اٹھ کر آکاش کی رفعتوں کو چھونے لگے گا۔ ماسٹرز کرنے کی محنت کڑکتی سردی کی صبحوں میں ہل چلانے، جھلساتی دوپہروں میں گندم کی کٹائی کرنے اور رات کی تاریکیوں میں فصلوں کو پانی دینے سے تو کم ہے۔ اس محنت میں مزدوری کی اجرت روکھی سوکی روٹی کا فقط ایک ٹکڑا اور ماسٹرز کرنے کی محنت کی اجرت بہت اعلیٰ اور دیر پا اور فائدہ مند ہے۔ میں اپنے گھریلو اسراف میں کمی کر کے تمہیں کتابیں خرید دیتی ہوں۔ تم نوکری کرو اور صرف پڑھائی کرو۔ میں تمہاری خدمت کروں گی اور پھر ہم اپنی فیملی کو بھی بڑھانے کا پروگرام بنالیں گے۔ مجھے ایسے بچوں پر بے پناہ ترس آتا ہے آمو جو دوسروں کو حسرت ویاس سے دیکھتے ہیں اور احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں۔'' یہ سن کر آمو نے ایسی ہوں کہہ کر اسے تعریفی انداز میں دیکھا اور دونوں گہری سوچ میں طویل مراقبے میں چلے گئے۔

❖ ❖ ❖

''زارا میں تمہاری قسمت پر رشک کرتی ہوں۔ چودھری صاحب۔ جیسا تمہارا شوہر جس نے تمہیں بہت عزت دے رکھی ہے۔ تم سے اونچی آواز میں بولنا تو درکنار میں نے ان کے تیور میں کبھی معمولی سی رنجش تک نہیں دیکھی۔ ورنہ مرد محبت تو نام کی کرتا ہے۔ زبان کا زہریلا بھی بے پناہ اور غصہ اور رعب ودبدبہ بھی بے حساب تم نے تو ان پر جادو کر رکھا ہے کہ ان کے منہ میں زبان تک نہیں۔

بے شک جہاں زیب نے مجھے پیار تو کیا۔ مگر میری عزت وتحریم نہ کی۔ مجھے بکاؤ مال سمجھ کر اپنے خاندان سے متعارف ہی نہ کرایا۔ جب یہ خیال آتا ہے ناں تو مجھے ان پر بہت غصہ آتا ہے۔ اگر وہ مجھے اپنے خاندان کا حصہ بنا دیتے۔ تو کتنا ہی اچھا ہوتا ہم ماں بیٹوں کے لیے اب ہر وقت سہاروں کی تلاش میں ہوتی ہوں۔ بھلا تم اور تمہارا شوہر میرا سہارا کیونکر بنو گے جب جہاں زیب کی یہ بے انصافی اور زیادتی یاد آتی ہے تو دل دکھ جاتا ہے۔ وہ بہت اچھا انسان تھا۔ میرے لیے جو کر گئے ہیں اس کا شکر ادا کرنے لگوں تو سر سجدے سے اٹھا نہ پاؤں۔ پھر بھی ان سے گلہ کرنے سے باز نہیں آتی۔''

''اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ درجات سے ضرور نوازے گا۔ انہی کے بتائے ہوئے رستے کو بھی میں نے پہچان لیا ہے۔ اب میں قانونی طور پر اپنے بچوں کا حصہ ان کے خاندان سے وصول کرنے کا سوچ رہی ہوں۔ ان بچوں کے حصے میں ان کی وراثت سے حاصل کی ہوئی جائیداد ان کی شان ہوگی۔ ان کا نام اس خاندان سے منسوب ہو کر انہیں باعزت مقام بخشے گا۔ زارا مجھے مشورہ دو کہ یہ قدم ابھی اٹھاؤں کہ بچوں کے بڑے ہونے کا انتظار کروں۔ یقین جانوں مجھے ان کے پیسے جائیداد اور فیکٹریوں سے کوئی غرض نہیں۔ رتی بھر لالچ نہیں۔ بس ان کو ان کا حق دلا کر جہاں زیب کی روح کو تسکین پہنچانا چاہتی ہوں۔ اور خود سرخرو ہو کر مطمئن ہونا چاہتی ہوں۔'' وہ بہت سنجیدہ ہوگئی تھی۔

''اتنی جلد بازی درست نہیں۔ فی الحال خود کو مضبوط کرو زری آپی میں تمہاری اس سوچ سے اتفاق رکھتی ہوں کہ بیوگی تب ناگوار گزرتی ہے بھاری محسوس ہونے لگتی ہے۔ جب دانے پانی کی فکر لاحق ہونے لگے تم درست کہہ رہی ہو۔ تمہیں وہ اتنا نواز گئے ہیں کہ کسی کی محتاجی اور ضرورت کیسی۔ یہ جو پیسہ اور دولت ہے ناں ہر مرض کا علاج ہے۔ ورنہ اس کے بغیر یہ جہاں، بالکل بے کار، بے ڈھنگا اور بدنما ہے۔ خاندانوں کے نام اور شان وشوکت اسی کی وجہ سے مقدر کا حصہ بنتی ہے اور یہی خاندان کی پہچان کو صدیوں تک زندہ جاوید رکھتی ہے۔ ورنہ انسان کی وقعت اس زمین پر چلنے والے کیڑے مکوڑوں سے بھی بدتر ہوتی۔ تمہارے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ ہمیں دیکھو کہ لو میرج کرنے کی سزا کہ ہمیں گاؤں سے ہی نکال دیا۔ ہم تمہارے احسانات کو زندگی بھر فراموش نہیں کریں گے۔ تم نے ہمارا اس وقت ساتھ دیا جب ہم بے سروسامانی اور کسمپرسی کی حالت میں تمہارے کرائے دار بن کر آئے تھے۔ تمہاری نوازشیں اور عنایتیں اتنی بڑھیں کہ ہم نے پیدا کرنے والوں کی مظلومیت، غیریت اور بے حسی کو دل سے نکال دیا اور تمہارے ہی گن گانے لگے۔ اب ایک اور احسان عظیم کرنا چاہتی ہو تو ہم کل ہی تمہارے گھر شفٹ ہو جاتے ہیں تمہاری خوشی کی خاطر لیکن ہے تو ہمارا تحفظ بالکل عارضی اور وقتی آنے والے وقت کی کسی کو خبر نہیں ہوتی بہتر ہے تم شادی کرلو۔ ہم پھر بھی تمہارے ساتھ ہی ہوں گے۔ اپنا وعدہ ضرور نبھائیں گے۔'' وہ سنجیدگی سے سمجھانے لگی۔

''مرد کا تحفظ عورت کی آن بان ہے اسی سے تم مضبوط ہو کر بچوں کو ان کے حقوق دلا پاؤ گی۔''

''وہ تو مجھے تم لوگوں کی موجودگی میں فیل ہونے لگا ہے۔ زارا تم کتنی عظیم عورت ہو۔ بیوہ عورتوں سے سہاگنیں کوسوں دور بھاگتی ہیں کہ کہیں ان کا سہاگ ان سے نظریں نہ پھیر لے۔ تمہیں مجھ پر اتنا بھروسہ کیوں ہے؟''

''زارا! تمہیں میری بیوگی سے خوف کیوں نہیں آتا؟ کیا فطرت پائی ہے تم نے کسی بڑے خاندان کی اولاد ہو۔ تو نے کس ماں کی کوکھ سے جنم لیا ہے اور کس عظیم ماں کا دودھ پیا ہے۔ کاش میں اس عورت کو مل پاؤں۔''

زرمین نے دل کھول کر اس کی پذیرائی کی تو وہ ایک دم سے کھل اٹھی۔ میں نے تم دونوں کے بغیر بہت مشکل وقت کاٹا ہے۔ اب تو میرے گھر کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ کیونکہ اندر باہر آتے جاتے چودھری صاحب کو سب دیکھتے جو ہیں۔ ہم ایک دوسرے کا ایسا سہارا ہیں جنہیں باہر سے کوئی بھی بندہ بشر نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ تم بھی اکیلی ہو میں بھی تنہا۔ ہمارے درمیان ایک مرد ہمارا تحفظ ہے۔

دونوں جذباتی ہو کر ایک دوسرے کے گلے لگ کر اشکبار ہو گئیں۔ دونوں کے آنسو اپنی اپنی نوعیت کے تھے مگر خود غرضی کی آمیزش کہاں تھی۔

جونہی آمو آفس سے آیا تو جوہر و سرعت سے اپنے گھر چلی گئی اور تمام داستان سنا کر اپنا فیصلہ بھی سنا دیا کہ ہم آنے والے ویک اینڈ پر اوپر والے پورشن میں شفٹ ہو رہے ہیں۔ وہ اچنبھے میں اچھلا۔

''کیا کسی افسانے میں یہ پڑھ لیا ہے تم نے اس کے فوائد بتاؤ؟ نقصانات میں بتاؤں گا۔ ذرا سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا کرو۔ مجھے تو پہلے دن سے ہی یہ آفر تسلی بخش نہیں لگی۔ خوامخواہ بے چاری دنیا بھر میں بدنام و رسوا ہو جائے گی۔ گاؤں کی غلامانہ زندگی کو خیر باد کہہ کر ہم نے کیا پایا۔ اس عورت کی حاکیت کو قبول کر لیا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہاں میں آمو کے نام سے چودھری جی کی خدمت کرتا تھا۔ یہاں چودھری احمد علی بن کر اس کا غلام بن گیا ہوں۔ وہاں کی روکھی سوکھی ناگوار گزرتی تھی۔ یہاں کی غلامی میں آسائشیں تو لامحدود ہیں۔ ہمارا عزت واحترام بھی خوب ہے۔ مگر ہے تو اس کی خوشامد اور مٹھی چاپی۔ تم اس کی سہیلی بن کر اس کا ہر وہ کام ہنستے مسکراتے کر دیتی ہو۔ جو تمہیں وہاں ناگوار گزرتا تھا۔ وہاں تمہاری انا بہت اونچی تھی۔ یہاں مٹی میں کیسے مل گئی؟''

وہ دکھ بھرے لہجے میں بولا۔

''غیرت اور خودداری میں قطعاً کمی نہیں آئی۔ آمو وہ مجھے نوکرانی کا درجہ دے کر تو دیکھے۔ قسم سے اس کے منہ پر تھوک کر یہاں سے چلی جاؤں گی۔ اس نے ہمیں بہن کا بھائی کا درجہ دے

رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو زندگی میں ایک دفعہ امارت کی سیڑھی چڑھنے کا موقع ضرور دیتا ہے۔ تمہیں یہ چانس اللہ تعالیٰ نے بخشا ہے۔ اس کو ٹھکرا دیا تو ممکن ہے کہ پھر تمہیں زندگی بھر کے پچھتاوے چین نہ لینے دیں۔ وقت کی پہچان اور اس کا صحیح استعمال ہی تعلیم ہے۔ ذلت، غربت اور مفلسی کی ناقابل عبور دیواریں اور حدیں وقت ہی مسمار کرسکتا ہے۔ تمہیں محض آدمیت اور شرافت کے جامے میں رہ کر اس ڈرامے کا کردار نبھانا ہے۔ چودھری احمد علی! گہرائی میں سوچنا چھوڑ دو۔ سوچنا ہے تو اونچائی میں سوچو۔ میڈم کی مہربانیوں کا رخ ہیشگی کی طرف موڑ سکتے ہو تو دیر مت لگاؤ۔"

وہ سمجھداری سے بولی۔ وہ اس کی ذومعنی باتوں پر غور کرتے ہوئے بولا۔ ضرور کوئی نیا ڈرامہ دیکھ لیا ہوگا جو اتنی شستہ اردو بول رہی ہو۔

"ڈائیلاگز کا رٹا لگانے میں کتنے دن صرف ہوئے تھے۔ مجھے بھی بتا دے۔ قسم سے تمہارا شاگرد بن جاؤں گا۔" وہ ہنسے جا رہا تھا۔ اور اس کی گردن کبر و پندار سے اکڑ گئی تھی۔

"کچھ میری تعلیم کا اور کچھ ٹی وی کا اور زیادہ تو اس ماحول کا اثر ہے۔ اور پھر اللہ نے مجھے ذہن بھی تو کافی کھرا اور ستھرا دیا ہے ناں۔"

"آمو مجھے انگریزی سیکھنے کا بھی بہت شوق ہے۔" وہ مہک کر بولی۔

"تو باز آجا جوہرو۔" آمو نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔ "اب زیادہ ہی چوڑی نہ ہوتی جا۔ یہ جو آفر آئی ہے۔ مجھے سوچنے تو دے۔"

دونوں کے چہروں پر خاموشی کے باوجود یورش کے نشانات مرتسم تھے۔ دونوں غرض مند تھے۔ اپنی خواہشات کے ہاتھوں مجبور تھے۔ ایک کو راہ سجھائی دے گی۔ دوسری طرف بھی ڈر تھا اور اک انجانا سا خوف تھا۔ آمو رات بھر سو نہ سکا۔ کروٹیں بدل بدل کر جسم دکھنے لگا تھا۔ اسے انکار کرنے پر حالات کے ناساز گار ہونے کا اندیشہ کھائے جا رہا تھا۔ یہاں کی بہترین زندگی کا تو اس نے خواب میں بھی تصور نہ کیا تھا اگر جوہرو نے شفٹ ہونے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو اس میں برائی ہی کیا ہے؟ آج تک تو جوہرو کی دور اندیشی نے کمال کے گر دکھائے ہیں۔ اس میں بھی بہتری ضرور ہوگی۔ آخر فجر کی اذان کے ساتھ ہی اس نے خود کو مطمئن کیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔

مگر جوہرو کی ذومعنی باتوں نے اس کا سکون غارت کر ڈالا تھا۔ زرمین کی جوانی اور حسن اس کے سر چڑھ کر بولنے لگا تھا۔ ویک اینڈ آیا تو جوہرو نے خوشی خوشی اپنے اور آمو کے کپڑے اٹھائے اور اپنا ذاتی ضروری سامان پورشن میں شفٹ کر لیا۔ کچن میں اپنے ہلکی جست کے برتن رکھتے ہوئے اس کا دل اوب سا گیا تھا۔

اس اسٹیٹس کو ابدی بنا دو آمو۔ اس عارضی شان کا کیا بھروسہ اور کیا مان۔ آمو تُو تو مجھے اپنی جان سے بھی پیارا ہے۔ وہ ڈبل بیڈ پر مہارانیوں کے پوز میں نیم دراز لیٹی سوچے جا رہی تھی۔ میری

سوچ کو اپنے ذہن میں ڈال لو آمو۔ میری چاہ کو دل میں بسالو۔ آج بیگم کچھ اداس اور غمگین لگ رہی ہے۔ کیا بات ہے؟ تھک گئی ہو تو نوکرانی کو بلا کر ٹانگیں دبوالو۔ آمو نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

''یہ سوچ رہی ہوں آمو۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں ہماری عیش وعشرت کی عمر کم ہو جائے۔ زندہ رہنا مشکل ہو جائے گا۔ کیونکہ ایسی زندگی کی عادت تو بہت جلد پڑ جاتی ہے چھوٹنے میں موت ہی موت ہے۔ ہم موت کو آواز دینے کے بجائے اپنی تمام عمر کی راحت کے بارے میں سوچیں کہ ایسا کونسا عمل ہمیں پیشگی کی عیش وعزت بخش سکتا ہے۔'' وہ دکھی لہجے میں بولی۔

''بس یہی سوچ پیچھا نہیں چھوڑ رہی۔''

''ڈرامے باز کے ساتھ رہ کر میں بھی ویسا ہی بن گیا ہوں۔ میں نے بھی اس مسئلے کا حل نکال لیا ہے۔'' آخر وہ جھجکتے ہوئے بولا۔

''آمو بات سیدھی اور پوری کر۔ تو جانتا بھی ہے کہ پہیلیوں میں گفتگو کرنا مجھے بالکل پسند نہیں۔'' وہ کوفت آمیز لہجے میں بولی۔

''میں نے اس گھر میں شفٹ ہونے کے بعد ایک فیصلہ کیا ہے۔ اگر تم میرے فیصلے کو پاس کردو تو دیکھنا تمہیں مہارانی کا درجہ دوں گا۔ تمہارے مشورے اور اجازت کے بغیر میں تو بالکل ہی بے مصرف اور بیکار ہوں۔''

آمو نے اس کا سر سینے کے ساتھ لگا کر محبت بھرے لہجے میں کہا۔ تو وہ اپنی ہنسی چھپانے کی کوشش کرنے لگی۔

اس کے طویل ڈرامے کا رخ پرتجسس موڑ پر آچکا تھا۔

''آمو کہیں مجھ پر سوتن لانے کا فیصلہ تو نہیں کر بیٹھے۔ اس وقت بہت کھلے ہوئے ہو۔ مجھ پر پیار بھی بے حساب اور خوشامد لاجواب۔ بول کیا سوچا ہے تیرے بٹ دماغ نے۔'' وہ تلملا کر بولی۔

''تم نے ہی تو ایک دن کہا تھا کہ گہرائی میں سوچنا چھوڑ دو۔ سوچنا ہے تو اونچائی میں سوچو میں نے تمہارا مشورہ مان لیا ہے۔ تمہاری سوچ کو پڑھ لیا ہے۔''

''سوتن میں بھی تو بے تحاشا فرق ہوتا ہے ناں۔ تمہارا اشارہ میڈم کی طرف تھا ناں میں صحیح سمجھا ہوں ناں۔''

''وہ بھی دو بچوں کے ساتھ اکیلی ہے۔ آخر اسے انسانی سہارے کی ضرورت ہے۔ ہم پہلے سے ایک دوسرے سے مانوس ہیں۔ ہماری محبت میں فرق نہیں پڑے گا۔ ہمیں کڑکتے نوٹوں کا سہارا چاہیے۔'' وہ اسے پیار کرتے ہوئے بولا۔

''اس کو کچا چبا جاؤں گی۔'' وہ ظاہری غصے میں بولی۔ مگر دل میں خود کو داد دینے لگی کہ اس نے کس پھرتی سے اس ڈرامے میں جان ڈال دی تھی۔

''اگر تمہیں میرے فیصلے سے اتفاق نہیں تو ٹھیک ہے۔کل بوریا بستر باندھو اور یہاں سے چلتی بنو۔اب میں شہر کے اخراجات مزید برداشت نہیں کرسکتا اگر تم میری زندگی میں میری ماسی دی دھی جوہرو بن کر رہتی تو یہ پچاس ہزار پانچ مہینے چلتے۔مگر تم نے تو حد ہی کردی ہے۔دال روٹی کھلا کر اپنی وارڈ روب خوب بھرلی ہے تم نے۔'' وہ بیزاری سے بولا۔''اب میں تمہارے نخرے اور لاڈ نہیں اٹھاؤں گا۔بچے پر تم سیخ پا ہو جاتی ہو۔تو بتاؤ مجھے تمہارا کیا فائدہ؟''

''آمو! یہ زندگی صرف ایک بار ملتی ہے میں نے اس کا ایک سہانہ سپنا دیکھا تھا کچھ تو پورا ہوگیا۔باقی ماندہ بھی خوش کن ہوگی۔جاؤ کیا یاد کرو گے کہ تمہارے خاندان میں بھی جوہرو جیسی قابل فخر لڑکی پیدا ہوئی تھی۔تم پر زرمین جیسی ہزاروں عورتیں واردوں، کرلو شادی اور مالک بن جاؤ اس کی تمام جائیداد کے۔مگر ایک وعدہ کرو کہ اپنی جوہرو کو مہارانی بنانا نہ بھولنا۔تمہارے دل کے قریب تیری ماسی کی دھی رہنی چاہیے۔زرمین تو اک وسیلہ ہے۔ہماری غربت اور ذلالت کو ختم کرنے کا۔'' وہ ایک دم سے راضی برضا ہو کر بولی۔''اب بچہ پیدا کرنے پر مجھے کوئی اعتراض نہیں رہا۔''

''مردوں جیسا فیصلہ کیا ہے تم نے واہ میرے مولا ان بدبخت اور نامراد مسلیوں کے خاندان میں تم جیسی خوش بخت کیسے پیدا ہوگئی۔'' وہ اسے پیار کرنے لگا تو وہ تڑپ اٹھی۔

''جان جوکھوں کا کام ہے کہ آمو سوتن تو نام کی بھی برداشت نہیں ہو پاتی۔مگر ہمیں اپنی نسل اور اپنی ذات بدلنے کے لیے قربانی تو دینی ہی پڑے گی۔میرے اس ایثار کو یاد رکھنا مجھے بھول کر اس کا ہی غلام نہ بن جانا۔''

وہ روتے ہوئے بولے جارہی تھی۔دل ڈوبنے لگا تھا۔بدن میں کپکپی چھا گئی تھی۔

''جوہرو میرا تم سے وعدہ ہے کہ تمہیں کبھی دغا نہیں دوں گا۔تم جانتی ہو کہ مجھے نہ تو اس سے عشق ہے نہ ہی مجھے دوسری شادی کرنے کا شوق ہے۔دعا کرو کہ وہ میری التجا پر غور وفکر کرے۔کہیں خفا ہی نہ ہو جائے۔ویسے افغانی عورت ہے۔برا کیا منائے گی۔وہاں دوسری صورت میں ہمیں گھر خالی کرنا پڑے گا۔یہ بات بھی ذہن نشین کرو۔'' وہ اس گل فشانی پر تلملا اٹھی۔

'' ذرا طریقے سلیقے سے بات کرنا۔ویسے تم چپ ہی بھلے۔خوامخواہ منہ کھولو گے تو غلامانہ باتیں ہی کرو گے۔میں خود اسے یہ مشورہ ہمدرانہ طریقے سے دیتی ہوں برا مان گئی تو ازراہ مذاق اور چھیڑ خانی کہہ کر ٹال دوں گی۔''

وہ خود اعتمادی سے بولی۔''تمہارا یہ کام بھی میں ہی کیے دیتی ہوں۔چلو فی الحال سونے کی کوشش کرو۔''

وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے سوچنے لگی۔آمو وقت گزرتا جارہا ہے۔عمر کم ہوتی جارہی ہے۔کاش کہ زندگی یہیں پر رک جائے۔تم اپنی نسل کو پھلتا پھولتا دیکھ سکو۔وسیع وعریض

محل نما گھر میں شہنشاہ بن کر زندگی گزارو اپنی زارا شہزادی کے ساتھ۔ اگلے لمحے وہ اپنی غیر مناسب دعا سے لرز اٹھی۔ زندگی کا رک جانا وقت کا بیت جانا تو موت ہے۔ انجانے میں ہی بددعا دے ڈالی تمہیں' میری دعا ہے آمو وقت ساکت وجامد ہو جائے اور تمہاری بڑھتی ہوئی عمر کا کوئی انجام نہ ہو ہزاروں اور لاکھوں سال قیامت تک زندہ رہو۔ آباد رہو۔ وہ پرسکون خراٹے لے رہا تھا۔ جوہرو کا تکیہ آنسوؤں سے بھیگنے لگا۔ زندگی کے حقیقی ڈرامے نے نئی شکل اختیار کرلی تھی۔ زارا کو آمو پر مکمل اور بھرپور اعتماد تھا۔ بھروسہ اور یقین تھا کہ وہ ازل سے ابد تک اسی کا ہے۔ اب ہمیں بچوں کی ضرورت ہے۔ آخر وہ وقت آہی گیا۔ ان شاء اللہ آج سے مہینے بعد میری گود میں بھی ایک بچہ ہمک رہا ہوگا۔ جو آمو کے لیے نعمت کے ساتھ زحمت بھی ہوگا کیونکہ اس کے پاؤں کی بیڑی بن کر اسے مجھ سے دور نہیں ہونے دے گا۔ وہ خود کو تسلی دینے لگی۔

❖❖❖

حیات آباد کی کچی آبادی کے سامنے شامیر نے گاڑی روک دی۔ پل بھر میں درجنوں بچوں نے انہیں گھیرے میں لے لیا۔ ان کے گندے اور میلے کچیلے ہاتھ ان کے سامنے پھیلے ہوئے تھے۔ شامیر کا دل ترس اور رحم سے خون کے آنسو بہا رہا تھا۔ زندگی کا یہ بھیانک روپ دیکھنے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔ وہ دروازہ کھول کر نیچے اترا اور ایک نوجوان لڑکے سے خان ماما کے بارے میں معلومات لے کر واپس گاڑی میں بیٹھ گیا۔

''کیا ہوا؟ خاموش کیوں ہیں؟ خیریت تو ہے۔'' فرشتے بے چینی سے بولی۔ اس نے اپنے چہرے کو چادر سے کور کر رکھا تھا۔

''افسوس کہ تم نے آنے میں بہت دیر کردی۔ کاش چار سال پہلے تم نے میری بات مان لی ہوتی۔ خان ماما تو واپس کابل جا چکے ہیں اب ان کے گھر میں انہی کی رشتہ دار عورت رہتی ہے۔ جو یہاں کے بچوں کو دین کا درس دیتی ہے۔'' وہ آہستگی سے بولا۔

''رشتہ دار عورت کون ہے وہ؟'' وہ حیرت سے بولی۔ یہاں ان کے سوا اور کوئی بھی ہجرت کے نہ آیا تھا۔

''آئی ڈونٹ نو۔ تم جا کر معلوم کرسکتی ہو۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''میں چلتی ہوں۔ ابھی دومنٹ میں آئی۔ کون ہے ہماری رشتہ دار، حیرت کی بات ہے۔'' وہ دروازہ کھول کر نیچے اتر گئی۔

''کہیں بہنوں میں سے ......نہیں۔ وہ اونچی اڑان میں تھیں۔ اس کسمپرسی اور غلاظت میں واپس کیونکر آئیں گی۔'' وہ سوچتی ہوئی ماما کے گھر کی طرف چل پڑی۔ اتنے سالوں میں یہاں کی حالت پہلے سے ابتر ہو چکی تھی۔ بچوں میں بھی اضافہ نمایاں طور پر محسوس ہو رہا تھا۔ وہ تاسف سے

گرد و پیش کا جائزہ لیتی ہوئی خان ماما کے گھر کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ دروازے پر ٹاٹ کا پھٹا پرانا پردہ جھول رہا تھا۔ اندر سے بچوں کے قرآن پڑھنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ پردہ ہٹا کر صحن میں داخل ہوئی ایک خاتون میلی کچیلی سفید رنگ کی چادر اوڑھے حجاب سے چہرے کو چھپائے بچوں کے دائرہ میں بیٹھی انہیں قرآن پڑھا رہی تھی۔ اس کی طرف اس خاتون کی پشت تھی۔ فقط آواز جانی پہچانی تھی وہ آواز جسے یہ کروڑوں میں بھی پہچان جائے۔

''پلوشہ۔'' وہ آگے بڑھ کر آہستگی سے بولی تو پلوشہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

''کون؟ کون ہے۔'' وہ فرشتے کے قریب آکر بولی اور اس کا سر سے لے کر پاؤں تک جائزہ لینے لگی۔ اپنے خون کی کشش نے اسے ایک پل میں کسی خوش خیالی میں جا کھڑا کیا۔ زرمین، فرشتے اور کاش ریشم ہو۔ فرشتے نے نقاب چہرے سے ہٹا کر اسے حیرت و اشتیاق سے دیکھا۔ ''دیدی۔ فرشتے دیدی۔'' وہ تقریباً چیخ اٹھی تھی۔

''تم یہاں کیسے؟'' فرشتے نے حیرت سے پوچھا۔

''زرمین بھی تمہارے ساتھ آئی ہوگی۔'' وہ دروازے کی طرف دیکھ کر خوشی سے بولی۔ ''کہاں ہے مینو؟''

''زرمین میرے ساتھ کیسے، وہ تو میں تمہارے پاس چھوڑ کر گئی تھی اور ریشم کہاں ہے۔ میری منی سی ریشو۔'' اس کی متلاشی نظریں ادھر اُدھر بھٹک رہی تھیں۔ ''کچھ زرتاش دیدی کی طرف سے خبر ہے۔'' وہ حیرت و تجسس سے بولی تو پلوشہ فرشتے کے گلے لگ کر تحمل سے بولی۔ ''ریشم اپنے اللہ کی بہت پیاری تھی۔ میرے رب نے اسے اپنے پاس بلا کر جوار رحمت میں بہترین مقام بخش دیا۔ یہ اس کے صبر کا انعام تھا دیدی۔''

''وہ کیسے؟'' وہ وہیں بوسیدہ سی چار پائی پر ڈھے گئی۔

''میری ریشو کو کیا ہوا؟ مجھ سے تو وہ خفا تھی ہی جسے میں نے بیدردی سے چھوڑ دیا تھا۔ مگر وہ تم سے کیوں ناراض ہو کر چلی گئی۔ اسے تم سے تو بہت پیار تھا ناں۔'' وہ سکتے کے عالم میں بول رہی تھی۔ پلوشہ نے بچوں کو چھٹی کا اشارہ کیا تو وہ خوشی میں چیختے چلاتے نعرے لگاتے ہوئے وہاں سے چلے گئے تو پلوشہ گویا ہوئی۔

''دیدی ہم سب نے آگے پیچھے ایک دن اسی حقیقی اور سچی دنیا کی طرف کوچ کر جانا ہے۔ اس میں دکھ کیونکر ہے۔ اس کا اتنی کمسنی میں چلے جانے پر تمہیں حیرت کیوں ہو رہی ہے۔ ہمارے پیارے خونی رشتے بھی تو پیدا کرنے والے کے پاس چلے گئے ریشم تو اتنی خوش بخت نکلی کہ بہت جلد اس غیر معیاری اور غیر محفوظ دنیا کی کلفتوں سے آزاد ہوگئی۔ ہم بہت بدنصیب ہیں دیدی۔ جو ابھی تک نجانے کتنے ہی موسم دیکھنے کے لیے زندہ ہیں۔ زرمین بھی تمہیں ڈھونڈنے اسلام آباد چلی گئی تھی میں

تو اسی خوش فہمی میں مبتلا رہی کہ وہ دیدی کے چرنوں میں پاکیزہ اور مقدس زندگی گزار رہی ہوگی۔ زرتاش دیدی کی شادی تایا کے بیٹے اسفند سے ہوگئی ہے۔ وہ امریکہ چلی گئی ہے۔ ماما نے ہی اطلاع دی تھی۔"

"مجھے ریشم کے بارے میں تفصیلاً بتاؤ پلوشہ۔ ہم سب اس کے مجرم ہیں جو اس منی سی چڑیا کی حفاظت نہ کر سکے۔ اسے کیا ہوگیا؟ وہ ہمیں چھوڑ کر کیوں چلی گئی۔ مجھے جلدی بتاؤ پلوشہ، میرا دم گھٹنے لگا ہے۔" وہ تڑپ کر بولی۔

"دیدی! میری معصوم ریشو کسی مرد سے پیار کرنے لگی تھی۔ وہ اس سے شادی کرنے کا ڈھونگ رچا کر اس کی عصمت دری کرتا رہا۔ حالانکہ ہمارا دامن تو کب کا اس سے داغدار ہو چکا تھا' مگر ریشم خوش فہمیوں کا شکار ہوگئی۔ آپ بھی جانتی ہیں کہ وہ طبعاً بہت رومانٹک تھی۔ بس دن رات اسی کے خیالوں میں گم رہنے لگی ایک دن حسب معمول ریشم گھر سے باہر نکلی تو واپس نہ آئی۔ ہم نے اسے ہر جگہ تلاش کیا۔ مگر وہ ہمیں کہیں نہ ملی۔ جب اسے ڈھونڈتے ہوئے خان ماما کے پاس آئی تو مجھے علم ہوا کہ اس کی لاش کو یہاں پہنچادیا گیا تھا۔ اسی مرد نے اسے چلتی گاڑی سے دھکا دے ڈالا تھا اور خود فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ مجھے ریشم نے اپنے بارے میں صرف اتنا ہی بتایا تھا کہ وہ کسی میں انٹرسٹیڈ ہے اس سے بے پناہ محبت کرنے لگی ہے۔ اس کے بغیر وہ سانس نہیں لے سکتی۔ اس لئے وہ ہمیشہ کے لیے اس کی بیوی بن کر رہنا چاہتی ہے۔ میں نے اسے بہت سمجھایا کہ مردوں کی تمام دلچسپی رات بیت جانے کے بعد ختم ہوتی ہے۔ واپس پلٹنے کی تلقین کرتی رہی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اتنی خفیہ ہوگئی کہ منہ پر چپ کی ایسی پٹی باندھی کہ ہمیں کچھ خبر ہی نہ ہوئی کہ وہ کس ظالم اور طناز کے پیار میں کہاں تک پہنچ گئی ہے۔" وہ صبر وتحمل سے بولی۔

"ریشم کو یہاں کس نے پہنچایا تھا؟" وہ حیرت سے بولی۔

"پولیس نے۔ کیونکہ اس کے پرس میں کابل کا اور خان ماما کا ایڈریس موجود تھا۔ اپنی تصویر کے پیچھے اس نے اپنے خون سے لکھا ہوا تھا دانی تم مجھے قبول ہو، قبول ہو، قبول ہو، دیدی آپ حوصلے سے کام لیں ہم لاوارث لڑکیاں صبر کے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتیں۔ ہمارے خون سے تو ہزاروں کے ہاتھ رنگے ہوئے ہیں۔ ہم کس کس کو گناہگار ثابت کر کے سزا دلوا سکتی ہیں۔ اوپر والا ایسے ستم گیروں سے خود بدلہ لے گا ہمارا۔ روز قیامت ان سب کے گریبان ہمارے ہاتھوں میں ہوں گے۔ دیدی میرا ایمان اور یقین محکم یہی کہتا ہے۔"

"دیدی زرمین کی کوئی خبر کسی قسم کی کوئی اطلاع نہیں۔ وہ بھی نیکی کے انتخاب میں نجانے کس حال میں ہوگی۔ زندہ ہے بھی یا نہیں۔ اللہ کرے وہ بھی زندگی کی مشکلات سے رہائی حاصل کر کے اپنے رب کے پاس عیش وعشرت کے مزے لوٹ رہی ہو۔" وہ کسی دکھ وکرب سے عاری لہجے میں

بولی۔

''ایسے نہ کہو پلوشہ یہ کفر ہے۔'' فرشتے نے اس کے گدلے اور دھندلے سے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''کفر وہ تھا جس کی شروعات میں نے کی تھی۔ اسی احساس نے مجھے مار ڈالا ہے دیدی۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے دو دفعہ خودکشی کرنے کی کوشش کی۔ ہر بار مجھے اللہ تعالیٰ بچالیتا تھا۔ وہ مجھے میرے تمام گناہوں کو اسی بے ثبات دنیا میں دھودینا چاہتا ہے۔ دیدی وہ مجھے اپنے پاس پاکیزگی کی حالت میں بلانا چاہتا ہے۔ کیوں دیدی ایسا ہی ہے ناں۔ وہ معاف نہیں کرے گا تو کیا ہمیں سزا دے گا۔ ایسا نہیں ہوگا۔ وہ ہماری ماں ہے۔ جس نے ہمیں پیدا کیا ہے۔'' وہ مسرت آگیں لہجے میں بولی۔

''اگر یہاں کی چندروزہ زندگی میں اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر پوتر ہوسکتی ہوں تو یہ سزا بہت معمولی اور آسان ہے۔ اسے میں نے ہنس کر قبول کیا ہے۔''

''دیدی ابدی زندگی تو آخرت کی ہے۔ میں وہاں اللہ تعالیٰ کے سامنے نادم نہیں ہونا چاہتی۔ اپنے بابا اور بی بی کی آغوش سے دور نہیں رہنا چاہتی۔ ان کے ساتھ جنت میں رہنے کے خواب نے مجھے زندہ بھی رکھا اور صابر وشاکر بھی بناڈالا۔'' وہ پر تسکین سانس لے کر بولی۔

''دیدی آپ اپنی بتائیں۔ اتنے سال تنہائی میں کیسے کٹے؟ یہ تو مجھے یقین ہے کہ نہایت پاکیزگی اور صوم وصلوٰۃ میں گزرے ہوں گے۔ مگر بہت ہی مشکل اور اذیت دہ ہوں گے۔ ہماری طوطا چشمی اور نافرمانی چین سے سونے نہ دیتی ہوگی۔ ہر دم ہمیں کوسا ہوگا تم نے۔'' اب اس کی آنکھوں میں ہلکی سے نمی آگئی تھی۔

''ہاں! تم نے درست سوچا ہے۔ خود کو کمپرومائز نہیں کیا تو ایک فرشتہ صفت انسان مل گیا۔ اللہ نے ایسا نوازا کہ جس کا کبھی تصور بھی نہ کیا تھا۔ عزت، دولت اور آن بان کی فراوانی ہے۔ پلوشہ تم میرے ساتھ چلو۔ شامیر بہت نیک اور خدا ترس انسان ہے۔ اس کی ممی کا بھی جواب نہیں۔ وہ بھی تمہیں اس حالت میں قبول کریں گی۔ میں خوامخواہ ہی یہاں آنے کی پردہ داری کر گئی۔'' لہجے میں پچھتاوا تھا۔

''جن کی نیت نیک اور ارادے سچے ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرماتا ہے۔''

''دیدی! میں یہاں بہت خوش ہوں، میں ان گلیوں میں کھیلنے والی اپنی ہی افغانی نسل کو درس وتدریس سے حرام وحلال کی تمیز سکھاتی ہوں۔ انہیں اعلیٰ کردار اور بلند اخلاقیات کے فوائد بتاتی ہوں۔ شائد میرا اللہ مجھے معاف کردے۔ یہاں میری عزت اور میرا اپنا نام ہے دیدی۔ پچھلے سال مجھے انہی لوگوں نے چندہ جمع کر کے حج کرایا ہے۔ میرے گھر کھانے پینے کی اشیاء کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ عید، شب رات اور نوروز پر کپڑوں کا ڈھیر لگ جاتا ہے۔ جو میں غریبوں اور حاجت مندوں میں تقسیم

کر دیتی ہوں۔ مجھے تمہاری بات ہمیشہ یاد آیا کرتی ہے۔ ایک دفعہ تم نے ہمیں سمجھایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کا رزق کم یا زیادہ پیدائش سے پہلے ہی اس کے مقدر میں لکھ دیا ہے۔ پھر کیوں نہ حلال طریقے سے اسے حاصل کیا جائے۔ اگر حرام کے راستے ڈھونڈو گی تب بھی رزق اتنا ہی ہاتھ میں آئے گا جو مقدر میں ہو چکا ہے۔ دیدی تم نے اتنی بڑی بات کم عمری میں ہی کسی تجربے اور مشاہدے کے بغیر کیسے سوچی تھی۔'' لہجے میں بے پناہ اطمینان تھا اور حیرت تھی۔

''جب ہم کسی نیک اور اچھے کام کی نیت باندھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہمارے لیے ویسے ہی روشن اور سچل رستے کھول دیتا ہے۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ نے ہاتھ پکڑ کر میری رہنمائی کی ہے۔ نیت ہی مقدر کو سنوارتی ہے یا بگاڑتی ہے۔''

''دیدی! اپنے بارے میں اور بھی کچھ بتاؤ۔'' وہ تجسس سے بولی۔

''تین سال کا بیٹا عبدالعزیز اور دو سال کی بیٹی حبیبہ گل نے میری زندگی میں حسین شوخ وشنگ رنگ بھر دیئے ہیں۔''

''اور شوہر ایسا کہ بس کچھ نہ پوچھو۔'' وہ خوش ہوتے ہوئے بولی۔

''دیدی تم نے تو یہاں اور وہاں جنت کمالی بی بی اور بابا کے نام ہمیشہ تمہارے اردگرد گونجتے تمہیں ان کی یاد دلاتے ہوں گے۔ دیدی روحیں خوش ہوں تو وہ دعا دیتی ہیں۔ تم پر بی بی اور بابا دونوں ہی بہت خوش ہیں۔ دیدی تمہاری جنت میں اس جہنمی بہن کا کیا کام؟ کہیں تمہاری ازدواجی زندگی پر میری نحوست کے ناپاک سائے نہ پڑ جائیں۔ دیدی تم یہاں سے چلی جاؤ اور آج کے بعد کبھی یہاں آنے کی کوشش نہ کرنا۔ کہیں ہماری بدبختی کی داستانیں تمہارے شوہر کے کانوں میں نہ پڑ جائیں۔''

وہ ہاتھ جوڑ کر بولی تو شامیر دروازے کا پردہ ہٹا کر اندر آ گیا۔ میں نے سب کچھ سن لیا ہے فرشتے۔

''فرشتے خوشی سے لرزتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔'' پلوشہ نے فوراً اپنا چہرہ چادر میں چھپا لیا۔

''افسوس اس بات کا ہے کہ شادی کو پانچ سال ہونے کو آئے ہیں محترمہ نے پہلے تو یہاں آنے سے روکے رکھا اور اپنی بہنوں کے بارے میں کبھی معمولی سا ذکر یا اشارہ تک نہ کیا۔ اگر تم مجھے وقت پر یہ سارا ماجرا بتا دیتی تو آج یہ سب کچھ دیکھنے اور سہنے کی ہمیں ضرورت پیش نہ آتی۔''

وہ خفگی سے بول رہا تھا۔ فرشتے پر کپکپی سی طاری ہو گئی تھی۔ جسے شامیر نے بھی محسوس کر لیا تھا۔ پلوشہ نے دوسری طرف کی چارپائی گھسیٹ کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ وہاں بیٹھ کر فرشتے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگا۔

پلوشہ دروازے کی طرف بڑھ گئی اور باہر کے دروازے پر لٹکا ہوا پردہ اوپر اٹھا دیا تا کہ ہر

آتے جاتے کو اندر کا سین نظر آتا رہے۔ وہ کسی شک اور شبے کی معمولی سی گنجائش بھی نہ چھوڑتی تھی۔ جو بھی تھی، جیسی بھی تھی سب کے سامنے کھلی کتاب کی طرح تھی۔ زندگی کے تلخ تجربات میں سیکھا ہوا یہی اصول اس نے اپنے پلو میں باندھ لیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہی دروازے پر ایک خاتون ہاتھ میں چائے کی کیتلی لیے کھڑی تھی۔ پلوشہ چھوٹی سی رسوئی میں چلی گئی اور دو مگو اٹھا کر لے آئی۔ اس خاتون نے مگو میں چائے ڈالی اور پلوشہ نے فرشتے اور شامیر کی طرف چائے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''دیدی اس چائے کا مزا ہی اور ہے۔ کابل کی یاد ستانے لگتی ہے۔ بس کابل ایک پل کے لیے نہیں بھولتا۔''

''میرا وطن میرا کابل بھولنے کے قابل ہے بھی نہیں۔'' خاتون نے کیتلی وہیں پر رکھی اور باہر نکل گئی۔ فرشتے نے شامیر کے چہرے کے تاثرات کو پڑھنے کی کوشش کی۔ وہ بالکل خاموش کسی سوچ میں الجھا ہوا تھا۔ وہ پھر سے اندر ہی اندر لرز کر رہ گئی۔

تھوڑے توقف کے بعد ایک بچہ افغانی بسکٹ پلوشہ کو تھما کر جانے لگا تو پلوشہ پیار بھرے لہجے میں بولی۔ ''بی بی سے شکریہ کہنا اور کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ تھوڑی دیر میں مہمان چلے جائیں گے۔ اس لیے کچھ اور کرنے کی ضرورت نہیں۔'' لڑکا اچھلتا کودتا ہوا باہر نکل گیا۔

فرشتے اس کے سیٹ اپ کو نہ سمجھتے ہوئے سوچ میں پڑ گئی۔

پلوشہ، کتنی بدل گئی تھی، صابر و شاکر اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی برضا اس کے چہرے پر سکون و اطمینان نے اس کی پوری شخصیت کو بدل ڈالا تھا۔ سامنے ہی گھڑونچی پر دو گھڑے پانی سے خالی رکھے ہوئے تھے۔ فقط پلاسٹک کے لوٹے میں پانی رکھا ہوا تھا۔ جو غالباً وضو کے لیے محفوظ کیا گیا تھا۔

''آپ کو کھانے کے لیے اس لیے نہیں روکوں گی کیونکہ میں جانتی ہوں کہ یہاں کا کھانا میرے لیے تو من وسلویٰ سے کم نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میری خواہش کے بغیر ہی آسمان سے اتارا جاتا ہے اور اتنی وافر مقدار میں ہوتا ہے کہ کئی گھرانے اس سے اپنے پیٹ کی آگ بجھا کر مجھے ہزاروں دعاؤں سے نوازتے ہیں۔'' اسی اثنا دو نوجوان کابلی پلاؤ کی دیگ مع کوفتہ سالن کے دروازے سے اندر صحن میں رکھ کر اسے جھک کر سلام کرتے ہوئے باہر نکل گئے۔ یہ کون لوگ تھے اور اتنا کھانا کیونکر دے گئے۔ فرشتے حیرت سے سوچنے لگی شامیر خاموشی سے بیٹھا وہاں کا موازنہ کر رہا تھا۔

''دیدی! یہاں شام تک اتنا کھانا پہنچ جائے گا کہ سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے ہماری کچی بستی کے لیے امیر و کبیر لوگ من وسلویٰ بھیج کر رات کو سکون کی میٹھی نیند سو جاتے ہیں۔'' اس کی بات سچ

نکلی۔ شام تک صحن میں بیسیوں دیگیں پہنچ گئیں اور عورتیں اور بچے اپنی ضرورت کے مطابق کھانا لے کر اپنے گھروں کو جانے لگے۔ پلوشہ نے کھانے کی طرف دیکھا تک نہ تھا۔ جیسے تمام بھوک ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی ہو اور وہ ایمان کی طاقت پر زندہ ہو۔

''دیدی! میں نے اپنا یہ گھر ہر طرح کے لوگوں کے لیے کھول رکھا ہے۔ جس دن باہر سے کھانا نہیں آتا اس دن میں دال چاول پکوا کر یہاں لنگر کھول دیتی ہوں۔ دیدی یہ پیٹ کی آگ انسان کو مجبور و بے بس بنا دیتی ہے۔ میری ہر ممکن کوشش ہوتی ہے کہ اس بستی میں کوئی ذی روح بھوکا نہ سوئے۔ ان مسکینوں کو تو دو وقت کی سوکھی روٹی بھی خوش کر دیتی ہے۔ انہیں کیا لگے مرغن غذاؤں اور ذائقے دار کھانوں سے' جس نے زبان کی مانی وہ تو اس دنیا میں ذلیل و خوار ہو گیا اس کا تجربہ تو ہمیں ہو ہی گیا ہے ناں۔'' اپنا سیٹ اپ فخر سے بتا رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد دو عورتیں خالی گھڑے اٹھا کر لے گئیں۔ فرشتے کو سمجھ آ گئی کہ وہ اس کے لیے پانی لینے گئی ہیں۔ اسے اس بستی میں پلوشہ کی اہمیت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ عزت اور اہمیت انسان کو حقیقی مسرت بخشتی ہے۔ نڈر اور بے خوف کر دیتی ہے اس لیے تو پلوشہ کی زندگی میں بے پناہ سکون تھا۔ نہ لالچ تھا نہ خود غرضی تھی۔ نہ نفانفسی کا عالم تھا۔ اس کے گھر کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ اندر جھانکنے کی کبھی کسی نے جرأت نہ کی تھی۔ شرافت کی قدر دانی تو ہیرا منڈی میں بھی کی جاتی ہے۔ وہاں بھی پاکیزگی کو سلامی دی جاتی ہے۔ گناہ کی بھٹی میں انہیں ہی جلایا جاتا ہے جو اس کی تمنا رکھتی ہیں۔ یہی معاشرہ جس کو ہر وقت قصور وار ٹھہرایا جاتا ہے وہی عزت داروں کی عزت کا محافظ بن جاتا ہے۔ تمام شیطانیت کے ذمہ دار ہم خود ہیں۔ فرشتے بہنوں کو ایسی ہی فائدہ مند باتیں سمجھایا کرتی تھی۔ جو ان کے درمیان اختلافات کا سبب بن کر انہیں ایک دوسرے سے دور کر گئیں۔

''شامیر! پلوشہ تو ہمارے ساتھ چلنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ میں نے بہت منت سماجت کر ڈالی ہے۔ مگر وہ یہاں مطمئن ہے۔ مگر میرا دل نہیں مان رہا کہ اسے اس حالت میں یہاں چھوڑ جاؤں۔'' فرشتے نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

''وہ جنت کو چھوڑ کر ہماری دنیا میں نہیں جائے گی۔'' وہ بھی آہستگی سے بولا۔ لہجے میں سرد مہری کو محسوس کر کے وہ اضطراری کیفیت سے اس کی طرف دیکھنے لگی تو پھر مجھے جانے کی اجازت دو۔ وہ پلوشہ کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''میں جانتی ہوں دیدی تمہیں میری یہ کٹیا اور یہ کھانا پسند نہیں آئے گا۔''

پلوشہ نے افسردگی سے کہا تو فرشتے نے اسے گلے لگا کر کہا۔ ''تم میری فطرت کو بخوبی جانتی ہو پلوشہ میں نے کبھی کسی چیز کا لالچ نہیں کیا۔ ہر چیز میرے پاس خود چل کر آئی ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ مجھے تمہارے ساتھ رات گزارنا پسند نہیں۔ میں آسمان سے اتری ہوئی مخلوق نہیں ہوں۔

تمہاری ماں جائی ہوں۔ تمہارے ساتھ عمر گزار سکتی ہوں۔ ہاں شامیر اگر اجازت دیں تو تب ہی بات بنے گی۔'' وہ شامیر کی طرف بے یقینی سے دیکھ کر بولی۔

''ہم دونوں یہاں رک سکتے ہیں۔ فرشتے جب تک ہم ان لوگوں میں نہیں رہیں گے ان کی زندگی کو نہیں دیکھیں گے ان کے بیک مسائل کو نہیں پرکھیں گے تو ہمیں اپنی لیوش لائف کی قدر کیسے آئے گی؟ اور ان کے لیے دل میں نرمی کیسے اجاگر ہوگی۔'' وہ دکھی لہجے میں بولا تو پلوشہ نے محبت سے شامیر کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر سچائی اور خلوص ہویدا دیکھ کر وہ چونک سی گئی۔ ایسے لوگوں میں بھی فرشتہ خصائل انسان پائے جاتے ہیں۔ اسی لیے تو فرشتے کو فرشتے نے ہی ڈھونڈ نکالا اور میں نے شیطانی سوچوں کے سنگ انسانوں میں شیطان کو پالیا تھا۔ پچھتاوا پھر سے اس پر چھا گیا تھا۔

''پلوشہ کیا چند دنوں کے لیے بھی نہیں چلو گی۔ مہمان بن کر سہی پلوشہ۔''

وہ منت وسماجت کرتے ہوئے بولی۔

''دیدی! مجھے اس زندگی کی عادت ہوگئی ہے۔ اب میرے لیے آپ کے ساتھ رہنا کسی امتحان سے کم نہ ہوگا۔ دوسرا یہاں بچوں کی پڑھائی کا بہت حرج ہوگا۔'' اسی اثنا میں دو مرد ایک نیم بے ہوش تقریباً دس سالہ بچے کو اٹھائے سخت بے قراری اور فکرمندی سے اندر داخل ہوئے۔

''بی بی جی! بچے کو پھر مرگی کا دورہ پڑا ہے۔ آپ کے دم درود سے کافی آفاقہ ہوگیا تھا۔ شائد کلام پاک کا اثر ختم ہوگیا ہے جو پھر سے دورہ پڑ گیا ہے۔'' انہوں نے لڑکے کو صحن کی کچی زمین پر لٹا دیا او پلوشہ اس پر آیتیں پڑھ کر پھونکنے لگی۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک بچہ ہوش میں آ گیا۔ لالٹین جلا کر اس نے بچے کو غور سے دیکھا اور دھیمے لہجے میں کہا۔

''بچے کو میرے پاس ہی چھوڑ جائیں۔ صبح تک صحت یاب ہو کر اپنے قدموں سے چل کر اپنے گھر لوٹے گا۔''

''بی بی جی آپ کو تکلیف دینا مقصد تو نہیں ہے جی۔'' ایک نے عقیدت مندانہ لہجے میں کہا تو دوسرا جھٹ سے بولا۔

''بی بی جی رات بھر جاگ کر عبادت کرتی ہیں۔ اس پر تمام رات پاک کلام پڑھ کر دم کرتی رہیں گی۔ ہمیں اور کیا چاہیے کیوں بی بی جی؟''

''ہاں پھر مجھے تکلیف کاہے کی۔'' پلوشہ نے برجستہ کہا۔ ''بچے کا صحت مند ہونا ضروری ہے۔ میری پروا مت کریں۔''

''کیوں بچے بی بی جی کے پاس رہو گے؟'' باپ نے پیار کرتے ہوئے پوچھا۔

''جی انہیں چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔ میرا علاج بی بی جی کے پاس ہے۔'' وہ خود کو ہشاش بشاش کرتے ہوئے بولا۔

''ٹھیک ہے بیٹا۔ یہ بتاؤ اپنی بی بی کو کونسی بات تنگ رہی ہے دل اور دماغ کو۔'' وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

''بی بی جی اکیلے میں بتاؤں گا۔'' وہ باپ کی طرف فہمائشی نظروں سے دیکھ کر بولا۔ تو پلوشہ اسے کمرے میں لے گئی۔

''بی بی جی پھر سے پانچویں جماعت میں فیل ہو گیا ہوں۔ ابھی ماں باپ کو نہیں بتایا۔ ان سے بہت مار پڑے گی اس بار۔'' وہ خوفزدہ ہو کر پھر کانپنے لگا۔

''تمہیں کوئی نہیں مارے گا۔ اپنے دل میں مضبوطی پیدا کرو۔ کل سے کتابیں لے کر میرے پاس آجانا۔ قرآن کے ساتھ دنیاوی تعلیم بھی بہت ضروری ہے۔ فکر نہ کرو تمہیں اے ون کر دوں گی۔'' وہ اسے تسلی دیتے ہوئے بولی تو وہ ایک دم سے چہکنے لگا اور باہر نکل کر باپ سے کہنے لگا۔

''میں بالکل ٹھیک ہو گیا ہوں۔ گھر چلتے ہیں۔ اماں انتظار کر رہی ہوگی اور رو رو کر آسمان سر پر اٹھا رکھا ہوگا۔'' باپ اور چچا نے پلوشہ کا شکریہ ادا کیا اور بچے کو لے کر باہر نکل گئے۔ فرشتے اور شامیر نے ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ ''دیدی آپ لوگ اپنے گھر جائیں۔ یہاں رہنا آپ دونوں کے لیے بہت اذیت ناک ہوگا۔'' پلوشہ نے دونوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

''پلوشہ تم ہمیں یہ کہہ کر شرمندہ مت کرو۔ ہم دونوں وہی کھانا کھائیں گے جو تم کھاتی ہو اور اسی چارپائی پر سوئیں گے۔'' فرشتے نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

''پلوشہ یہ سب کیسے ہو گیا؟ تم تو حد درجے کی لاابالی، شوخ مزاج اور بے صبری لڑکی تھی۔ یہ تبدیلی، یہ اللہ سے لگاؤ، اس کے رسول ﷺ سے لو یہ سب کیا ہے؟ پلوشہ فطرت بدلنا تو بہت مشکل ہے۔ تم نے یہ سب کیسے بدل لیا؟ میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہی۔''

''دیدی! میری منی سی ریشم مجھے بہت بڑا سبق سکھا گئی۔ اگر زرمین زندہ ہے تو وہ بھی مکمل طور پر بدل چکی ہوگی۔ دیدی ہم دونوں نے ریشم کے غائب ہونے کے بعد ہی توبہ تائب کر لی تھی۔ آخر ہم دونوں نے فیصلہ کیا کہ ہمیں ریشم کو اور زرمین آپ کو ڈھونڈنے نکلی ہیں جب میں یہاں آئی تو ماما کی زبانی ریشم کا انجام سن کر میں اس کی قبر پر دن رات بیٹھی رہی۔ اسی عالم میں کئی ہفتے گزر گئے۔ خان ماما منت سماجت کر کے مجھے گھر لے گئے اور میں نے بچوں کو قرآن کی تعلیم سے روشناس کرنا شروع کر دیا۔ صبح کے وقت اس بستی کی تمام جوان لڑکیوں کو درس بھی دیتی ہوں انہیں کڑھائی سلائی بھی سکھاتی ہوں پھر ایک دن ایک معجزہ رونما ہوا۔ میری شاگرد بیٹھے بٹھائے مرگی کے دورے کا شکار ہو گئی۔ میں نے اس پر اللہ کی پاک کلام پڑھ کر دم کرنا شروع کر دیا۔ پانی پر دم کر کے اس کے منہ میں قطرے ڈالے۔ وہ تھوڑی دیر میں آنکھیں کھول کر بیٹھ گئی۔ دیدی اس دن سے میری پاس مرگی کے مریض دم کے لیے آنے لگے اور اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو شفا بخش دی۔ دیدی تم بتاؤ کہ کیا میرے

رب نے مجھے بخش دیا ہے۔ میری غلطیوں کو معاف کر دیا ہے۔ کہ ابھی مجھے اسے راضی کرنے کے لیے بہت کچھ کرنا ہے۔'' وہ تڑپ کر بولی۔

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھ میں شفا کا بہترین تحفہ دے کر اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ تم اسے بہت پیاری ہوگئی ہو۔'' فرشتے نے حیرت کے سمندر سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

''دیدی میری ہر بات کو بستی والے بہت اہمیت دیتے ہیں۔ میں ناچیز گنہگار اس قابل نہ تھی۔ جتنا اوپر والے نے مجھے نواز ڈالا ہے۔ ہر شام اس ضمن میں دیگوں کی برات اتر آتی ہے۔ یہاں کے لوگ بہت اچھے اور نیک طینت ہیں ان کی طرف سے آنے والا صدقہ اور خیرات اس ڈبے میں جمع ہوتا رہتا ہے جس سے میں اپنی افغانی نسل کی بے کس اور یتیم بچیوں کی شادیاں کرتی ہوں۔ جو پڑھنا چاہیں ان کی تعلیم کا خرچ اٹھاتی ہوں اور انہیں ہر وقت ایک نصیحت کرنا اپنا اہم فرض سمجھتی ہوں کہ اس دنیا کو پانے کے لیے اپنی ذات سے بے بہرہ نہ ہو جانا۔ تمہاری ذات کا نسوانی عزت اور وقار ہی تمہارا حقیقی حسن اور تمہارے من کی پاکیزگی کبھی نہ ختم ہونے والی دولت ہے۔ اس دولت کو ہاتھ سے جانے مت دینا۔'' وہ مسرت بھرے میں لہجے میں بولتی ہوئی پھر کہیں کھوگئی۔

شامیر نے مؤدبانہ لہجے میں اسے پکارا تو وہ چونک سی گئی۔

''پلوشہ اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ جن سے انجانے میں یا ناسمجھی میں غلطی سرزد ہوئی ہو اور پھر ضمیر کی پکار پر بہرے اور گونگے نہیں بن جاتے اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو کر معافی کے خواستگار ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ کے بہت نزدیک ہو جاتے ہیں۔ تم اپنی مثال خود ہو۔ آپ میرے ساتھ چلو۔ ہم مل کر زرمین کو تلاش کرلیں گے میرا دل اس کی گواہی دے رہا ہے۔''

''میں آپ کے ساتھ نہیں جاسکتی۔ ایسا نہ ہو کہ میرے جانے کے بعد یہاں کی مجبور اور بے سہارا لڑکیوں کو پلوشہ کا روپ اختیار کرنا پڑے۔ معصوم بچوں کو ذہنی امراض کا شکار ہونا پڑے۔ میں نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ ان لوگوں کے لیے وقف کر دیا ہے، شامیر بھائی۔''

وہ مستحکم لہجے میں بولی۔

''پلوشہ کیا چند دنوں کے لیے بھی نہیں۔ اپنے عبدالعزیز اور حبیبہ گل کے لیے بھی نہیں۔'' وہ تڑپ کر بولی۔

''چند لمحوں کے لیے بھی نہیں دیدی۔ میرے بچے مجھے ملنے آجائیں گے خالہ کے رشتے اور خون کی حدت میں بے انتہا کشش ہوتی ہے۔ وہ اپنی خالہ جانی کے پاس ضرور آئیں گے۔'' وہ تسلی بخش لہجے میں بولی۔

''زرمین کے ملنے کے بعد بھی نہیں یعنی کبھی نہیں آؤ گی۔'' وہ آنسو پیتے ہوئے بولی۔ تو پلوشہ پھر کھوسی گئی۔ ماضی میں اپنی زرمین اور ریشم کے ساتھ اذیت وہ لمحوں کی یاد میں اس کی آنکھیں نم

ہوئیں۔ مگر آنسو اس کی آنکھوں کا رستہ بھول چکے تھے۔ اس نے رونا چھوڑ دیا تھا۔ بے تابی اور پریشانی میں تڑپنا بھول گئی تھی۔ ہر دم راضی برضا رہتی اور خدمت خلق کے منصوبے بناتی رہتی۔ ہمارے مذہب کی یہی بنیاد ہے۔ ہمارے دین کی یہی روح ہے۔ اسے اسی پر یقین تھا اور یہی اس کا عقیدہ تھا۔

''جس دن تمہارے پاس رہنے کا کوئی مقصد نظر آ گیا تو دوڑی چلی آؤں گی۔ دیدی بیکار کی زندگی سے موت بہتر ہے بس میری زرمین کو ڈھونڈ کر بھیج دینا۔'' فرشتے یہ سن کر اٹھ کر کمرے میں چلی گئی۔ وہی کچے فرش اور کچی دیواروں کا کمرہ جہاں اس نے بھی کچھ وقت مامی کی گالیوں اور طعنوں میں گزارا تھا۔ اسے فرق سا لگا۔ یہاں پر لے درجے کا سکون واطمینان تھا۔ کمرے کے فرش پر دری بچھی ہوئی تھی اوپر لال رنگ کی کابلی قالین اور اپنیر تکئے رکھے ہوئے تھے۔ کونے میں دو سلائی مشینیں اور دیوار پر ایک شیلف میں قرآنی سپارے رکھے ہوئے تھے۔ وہ گاؤ تکیے کے سہارے وہیں بیٹھ گئی۔ ایسی طمانیت اور سکون بہت عرصے بعد دل ودماغ نے محسوس کیا تھا۔ وہ سکون سے بھرپور لمبے سانس لے کر اپنے من کو سیراب کرنے لگی۔ شامیر کی آواز پر چونک گئی۔

''فرشتے واپس چلیں کہ رات یہاں گزار لیں۔'' وہ اس کے قریب ہی دوزانو بیٹھ کر بولا۔

''جیسے آپ کا حکم۔'' وہ آہستگی سے بولی۔ پلوشہ نے اندر داخل ہوتے ہوئے اس کے یہ الفاظ سنے تو دل نے سرگوشی کی۔ دیدی بھی اپنی نوعیت کی عبادت کر رہی ہیں۔ ایک ایک تنکے سے آشیانہ بنانا اور پھر اسے ہر طرح کے جھکڑ اور طوفان سے بچانے کی تگ ودو کرنا اور نئی نسل کو پروان چڑھانا بھی تو خالص عبادت ہے۔ کاش زرمین بھی ایسی ہی عبادت میں مصروف ہو چکی ہو۔ کاش ایسا ہی ہو۔ میں تجھ پر قربان جاؤں مینو۔ کسی دن دیدی کی طرح سرپرائز دے ڈالو۔ جان سلامت ہو تو زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر ملاقات تو ہو ہی جاتی ہے۔ ہماری اپنی ریشو سے اس دنیا میں ملاقات نہیں ہوگی۔ اس دنیا میں ہمیں دیکھ کر منہ تو نہیں پھیر لے گی۔ ہم نے اس پر بہت زیادتیاں کی ہیں۔ اس کو استعمال کیا ہے ہم نے جی بھر کر۔ اسی لیے تو وہ ہم سے ہمیشہ کے لیے روٹھ کر چلی گئی ہمیں احساس جرم کی آگ میں تاحیات جلنے کے لیے چھوڑ گئی۔ وہ کرب میں گھری سوچے جا رہی تھی۔

''پلوشہ! کیا ہم یہاں سو سکتے ہیں؟'' شامیر نے سوچوں میں غرقاں پلوشہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ مگر اس نے جواب نہ دیا۔

''پلوشہ! تم ہمارے ساتھ جانا پسند نہیں کرتی تو ہمارے ہاں رکنے پر تو کوئی اعتراض نہیں ہے ناں۔'' فرشتے نے اس کے قریب جا کر کہا تو وہ چونک کر اسے اور کمرے کے گردوپیش کا جائزہ لے کر ہوش وحواس میں آ گئی کہ وہ اسی دنیا میں اپنے گھر میں موجود ہے اور سامنے دیدی کھڑی ہے شامیر حیران وپریشان اسے تکے جا رہا ہے۔

''کیا کہا؟'' اس نے اپنے چہرے سے حجاب کو ہٹا دیا۔ اس کی پیشانی پر سوالیہ لالیوں کا جال تھا اور چادر سے گرے بال جھانک رہے تھے۔ فرشتے کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اف میری پلوشہ وقت سے پہلے ہی بزرگی کے اعلیٰ مقام کو چھونے لگی ہے۔ میرے مالک نے تو اسے سچ مچ معاف فرما دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جو عزت بخشی ہے وہ تو کسی کسی کے نصیب میں لکھی جاتی ہے۔ گناہ سرزد ہونے کے بعد پلٹ آنا اور اللہ تعالیٰ سے صدق دل سے اپنی غلطی کا اعتراف کر کے توبہ تائب کر لینے کے درجات بہت اونچے ہیں۔ وہ خود کلامی کر رہی تھی۔

''دیدی! میں نے آپ کی بات نہیں سنی۔ پھر دہرائیں۔'' وہ دوبارہ بولی۔ ''ضرور بہت دلآویز نصیحت کی ہوگی مجھے۔'' ہوں وہ چونکی۔

''اب تمہیں اس کی ضرورت نہیں رہی پلوشہ۔ کاش مجھے زرین بھی اسی روپ میں ملے۔ میں خوش ہو جاؤں گی۔ اس دنیا سے ہماری سب سے پیاری بہن کے رخصت ہو جانے میں بھی مصلحت ہے۔ اس کے جانے کا دکھ مجھے دن رات رلاتا رہے گا لیکن تم دونوں کے راہ راست پر آ جانے کا سبب تو ریشم ہی بنی۔ اسی لیے موت سے وابستہ کرنا ناشکری ہے۔ وہ تو ہمیں زندگی سونپ کر زندہ جاوید ہو گئی۔'' فرشتے نے عقیدت مندانہ لہجے میں کہا۔ تو شامیر نے اپنائیت سے پلوشہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''ہم آج رات یہیں بسر کر رہے ہیں آپ کے پاس۔''

''سو بسم اللہ ہزار دفعہ رہیں۔ اک طویل مدت کے بعد ملنا نصیب ہوا ہے۔ یہی گھر دیدی کا میکہ بچوں کا ننھیال اور شامیر بھائی کا سسرال ہوگا۔ آتے جاتے رہیں میکہ غریب ہو تو کیا اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ دیدی اس بستی کا ہر گھر ہمارا اپنا ہے۔ یہاں غیریت اور اجنبیت نہیں۔ اپنا پن ہے اور اس بستی میں بسنے والے یہ میلے کچیلے لوگ ہی ہماری برادری ہیں۔ جو ہماری عزت کے محافظ ہیں۔ جنہیں ہم سے رتی بھر غرض نہیں۔ کسی قسم کا لالچ نہیں۔ بس ایک ہی شرط ہم پر لاگو آتی ہے۔ اس نئی برادری کی طرف سے کہ ہمیں ہر حال میں پاکدامنی اور نسوانی شرم وحیا کو اپنی فطرت کا اہم حصہ بنانا ہے۔ دیدی افغانی قوم کے یہی اصول عورت کے لیے تشکیل کیے گئے ہیں۔ تم تو انہی اصولوں پر گامزن تھی۔ ہم نے اپنی ماں کی تربیت کو داغنے میں کہیں بھی کمی نہیں برتی۔ دیدی تمہارا سبق جو تم ہمیں ہر رات دیا کرتی تھی تاکہ ہماری صبح میں پاکیزگی کا رنگ ہو۔ دن بھر ہم نوکری کے دوران محتاط رہ کر دوسروں کی نظروں سے اوجھل رہیں۔ اسے سمجھنا اور اس پر عمل کرنا اتنا مشکل تو نہ تھا لیکن ہم نے اسے سمجھنے سے ہی انکار کر دیا تھا۔ اس کا انجام بہترین ہونا ناممکن ہی تھا۔''

''دیدی! مجھے معاف کر دیجئے گا۔ تمام گناہوں کی جڑ میں تھی۔ چھوٹی بہنوں کا کوئی قصور نہ تھا۔ وہ تو معصوم تھیں ناسمجھ تھیں۔ انہیں گلیمر کی طرف مائل کرنے والی میں تھی۔'' وہ اس کے پاؤں پکڑ کر معافی مانگنے لگی۔

''جسے اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا ہو۔ اسے میں کون ہوتی ہوں سزا سنانے والی۔'' فرشتے اس کے گلے لگ کر رونے لگی۔

'' دیدی! تمہارے یہ بہتے ہوئے آنسو مجھے بے سکون کردیں گے۔ پلیز دیدی! میں نے تم سے ہی تو ہمت لی ہے۔ بہرحال ہمیں راضی برضا رہنے کی تلقین تم ہی کیا کرتی تھی۔''

پلوشہ نے بے چینی سے کہا۔ آنکھوں میں پھر ہلکی سے نمی آگئی تھی۔ جسے اس نے فوراً آنکھوں کے اندر ہی سمولیا۔ فرشتے نے فوراً آنسو صاف کرلیے۔ تاسف اور رحم وترس کے بے لگام طوفان کو قبضے میں کرکے قدرے اطمینان بخش نظر آنے لگی۔

پلوشہ نے لالٹین کی مدھم سی روشنی میں دیگ کے اندر جھانکا۔ تھوڑے سے بچے ہوئے چاول اور سالن کوفتہ دو پلیٹوں میں نکال کر کمرے میں لے آئی۔ دونوں کے سامنے دستر خوان بچھا کر دو پلیٹیں ان کے سامنے رکھ کر باہر نکل گئی اور سٹیل کے جگ میں گاگر سے پانی انڈیل کر مع دو گلاسوں کے اندر لے آئی۔ شگفتہ اور اعتماد سے بھرپور لہجے میں بولی۔

''یہ ہے میرا من وسلویٰ جو ہر شام آسمان سے اترتا ہے۔ اس کا اپنا ہی مزا ہے جب پوری بستی میں یہ کھانا تقسیم ہوجاتا ہے تو اس بچے ہوئے کھانے کا ذائقہ دوبالا ہوجاتا ہے۔ دیدی! پاکستانی بہت نرم دل اور خداترس لوگ ہیں۔ صدقے خیرات کرنا کوئی ان سے سیکھے۔ ہمارے ساتھ جو ہوا۔ اس کی ذمہ دار ہم خود ہیں۔ جب دیگ سے ہم نے ڈھکنا ہی اٹھانے کی غلطی کردی تو پھر مکھیاں تو بھنبھنائیں گی ناں۔ غلطی مکھیوں کی تو نہ ہوئی۔ انہیں تو کھانا چاہیے تھا۔'' وہ شمع دان کی دیوٹ اونچی کرتے ہوئے بولی۔

'' پلوشہ پچھتاووں کی دنیا سے باہر نکل آؤ۔ تم نے تو نیکی کے کاموں میں حد ہی کردی ہے۔'' فرشتے نے اس کے چہرے پر محبت سے بھرپور بوسہ دے کر کہا۔

''اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتی ہوں کہ تم نے جو روش اختیار کی ہے ہمارے خاندان کو اس پر فخر ہوگا اور میں تو یوں تن کر چلا کروں گی۔''

دونوں کھانا کھانے کے بعد وہیں گاؤتکیے سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہوگئے۔ ''شامیر بھائی آپ یہاں سو نہیں سکیں گے۔ ابھی بھی وقت ہے کسی ہوٹل میں رات بسر کرلیں۔ اپنے لئے نہ سہی میری خوشی اور سکون کی خاطر سہی۔'' وہ عاجزانہ لہجے میں بولی۔

'' پلوشہ شامیر کو یہاں چارپائی بچھادیتے ہیں۔ وہ سوجائیں گے۔ کیوں شامیر؟ کیا خیال ہے آپ کا؟'' فرشتے نے آہستہ سے کہا۔

'' درست ہے۔'' وہ سنجیدگی سے مختصراً جواب دے کر قہوہ پینے لگا۔

''شامیر بھائی نرم وگداز بستر پر سونے والے انسان اس بان کی سخت چارپائی پر کیسے لیٹیں

گے۔ ڈیڈی پلیز۔'' وہ التجائیہ انداز میں بولی۔

''پلوشہ تم بھی تو ایسے ہی بستر پر سونے کی عادی تھی جب روح میں سکون اور اطمینان رچا بسا ہو تو انگاروں پر بھی نیند آجاتی ہے۔ آج ہمیں بہت میٹھی اور پر تسکین نیند آئے گی۔ فکر نہ کرو۔'' وہ اسے تسلی دیتے ہوئے بولی۔

''یہ آواز' یہ راگ' یہ گیت جو آپ سن رہے ہیں ناں میرے کانوں کو اس کی پرانی عادت ہے۔ آپ کے کان اس سے ناآشنا ہیں۔ اس میوزک میں آپ رات بھر سو نہیں پائیں گے۔'' مچھر کی بھیں بھیں کی آواز سن کر وہ پھر بے اختیاری سے بولی اور مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی۔

''سب منظور ہے پلوشہ تمہاری خاطر۔'' فرشتے نے سنجیدگی سے کہا تو شامیر کے چہرے پر ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ فرشتے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھ کر بولا۔

'' جب تک ہمارے جیسے دولت مند اور خود غرض لوگ ایسی بستی میں قیام نہیں کریں گے۔ پلوشہ وہ ان لوگوں کے مسائل سے کیسے بہرہ اندوز ہوں گے۔ مجھے تو افسوس اس بات کا ہے کہ فرشتے نے مجھے جج کرنے میں بہت بڑی غلطی کی ہے۔ فرشتے میں تمہیں بھی معاف نہیں کروں گا اور حیرت کی بات کہ ممی سے بھی پردہ داری میں یہاں آئی ہے۔ بھلا کیوں؟ کیا پانچ سال کے عرصے میں یہ ہمیں سمجھ نہیں پائی۔ تم نے ہم پر بہت بڑی زیادتی کی ہے۔'' وہ تلملا کر بولا۔

'' کیوں ڈیڈی؟؟'' وہ حیرت سے بولی۔ ''تمہیں اپنے حالات چھپانے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ تم تو ایسی نہیں تھی۔ تمہیں تو اپنی شرافت پر بے پناہ مان تھا۔ یہ دنیاوی زیبائش و آرائش اور آسائشات کو تم بیکار سمجھا کرتی تھی۔ شادی کے بعد چھت ملی تو تم کمزور پڑ گئی کہ کہیں تم اس سچائی کے انکشاف پر چھت کے ملبے کے نیچے دب نہ جاؤ۔ ڈیڈی ندامت کا ملبہ نیست و نابود کرنے میں کمال کا کام کرتا ہے۔ جس کی تم شکار ہو چکی ہو۔ تم نے ایسے کیوں کیا ڈیڈی؟'' پلوشہ فکرمندی سے پیلی سرسوں کی طرح لگنے لگی۔

''پلوشہ! نکاح کا دوسرا نام عہد و پیمان ہے۔ جب اس میں ہی جھوٹ اور مکاری کی آمیزش ہو جائے تو وہ نکاح سلامت کیسے رہا۔ فرشتے تم نے مجھے دل و جان سے اپنا ہم سفر کیوں نہ مانا۔ تمہاری زبان نے مجھے تسلیم کیا تھا۔ مگر تمہارے دل و دماغ نے اس کا اعتراف کیا۔ فرشتے تم بھی اک عام سی لڑکی ہی نکلی۔ اف یہ اتنی بھاری اور بڑی غلطی ہے جسے فراموش کرنا میری مردانگی کے خلاف ہے۔'' اس کے لہجے میں بے پناہ خفگی اور حد درجے کا گلہ و شکوہ تھا۔ فرشتے لرز کر پانی ایک ہی سانس میں پی گئی۔ پیشانی پر عرق ندامت کے قطرے جگمگانے لگے تھے۔

'' شامیر بھائی! ڈیڈی ہمیشہ سے بہت کمزور دل کی ہیں۔ ڈرپورک بھی پرلے درجے کی۔ مستقل مزاجی بھی بے حساب اور خودداری بھی لاجواب ہے۔ اس لیے آپ سے اپنا دکھ بانٹ نہ سکیں

اور تو کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ شامیر بھائی اپنے پیٹ کو ننگا کرنا بے غیرتی ہے۔ مجھ میں دیدی جیسی خصلتیں نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میرا انجام آپ کے سامنے ہے۔ ہر لڑکی کو دیدی جیسا صابر، کمزور دل اور ڈرپوک ہونا چاہیے۔ ایسی لڑکیاں ہی تو دوسروں کی چالوں اور مکاریوں سے بچ سکتی ہیں۔ آپ خود فیصلہ کریں کہ ہم دونوں میں سے فائدے میں کون رہی۔ آپ دیدی پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کر سکتے ہیں۔ اس کی جس خوبی کو آپ خامی کا نام دینے چلے ہیں اس کا عورت ذات میں فقدان ہے۔ آپ کی شریک سفر کھری سچی اور اصلی ہے۔ اپنا دل برامت کریں۔"

پلوشہ ایک دم سے گھبراہٹ میں بولنے لگی تو شامیر نے اپنی ناراضگی پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"اس سے شادی کی سب سے بڑی وجہ یہی تو تھی۔ بے پناہ اور بے تحاشا خوبیوں کی مالک ہے آپ کی یہ بہن نجانے یہاں غلطی کیسے کر گئی۔ مکمل طور پر خفیہ اور پرائیویٹ اپنی پریشانیوں کا اکیلے یہ مقابلہ کرتی رہی۔ مجھے بھی اس میں شامل کر لیا ہوتا تو اس کی صحت کے لیے اچھا ہوتا۔"

وہ ذرا سا مسکرایا۔ مگر فرشتے نے کوئی جواب نہ دیا۔ سر جھکائے بیٹھی رہی۔ لالٹین کی ہلکی سے روشنی میں اس کا گورا رنگ چاند کی دودھیا چاندنی کی طرح چمک رہا تھا۔ خمار آلود بڑی بڑی آنکھوں میں شرمندگی کے آنسو تھے۔ ندامت کے بوجھ سے پلکیں ساکت وجامد تھیں۔

"شامیر بھائی! عظیم لوگوں کی عظمت ایک ہی خوبی سے نمایاں ہوتی ہے کہ وہ خفا نہیں ہوتے۔ دوسروں کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو درگزر کرنا ان کے لیے دوبھر نہیں ہوتا۔ اس لیے ایسے لوگ ناراضگی میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں نہ ہی دوسروں کو آزمائش میں ڈالتے ہیں۔ آپ تو بہت عظیم انسان ہیں۔ جنہوں نے میری دیدی کو اتنا اعلیٰ مقام بخشا۔"

پلوشہ نے چادر کو درست کرتے ہوئے خوشامدی انداز میں کہا تو شامیر نے چونک کر پلوشہ کا جائزہ لیا جس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

وہ اس کی باتوں کا لب لباب سمجھ چکا تھا۔

پلوشہ کی تسلی کے لیے اس نے فرشتے کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

"فرشتے قہوہ لو۔ بہت مزے کا ہے۔ ہندوستانی تو منہ میں گلوری دبائے گھنٹے گزار لیتا ہے۔ افغانی منہ میں چینی میں لپٹے ہوئے باداموں کی گلوری بنا کر قہوے کا مزا بڑھا دیتے ہیں۔" وہ ایک دم سے خوشگوار لہجے میں بولا تو فرشتے ایک لمبا سانس اندر کھینچ کر حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ میاں کے موڈ کے مدوجزر میں وہ بہتی چلی گئی۔

آنسوؤں کی رفتار میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ جیسے سولی پر لٹکنے سے پہلے اعلان کر دیا جائے کہ یہ بندہ بے قصور ہے۔ اسے باعزت طریقے سے رہائی دے دی جائے۔ تو وہ مارے خوشی کے چیخ اٹھے۔ اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر تشکرانہ آنسو بہانے لگے۔ کیونکہ اس نے موت کو اتنے قریب سے محسوس کیا تھا کہ

فقط دو منٹ کے فاصلے پر وہ ہاتھ پھیلائے اسے اپنے حصار میں لینے والی تھی۔

''دیدی کے آنسو تشکر آمیزی کے ہیں۔'' پلوشہ نے بھی شکر ادا کرتے ہوئے کیا۔

''تشکر آمیزی کے نہیں پلوشہ ندامت اور پچھتاوے کے ہیں۔ میں نے اپنے پر خلوص اور پیار کرنے والے ساتھی سے اپنا دکھ شیئر کیوں نہ کیا؟ اکیلے ہی اس درد کو سہتی رہی۔ اندر ہی اندر غموں کی بھڑکتی آگ میں سلگتی رہی۔ والدین کے بعد یہی تو رشتہ سچا اور کھرا ہوتا ہے۔ جو خود مار لے مگر کسی کو مارنے نہ دے۔ آئی ایم سوری شامیر۔ آپ نے درست فرمایا ہے کہ میں نے آپ کو سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ آئی ایم ایکسٹریلی سوری۔'' وہ اس کے گھٹنوں پر سر رکھ کر سسکنے لگی۔ تو شامیر اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

پلوشہ باہر نکل گئی۔ وہ برآمدے سے ایک چارپائی اٹھا کر کمرے میں لے آئی اور کمرے کی کھڑکی کے پاس لگا کر اس پر بستر بچھایا اور فرشتے کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

''شامیر بھائی اگر آپ کو گرمی محسوس ہوئی تو بتایئے گا۔ آپ کی چارپائی صحن میں ڈال دوں گی۔ یہاں تکلف سے کام نہیں چلے گا۔ ویسے رات بارہ بجے کے بعد ہوا میں خنکی ہو جاتی ہے پھر خوب مزے کی نیند آتی ہے۔''

وہ مسکراتے ہوئے بولے جا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ملال اور آزادگی نہیں تھی اور نہ ہی پریشانی تھی اور نہ ہی کم مائیگی کی ندامت تھی۔ شامیر کو شب بخیر کہہ کر دونوں باہر نکل آئیں۔ برآمدے میں چارپائی پر اس نے روئی کا گدا بچھا کر تکیے رکھے اور دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ فرشتے کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''پلوشہ باہر کا دروازہ تو بند کرو۔ کہیں رات کو کوئی چور، غنڈا اور دیوانہ اندر ہی نہ گھس آئے۔ اٹھو پہلے دروازے کو لاک لگا لو۔''

''مجھے ڈر لگ رہا ہے پلوشہ۔'' وہ خوفزدہ سی ہو گئی۔

''میرے گھر کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ دن اور رات اس دروازے پر کوئی کنڈی ہے نہ ہی تالا ہے۔ مجھے اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ دیدی جب عورت اندر باہر سے مضبوط ہو ناں تو جنگل میں بھی محفوظ رہتی ہے۔ کھلے آسمان کے نیچے بھی اسے تحفظ ملتا ہے۔ عورت کا کردار ہی ایک بھاری قفل ہے۔ ایسی عورت پر انسان، شیطان اور درندہ حملہ نہیں کر سکتا بلکہ اس کو اپنے حصار میں لے کر اس کی پہرہ داری کرتا ہے۔ اس کے جان مال اور عزت کی نگہداشت کرتا ہے۔ مجھے اب سمجھ آئی ہے کہ عورت کا کمزور کردار دوسروں کو شہہ دے کر انہیں گنہگار بنانے پر مجبور کرتا ہے۔ قصور ان کا نہیں قصور تو اس عورت کا ہے جس نے اپنی تمام تر ذمہ داریوں سے کنارہ کشی اختیار کر کے وہ رستہ اختیار کیا جو اس نے جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ کی طرف لے جاتا ہے۔''

''معاشرے کو غلیظ اور پراگندہ جرم نا قابل قبول اور نا قابل معافی قرار دیا گیا ہے۔ بخشش کے لیے اپنی ذات کی نفی کرنی پڑتی ہے۔ خود کو مٹی کے سپرد کرنا پڑتا ہے۔ پھر اس غفور الرحیم سے معافی کی امید کی جاسکتی ہے اور جسے وہ معاف کردے اس کے لیے جنت کی جانب کھلنے والا ہر دروازہ اسے خوش آمدید کہنے کے لیے کھلا ملے گا۔''

وہ نہایت تحمل سے بول رہی تھی۔ فرشتے اسے دیکھ کر پھر پریشانی سے بولی۔ ''پلوشہ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ دروازہ بند کردو میرے لیے تمہارے ایمان کے مقام تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔ میں ابھی اس منزل سے بہت دور ہوں۔''

''دروازہ بند نہیں ہوگا دیدی۔ میں سب کے سامنے ایک کھلی ہوئی کتاب کی مانند ہوں۔ آج خود کو دوسروں کی نظر سے کیونکر اوجھل کروں۔ کہیں ان کے اعتماد میں دراڑ نہ آجائے۔ کہیں وہ بے یقینی اور شک کی نظروں سے میری عزت کو داغدار نہ کردیں۔ یہ مجھے منظور نہیں۔ ڈرپوک تو تم بچپن سے تھی مگر بے ہمت تو کبھی نہ تھی۔ میں رات شکرانے کے نفل پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے زرمین کے لیے دعا مانگوں گی۔ ایک دن وہ بھی اسی طرح اچانک مجھے ملنے آجائے گی۔ میں رات بھر تمہارا بھی پہرہ دوں گی۔ تم بے فکر ہو جاؤ۔ ڈرنے اور خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم میری پناہ میں ہو اور اس بستی والوں کی ذمہ داری ہو۔'' وہ خود اعتمادی سے بولی تو فرشتے قدرے مطمئن سی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ تھوڑے توقف کے بعد گویا ہوئی۔

''پلوشہ آج نیند نہیں آئے گی۔ آنکھیں، دل و دماغ رت جگا منانے کے موڈ میں ہیں کچھ دل کے درد، کچھ ذہنی دکھ و کچوکے کچھ روح کی تڑپ تم سے بانٹنے کی رات ہے۔''

''بیتے ہوئے سالوں کا حساب چکانے کی رات ہے۔ پھر نجانے ہماری کب ملاقات ہو۔ مجھے تم سے معافی کا پھر موقع ملے نہ ملے۔ آنے والے وقت پر بھروسہ کیا کرنا۔''

''پلوشہ تم تینوں کی بربادی میں میں خود کو مورد الزام ٹھہراتی ہوں۔ مجھے تم لوگوں کو اس زمانے کے رحم و کرم پر چھوڑتے ہوئے یہ خیال کیوں نہ آیا؟ کہ بی بی نے میرا رتبہ بہت عظمت اور بڑائی کا تجویز کیا تھا۔ ماں کے مرتبے کی میں پاسداری نہ کرسکی۔ ماں اپنی اولاد کو مرتے دم تک یکجا رکھتی ہے۔ میں کیسی ماں ہوں جس نے اپنی اولاد کو تار تار کرکے بکھیر دیا۔'' وہ پژمردگی سے بولی۔

''مجھے معاف کرسکتی ہو تو یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی پلوشہ، ورنہ مجھے عمر بھر چین نصیب نہیں ہوگا۔'' پلوشہ اس کے سینے سے سر لگا کر بیٹھ گئی۔ اس کے بدن کا ہر رواں پلوشہ کے وجود سے اٹھنے والی دلنشین مہک سے مسحور ہوتا چلا گیا۔

❖ ❖ ❖

شامیر بان کی چارپائی پر سمٹ کر لیٹا ہوا تھا۔ ٹانگیں لمبی کرکے لیٹنے کی کوشش کرتا تو پاؤں

پائینتی سے باہر نکل جاتے۔ کروٹیں بدلتے ہوئے چارپائی کی جلترنگ اور باہر سے کھسر پھسر کی دھیمی سی سرا سے سخت ناگوار گزرنے لگی۔ ذہنی ردوکد میں مبتلا تو تھا ہی۔ یہاں کے ماحول نے دلی سکون بھی غارت کرڈالا تھا۔ دل میں کئی طرح کے شکوک وشبہات نے سر نکالا اور صبح تک وہ مکمل طور پر اس کی گرفت میں آچکا تھا۔ ایک رات نے اسے عرشِ معلیٰ سے اتار کر زمین کی گہرائیوں کا ہم نشین بنادیا تھا۔ انسان سے شیطان تک کا سفر اس نے اتنی سرعت سے طے کرلیا تھا کہ جیسے فاصلہ چند قدموں کا ہو۔ وہ تھا تو غیرت اَنا، مردانگی اور سرپرستی کی آمیزش سے بنا ہوا ایک شوہر چاہے اس کی ہر نس میں نرم مزاجی دریادلی۔

شرافت اور انسانیت کیوں نہ رچی بسی ہوئی ہو مگر اپنے کردار وقار اور مردانہ رعب داب سے بے بہرہ وانجان تو کبھی نہ تھا۔ اس پر بھی اپنے معاشرے کی چھاپ تو ہمیشہ سے تھی۔ شوہر کے روپ میں کاٹھ کے الو کو بھی قوت گویائی بخشش کر ظالم وطناز بنا ڈالتی ہے۔ Insomnia کی بیماری وقتی ہو یا ابدی ہو۔ کبھی بھی مثبت اور خوش آئند ودلربا سوچوں کے ہموار نہیں ہوتی خود پر زیادتی اور بے انصافی کا احساس دوسروں کی زندگی کو بھی جہنم رسید کرڈالتا ہے۔ ہر لمحے دوسروں کی باتوں کو منفی انداز میں لینا اور اس پر کڑھنا، غصہ دکھانا اور لاتعلقی کا اظہار کرنا معمول بن جاتا ہے۔ اپنی ہر ناجائز بات کو جائز قرار دینا اور ہر غیر مناسب اور غیر مثبت بات میں سراسر سچائی اور حقیقت کا تصور رات میں نیند پر غالب آجاتا ہے۔ اور یہی سوچیں محوِ گردش ہوتی ہوئیں بیماری کی صورت اختیار کر جاتی ہیں۔

شامیر کی غیر متوقع سوچوں کی ابھی تو شروعات ہوئی تھی۔ وہ صبح اٹھا تو اس کی پیشانی پر ابھری ہوئی ٹیڑھی میڑھی لکیریں اس کے اندرونی جذبات کی غمازی کررہی تھیں۔ انداز گفتگو اور اس کی حرکات وسکنات میں لامتناہی فرق آچکا تھا۔ فرشتے نے اس کے بدلے ہوئے تیوروں کو فوراً بھانپ لیا تھا۔ وہ اندر تک لرزتی ہوئی اس کے قریب بیٹھ کر منمنائی۔

''شامیر آپ کی سرخ اور بوجھل آنکھیں شب بیداری کی چغلی کھا رہی ہیں۔ آئی ایم سوری۔ آپ کو میری وجہ سے تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ میکہ غریب ہو تو اس سے کنارہ کشی تو اختیار نہیں کی جاتی۔ پلوشہ نے سچ کہا ہے۔ اب آپ کو گزارا تو کرنا ہی پڑے گا وہ اس سے نظریں ملائے بغیر ہی نہایت دھیمی آواز میں بولی تھی۔'' مگر دوسری طرف سے جواب ندارد۔

''شامو آپ کی خاموشی میری جان لے لے گی۔ پلیز جان! میری مجبوری میں سرزد ہونے والی غلطی کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ آپ کے بگڑے ہوئے مزاج کو دیکھ کر پلوشہ میرے لیے ہر وقت فکر مند رہنے لگے گی۔'' وہ التجائیہ انداز میں بولی تو شامیر نے منہ دوسری طرف پھیر لیا پلوشہ نے بھی اپنے تجربات ومشاہدات کی روشنی میں معاملے کی تہہ تک پہنچنے میں دیر نہ لگائی۔ پریشانی کے عالم میں اس نے ناشتہ بنایا۔ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ناشتہ دسترخوان پر رکھ کر وہ کیتلی سے مگو میں چائے انڈیلنے

لگی۔ فرشتے کو اس کی اندرونی کیفیت کی خبر ہو چکی تھی۔ مگر کچھ بول نہ سکی۔ وجہ دریافت کرنا مناسب لگا نہ ہی تسلی وتشفی کے دو بول کہنے کی ہمت تھی۔ بس دل میں خود کو کوسے جا رہی تھی کہ وہ خان ماما کے بارے میں بھی کچھ نہ بتاتی۔ ہمیشہ سے لاوارث تھی اسی سند کو اپنی پیشانی پر چسپاں رکھتی۔ تو آج یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ اف کیا انجام ہوگا اس پردہ کشائی کا۔ اب سمجھ آئی کہ میں خفیہ کیوں رہی؟ ورنہ تمہاری عظمت کا کھوکھلا پن کب کا سامنے آچکا ہوتا اس نے شامیر کو بغور دیکھا۔ ہر طرح کے رکھ رکھاؤ اور وضع داری سے عاری آنکھوں میں حد درجے کی خفگی اور جلال تھا۔

چہرے پر خاموشی کی چھاپ تھی۔ جیسے گونگے کے گڑ کا ذائقہ پسند آ گیا ہو۔ پلوشہ عالم تذبذب میں فرشتے کی پریشانی کا اندازہ لگاتے ہوئے بے کل ہو رہی تھی۔ عرصے سے بے کلی تو اس کی ذات سے فرار ہو چکی تھی۔ آج اس کی آمد پر اسے اپنے ایمان کے متزلزل ہونے کے ڈر نے ہراساں کر دیا۔

''فرشتے دیدی! آپ کو تو اس پاک ذات کے فیصلوں پر کبھی گلہ وشکوہ شکایت نہیں ہوئی۔ آج شامیر بھائی کی محبت نے آپ کے ایمان کو کمزور کر دیا ہے۔ ماماتا کے ہاتھوں مجبور اور بے بس ہو گئی ہیں۔ شامیر بھائی میری دیدی کی وفا اور پیار پر بھروسہ رکھیے۔ یہ تو وہ دیوی ہیں جن کی صبح وشام پرستش کی جائے تو کم ہے۔'' شامیر نے ایک بھرپور نظر فرشتے پر ڈالی اور واپس جانے کے لیے کھڑا ہو گیا تو فرشتے پلوشہ کے گلے لگ کر رو دی۔

''دیدی اب تو ملاقات ہوتی رہے گی۔ شامیر بھائی اگلی دفعہ بچوں کے بغیر آئے تو دروازہ نہیں کھولوں گی اور جلد ہی آیئے گا۔ اب تو ہر آہٹ پر مجھے آپ کی آمد کا گمان ہوگا۔'' پلوشہ نے شامیر کی خاموشی کو نظر انداز کرتے ہوئے خوشگوار لہجے میں کہا۔

''پلوشہ! مجھے یہاں آنے میں رتی بھر اعتراض نہیں ہوگا۔ اپنی دیدی کے خیالات معلوم کر لو۔ کہیں بچوں کے سامنے بھی سبکی تو نہیں ہوگی۔ یہاں آ کر انہیں خالہ جانی سے متعارف کراتے ہوئے ندامت تو نہیں ہوگی۔'' وہ طنزیہ انداز میں بولا۔ اس کے لہجے میں کڑواہٹ کے ساتھ بے یقینی سی عود کر آئی تھی۔ وہ فوراً باہر نکل گیا۔

پلوشہ پہلے ہی شامیر کے تیور بھانپ کر فکر مند ہو گئی تھی۔ اب تو دل کی گہرائیوں تک بے سکون ہو گئی۔ درود شریف پڑھ کر اس نے شامیر پر غائبانہ دم کیا اور فرشتے کو تسلی بھری نظروں سے دیکھ کر بولی۔ ''دیدی اگر آج کا یہاں آنا تمہارے لیے بہتر ثابت نہ ہوا تو آئندہ ادھر کا رخ بھی نہ کرنا۔ اللہ تمہیں اپنے گھر میں آباد رکھے۔'' فرشتے نے بے بسی ولاچارگی سے اس کی طرف دیکھا اور اس کے ہاتھوں پر بوسہ دے کر باہر نکل گئی۔ جونہی وہ گاڑی میں بیٹھی شامیر بم کی طرح پھٹ اٹھا۔

''تم نے مجھ سے اپنے حالات چھپا کر اچھا نہیں کیا۔ اس ماضی میں تم کہاں پر تھی؟ اگر اتنی ہی

پوتر اور نیک پروین تھی تو پھر ان حالات سے پردہ داری کس لیے کی تھی۔ مجھے یہ جاننے کا تجسس ہو گیا ہے۔ اگر تمہاری تین بہنیں شرمناک پیشے میں ملوث تھیں۔ تو تم کیسے بچی رہی اور زرتاش نجانے کیسے گل کھلا رہی ہوگی۔ حیرت کی بات ہے۔ مجھے سچ سچ بتادو۔ تمہیں معاف کر دوں گا۔ کچھ نہیں کہوں گا۔ ورنہ طلاق دے دوں گا۔ کیونکہ مجھے ہر لمحے بیوی کی رکھوالی کرنے کا کوئی شوق نہیں زندگی میں اور بھی دکھ ہیں محبت کے سوا۔" وہ زہر خند سے بولا تو وہ حق دق اسے دیکھنے لگی۔

سنا تھا، پڑھا تھا کہ شوہر کے رنگ گرگٹ کی طرح بدل جاتے ہیں اور شوہر کو سرہانے کے سانپ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ طوطا چشمی اور بے لحاظی کا خطاب اسے ہی سونپا گیا ہے۔ آج شامیر پر تمام مثالیں اور کہاوتیں صادق لگ رہی ہیں۔ وہ دل ہی دل میں حیرت و کرب سے سوچنے لگی۔ زبان پر اس نے صبر کا بھاری تالا لگا دیا تھا۔

"میں نے تم سے سوال کیا ہے۔ لگتا ہے اس کا جواب بن نہیں رہا۔ سوچو اور خوب سوچو کہ اب مجھے کونسی نئی کہانی پیش کر کے بے وقوف بناؤ گی۔"

وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ مگر وہ خاموش رہی۔

"میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔" وہ زوردار لہجے میں چیخا تو وہ کانوں پر ہاتھ رکھ کر لرزنے لگی۔۔اور آنکھیں بھینچ لیں۔

"اب یہ ایکٹنگ نہیں چلے گی میرے ساتھ۔ تمہاری اصلیت اور تمہاری معصومیت کے پس پردہ کیا چھپا ہوا ہے۔ اسے جان گیا ہوں۔ تمہیں پہچاننے میں میں نے بہت دیر کر دی۔ ایک عورت کے ہاتھوں ایڈیٹ بن گیا۔ کمال ہے فرشتے ڈوب مرنے کا مقام ہے تمہارے لیے۔" وہ تلخی سے بولا تو اس کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔

"آنسو بہانے کی ضرورت نہیں۔ تم میرے ساتھ خوشی خوشی آئی تھی۔ واپسی پر بھی چہرے پر آرٹیفشل مسکراہٹ بکھیر لو۔ زبان میں شرینی بھر لو۔ پرانی کلاکار ہو۔"

"تمہارے لیے مشکل تو ہے نہیں ایسی ایکٹنگ کرنا۔ ورنہ تمہاری شکل دیکھ کر ممی پریشان ہو جائیں گی۔ میں انہیں ناخوش اور پریشان نہیں دیکھ سکتا۔ مجھے تھوڑا وقت چاہیے انہیں ذہنی طور پر تیار کرنے کا۔" وہ چیختے ہوئے بولے جا رہا تھا۔

"یعنی رونے پر بھی پابندی ہے۔" وہ بڑبڑائی۔

"اگر ممی کی پروا نہ ہوتی تو خدا کی قسم تمہیں بقول پلوشہ کے تمہارے میکے ہی چھوڑ آتا۔ اس پاکھنڈی نے جو جاہل اور معصوم لوگوں کو بے وقوف بنا رکھا ہے۔ قابل مذمت اور قابل معافی ہے۔ ماضی میں منتخب کیا جانے والا پیشہ بھی سراسر دغا بازی اور فریب کاری کے مابین استوار ہوا تھا۔ آج کا پیشہ بھی کسی قسم کی سچائی کا حامل نہیں۔ وٹ آ لیڈی شی از جھوٹ اور دغا بازی کی انتہا ہے۔ لگتا ہے

اداکاری تم لوگوں کے خون میں نسل در نسل سے رچی بسی ہوئی ہے۔ سیاسی اور کاروباری لوگوں کو موقع محل کے مطابق گفتگو کرنا دوسروں کو اپنی ایکٹنگ سے متاثر کر کے کامیابی حاصل کرنا خوب آتا ہے۔ میں تمہاری جس خوبی پر مر مٹا تھا۔ وہ بھی تو سب ایکٹنگ تھی ذرا سی آہٹ پر چونک جانا، خوف سے لرزنے لگ جانا، چہرے پر ہر وقت سنجیدگی، خاموشی اور اداسی و مایوسی کی مہر ثبت کر کے خود کو مظلوم، بے بس اور مجبور ظاہر کر کے بے انتہا ہمدردیاں بٹورنا اور پھر معصومیت اور پاکیزگی کا دعویٰ کرنا سب کیا ہے؟ بولو جواب دو۔ مجھے تم نے اس حد تک احمق اور گدھا کیوں سمجھا تھا؟ میں نرم دل اور خوش مزاج ضرور ہوں مگر نادان اور الو نہیں ہوں۔'' اس کا ثبوت تمہیں بہت جلد مل جائے گا۔

لہجے میں اتنا زہر اور کڑواہٹ تھی کہ اس کے انگ انگ میں بھی تلخی و ترشی سرائیت کر گئی تھی۔ وہ ابھی تک حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھی۔ زبان گنگ تھی۔ آنسو رک گئے تھے۔ سسکیاں تھم گئی تھیں۔ ایک طویل خاموشی کے بعد وہ پھر گرجا۔

''میں جانتا ہوں کہ تمہارے پاس میری ان سچی باتوں اور اٹل حقیقتوں کا کوئی جواب نہیں۔ ہمیں ابھی اور اسی وقت فیصلہ کرنا ہے کہ کیا کیا جائے؟ میں ایک ایسی عورت کے لیے اپنی عزت داؤ پر نہیں لگا سکتا جس کی تین بہنیں جسم فروشی کے پیشے میں ملوث ہوں اور بڑی بہن فرشتے در بدر کی ٹھوکریں کھاتی ہوئی نجانے کن کن کے غلیظ ہاتھوں سے گزری ہو۔'' گاڑی کی رفتار موٹروے پر بڑھتی چلی گئی۔ دوبار ایکسیڈنٹ سے ان کا بچاؤ ہوا تھا۔ ایک طویل خاموشی کے بعد وہ پھر چیخا۔ ''بولو کہ میں اس حد تک بے غیرت بن کر تمہارے ساتھ زندگی کیسے گزار سکتا ہوں۔''

''مجھے اس الزام تراشی کا ثبوت چاہیے۔'' وہ ہمت بحال کر کے بولی۔

''ثبوت تمہاری تینوں بہنوں کا ماضی اور ان کا حال ہے۔'' وہ دانت پیستے ہوئے بولا۔

''ثبوت مانگتی ہو۔ تو چلو اسلام آباد جس ہوسٹل سے تمہیں بدکرداری کی وجہ سے نکالا گیا تھا۔ بھلا میڈم اپنے ہوسٹل کو تمہاری وجہ سے کیوں بدنام کرتی۔''

''یہ غلط انفارمیشن آپ تک کس نے پہنچائی ہے؟'' وہ حیرت سے بولی۔

''میں نے رات بھر نقطے سے نقطہ جوڑ کر بہت کچھ جانا ہے فرشتے۔ خدا کی قسم تمہیں فرشتے کہتے ہوئے بھی سخت اذیت اور ندامت ہو رہی ہے۔ فرشتے بھی اس نام پر تڑپ اٹھتے ہونگے بے چارے۔'' وہ طنزیہ مسکراہٹ سے بولا۔

''فار گاڈ سیک شامیر۔ آپ اپنی خوشیوں بھری زندگی کو خوامخواہ ہی کیوں جہنم رسید کرنے پر تل گئے ہیں۔ ذہنی اختراعات اور وہ رات کی تنہائی اور تاریکی میں پلوشہ کے گھر کے ماحول میں مثبت تو نہیں ہوں گے۔ پلوشہ تو اک کھلی کتاب ہے۔ آپ نے اس کتاب میں فقط منفی تحریر کو ہی پڑھ لیا۔ ویری بیڈ، یہ ہے آپ کی دور اندیشی۔'' وہ پژمردگی سے بولی۔

''شامیر آپ ایسے تو نہیں تھے۔ کیا یہ سب ایک رات کی بے آرامی کے اثرات ہیں۔ خدا کے لیے ہوش میں آجایئے۔''

''اسی رات نے میری بند آنکھوں سے پردہ ہٹایا ہے۔ مجھے بیدار کر کے تمہاری اصلی صورت دیکھنے کا موقع فراہم کیا ہے۔ اب تم اپنا کردار مجھ سے چھپا نہیں سکتی۔ میرے دو معصوم سے بچے تمہاری غلیظ کوکھ میں پلے۔ وہ کیسے انسان بنیں گے۔ مجھے تو ابھی ہی ان کا مستقبل نہایت تاریک اور حسرت ناک نظر آرہا ہے۔''

''خدا کے لیے کوئی طریقہ نکالو کہ میرے بچے تمہارے سائے سے بچ جائیں۔ ان کے لیے مجھے تمہارے جیسی دوغلی ماں نہیں چاہیے۔ پلیز میری جان چھوڑ دو۔'' وہ غصے میں ہاتھ جوڑ کر بولا۔

''ٹھیک ہے شامیر میں آپ کی زندگی سے نکل جاؤں گی۔ ایک بار میرے پرانے ہوسٹل ضرور چلیں۔ ہوسکتا ہے میری ریپوٹیشن بتانے والا کوئی فرشتہ آپ کو مل جائے۔'' وہ اسٹیرنگ پر ہاتھ رکھ کر التجائیہ انداز میں بولی۔

''میں اپنی بے گناہی کا ثبوت دے کر آپ کی زندگی سے نکل جاؤں گی۔ ایک پل بھی آپ کے ساتھ نہیں رہوں گی لیکن بچے نہیں چھوڑوں گی وہ میرے جسم کا حصہ ہیں۔ انہوں نے فقط آپ کا نسلی خون اور فطرت لی ہے۔ جبکہ میرا خون ان کی غذا بنا رہا۔ میرے وجود میں ایک قطرے سے انہوں نے انسان کی شکل اختیار کی۔ انہیں نہیں چھوڑ سکتی۔ اف جسے دیوتا سمجھ کر پرستش کرتی رہی۔ وہ اتنا گھٹیا اور غلاظت میں لتھڑا ہوا شیطان نکلا۔ اک سفاک درندہ اور سنگدل اور بے فیض شوہر نکلا۔ میں خود بھی ایسے شکی انسان کے ساتھ رہنے کا قطعاً شوق نہیں رکھتی۔ آپ نے مجھ پر تہمت لگا کر اچھا نہیں کیا۔ اپنی حیثیت اور وقعت کو مدنظر رکھ کر مجھ سے بات کرو۔ بچے میرے ہیں کہ کسی اور سے لائی ہو۔ بولو جواب دو۔''

اس نے گاڑی کو سائیڈ کی طرف روکا اور اسے زوردار طریقے سے جھنجوڑ کر چیخا۔ جھٹکوں کی شدت سے وہ اندر تک دہل گئی۔ اسے یوں لگا جیسے اس کے معدے سے انتڑیاں بھی باہر آنے لگی ہوں اگلے ہی لمحے یکے بعد دیگرے وامٹ کرتی چلی گئی۔

وہ افسوس اور اضطراری کیفیت میں مبتلا اسے دیکھنے لگا۔ اس کی حالت غیر کو محسوس کرتے ہوئے اسے ٹھنڈے پانی کی بوتل اس کے لبوں سے لگادی۔ ''اگر اتنی ہی ہمت ہے تو مجھ سے پنگا مت لو۔ خاموش رہو اور کوئی نیا افسانہ اپنے مطابق تراشنے کی کوشش کرو۔''

✤ ❖ ✤

''ممی! ہم لاہور پہنچ چکے ہیں۔ دراصل فرشتے کی طبیعت بہت خراب ہوگئی ہے۔ میں نے سوچا کہ ہسپتال سے ہوکر گھر آتے ہیں۔ مگر ڈاکٹر نے فرشتے کو ایڈمٹ کرلیا ہے۔ اس کی حالت کافی

نازک ہے ممی!'' لہجے میں پرلے درجے کی گھبراہٹ تھی۔

''کیا ہوا میری بچی کو؟ بتاؤ تو۔ بھلا ایسی بھی کیا ایمرجنسی ہوگئی کہ اسے ایڈمٹ ہونا پڑا۔ مجھے جلدی سے بتاؤ بیٹا۔ میرا دل ڈوبنے لگا ہے۔''

وہ بے قراری اور فکرمندی سے بولی۔

''وامٹ رکنے کا نام نہیں لے رہی۔ اسے ڈرپ لگادی گئی ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔ اس کا بلڈ لیبارٹری میں ٹیسٹ کے لیے چلا گیا ہے۔ الٹراساؤنڈ بھی چند گھنٹوں بعد کروانے کا ارادہ ہے۔ معلوم ہو جائے گا کہ یکدم اسے ہوا کیا ہے۔'' وہ فکرمندی سے بولا۔

''باہر کے کھانے اور وہ بھی پشاور کے چربی میں پکے ہوئے لذیذ کھانوں سے فوڈ پوائزنگ ہوگئی ہوگی۔ تم تسلی رکھو میں بچوں کو لے کر ہسپتال پہنچتی ہوں۔ اپنے بچوں کو دیکھ کر وہ 50 فیصد تو ویسے ہی بہتر فیل کرنے لگے گی۔ ہاں تو شامیر بیٹا مجھے خیال آیا ہے کہ کوئی بہت اچھی خوشخبری بھی تو ہوسکتی ہے۔ ممکن ہے ان کا کوئی بہن بھائی آنے کی تیاری میں ہو۔'' ممی کے لہجے میں ایک دم سے فکرمندی کی جگہ خوشی نے لے لی تھی۔

''پریشانی کی بات نہیں مجھے امید ہے ان شاء اللہ کوئی خوشخبری ہی ہوگی۔ یاد کرو اسے پہلے بچے کی دفعہ بھی ایمرجنسی میں ہسپتال لے جانا پڑا تھا۔''

شامیر کچھ نہ بولا۔ سکتے میں ہی چلا گیا۔ فرشتے اسے اس جونک کی طرح لگی جو خون کا آخری قطرہ چوس کر بھی نہیں مرتی۔ رپورٹس کو ڈاکٹر نے غور وخوض سے دیکھ کر خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''شامیر صاحب مبارک ہو۔ آپ کی بیگم ماں بننے والی ہیں۔ انہیں بیڈ ریسٹ کی اشد ضرورت ہے۔ جب تک وامٹ نہیں رکتی۔ انہیں ڈرپ پر ہی رکھنا پڑے گا۔'' شامیر کو اک شاک سا لگا۔ منہ لٹکائے فرشتے کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ کمرے میں اسے کے دونوں بچے ماں کے آس پاس لیٹے ہوئے تھے اور ممی اسے چھوٹے چھوٹے سپ سے گرین قہوہ پلانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''فرشتے تم نے میری جنت کو جہنم کا روپ کیوں دے ڈالا؟ میں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا۔'' شامیر نے سرگوشی کی اور ماں کے قریب ہی کھڑا ہوگیا۔ خاموش، اداس اور حد درجے کا سوچوں میں کھبا ہوا۔

''ڈاکٹر نے کیا کہا ہے۔ تم اتنے پریشان کیوں ہو؟ خیریت تو ہے۔'' ممی نے فوراً بیٹے کے چہرے پر اضطراری کیفیت کو بھانپ لیا۔ جو خاموشی میں بھی نمایاں تھی۔

''فرشتے ماں بننے والی ہے۔'' وہ مری ہوئی آواز میں بولا۔

''یہ خبر تو خوشی کی ہے۔ کیا تم خوش نہیں ہوئے یہ سن کر۔'' وہ حیرت سے بولی۔ ''مجھے تیسرے بچے کی خواہش نہیں تھی ممی۔ یہ دو بریٹس پل جائیں تو بڑی بات ہے۔'' وہ ناگواری سے بولا۔ تو فرشتے

کی آنکھوں سے دو موٹے آنسو نکلے اور تکیے کو بھگو گئے۔

''ہیں حیرت کی بات کہ تم بھی رو پڑی ہو۔ توبہ استغفار پڑھو تم دونوں۔ نالائق کہیں کے۔ اللہ تعالیٰ اولاد جیسی دولت انہی کو سونپتا ہے جو اس کے حقدار ہوتے ہیں۔ شامیر ابھی سجدے میں گر کر شکرانہ ادا کرو۔ خوامخواہ رونا دھونا شروع کر دیا ہے۔'' وہ پیار اور خوشی سے ڈانٹ کر بولی۔ مگر دونوں طرف سے جواب نہ پا کر حیرت و تجسس میں ڈوب گئی۔ نجانے دونوں کو کیا ہو گیا ہے۔ عقل ماری گئی ہے۔ گھر چلیں ان کی وہ دھنائی کروں گی کہ چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔

بہت ماڈرن بنتے ہیں سمجھتے ہیں کہ زیادہ بچے جہالت اور گنوار پنے کی نشانی ہیں۔ اس بچے کو آنے دیں۔ انہیں اس کی شکل تک نہ دیکھنے دوں گی۔ کیا یاد کریں گے؟ انہوں نے صرف میرا پیار ہی دیکھا ہے ناں۔

✣ ✣ ✣

''سارا قصور تیرا ہے۔ کبھی اولاد سے بھی کسی نے نفرت کی۔ اب اللہ تعالیٰ کے حضور متھا رگڑ کر توبہ کر۔ شائد وہ تمہیں معاف کر دے۔ میں تو ہرگز معاف نہیں کروں گا۔ تم نے مجھ پر بہت زیادتی کی ہے۔''

آمو نے دکھ اور خفگی سے کہا۔ تو جوہر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ کسی ایک ڈاکٹر کی طرف سے بھی امید بھری تسلی نہیں ملی۔ تم نے اتنے سالوں میں گولیاں کھا کھا کر خود کو بانجھ بنا لیا ہے۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ تم ہی بہت ماڈرن بننے لگی تھی۔ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اب بھاں بھاں کرنا بند کر اور میرا دماغ خراب نہ کر۔''

''اچھے حالات کا انتظار ہی کرتی رہی۔ آمو مجھے کسی حکیم کے پاس لے چل۔ کسی زندہ پیر کے پاس دم درود کے لیے لے چل۔ آج ہی داتا صاحب کے دربار حاضری دے کر منت مان لیتے ہیں آج تک ان کے دربار پر کبھی بھی کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹا۔ وہ میری فریاد سنیں گے۔ اور میری گود ہری ہونے میں زیادہ وقت بھی نہیں لگے گا۔'' وہ تڑپتے ہوئے بولی۔ ''داتا صاحب تو مانے ہوئے بزرگ ہیں۔ میری جھولی ضرور بھر دیں گے۔''

''شرک بہت بڑا کفر ہے۔ مت کر اتنا بڑا گناہ ہے۔ اولاد، دولت، عزت اور صحت اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے مقدر میں لکھی ہوتی ہیں۔ تم جیسی جاہل اور توہم پرست عورتیں خود بھی گناہ گار ہوتی ہیں۔ ان ولی اللہ اور پیر مرشد کو بھی پریشان کرتی ہیں۔ وہ خود اللہ کے سامنے بھکاری ہیں۔ اپنی بخشش کے لیے ہر وقت دعا گو رہتے ہیں۔ تمہاری جھولی کو صرف اپنی بے لوث دعا سے بھر سکتے ہیں۔ قبولیت تو اوپر والے کی مرضی پر ہے۔ اس سے خود گڑگڑا کر معافی مانگو لیکن اس کا شریک مت ٹھہراؤ۔ ہم پیر و مرشد سے دینی تعلیم اور طریقہ حیات کا سبق سیکھنے جاتے ہیں۔ ان کی نصیحتوں اور ان

کے تجربوں سے فیض یاب ہونے جاتے ہیں۔ نہ کہ ان سے مراد اور اپنی حاجتیں پوری کروانے جاتے ہیں۔ وہ تو نیلی چھت والا پوری کرتا ہے۔تم نے افسانوں میں ایسی ڈھنگ کی بات پڑی ہوتو علم ہوناں۔آج کے بعد ایسی خواہش کا ذکر کیا تو بہت برا ہوگا۔'' وہ اسے سختی سے سمجھاتے ہوئے بولا۔

''آمو بس تم ہی کوئی رستہ ڈھونڈو۔'' وہ تڑپ کر بولی۔

''مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہی کہ کیا ہوگیا میرے ساتھ فکر نہ کرپگلی۔ دوسری شادی کا سوچ تو رکھا ہے نا۔اس تمام جائیداد کا وارث بھی اسی سے پیدا کروالیں گے۔'' وہ رازداری کے انداز میں بولا۔

''سوچتے ہی رہنا۔اللہ کے بندے اسے کوئی اشارہ تو دو۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''گرم کھائیں ناں تو منہ جل جاتا ہے۔زبان پر چھالے پڑجاتے ہیں۔''

''بھلیے لوکے ذرا ٹھنڈا تو ہونے دے۔اسی دن کا انتظار ہے۔وہ میری عزت بھی کرتی ہے اور ہم دونوں سے ہمدردانہ سلوک بھی دن بدن بڑھ رہا ہے۔ یہاں تو الٹی گنگا بہہ نکلی ہے۔ہمیں اس کا احسان مند ہونا چاہیے تھا۔غضب خدا کا کہ وہ ہماری ہر وقت ممنون رہتی ہے۔'' وہ مزاحیہ انداز میں بولا۔

''ڈرامے اور افسانے کے مطابق اسی عزت اور ہمدردی پر محبتوں اور چاہتوں کی چھاپ لگ کررہے گی۔کم بخت اللہ ماری نے انتظار کی مارہی دے ڈالی ہے۔تم ہی نظریں اٹھا کر اورانسانیت وانسیت میں ذرا کندھے سے کندھا جوڑ کر بات کرنے کی کوشش تو کرو۔شائد اس کم بخت احمق اور اناڑی کے دل میں تمہاری محبت کا سگنل روشن ہوسکے۔آخر کو ہے تو بالکل ہی کھڑی جوان عورت حسین بھی ہے' شوقین بھی ہے تمہارے دل کی صدا سننے کو یہی کچھ تو چاہیے اللہ کرے گا سب کچھ درست ہوجائے گا۔''

''محبت سچی ہوگی تو سگنل میں قوت ہوگی ناں۔'' وہ اسے تسلی دیتے ہوئے بولا۔

''پہلے تیری سہیلی سے شادی کا مقصد فرض تھا۔اب تو لازم ہوگیا ہے۔ہمیں اس معاملے کو قدرے آگے بڑھانا چاہیے۔کچھ پیش رفت ہونی چاہیے۔بہت صبر کرلیا ہے ہم نے۔''

''ہاں !ہاں ابھی اورفوراً اگرتم میری سہیلی سے ڈرتے ہوتو میں ہی بات کئے دیتی ہوں۔ مجھے تو تم سے خطرہ ہی ہے کہ بگاڑ ہی نہ ڈال دو۔یہ جو عیاشیاں پٹ رہے ہونا۔سب ختم ہوجائیں گی۔تمہیں کئی بار آفر کرچکی ہوں۔مگرتم ہوکہ سمجھنے سے بالکل ہی فارغ۔''

وہ سختی سے بولی۔''تم جیسا کوئی گھوگھو بھی کوئی نہ ہو۔نہ کشش ہی نہ ہی تم میں عقل ہے۔خاک کروگے شادی۔'' وہ تلملا کر بولی۔

''ہاں تم جیسی بنجر زمین بھی تو بہت کم ہی نظر آتی ہے۔ ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھو ہر سو ہریالی پورے

درخت اور پھول ہی پھول ہیں۔ تم سے مجھے کیا ملا؟''

وہ معنی خیز بات کہہ کر سوچ میں ڈوب گیا۔ جوہرہ اس کی زبان درازی اور بے لحاظی پر اسے دیکھتی ہی رہ گئی۔ یہ وہی آمو تھا جو اس کے دم قدم چلا کرتا تھا اس کی بات کو اہمیت دیتا تھا۔ آج اسے یقین ہو چلا تھا کہ خاوند چاہے آسمان سے اترا ہوا فرشتہ ہی کیوں نہ ہو؟ جب اس کا مطلب بیوی سے پورا نہ ہو رہا ہو تو پھر اس کی آنکھوں کا پانی مرنے میں دیر نہیں لگتی۔ دل سے محبت رخصت ہونے میں پل بھی نہیں لگتا۔ وہ تلملا کر رہ گئی تھی۔

''آمو! اگر دولت کے ساتھ وہ بچہ بھی جنے گی تو مالک تو وہ کہلائے گی اور مجھے اس بچے کی آیا گیری کے لیے رکھ لیا جائے گا۔ یہ مجھے منظور نہیں پہلے ہی ٹمو کی ذمہ داری میں نے اٹھا رکھی ہے۔ بہت ہو گئی ناں۔ میں نے بچپن سے ہی اک سپنا دیکھا تھا ملکہ بننے کا۔ باندی بن کر زندگی گزارنے کی تیاری نہیں کی تھی۔ اس لیے مجھے مجبور نہ کرنا۔ تم اس سے شادی تو کر سکتے ہو۔ مگر اس سے اپنی نسل چلانے کی غلطی مت کرنا۔ خدا کی قسم اس غلیظ کیڑے کو پاؤں تلے روند کر ختم کر دوں گی۔'' وہ چیخ کر بولی۔ تو آمو ایک دم سے سنبھل کر بولا۔ کیونکہ اس وقت اس سے مبازرت مول لینا اس کے حق میں نہیں جاتا تھا۔

''اس میں اتنی فکر مندی کی ضرورت نہیں۔ آج تک میں نے تمہاری کسی بات کو رد کیا ہے۔ جو آج تمہارے اس مشورے کو اہمیت نہ دوں۔ میرے بچے کی ماں جوہرہ ہی بنے گی۔ فکر نہ کیا کر۔ پیسہ اولاد بھی مہیا کر سکتا ہے۔ یہ سب اس مولا ہی کمال ہوگا۔ کسی پیر فقیر کا نہیں۔ یہ بات مت بھولنا'' وہ امید و بیم لہجے میں بولا۔

''ایک تو تم اور تمہاری جاہل ماں ہر وقت پیر و مرشد کے خلاف اول فول بکنے سے باز نہیں آتے۔ تم لوگوں کی سزا میں میں خوامخواہ ہی پس گئی ہوں۔ آمو میں نے پڑھا ہے کہ ٹیسٹ ٹیوب بے بی بھی تو پیسے کے زور پر حاصل کیے جا سکتے ہیں۔'' وہ پُرامید لہجے میں بولی۔

''تمہیں یہی تو سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ سب سے اہم ہے دولت کا بے بہا خزانہ۔'' وہ پیار سے اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔ ''دل چھوٹا نہ کیا کر۔ میں آج جس مقام پر ہوں اس میں تمہاری پلاننگ اور ویژن کا بہت بڑا دخل ہے۔ آئندہ بھی تمہارے ہر مشورے پر عمل کرنے کا وعدہ کرتا ہوں۔'' وہ اس کے ایک دم سے ہشاش بشاش لہجے میں مدوجزر میں کھو گئی۔ آمو تو کتنا اچھا ہے بس مجھے دل سے نکال نہ دینا۔ سوتن کا رشتہ تو جہنم کی آگ ہے۔

❖ ❖ ❖

''میڈم آپ گھر میں آرام فرمائیں۔ میں اور زارا کو ہسپتال لے جاتے ہیں۔ اف آپ کے چہرے پر کس قدر تھکن اور نقاہت ہے۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے ہیں۔ آپ کو دیکھ کر مجھے

آپ پر بہت ترس آتا ہے۔ کاش میں آپ کی تمام مشکلات کو اپنی زندگی میں شامل کرسکتا۔ آپ کی ذمہ داریوں کو اٹھا سکتا۔ افسوس کہ میں آپ کے لیے کچھ نہیں کرسکا۔'' وہ اس کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے بولا تو زرمین کسمسا سی گئی۔ کیونکہ ایسی بے باکی اور بے تکلفی ذومعنی سا لہجہ اسے بے چین سا کر گیا تھا۔ ہمت کر کے نارمل لہجے میں بولی۔

''چودھری صاحب! اس سے بڑھ کر میرا ساتھ تو ٹمو کا باپ بھی نہ دے سکتا۔ آپ مجھے اور کتنا احسان مند کریں گے۔ ہر وقت زارا کی مہربانیاں اور آپ کی ہمدردیاں میرے ساتھ ہیں۔ مجھے اور کیا چاہیے؟''

''یہ میرا فرض ہے میڈم! آخر ہم ایک ہی گھر میں رہتے ہیں۔ ٹمو ہمارا بھی تو بچہ ہے۔ ہاشو پر آپ کا پورا حق ہے۔'' وہ مسکرا کر بولا۔ ''ٹمو کو تیار کردیں اور خود سونے کی کوشش کریں۔ تمام رات آپ کی کھلی آنکھوں میں ہی نکل گئی۔'' وہ شائستگی سے بولا۔

''یہ اولاد چیز ہی ایسی ہے چودھری صاحب۔ ماں کی بے لوث محبت بڑی ظالم ہے۔ ماں کو کہیں کا نہیں چھوڑتی۔'' وہ آہ بھر کر بولی۔

''میڈم ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں۔ مائنڈ نہیں کیجئے گا۔ یہ آپ پر نہیں مجھ سے احسان عظیم ہوگا۔ کیونکہ ہم جب سے آپ گھر میں شفٹ ہوئے ہیں۔ اڑوس پڑوس میں الٹی سیدھی باتیں ہونے لگی ہیں۔ اس لیے تو عورت کو بیوگی کے بعد شادی کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور مرد کو چار شادیوں کی اجازت بھی حالات کے پیش نظر دی گئی ہے۔ زارا کو تمام ڈاکٹروں نے بانجھ قرار دے دیا ہے۔ مجھے بھی تو اولاد چاہیے۔ ایسے حالات میں میرے لیے دوسری شادی جائز ہے۔ زارا نے مجھے اجازت دے دی ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟ کہ مجھے زارا سے بہتر ساتھی مل سکتا ہے۔ وہ مجھ پر جان چھڑکتی ہے۔ عاشق ہے میری۔''

وہ خوداعتمادی سے بولا۔ ''مگر میری بھی تو مجبوری ہے۔ بچے ہی تو زندگی میں شوخ وشنگ رنگ بھرنے کا کام کرتے ہیں۔ زارا نے آپ کو اجازت دے دی دوسری شادی کی۔ یہ معجزہ کیسے رونما ہوا؟ میں جانتی ہوں وہ آپ سے بہت پیار کرتی ہے۔ بھلا دوسری عورت کو آپ کے ساتھ کیسے برداشت کرے گی۔'' وہ حیرت سے بولی۔

''یہ اس کا پیار ہی تو ہے کہ مجھے خوشی سے اجازت دے ڈالی۔ میری خاطر اس نے اپنوں کو چھوڑ دیا۔ یہ پیار ہی تو ہے۔ میں جانتا ہوں بلکہ گارنٹی دیتا ہوں کہ وہ میری دوسری بیوی کو بھی فراخدلی سے قبول کرلے گی۔ اسے بھی پیار کا ہی نام دے سکتا ہوں۔'' وہ فخریہ انداز میں بولا اور منقل پیس سے گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر نکل گیا۔

زارا بھی تیار ہوکر نیچے آگئی۔ ٹمو بھی تیار ہو چکا تھا۔ شدید بخار اور لوز موشنز کی وجہ سے وہ نیم

غنودگی میں تھا۔ جوہرو نے نہایت اپنائیت سے اسے اپنے سینے سے لگالیا اور زرمین کو خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گئی۔

زرمین بھی مین ڈور تک ان کے پیچھے گئی اور گاڑی کو دور تک جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ واپس آ کر بیڈ پر لیٹ کر ٹمو کی صحت کے لیے تسبیح پڑھنے لگی۔ ایک دم سے آمو کی آج کی گفتگو کے بارے میں ہلکی سی سوچ نے اسے چونکا دیا اور وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ تسبیح ہاتھ سے چھوٹ گئی اور زبان ساکت وجامد ہوگئی۔ اسے آج کی گفتگو میں آمو کی طرف سے پرپوزل نمایاں لگا تھا۔ دل میں بے قراری سی بڑھ گئی۔ ذہن میں مضطرب سا ہو کر الٹی سیدھی سوچوں میں الجھنے لگا۔ وہ اتنی بڑی بات کتنی آسانی اور عقلمندی سے کہہ گیا تھا۔ اب سمجھنے اور فیصلہ کرنے کا اختیار مجھ پر چھوڑ دیا۔ بہت جہاندیدہ اور دانش مند انسان نکلا۔

وہ کمرے سے باہر نکل کر لاؤنج میں صوفے پر نیم دراز ہوگئی۔ ملازمہ اس کے لئے ٹرالی پر ناشتہ لے کر پہنچ گئی۔ زرمین نے سلائس پر مکھن لگاتے ہوئے ملازمہ کو چائے بنانے کا کہا وہ خاموشی سے چائے کا مگ اس کے سامنے رکھ کر کچن کی جانب مڑ گئی۔ چائے پیتے ہوئے وہ حاضر دماغی سے آمو کے مشورے پر غور کرنے لگی کہ کہیں اسے خوش فہمی تو نہیں ہوگئی۔ مشورہ قابل ستائش بھی ہے اور قابل قبول بھی۔ وہ کافی دیر کی سوچ بچار کے بعد بڑبڑائی۔ میں کہاں تک اس اپاہج بچے کے ساتھ اکیلی چل سکتی ہوں۔ یہ کپل آج ہے تو کل نجانے کہاں سدھار جائے۔ پھر کیا کروں گی؟ نئے لوگوں کو آزماتے ہوئے کسی اور مصیبت میں ہی گرفتار نہ ہو جاؤں۔ ان لوگوں سے اتنے عرصے کی مانوسیت ہونے کے باوجود کوئی مسئلہ درپیش نہیں آیا۔ ان کی ہر بات اور ہر حرکت میں خاندانی پن کی جھلک نمایاں ہوتی ہے۔

زارا میری بہت پیاری ہمدرد اور مہربان دوست بھی ہے۔ زارا پینڈو۔ وہ تو اس پر اپنے گاؤں کی چھاپ ہمیشہ ہی لگی رہے گی۔ وہ یہ سوچ کر مسکرا دی۔ اس کی کئی پینڈوانہ حرکتیں یاد آنے لگیں۔ میرے ساتھ اس کی خوب نبھے گی۔ اس گھر کی اور اس کے شوہر کے مالکن تو میں ہی ہوں گی۔ وہ تو نام کی بیوی ہوگی۔ خدمتگار اور وفادار۔ وہ ہر طرح کی سوچوں میں گھری ہوئی تھی۔ کہ ڈور بیل پر چونکی ملازمہ نے دروازہ کھولا تو دونوں ٹمو کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔

''آپ سوئی نہیں۔'' آمو نے نہایت اپنائیت سے پوچھا۔

''بے وقت نیند کیسے آتی؟'' وہ آنکھیں ملتے ہوئے بولی۔

''وقت گزر جانے کے بعد ہر فیصلہ ناکام ہی ہوتا ہے۔ وقت شناس لوگ اپنی تقدیر کے حرفوں کو نہایت دانشمندی سے اپنی ضرورت کے مطابق بدل ڈالتے ہیں۔ اپنی ضروریات زندگی پر غور کیجئے۔ شاید آپ کو راہ سجھائی دے جائے۔ اس جوانی کی نیند کو تو بے ہوشی کا نام دینا بجا ہوگا۔ دل

میں سکون ہوتو بہت گہری اور میٹھی ہوتی ہے۔ جب زندگی سے چین وسکون ہی اٹھ جائے تو وقت پر بھی نیند روٹھی رہتی ہے۔ بے وقت وہ قریب کیسے آئے گی۔ اپنی نیند کی بحالی کا سوچئے میڈم۔ عارضی اور وقتی سہاروں پر زندگی نہیں گزارا کرتی۔" وہ ذومعنی بات کہہ کر وہاں سے ہٹ گیا۔ تو وہ ٹمو کی طرف دیکھنے لگی بے چارگی سے۔

"زری آپی! اس وقت ٹمو گہری نیند میں ہے۔ ڈاکٹر نے میڈیسن دی ہے۔ ڈرپ کی ضرورت نہیں پڑی۔ پل میں بیمار ہوجانا عام سی بات ہے تم فکر نہ کرو۔" زارا نے اسے کارٹ میں لٹاتے ہوئے کہا۔ "ان شاء اللہ شام تک ٹھیک ہوجائے گا۔"

"اس کے دودھ کا ٹائم ہے اسے سوتے سوتے ہی دودھ پلادو۔ اسے اپنے کمرے میں لے جاؤ۔ ہر پندرہ منٹ بعد تین اونس نمکول پلانا نہ بھولنا۔ میں بہت ایگزاسٹ ہوگئی ہوں۔" وہ جمائی لیتے ہوئے بولی۔ تو جوہرو نے اسے پھر اٹھالیا اور کندھے سے لگا کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ زرمین اسے عقیدت مندانہ اور احسان مندانہ انداز سے دیکھتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کرنے لگی کہ اگر ان کا ساتھ نہ ہوتا تو ٹمو کب کا اسے دغا دے چکا ہوتا۔

❖ ❖ ❖

زرمین کے آمو کی ذومعنی تلقین کے بعد بے چینی اور بے قراری میں ہر دن اضافہ ہو رہا تھا۔ آمو کی طرف سے پھر پیش رفت نہ ہوئی تھی۔ حالانکہ وہ منتظر تھی۔ ہر بار جب بھی اس سے سامنا ہوتا تھا۔ وہ امید وبیم کے سہارے اس سے خوش دلی سے ملتی۔ فوراً اسے چائے پیش کرتی اور ٹمو کی امپرومنٹ کی تمام رپورٹ اس کے گوش گزار دیتی تھی۔ آمو جوہرو کے کہنے کے مطابق ہر قدم نہایت احتیاط سے اٹھا رہا تھا۔ آمو نے اسے نہایت سمجھداری کے انداز میں پیغام دینے کے بعد اس کے رویئے وسلوک سے اس کی رضا مندی کو بھانپ تو لیا تھا۔ جلد بازی سے سیڑھیوں کو پھلانگ کر بلندی کے میز پر کھڑے ہوجانا اس کی فطرت کا حصہ نہیں تھا۔ وہ آج بھی جوہرو کے تشکیل شدہ ڈھانچے کے مطابق کچھوے کی چال کی فوقیت دیئے رینگ رہا تھا۔ زرمین دن بدن فکر مندی کا شکار ہو رہی تھی۔ کہ کہیں اس نے اپنا پروگرام بدل تو نہیں ڈالا۔ اس کی آفر تو اس کے تمام دلید ور ختم کرنے کے لیے کافی تھی۔ اسی کشمکش میں کئی ہفتے بیت گئے۔ ایک دن ہمت کر کے جوہرو نے ادھر اُدھر کی مثالیں اور کہاوتیں سنانے کے بعد چند لفظوں میں اپنا اور آمو کا مدعا بیان کر دیا۔ زرمین کے لیے اس کی باتوں کا لب لباب سمجھنے میں کسی وقت کا سامنا نہ کرنا پڑا تھا۔ مگر نہایت عقلمندی سے اس نے بھی اس کی باتوں کا جواب گھما پھرا کر چند الفاظ میں دے ڈالا۔ زرمین آمو سے تقریباً چھ سال عمر میں بڑی تھی۔ اس نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پرپوزل بھیجنے اور پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبولیت اور شادی کا قصہ نہایت عقیدت مندی سے اس کے گوش گزار کر اپنی آمادگی کا ہلکا سا اظہار کر دیا۔

دین اسلام میں چار شادیوں کا نقشہ نہایت خوبصورتی سے پیش کیا۔تو جوہر وامپریس ہوتے ہوئے مٹھاس سے بھرپور لہجے میں بولی۔

''زری آپی! آپ کو تو اسلام کے تمام قواعد اور طریقہ حیات کا بخوبی علم بھی ہے اور آپ اس کے مطابق زندگی گزارنے پر آمادہ بھی ہیں۔اسلامی قوانین عین انسانی فطرت کے بنائے گئے ہیں۔ اوپر والا بہت زیرک ہے۔ناندیشی ہم میں ہے۔ہاں زارا مجھے تم پر پورا بھروسہ بھی ہے اور پھر مجھے تو تم سے اپنوں جیسا پیار اور لگاؤ بھی ہے۔ابھی ہم مل جل کر زندگی گزار رہے ہیں لیکن یہ سب ڈرامہ وقتی اور بے معنی ہے۔اس ساتھ کو ہمیشہ کے لیے اپنانے اور مستحکم بنانے کے لیے ہمیں ایسا فیصلہ کرنا چاہیے جو پائیدار ہو،ابدی ہو۔ہم لوگوں کی باتوں سے پراگندہ بھی نہ ہوں اور ہمارے کردار پر کیچڑ اچھالنے کا کسی کو موقع بھی نہ مل سکے۔تم جانتی ہو زارا مجھے ہر قدم پر آپ جیسے مخلص اور شریف لوگوں کی ضرورت ہے۔ٹمو بڑا ہو گیا ہے۔مجھے کسی مرد کے سہارے کی ضرورت ہے اور تم لوگ بھی اپنوں کے دھتکارے ہوئے بے دست و پا بچے ہو۔تمہیں میرے سہارے کی اشد ضرورت ہے۔پھر تم میں بھی تو اک میجر نقص ہے۔احمد آج نہیں تو کل دوسری شادی کی ڈیمانڈ کر سکتے ہیں۔اگر تو انہیں کوئی سر پھری لڑکی مل گئی تو وہ تمہیں یہاں سے چلتا کرے گی۔پھر تم کس منہ سے اپنوں کا سامنا کرو گی۔گاؤں میں عمر بھر کے لیے طعنوں کے تیروں سے چھلنی ہوتی رہو گی۔احمد علی بہت سمجھدار اور دوراندیش انسان ہیں۔مجھے ان کی نیت میں نہ تو کوئی کھوٹ نظر آ رہا ہے نہ ہی ان کا کیا ہوا یہ فیصلہ مجھے مضطرب کر رہا ہے۔انہیں میری طرف سے یہ خوشخبری سنا دو۔زارا ہم دونوں بہنیں ہیں۔بہنوں جیسا ہمارا پیار ہے۔آئندہ کی زندگی میں بھی ہم بہنوں کے پیار کی قابل فراموش مثال قائم کریں گی۔''

وہ سنجیدگی سے بول رہی تھی۔اس نے اپنی اندرونی خوشی کو مکمل طور پر اپنی گرفت میں رکھا ہوا تھا۔آخر کو لڑکی تو گھاگ تھی۔آسمان میں تھگلی لگانے والی اور سفید چادر پر کالے رنگ کا پیوند لگا کر آنکھوں میں دھول جھونکنے والی۔

''تھینک یو آپی! آپ نے تو خوش کر دیا۔ابھی احمد علی کو خبر سناتی ہوں مٹھائی وغیرہ کا بندوبست ہونا چاہیے۔تینوں مل کر اللہ تعالیٰ کے سامنے سربسجود ہو کر شکرانہ پیش کریں کہ گھر کا مسئلہ گھر میں ہی حل ہو گیا۔'' وہ مسرت آگیں لہجے میں بولی۔

''آپی آج اتوار ہے۔ہم جمعے کو نکاح سے فارغ کیوں نہ ہو جائیں؟ مبارک دن ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں خوشیوں اور کامیابیوں سے نوازے آمین۔'' زرمین نے بھی خوشی سے آمین کہا اور جمعے کے خطبے کے بعد نکاح کا فیصلہ ہو گیا۔

نکاح کی ادائیگی میں زرمین کی چند بیوہ دوست اور کالونی کے چند معزز حضرات موجود تھے۔ سب نے جی بھر کر سرگوشیاں بھی کیں۔الزام تراشیاں اور قیاس آرائیاں بھی محوِ گردش رہیں۔مگر انہیں

کسی کی کوئی پرواتھی نہ تو اس جائز اور حلال کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی ندامت تھی۔ نہ ہی کسی قسم کی پریشانی اور پچھتاوا ہوا تھا۔

زرمین کیلئے آمو نے بڑے چاؤ سے اپنی پسند کا چمکتا دمکتا اور چیختا چلاتا ہوا لال رنگ کا سوٹ خریدا جو جوہرو کو ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔ مگر وہ خاموش ہی رہی۔ زرمین نے بڑے شوق سے زیب تن کیا تھا۔ جوہرو نے ٹمو کا بستر اپنے کمرے میں لگالیا اور زرمین کا کمرہ گلاب کے پھولوں سے سجادیا اور اپنے کمرے میں آکر وہ پھوٹ پھوٹ کر رودی۔

''ایک تیر سے دو نشانے جوہرو تمہاری عقل وسمجھ کا جواب نہیں۔'' وہ گلے سے گلاب کے پھولوں کا ہار اتارتے ہوئے بولا۔

''میں عمر بھر تمہارا احسان مند رہوں گا۔ تم بہت عظیم اور اپنی نسل کی خیر خواہ عورت ثابت ہوئی ہو۔''

''تم تو دو بیویوں کے احسانات کے نیچے دبے ہوئے شوہر ہو۔ بے شک اس کے احسانات کا پلڑا بہت بھاری ہے۔ اس کے نیچے دب کر اپنی ماسی کی بیٹی جوہرو کو نہ بھول جانا میری اس عنایت سے چشم پوشی کر کے مجھے دکھیا نہ بناڈالنا۔ آمو تم کیا جانو؟ سوتن کا نام جس جگہ پر لکھ دیا جائے اس جگہ سے بھی چوبیس گھنٹے شعلے نکلتے رہتے ہیں جس کی تمام تپش پہلی بیوی کا مقدر بن جاتی ہے۔ اس تپش میں کمی کا سبب فقط تمہارا پیار ہوگا۔ میں عورت ہوں۔ آبگینے سے تعلق رکھنے والی ذرا انصاف سے چلنا۔ آمو تیری ماسی دی دھی نے خاندان کو جاہ وجلال سے ہمکنار کرنے کی جو قیمت ادا کی ہے۔ اس کی قدر کرنا۔ آج میرے وجود کا ہر عضوا ور رواں رواں دہائی دینے لگا ہے۔ میری قربانیوں کو یاد رکھنا۔ صرف اسی کا نہ ہوجانا۔ ترازو کے استعمال میں بے انصافی مت برتنا۔ ورنہ پکڑ ہوجائے گی۔ اللہ کے حضور بھی اور میرے دربار میں بھی۔ تم جانتے ہوناں اللہ تعالیٰ تو تمہیں معاف کردے گا کیونکہ وہ غفور الرحیم ہے۔ جوہرو معاف نہیں کرے گی۔ کیونکہ میرا دل بہت چھوٹا ہے۔ وہ اس کے گلے لگی تڑپ وبلک کر روئے جارہی تھی۔ آمو تو ہواؤں کے سنگ اڑا جارہا تھا۔ پاؤں زمین پر ٹکنا ناممکن ہوگیا تھا۔ اسے تسلی دیتے ہوئے بولا۔ میری جان میرا بچہ پیدا وہ کرے گی لیکن ماں تم کہلاؤ گی۔ دولت کی تجوری پر بیٹھی ہوئی زرمین کی کوئی حیثیت نہ ہوگی۔ مالکن کا تاج تو تم پہنوگی۔ میرا تم سے پکا اور سچا وعدہ ہے۔''

''بس آمو مجھ سے کئے ہوئے وعدے بھول نہ جانا۔ دو پیار کرنے والے دلوں کے درمیان یہ دنیاوی رشتے حائل ہوکر دوری پیدا نہیں کرسکتے۔ تم اپنے دل کے ہر گوشے میں اپنی جوہرو کو آباد رکھنا۔ آمو پھر ہم میں یہ عارضی جدائی کا دکھ نہیں آئے گا۔'' وہ ہاتھ جوڑ کر اس کے سامنے کھڑی تھی۔

''اب مجھے اجازت دو۔ زرمین انتظار کررہی ہوگی۔'' وہ آہستگی سے بولا۔

''آمو! تم کیا جانو کہ میں نے اپنے اس ناتواں دل پر پتھر کی سل رکھ لی ہے۔ اب مجھے سمجھ آئی ہے کہ ڈرامے حقیقت کی بنیاد پر لکھے جاتے ہیں۔ مگر اس کی ایکٹنگ میں سچائی نہیں ہوتی۔ بھلا ایک عورت اپنے خاوند کو ہنسی خوشی دوسری عورت کے پہلو کی زینت کو کیسے قبول کرسکتی ہے۔ آمو میں تو فریب میں ہی ماری گئی۔'' وہ تڑپ رہی تھی۔

''جو ہرو! یہ سب شوقیہ طور پر نہیں ہو رہا۔ میری جان یہ آئیڈیا بھی تم نے ہی اچھالا تھا خوامخواہ اور میں تو ہوں ہی تمہارا شیدائی۔ تمہاری کسی بات کو رد کرنا میں نے سیکھا ہی نہیں۔ کیونکہ تم نے مجھے آج جس مقام پر لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ میرا خاندان میرے قدموں کی دھول بن چکا ہے۔ بھلا میں تمہارے احسانات کو بھول سکتا ہوں۔'' وہ محبت بھرے لہجے میں بول رہا تھا۔ کہ ٹمو کے بڑبڑانے کی آواز پر جو ہرو نے چونک کر اس کے بستر کی طرف دیکھا۔ وہ نجانے اپنی مخصوص زبان میں کیا کہہ رہا تھا۔

''تمہیں کھو کر کیا پایا ہے میں نے۔ آمو! یہ اپاہج لڑکا۔ یہ ہے میرا نصیب اپنا مقدر سنوارنے نکلی تھی۔ نصیبوں جلی بن گئی اور تمہیں خوش نصیبوں کی فہرست کا حصہ بنا دیا۔'' وہ نفرت سے بھنویں چڑھا کر بولی۔

''کیوں فکر کرتی ہو؟ اس کے لیے آیا کا انتظام کروا کر چھوڑوں گا۔ اب میرے تحفظ میں اسے کس کا ڈر ہے۔ جواب انکار کرے گی۔ چاہے دس ملازم رکھے۔ کوئی ڈر خطرہ ہے ہی نہیں۔ تمہیں کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی بلکہ اپنے لیے بھی ایک لڑکی رکھ لینا۔ جو صرف تمہاری خدمت گار ہوگی۔'' وہ نرمی سے بولا۔

''آمو! زری پیسے کے معاملے میں بہت کنجوس ہے۔ کیا مجال جو ایک پائی فالتو خرچ کر جائے۔ دکانداروں سے پانچ روپے کی بارگیننگ میں گھنٹوں صرف کر دیتی ہے۔'' وہ ناک منہ بناتے ہوئے بولی۔

''وہ ایک نوکر بھی نہیں رکھنے دے گی۔ میری بات یاد رکھنا۔ یہ سب ان سیکورٹی کی نشانیاں ہیں۔''

''اپنے فیوچر کے لیے اسے ہر صورت پیسے کو سوچ سمجھ کر ہی استعمال کرنا چاہیے تھا۔ یہ تو تم بھی جانتی ہوناں کہ درخت ہم نے لگایا پھل اگلی نسل نے کھایا۔ یہی حال زری کے پیسے کا ہے۔ اس نے جو بھی بچایا وہ تمہارے ہی کام آئے گا۔ میری یہ بات یاد رکھنا۔ میں بھی تو تمہاری قربت میں بہت دور اندیش ہو گیا ہوں۔ خوامخواہ رو رو کر ہلکان ہو رہی ہو۔ جھلی نہ ہو تو۔''

وہ اسے پیار سے چپت مارتے ہوئے بولا۔

''تم نہیں سمجھو گے۔'' وہ پژمردگی سے بولی۔ ''تم تو بے حس انسان ہو۔ دماغ تیز ہوتا تو آج

میری فریادوں کو سمجھ پاتے۔''

''یار تمہاری سمجھ دانی بہت وسیع ہے۔ مجھے سمجھادو۔ جو بھی دل میں ہے۔کونسا خوف، ڈر اور اندیشہ تمہیں کھائے جارہا ہے۔ یہ فیصلہ تو تمہارا ہی تھا۔ میرا تو ایسا کوئی ارادہ نہ تھا۔ کہاں زری اور کہاں میں۔ایک زمین اور دوسرا ہے آسمان چاند اور ستاروں سے آراستہ کیا ہوا۔'' وہ جھوم اٹھا تھا۔

''آمو! مجھے آج احساس ہوا ہے کہ دولت اتنی ضروری نہیں ہوتی۔ اسٹیٹس کی بھی کوئی اہمیت نہیں۔سب بیکار ہے۔ ان کے بغیر گزارہ ہوسکتا ہے۔مگر آمو کے بغیر جینا محال ہوگیا ہے۔'' وہ پھر دھاڑیں مار کر رونے لگی۔

''پگلی کہیں کی۔'' وہ اسے پیار کرتے ہوئے بولا۔''میں زندہ ہوں تمہارا سہاگ سلامت ہے۔ اپنا دل بڑا کرو۔ ہمارے جیسے لوگوں کو جذباتی پن زیب نہیں دیتا۔ ہمیں تو پریکٹیکل ہونا چاہیے ناں جو باتیں تم مجھے سمجھایا کرتی تھی۔ حیرت کی بات ہے کہ آج وہی باتیں میں تمہیں سمجھا رہا ہوں۔'' اس کے لہجے میں ایک دم سے کرب عود کر آیا تھا۔ دیر تک اس کی کمر پر پھیرتے ہوئے اسے تسلیاں دیتا رہا۔

''اچھا آمو اب تم جاؤ۔'' وہ قدرے سنبھل کر بولی۔

''میرا دل نہیں چاہ رہا جو ہرو۔'' اس کا دل دکھ سا گیا تھا۔

''ایسے مت کہو آمو! زرمین کے پاس خوشی خوشی جاؤ۔ مجھے صبر آہی جائے گا۔ کیونکہ اب اس کے بغیر کوئی چارہ جو نہیں رہا۔ صبر کا مطلب آج سمجھ آگیا۔'' وہ آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔''مجھے بھی بتاؤ کہ آج صبر کا مطلب تم نے کیا نکالا ہے؟'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''صبر نام ہے بے بسی، مجبوری اور ناکامی کی قبولیت کا۔''

وہ لمبی سسکی بھرتے ہوئے بولی۔

''تم نے تو کروڑوں کی بات کرڈالی ہے۔ مجھے بھی آج ہی صبر کا اصلی مطلب سمجھ آیا ہے۔'' وہ افسردگی سے بولا۔

''آمو اللہ تعالیٰ ہمیں بھی تو کسی وڈیرے کے گھر پیدا کرسکتا تھا۔ اس نے ہمیں اس قدر غریب اور مفلس خاندان میں پیدا کیوں کردیا؟ اور پھر ہمارے ذہن میں امیرانہ شوق کیونکر ڈال دیئے۔ ہمیں اپنے ماں باپ کی طرح نابلد رکھتا۔ ہماری سوچوں پر پہرے بٹھادیتا تو آج ہم گاؤں میں ہنسی خوشی زندگی گزار رہے ہوتے۔ پانچ سال میں ہمارے پانچ بچے بھی ہوچکے ہوتے۔ ہمارا آنگن ان کے دم سے گل وگلزار ہوتا۔'' اس کے لہجے میں پچھتاوا تھا۔

''اب الٹے قدم اٹھا کر چلنے سے تم گزرا ہوا وقت واپس نہیں لاسکتی۔ تم ماضی پر کمند ڈالنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ اس حالیہ حالات کے مطابق تم نے جو قربانی دے ڈالی ہے۔ حال کا بروقت فائدہ اٹھایا ہے۔ اب ہم دونوں کی خوشیاں اور کامیابیوں کا دارومدار ہمارے اپنے مزاج اور قبولیت پر ہے۔

اس وقت منفی سوچوں سے خود کو عذاب میں ڈالنا سراسر قیامت ہے جو ہرو۔ ہم نے تو یہ تمام کارروائی جنت کے حصول کے لیے کی ہے۔ نہ اپنا دل مندا کر نہ ہی میرا موڈ خراب کر۔"

"ہم نے جو بھی کر دیا ہے اس میں مصلحت بھی ہے اور سکون واطمینان بھی۔ ہمارے اس فیصلے میں اس کا کمال ہے۔ اسی کا ہاتھ ہے۔ جس نے ہمیں پیدا کیا اور شعور جیسی دولت سے نواز دیا۔ اس لیے شکرانے کے ساتھ سر جھکا کر کولہو کا بیل بننا ہی بہتر حل ہے۔"

"تم سونے کی کوشش کرو صبح ملاقات ہوگی ناشتے کی ٹیبل پر۔" آمو نے اسے سمجھاتے ہوئے نہایت ملائمت سے کہا۔

"ناشتے کی ٹیبل پر کیوں؟ صبح فجر کی نماز کے لیے اٹھنا نہ بھولنا۔ آجانا میرے پاس۔ میں منتظر رہوں گی۔ اب زیادہ ہی پھیلتے نہ جاؤ۔" وہ اتنا کہہ کر پھر زار وقطار رونے لگی۔

"جوہرو مجھے روکر رخصت کروگی تو میرا زرمین سے بات کرنے کو دل نہیں چاہے گا۔ کیا تم یہ چاہتی ہو کہ بنا بنایا کھیل بگڑ جائے۔" وہ افسردگی سے بولا۔

"ہرگز ایسا نہیں چاہتی۔" وہ ایک دم سے خود کو سنبھالنے لگی۔ "یہ خبر سن کر خوش ہو جاؤ۔ اور پرسکون نیند لو۔"

"ہنی مون پر تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گا۔ آخر تم بھی تو میری بیوی ہو پہلا پیار اور پہلا ساتھ اور میرے دل پر حکمرانی کرنے والی رانی تم ہی تو ہو۔" وہ شگفتہ لہجے میں بولا تو وہ خاموش رہی۔

"بڑے لوگوں کے کام بھی بڑے خیالات بھی بڑے۔ نام بھی بڑے مجھے زرمین کی باتوں سے اندازہ ہوا ہے کہ ہم پیرس ہنی مون منانے جارہے ہیں۔" وہ خوشگوار لہجے میں بولا۔

"تمہاری تو لاٹری نکل آئی ہے آمو۔ میدے کی طرح اس کی رنگت ہے۔ سرو جیسا قد اور سڈول بدن والی زرمین کے سامنے تم کیا لگو گے۔ توے پر روٹی اور سرو کے ساتھ جنگلی پستی جھاڑی اور تمہارا جسم لاغر اور بیمار جس پر بوٹی کا نام ونشان نہیں۔" وہ طنزیہ بولی اور زوردار قہقہہ لگا اٹھی۔

"جاؤ مالکن کی مٹھی چاپی کرو اور ٹپ وصول کرو۔"

آمو نے اس کی طرف زہر آلود نظروں سے دیکھا اور گلاب کے ہار کو فرش پر پھینک کر باہر نکل گیا۔

❖ ❖ ❖

"شامیر! اللہ نے تمہیں ننھی سی پری سے نوازا ہے۔ اسے دیکھ کر مجھے فرشتے کے بچپن کا گمان ہونے لگا ہے۔ مگر تم ہو کہ منہ پھلائے ہوئے سوچوں میں گم ہو۔ حیرت کی بات ہے۔ مجھے تو ایسے لگ رہا ہے۔ جیسے ماں سے تمام دوستی، یگانگت اور رازداری کا رشتہ ختم کر بیٹھے ہو۔ جو اپنی پریشانی مجھ سے چھپا رہے ہو۔ تم ایسے کٹھور دل اور غصیلے تو کبھی نہ تھے۔" ممی نے تقریباً روتے ہوئے کہا۔

''ممی ایسی تو کوئی بات نہیں۔ میں نے وقت گزرنے کے ساتھ ایک مشاہدہ تو کر ہی لیا ہے کہ غیر لاکھ کوشش کے باوجود کبھی اپنے نہیں بنتے اور اپنے لاکھوں غلطیوں اور ناراضگی کے باوجود غیر نہیں بن جاتے۔ جیسے فرشتے اور آپ ہیں۔'' وہ اک لمبی آہ بھر کر بولا۔

''بیٹا! تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو۔ جب سے ٹور سے واپس آئے ہو نجانے تم دونوں کو کیا ہوگیا ہے کہ پہلے والی بات ہی نہ رہی۔ بیٹا اپنے مسائل اپنے ہمدرد کو بتانے سے ان کا حل بھی مل جاتا ہے اور ذہنی طور پر بھی انسان اس کے بوجھ سے آزادی محسوس کرنے لگتا ہے۔ میرا بچہ اتنا خاموش تو کبھی نہ تھا۔ ایسا کونسا دکھ پال رکھا ہے تم نے اندر ہی اندر۔ تمہاری ماں اس دکھ میں ہر وقت ناخوش اور بے چین رہنے لگی ہے۔'' وہ اسے پیار کرتے ہوئے تڑپ کر بولی۔

''آپ اپنا دل مضبوط رکھیے گا۔ میں جو خبر آپ کو سنانے جا رہا ہوں۔ خوشگوار ہرگز نہیں۔ ممی! فرشتے کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔ میں اس کے ساتھ کمفرٹیبل نہیں رہا۔ میں نے اسے سمجھنے میں غلطی کی۔ جلد بازی میں اتنا بڑا فیصلہ کرلیا تھا۔'' وہ نخوت سے بولا۔

''وہ ہمارے خاندان کے قابل نہیں تھی۔''

''بیٹے ایسی گھناؤنی سوچ کو ذہن سے کھرچ کر نکال دو۔ یہ تمام سوچیں شادی سے پہلے ضروری تھیں۔ اب تم تین بچوں کے باپ ہو۔ بچے والدین کی چپقلش میں ادھورے اور نامکمل رہ جاتے ہیں اور سنگل پیرنٹ کی صورت میں تو ابنارمل اور سائیکو بن جاتے ہیں۔ فرشتے بہت عقل مند اور نیک بچی ہے۔ آج تک مجھے اس سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ ورنہ آج کل کی لڑکیاں تو صرف لڑکے سے شادی کرتی ہے۔ سسرال سے ان کا کوئی لینا دینا نہیں ہوتا۔ نہ ہی وہ ان سے کسی قسم کا رابطہ و تعلق رکھنے کو ضروری سمجھتی ہیں۔ میں فرشتے کی حوصلہ مندی اور صبر کو داد دیتی ہوں کہ وہ تمہارے اور میرے پیار کے درمیان کبھی مسئلہ نہیں بنی۔ کبھی ناجائز ڈیمانڈ کی ہے نہ ہی میری کسی زیادتی کو جتا کر مجھے شرمندہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایسی لڑکی مجھے چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہ ملتی۔ میں مکمل طور پر مطمئن اور خوش ہوں اس کے ساتھ اس لیے طلاق تو کیا تم اسے علیحدگی بھی اختیار نہیں کر سکتے۔'' وہ اسے پیار سے سمجھا رہی تھی۔

''ممی! ماضی میں جن کی نگاہوں میں کھوٹ' دل میں مکاری اور چال بازی کی چالیں اور ذہن میں غلاظت اور خباثت بھری سوچیں موجزن ہوں تو ایسے لوگ اپنی زبان کو مقفل کر کے ہی دوسروں کو بے وقوف بنایا کرتے ہیں۔ اپنے عیبوں پر پردہ داری کا بہترین ہتھیار اس کی خاموشی ہی تو ہے۔ اگر یہ پرگنینٹ نہ ہوتی تو نو مہینے پہلے ہی میں اسے رخصت کر چکا ہوتا۔'' وہ حقارت و نفرت سے بولا۔

''بیٹا ایسا بھی کیا ظلم و ستم ڈھا دیا ہے کہ نوبت یہاں تک آگئی ہے۔''

وہ اچنبھے سے بولی۔ ''شادی کے فیصلے میں بھی تیزی اور اب اس سے چھٹکارا حاصل کرنے

میں بھی جلد بازی۔ میں نے پہلے تو تمہارا ساتھ دینے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا کر تمہارے پاپا کو منا لیا تھا۔ مگر اب تمہیں اس قبیح فعل کی ہرگز اجازت نہیں دوں گی۔ چاہے فرشتے کا تعلق کسی ہیرا منڈی سے ہی کیوں نہ ہو اب وہ ہماری عزت اور ہماری نسل کا فخر ہے۔ یہ کٹھ پتلی کا تماشہ ہے نہ ہی کوئی فلمی ڈرامہ ہے۔ نہ ہی گڈے گڈی کا کھیل ہے کہ تم نے تین بچوں کے بعد طلاق کو اتنا آسان سمجھ لیا۔ خبردار جو آج کے بعد اس قسم کی بے ہودہ بکواس کی۔ یعنی تم نو مہینے سے اس مسکین کا ناک میں دم کئے ہوئے ہو۔ بڑے افسوس کی بات ہے۔'' وہ غصے سے کانپتے ہوئے بولی۔

''اس سے نکاح پڑھواتے وقت تم نے اس کی رضا مندی لی تھی۔ اب طلاق دینے سے پہلے بھی اس کی آمادگی معلوم کرلو۔ مذاق بنا رکھا ہے تم ناہنجاروں نے۔ نکاح کے وقت لڑکی کی رضا مندی اور قبولیت کو اولیت دی جاتی ہے اور طلاق دیتے وقت نہ اس سے مشورہ لیا جاتا ہے نہ ہی اس کی عزت کی پاسداری کی جاتی ہے جاؤ قرآن سے ہی سبق سیکھ لو اور کان کھول کر سن لو۔ فرشتے اس گھر سے نہیں جائے گی۔ چاہے تم اسے طلاق ہی کیوں نہ دے دو۔ وہ اسی گھر میں اس گھر کی مالکن بن کر رہے گی۔''

وہ سر جھکائے ماں کے سامنے بیٹھا ان کی ہر بات پر غور کر رہا تھا۔ ''مجھے ایک سوال کا جواب دو۔ اسے کس کے سہارے گھر سے نکالو گے۔ کون کہے اس کا یہاں اس کا کونسا گھر ہے۔ وہ جہاں خود کو محفوظ کرلے گی۔ اب مجھے سمجھ آئی ہے کہ شادی سے پہلے فرشتے نے جہان کے ذریعے جو پیغام بھجوایا تھا کہ پراپرٹی میں اس کا نام ہونا چاہیے کیونکہ ان کے اس قانون کی اب مجھے سمجھ آئی ہے۔ پنجابی تو بہت گھٹیا اور سفلہ ہے۔ مرتا مرجائے گا۔ اپنی شریک سفر کے لیے کیا مجال کہ کچھ سوچ لے۔ کیونکہ پنجابی بے مہار اور آزاد رہ کر کسی بھی وقت اپنا حق استعمال کرنے کے تمام راستے کھلے رکھنا چاہتا ہے۔ اب سمجھی کہ گھریلو حالات اور شوہر کے مزاج کے مطابق طلاق کا فیصلہ کرتے وقت رکاوٹ کا کانٹا جائیداد کی صورت میں بہت بڑی مصیبت کھڑی کرسکتا ہے ناں۔ دراصل تم لوگوں کا مقصد ہے بیوی کو بے دست و پا رکھنا اور اگر اس سے بن نہیں پائے تو اسے ننگے سر اور پاؤں کے گلیوں میں ذلیل و خوار کرنے کے تمام رستوں کو وا رکھنا۔'' ممی نے مہتر و غضب سے کہا اور اٹھ کر فرشتے کے کمرے میں چلی گئی۔

''یہ ہے تم لوگوں کا ظرف اور بڑائی، عظمت اور بھلائی۔'' وہ حیرت سے ماں کو دیکھتا ہی رہ گیا۔ یہ روپ تو اس کے سامنے کبھی نہ آیا تھا۔ ممی تو اس کی ہر بات پر خوشی سے اقرار کیا کرتی تھی۔ آج فرشتے اس سے پیاری کیسے ہوگئی۔ فرشتے کمرے میں بیڈ پر آنکھیں بند کئے لیٹی تھی۔ کاٹ میں بچی رو رو کر ہلکان ہو رہی تھی۔ فرشتے بے خبر تھی جیسے کانوں میں روئی کے گالے ٹھوس دیئے ہوں۔ میں صدقے قربان جاؤں۔ ممی نے اسے تیزی سے اٹھا کر سینے سے لگا لیا تو وہ خاموش ہوگئی۔ مگر اس کی

سسکیاں بند نہ ہوئیں۔

''فرشتے! بچی بھوکی ہے۔ اسے دودھ پلاؤ'' وہ فرشتے کی بغل میں بچی کو لٹاتے ہوئے بولی۔ تو فرشتے نے کرب زدہ آنکھوں سے ساس کی طرف دیکھا۔

''اسے دودھ پلاؤ اور مجھے اپنی ساس نہیں ماں سمجھ کر پریشانی کی وجہ بتاؤ۔ میں تو شاکڈ ہوگئی ہوں۔ شامیر کے بیہودہ ارادے اور فضول فیصلہ سن کر۔'' فرشتے اٹھ کر بیٹھ گئی اور بچی کو گودی میں لٹا کر اسے دودھ پلاتے ہوئے رونے لگی۔ ''ممی میں بے گناہ ہوں۔ مجھ سے کوئی غلطی انجانے میں بھی سرزد نہیں ہوئی۔''

''کیسی غلطی؟ کیسا گناہ؟''

''بیٹا بتاؤ! تم دونوں کے درمیان جو خاموش اور سرد جنگ چل رہی ہے۔ اس کی کوئی وجہ تو ہوگی۔ شامیر کا دماغ کیوں چل گیا ہے؟'' وہ اسے پیار کرتے ہوئے بولی تو اس کے آنسوؤں کی رفتار بڑھ گئی۔

''بچے کو دودھ پلاتے ہوئے روتے نہیں ورنہ اس کی نیچر میں مایوسی گھر کر لے گی۔ میرے بچے حوصلہ کرو۔ اس سے فارغ ہو کر مجھے اپنی پریشانی میں شامل کرلو۔ شائد کچھ کمی آجائے۔ لگتا ہے ہمارے گھر کو کسی حاسد کی نظر ہی لگ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور نعمتوں میں زہر کی آمیزش اپنوں کی طرف سے ہی ہوا کرتی ہے۔'' ممی نے سوچتے ہوئے کہا تو ذہن میں کتنے ہی اپنوں کے ہیولے گھوم گئے۔ حالانکہ وہ ضعیف الاعتقاد خاتون نہیں تھی اسے تعویذوں گنڈھوں اور نظر لگنے پر قطعاً یقین نہیں تھا۔ آج اتنی کمزور پڑچکی تھی کہ شک نے اس پر غلبہ پالیا تھا۔ وہ خاموشی سے سوچتی رہی اور فرشتے آنسو پینے کی کوشش کرتی رہی۔

ممی نے بچی کو سوتے ہوئے دیکھ کر کہا۔ ''بیٹا اسے کارٹ میں ڈال دو اور ادھر میرے پاس آؤ۔'' فرشتے نے بچی کو کارٹ میں ڈالا اور ممی کے ساتھ صوفے پر بیٹھ کر ماضی کی سچی کہانی اس کے گوش گزار دی۔ ممی بھی ایک دم سے مضطرب نظر آنے لگی۔ اک طویل توقف کے بعد نرماہٹ واپنائیت سے بولی۔

''بیٹا! شوہر کے سامنے بیوی کھلی کتاب کی مانند ہو تو یہی بہتر رہتا ہے۔ میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہیں۔ پھر اس سے پردہ داری کیسی؟ وہ ایک دوسرے کے عیبوں کی پردہ داری رکھتے ہیں یہی تو اس لباس کی خاصیت ہے۔ بھید کبھی چھپا نہیں رہتا۔ ایک دن اک جن اور بھوت کی صورت میں نمودار ضرور ہوتا ہے۔ پھر وہی راز زمانے بھر میں گردش کرنے لگتا ہے جو کتنے ہی من گھڑت روپ اپنا لیتا ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں کہ اپنے شوہر کے سامنے ہی برہنہ ہو جائیں ایسے عمل سے زمانے بھر کی ذلتوں سے بچاؤ ہو جاتا ہے اور شوہر کے اعتماد کو ٹھیس بھی نہیں پہنچتی۔ خیر اب تو جو ہونا تھا تمہاری

ناسمجھی کی وجہ سے ہوگیا۔ اب ہمیں یہ سوچنا ہے کہ شامیر کے اعتماد اور بھروسے کو واپس کیسے لایا جائے؟ بیٹا! بیوی سے ایک بار اعتماد اٹھ جائے تو پھر واپسی ناممکن ہوجاتی ہے۔ میں نے تمہاری ہر بات پر یقین کرلیا ہے کیونکہ ان بگڑتے ہوئے حالات پر تمہارا اختیار نہیں تھا نہ ہی اس میں تم کہیں پر بھی قصوروار ہو۔ نہ ہی مجھے تمہاری پاک دامنی پر شک ہے۔ مگر یہ شوہر بڑی ہی عجیب سی مخلوق ہے۔ اس کے ہاتھ ذرا بھر غلطی بھی آجائے تو وہ پہاڑ بن کر ازدواجی زندگی پر حاوی ہوجاتی ہے۔ یہ تو اعتماد اور بھروسے کو ٹھیس پہنچنے کی ناقابل معافی غلطی ہے۔'' وہ سخت فکرمند نظر آنے لگی تھی۔

''ممی آپ ہی کچھ کیجئے۔ انہیں مجھ سے بات کئے دس مہینے ہوگئے ہیں۔ وہ میری ایک نہیں سنتے۔ کانوں میں سیسہ انڈیل رکھا ہے۔ زبان کو مقفل کرلیا ہے۔ ایسے تو یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ انہوں نے اس مسئلے کا جو حل سوچ رکھا ہے۔ وہ تو سراسر ظلم ہے مجھ پر اور ان تین معصوم بچوں پر۔ مجھے ناکردہ گناہ کی سزا نہیں ملنی چاہیے۔ ممی آپ تو بہت عظیم لوگ ہیں۔ جنہوں نے مجھے اپنے تاج کا نگینہ بنا کر مجھے عزت افزائی بخشی۔ ورنہ جلد یا بدیر میرا فیوچر بھی اپنی بہنوں جیسا ہی ہوتا۔ مجھے اب سمجھ آگئی ہے کہ مجبوری کا شکنجہ فولاد سے بنا ہوتا ہے۔ جو اس کے قبضے میں چلا جائے پھر رہائی ناممکن ہے۔ اگر خوش قسمتی سے آزادی مل جائے تو شیطان انسان سے فرشتوں کے مقام تک جا پہنچتا ہے۔'' وہ رنجیدگی سے بولی۔

''بیٹا! ایسا ہرگز نہ ہوتا کیونکہ تم ان تینوں سے مختلف تھی۔ فطرت تو مرتے دم تک ہم جولی ہی رہتی ہے۔ اچھی ہو یا بری۔ بے شک حالات اسے بدلنے کی بتدریج کوشش میں مصروف تو رہتے ہیں۔ مگر ضمیر کی تڑپ فطرت کو بدلنے نہیں دیتی۔ تم بہت مضبوط کردار کی بچی ہو۔ بھلا اللہ تعالیٰ تمہارا ساتھ کیسے چھوڑ سکتا ہے؟ بس صبر اور تسلی رکھو۔ میں نے شادی والے دن تمہیں کہا تھا کہ میں تمہاری ماں اور تم میری بیٹی ہو۔ وہ مذاق نہ تھا۔ جذبات میں بہتے ہوئے الفاظ نہ تھے۔ اک ماں کے دل سے نکلا ہوا مستحکم وعدہ تھا۔ فکر نہ کرو۔ اپنی صحت کا خیال رکھو۔ اس وقت یہ ضروری ہے۔ شامیر بھی فرشتہ خصائل انسان ہے۔ اس کی سختی اور خفگی بھی وقتی ہے۔ غم نہ کھاؤ۔''

''میری جان بچوں کی ماں کی جڑیں بڑی ہی مضبوط ہوتی ہیں۔ اسے اکھاڑنا اتنا آسان نہیں جتنا شامیر نے سمجھ رکھا ہے۔'' وہ اس کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

''آنسو صاف کرو۔ تمہاری خاموشی تمہاری کمزوری کی غمازی کررہی ہے۔ کمزور عورت کو اس کا مرد کبھی بھی حقوق سے نہیں نوازتا۔ یہ جو تم ڈر اور خوف کا تالا زبان پر لگائے بیٹھی ہو شامیر اسے گناہ اعتراف سمجھ کر بے دردی سے اپنا حق استعمال کرے گا۔ پھر تم کچھ بھی نہیں کرسکو گی۔ اس کے سامنے اس زبان کی گرہ کھولو اور اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے دانشمندی سے کام لو۔ سب ٹھیک ٹھاک ہوجائے گا۔''

''میں ان سے بحث مباحثہ نہیں کر سکتی۔'' وہ بے بسی سے می کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔
''می میں ایسا نہیں کر سکتی۔ مجھے ان سے خوف آتا ہے۔''
''تو پھر بیٹا جی ایسے کرو خودکشی کر لو۔'' وہ غصے سے بولی۔
''می آپ تو خفا نہ ہو۔ میرا سہارا آپ ہی تو ہیں۔'' وہ لاچارگی سے بولی۔
''میں بزدل اور ڈرپوک بیٹی کا ساتھ نہیں دوں گی۔ گوٹو ہیل، تمہاری جیسی لڑکیاں ہی تو اس معاشرے کا ناسور ہیں۔ تم اپنے ماضی کا موازنہ کرو کہ تمہارا اٹھا ہوا ہر قدم اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ تم نے اپنی بزدلی کی وجہ سے امتحان سے فرار حاصل کیا ہے نیک اور پاک دامن عورت کی بولڈنیس اسے ہر خطرے سے محفوظ رکھتی ہے۔ کتے کے بھونکنے اور کاٹنے کے ڈر سے جب تک بھاگتی رہو گی وہ تمہارا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ جونہی رک کر پتھر اٹھانے کے لیے جھکو گی وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑا ہو گا۔ مڑ کر دیکھے گا بھی نہیں۔ اب تم ماں ہو۔ تمہاری اکیلی ذات ان حالات سے وابستہ نہیں رہی تمہاری ذات کے ساتھ تین بچوں کا مستقبل وابستہ ہے۔ اپنے لیے نہ سہی ان تین معصوم بچوں کی خاطر ہی سر اٹھا کر کھڑی ہو جاؤ اور اپنی حیثیت منوانے کی خاطر ڈٹ جاؤ۔ میری جان! ہر لمحے کیوں مر مر کے جیتی ہو۔ پیدائش اور نزع کی تکلیف سے باہر نکل آؤ۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تمہاری ماں تمہاری ہمدرد اور تمہاری دوست۔'' وہ پھر اسے نرمی سے سمجھانے لگیں۔
''می! شامیر مجھے گھر سے نکال دیں گے کیونکہ وہ ہر وقت اتنے غصے میں رہتے ہیں کہ میں تھر تھر کانپتی رہتی ہوں۔ آج زبان کھول دی تو وہ طلاق کا حق استعمال کرنے میں دیر نہیں لگائیں گے۔ می میں اپنے بچوں کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ مجھے اس گھر میں خاموشی سے رہنے دیجئے۔'' وہ بلک بلک کر رو پڑی۔
''میں نے کہا ناں کہ رونا دھونا بند کرو۔'' وہ تقریباً چیختے ہوئے بولی تو فرشتے نے اپنے آنسو صاف کر لیے۔
''تین بچوں کی ماں کو طلاق دینا اتنا ہی آسان ہوتا تو شامیر کب کا یہ فیصلہ کر چکا ہوتا اس لیے تو اس کا غصہ اس کی بے بسی اور مجبوری کی وجہ سے دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ بیٹا تم نے اتنے نشیب و فراز میں بھی کچھ نہ سیکھا کہ مانا خاموشی کا ہتھیار بہت طاقتور ہوتا ہے۔ مگر اس کے استعمال میں ہر مقام اور ہر موقع پر فرق ہوتا ہے۔ کبھی کبھار خاموش ہتھوڑے کو بھی قوت گویائی کی جرأت دی جاتی ہے۔ مجھ سے وعدہ کرو کہ تم آج ہی شامیر سے بات کرو گی۔ اگر تمہاری بات کو رد کر دیتا ہے تو اسے پھر سمجھانے کی کوشش کرو۔ اگر تمہاری نرمی سے سیخ پا ہو جاتا ہے تو پھر سختی سے بولو اور اپنی آواز اتنی بلند کر لینا کہ اس کی تمام باتوں پر تمہاری آواز غالب آ جائے۔ وہ شاک میں جائے گا۔ چند لمحوں کے لیے خاموش رہے گا۔ انہی لمحوں کا فائدہ اٹھا کر اسے چھوڑ جانے کی دھمکی دینا مع بچوں کے کابل جانے

کا پروگرام گوش گزار دینا۔ یہاں تک تمہارا رول ہے۔ بہادری اور دلیری سے کام لینا اگلا رول میرا ہے اسے ناک سے چنے نہ چبوا دیئے تو یوں سمجھ کہ نہ اس کی ماں کہلانے کے قابل ہوں نہ ہی دادی کے اعلیٰ ارفع رشتے کی حقدار ٹھہرائی جاؤں گی۔"

❖ ❖ ❖

"ممی! میں نے طلاق کے تمام پیپرز تیار کر لیے ہیں۔ آپ اسے سمجھائیں کہ بآسانی اور شرافت سے یہاں سے چلتی بنے۔ شور شرابے میں میں قابو آنے والا نہیں۔ نہ ہی میں اپنے خاندان میں تماشا بنا چاہتا ہوں۔ میں ان بچوں کے مستقبل پر اک بدنما اور سیاہ دھبہ لگا کر انہیں دنیا کے سامنے شرمندہ نہیں کرنا چاہتا۔ بس وہ چپکے سے طلاق پکڑے اور ہماری جان چھوڑے۔" وہ قہر آلود لہجے میں بولا۔

"بآسانی۔ واہ بھئی۔ تمہارے تین عدد بچے پیدا کرنے کے بعد وہ بآسانی چپکے سے تمہیں کیسے چھوڑ سکتی ہے؟ بہت بے وقوفانہ باتیں کرنے لگے ہو۔ اس کی بات پر یقین کرو۔ نہیں تو میری ہی زبان کی لاج رکھ لو۔ میری ہی التجا سن لو کہ یہ اللہ کا ناپسندیدہ عمل ہے۔ اگر تم سے سرزد ہو گیا تو وہ تم سے تمام نعمتیں چھین سکتا ہے۔ جو وافر مقدار میں تم پر نازل ہوئی ہیں توبہ استغفار پڑھو اور تمہارے دماغ میں جو فتور ہے' اس سے ہمیشہ کے لیے کنارہ کشی اختیار کرو۔ بیٹا اس وقت تم شیطان کے قبضے میں ہو۔ اندھے اور بہرے ہو گئے ہو۔ جب وہ تم سے اپنا مقصد پورا کروا لے گا تو تم منہ کے بل زمین پر جا گرو گے۔ پھر وہ تمہاری پشت پر کھڑے ہو کر اپنی صحت مندی اور تمہاری شکستگی کا بلند نعرہ لگا کر دین و دنیا میں تمہیں ذلیل و رسوا کرے گا۔ خدا کے لیے اپنی بند آنکھیں کھولو اور کانوں میں شیطان کی ٹھونسی ہوئی انگلیوں کو نکال کر فرشتے کی بات پر غور کرو اور میری حکم عدولی کے عذاب سے باہر نکل آؤ۔ اس نافرمانی کے انجام سے تو تم اچھی طرح باخبر ہو۔ پھر ہٹ دھرمی پر کیوں اڑ گئے ہو۔ اس وقت ہمارا گھرانہ دوزخ کے دہانے پر کھڑا ہے۔ خدا کے لئے اسے جہنم رسید ہونے سے بچالو۔ یہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اس وقت اسے جنت الفردوس تک لے جانے کا اختیار صرف تمہیں حاصل ہے۔" وہ پیار سے سمجھاتے ہوئے بولی۔

"سب سے بڑا شیطان تو فرشتہ ہے ممی۔ وہ یہاں سے نکل گئی تو آٹومیٹکلی ہم بہشت کے رہائشی ٹھہرائے جائیں گے۔" وہ اضطراری کیفیت میں بولا۔

"بیٹے تم اتنے ضدی تو کبھی نہ تھے۔" وہ اتنا کہہ کر سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

"ممی وہ بدزبان، بدکردار اور بدتمیز عورت اب مجھ سے ہر وقت جھگڑتی رہتی ہے۔ کس بل بوتے پر ذرا اس سے آپ ہی پوچھیں۔' وہ ناگواری سے بولا۔

"جب میاں بیوی کے معاملے میں بڑوں کی دخل اندازی ہونے لگے تو اس کا انجام بہت بھیانک ہوتا ہے۔ اس لیے مجھے تو دور ہی رکھو۔" وہ بھی ناگواری سے بولی۔

''ہر وقت خود کو بے گناہ اور مجھے ظالم اور جابر کہہ کر کوستی رہتی ہے۔ ممی میں اس کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ یہ خوب رہی۔ اب فرماتی ہے کہ بچوں سمیت کابل فرار ہو جاؤں گی۔ تم ڈھونڈتے رہ جاؤ گے۔ اگر مجھے ڈھونڈ بھی لیا تو زرتاش دیدی تم سے نپٹنے کے لیے کافی ہے۔ ممی مجھے اٹھتے بیٹھتے دھمکیاں دیتی رہتی ہے۔'' وہ زہر خند لہجے میں بولا۔

''آج کے بعد میں تم سے کوئی ڈس کشن نہیں کروں گی۔ انسان سے جب اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے تو اس پر پاگل پن کی کیفیت طاری کر دیتا ہے اور وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے عروج کو زوال کی جانب دھکیل دیتا ہے۔ تم پر یہ کیفیت طاری ہو چکی ہے۔ اب اس سے بچاؤ ناممکن ہے۔'' وہ تاسف بھرے لہجے میں بولی۔

''ممی! پلیز آپ اسے کہیں کہ بچی کو اپنا دغا باز اور مکار دودھ پلانا بند کرے۔ کم بخت میری تو مان کے نہیں دے رہی اور میرے تینوں بچوں کے نام بھی تبدیل ہونے چاہئیں۔ ہم بھی بہت جذباتی لوگ ثابت ہوئے ہیں۔ عبدالعزیز، حبیبہ گل اور ریشم سب بکواس نام ہیں۔''

وہ روکھائی سے بولا۔ ''اس کے ماں باپ کے ناموں کا میرے خاندان میں کیا کام؟ جو اس نے کہہ دیا ہم نے اسے قرآن کا حرف سمجھ لیا۔ اب یہ زیادتی نہیں کہ اپنی بدکردار بہن کے نام سے گڑیا کو پکارنے لگی ہے۔ ریشم ریشم کہہ کر مجھے چڑاتی ہے وہ۔''

''میں اس موضوع پر مزید سر کھپائی نہیں کروں گی۔ ہاں آخری دفعہ تمہیں بتانا چاہتی ہوں کہ اپنی ضد چھوڑ دو۔ ورنہ وہ بچے لے کر جانا چاہے گی تو میں اسے ہرگز نہیں روکوں گی۔ آخر وہ ماں ہے ان کی اس کی فیلنگز کو تم کیا سمجھو۔ اگر وہ بچے چھوڑ کر جانا چاہتی ہے تو ان بچوں کے لیے سوتیلی ماں نہیں آئے گی۔ گھر بیٹھو اور اپنے بچے پالو۔ اس عمر میں تمہاری اولاد کی آیا گیری میں خود کو بیمار کر بیٹھوں گی۔ تم جیسی اولاد تو بیمار والدین پر تھوک کر ٹھڈا لگا کر گزر جایا کرتی ہے۔ جو باپ اپنی اولاد کا نہیں انہیں ممتا سے دور کرنے کی تکلیف کا احساس نہیں۔ وہ میرا کیسے بن سکتا ہے میں نے تو تمہارا اصلی روپ وقت پر ہی دیکھ لیا ہے۔'' وہ تلخی سے بولی تو شامیر حیرت سے ماں کو دیکھنے لگا۔ پھر سنبھل کر بولا۔

''آپ کو میرے بچوں کی فکر کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ بچے میرے پاس رہیں گے یہ تو اٹل فیصلہ ہے۔ جن بچوں کی مائیں مرجاتی ہیں تو کیا وہ زندہ نہیں رہتے۔ پروان نہیں چڑھتے۔ دنیا کے روزگار میں کمی نہیں آتی۔'' وہ سرعت سے باہر نکل گیا اور طلاق کے تیار شدہ پیپرز وہیں بھول گیا۔

❖ ❖ ❖

''ممی! فرشتے کہاں ہے؟ گڑیا کا رو رو کر برا حال ہے۔ بھوک سے تڑپ رہی ہے بیچاری۔ بہت غیر ذمہ دار عورت ہے۔'' وہ ماں کے کمرے میں آکر چیخنے لگا تھا۔

''کول ڈاؤن۔'' ممی نے اسے پکڑ کر اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا۔

''گھر میں ہی ہوگی۔ وہ بے چاری کہاں جاسکتی ہے؟ ہے کوئی اس کا ٹھکانہ بتاؤ کہ وہ کہاں جاسکتی ہے۔''

''اس کے بے شمار ہمارے ان دیکھے ٹھکانے ہونگے ممی۔ وہ بیچاری نہیں بیچارا تو میں ہوں۔ جو اس کے حسن کے جال میں قید ہوگیا تھا۔'' وہ فوراً کھڑا ہوگیا۔

''نجانے کم بخت کہاں رہ گئی۔ اب تو اس پر میرا رتی بھر رعب نہیں رہا۔ نہ کوئی ڈر ہے نہ شرم حیا۔ میں آج کل میں اسے تو فارغ کر کے زندگی بھر کا اسے مزا چکھاتا ہوں۔ کیا یاد کرے گی؟ کہ شوہر کو بے وقوف بنانے کے نتائج کیا ہوتے ہیں؟ اور زبان درازی، بداخلاقی اور دیدہ دلیری کا انجام کیا ہوتا ہے آج اسے آنے دیں اس مکھی کو تو نکالتا ہوں جو دودھ میں ابھی تک تیر کر خود کو بچائے ہوئے ہے۔'' گڑیا ریشم کی چیخ و پکار ابھی جاری تھی۔ شامیر کی قہر آلود آواز کمرے میں گونج رہی تھی کہ دوسری بیٹی بھی روتے ہوئے وارد ہوئی۔ ممی سنبھالیے ان بچوں کو۔

''کمرے کی الماری سے فرشتے کے کپڑے بھی غائب ہیں جوتے اور پرس بھی نہیں ہیں۔ نجانے زیور کیسے چھوڑ گئی ہے؟''

''مجھے لگتا ہے کسی کے ساتھ فرار ہوگئی ہے۔'' غصے سے اس کے منہ سے جھاگ نکل رہی تھی۔

''اپنی طلاق لے کر جاتی۔ اس کے بغیر وہ کسی سے نکاح تو پڑھوا نہیں سکے گی۔ اب تو حرام پر ہی گزارا کرے گی۔ مگر میری غیرت کو یہ ہرگز گوارہ نہیں کہ وہ میرے نام پر دوسروں کی عیاشیوں کا سامان بنی رہے۔''

''منہ سے ایسی بے ہودہ اور فضول باتیں نکالنے سے پہلے اتنا سوچ لو کہ وہ تمہاری عزت ہے۔ تمہارے بچوں کی ماں ہے غصے میں بہت ہی بے غیرت ہوگئے ہو۔ حرام کی طرف چل پڑے ہو۔ مجھے تم سے ایسی امید نہیں تھی۔'' وہ گڑیا کو اپنے سینے سے چمٹا کر بولی۔

''اگر وہ تمہارے ظلم و ستم سے تنگ آکر کہیں چلی گئی ہے تو پھر اس بچی کے دودھ کا انتظام کرنا ہوگا۔ فوراً فیڈر اور دودھ چاہیے ورنہ بچی۔''

''اس کے منہ میں تھوڑا سا پانی ٹپکائیں۔ میں ابھی فارمولا ملک خرید لاتا ہوں ماں کے دودھ کے بغیر بھی تو بچے پل ہی جاتے ہیں۔ ایسی بھی کیا بات ہے؟'' وہ اپنے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا اور باہر نکل گیا۔ شک تو کینسر کی بیماری کی طرح ہے۔ جس کے سیلز ہر سیکنڈ ملٹی پلائی ہوتے ہیں۔ شامیر تم نے اتنی مہلک بیماری کو اپنے من میں کیوں پال لیا۔؟ وہ بچوں کو روتا ہوا دیکھ کر خود بھی تڑپ کر رونے لگی۔ تھوڑی دیر بعد ہی شامیر واپس آگیا ہاتھ میں شاپرز تھے۔ وہ ماں اور بچوں کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر بوکھلاہٹ سے دروازے میں ہی کھڑا رہ گیا۔

''شامیر! بچے مجھے پاگل کردیں گے خدا کے لیے انہیں یہاں سے لے جاؤ۔ مجھ سے ان کا رونا

دھونا دیکھا نہیں جا رہا۔ کام سے چھٹی کرو اور اپنے بچے سنبھالو۔ ہیلپر لڑکی پہلے سے موجود ہے۔ کچھ نہ کچھ مدد کرتی رہے گی۔ اب تم جانو اور تمہارے بچے میرا اس معاملے میں کوئی سروکار نہیں۔ میں نے تمہیں پہلے بھی بتا دیا تھا کہ اس عمر میں بچوں کی نگہداشت میرے بس کا روگ نہیں۔'' وہ الجھ کر بولی۔

''یہ کیئر جوان ماں ہی کر سکتی ہے۔''

''ممی! آخر آپ کے پیار و دلار کا بھی امتحان فرشتے نے لے ہی ڈالا۔ بچے تو آپ کی جان تھے ان کے بغیر سانس لینا مشکل لگتا تھا آپ کو کیا وہ سب فراڈ اور جھوٹ تھا۔ آج وہ آپ کو بھی تو دھوکہ دے گئی ہے کم از کم جانے سے پہلے آپ کو تو بتا جاتی۔ مگر آج بھی آپ اسی کی سائیڈ لے کر مجھے تڑپا رہی ہیں۔ مجھے جھوٹا اور اسے سچا کہے جا رہی ہیں۔'' وہ تڑپ کر بولا۔

''جب ظلم حد سے بڑھ جائے تو اس کا اختتام کسی نہ کسی صورت میں تو ہوتا ہے۔ تم نے میری ایک نہ سنی۔ اس کی کسی بات پر یقین نہ کیا تو یہ تو ہونا ہی تھا۔ وہ کب تک بھیگی بلی بن کر تمہارے ساتھ زندگی گزار سکتی تھی۔ طلاق تم دینے پر تلے ہوئے تھے۔ وہ غیرت مند اور عزت دار عورت تھی جس نے تمہیں چھوڑ کر اس کلنک کے ٹیکے سے نجات پا لی۔ اب اس سے بہتر بیوی ڈھونڈ لاؤ۔ ان تین بچوں کی موجودگی میں تمہیں کوئی چوکھٹ پار نہ کرنے دے گا۔ اگر کوئی رہی سہی طلاق شدہ، بانجھ یا کنواری ادھیڑ عمر عورت مل بھی گئی تو لے آؤ ان بچوں پر سوتیلی ماں کے ظلم و ستم ڈھانے کے لیے۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''بیٹی کے لیے اگلے گھر سے زیادہ پیچھے کا گھر مضبوط ہونا ضروری ہے۔ اس بیچاری کا پیچھا بھی کمزور آ گا بھی بے یقین اور پانی کا بلبلا ہی نکلا۔'' اس نے شامیر کی طرف سے منہ دوسری پھیر کر کہا۔

''ممی! یہ بچے سنبھالنا اور انہیں تربیت دینا عورت کا کام ہے۔ آپ چوبیس گھنٹے گھر میں موجود ہوتی ہیں۔ سپرویژن کرنے میں تو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ اب میں چوڑیاں پہن کر گھر میں بیٹھنے سے تو رہا۔ جس دن سے وہ دفعان ہوئی ہے۔ آفس تک تو جا نہیں سکا۔ ممی آپ تعاون کے بغیر بچوں کی روٹین سیٹ نہیں ہو گی۔ عزیز اتنے دنوں سے مونٹی سری نہیں جا سکا۔ یہ آیا کے بچے نہیں کہ وہ محنت کرے گی۔ پلیز ممی مجھ پر نہ سہی ان بچوں پر ہی رحم کیجئے۔ صبح عزیز کو تیار کر کے سکول تو چھوڑ آیا کریں۔ آپ تو جاگ رہی ہوتی ہیں۔''

وہ التجائیہ لہجے میں بولا۔ ''آپ نے نوٹ تو کیا ہو گا۔ تینوں ہی بیماری کی طرف جا رہے ہیں۔ چیسٹ انفیکشن اور لوز موشن روز کا معمول بن گیا ہے۔''

''فرشتے نے کسی قسم کی مدد کے بغیر تینوں کو کیا خوب سنبھالا ہوا تھا؟ تم فرشتے کے لئے نہ سہی ان بچوں پر ہی ترس کر لیتے۔ دل میں نرمی پیدا کر لیتے تو آج ہمیں اس مصیبت سے دوچار نہ ہونا پڑتا۔ تم باپ ہوتے ہوئے بے حس ہو گئے تھے تو میں دادی کے ناطے اتنی رحمدل کیسے ہو سکتی ہوں۔''

وہ سختی سے بولی۔

''اب اس کا ورد چھوڑ دیں۔ ممی اب اگر وہ واپس آنا بھی چاہے گی تو اس گھر کے دروازے اس پر ہمیشہ کے لیے بند ہو چکے ہیں۔ مجھے تھوک کر چاٹنا نہیں آتا۔ اگر اسے پلوشہ کے پاس جانا ہوتا ڈنکے کی چوٹ پر مجھے بتا کر جاتی۔ ضرور کسی نامراد یار کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔'' وہ حقارت سے بولا۔

''ماشاء اللہ کیا زبان پائی ہے تم نے۔ اب تمہاری اصلیت سامنے آئی ہے۔ دوسروں کی عظمت کا اندازہ غصے میں ہی ہوتا ہے۔ اس کا تو تم نے قتال کر دیا۔ جانتے ہو اس غیرت مند عورت کو کیا وہ تھوک کر چاٹنا پسند کرے گی۔ یہ سب تمہاری خوش فہمی ہے۔ خدا کے لیے نکل آؤ خام خیالی سے اور خبردار جو آج کے بعد فرشتے کے کردار پر کیچڑ اچھالا۔ اس کے غلیظ چھینٹوں سے تم کیسے محفوظ رہ سکو گے۔ اب اپنا فرض نبھاؤ اور اپنے ان بچوں کے لیے حتمی اور آخری فیصلہ سوچ سمجھ کر لو۔''

''مجھ سے ان کا رونا دیکھا نہیں جاتا۔ ایسا نہ ہو کہ فرشتے کی طرح تنگ آ کر مجھے بھی یہ گھر چھوڑنا پڑ جائے۔ اب مجھے بڑھاپے میں آرام کی ضرورت ہے۔ خاندان بھر میں ذلیل نہ کر دینا۔ لوگوں کو مجھ پر ہنسنے نہ دینے۔'' وہ زہر آلود لہجے میں بولی تو وہ وہیں سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

''اب کیا سوچ رہے ہو۔ بولو کیا کیا جائے؟ ان بچوں کے لیے ماں کہاں سے ڈھونڈ نکالوں۔''

''ممی سوچ رہا ہوں کہ اس کا حل دوسری شادی ہے۔'' وہ سوچتے ہوئے بولا۔

''سوتیلی ماں کا رشتہ اتنا زہریلا ہوتا ہے کہ جس کے منکے میں زہر ہر پل بڑھتا چلا جاتا ہے۔ ناگن سے تشبیہ دی گئی ہے اس رشتے کو۔ اپنے ان معصوم بچوں کو زہریلے سمندر میں دھکیل کر باہر کھڑے ہو کر اپنی بے بسی و بے چارگی کا تماشہ دیکھو، شائد تمہیں اپنے کئے پر افسوس ہو۔ پشیمانی اور پچھتاوا ہو۔'' وہ ناراضگی سے بولی۔

''تو پھر کیا کروں؟ مجھے یہی رستہ بھائی دیا ہے۔''

''ممی! مجھے آپ کے بی ہیویر سے یوں محسوس ہونے لگا ہے جیسے آپ میری نہیں فرشتے کی ماں ہیں۔ ہر وقت اسے ہی ڈی فینڈ کر کے مجھے لعنت ملازمت کرنا آپ کا شیوہ بن چکا ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''میں نے ظالم اور غیر مناسب اولاد پیدا نہیں کی تھی تم کون ہو۔ میں تو تمہیں نہیں پہچانتی کیونکہ میرا بیٹا تو نجانے کہاں چلا گیا کس دنیا میں گم ہو گیا۔ اس کی جدائی مجھے شب و روز تڑپاتی ہے۔ کاش وہ مجھے دنیا کے اس ہجوم میں ایک بار نظر آ جائے۔ اسے اپنے دل میں چھپا لوں گی۔ خود سے دور نہیں ہونے دوں گی۔'' وہ سسکیاں لے کر رونے لگی۔ شامیر کی آنکھیں بھی بھر آئیں۔ بچوں کے لیے رحم و ترس امڈ آیا تھا۔ ماں کی پریشانی نے جھنجوڑ دیا تھا۔ مگر وہ اپنی زبان سے اس کا اقرار کرنے کے لیے

قطعاً تیار نہیں تھا۔ انا، غیرت اور مردانگی آڑے آچکی تھی۔ فوراً ماں کے گلے لگ کر اسے تسلی دیتے ہوئے اپنے آنسو ضبط کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

لیکن ذہن میں فرشتے کے لیے ہمدردی کا ہلکا سا دیا بھی روشن نہ ہوا تھا۔ وہ اپنے خیالات پر ابھی تک براجمان فرشتے سے دوری پر پشیمان تھا نہ ہی اسے ڈھونڈنے کی کوشش کا پروگرام تھا۔

وہ اٹھتے بیٹھتے ممی کو کونس کرنے پر تلا رہتا کہ وہ بھی اس حقیقت کو تسلیم کرلیں کہ فرشتے ایک خودغرض اور مطلب پرست عورت تھی جسے اپنی اولاد چھوڑتے وقت یہ احساس کیوں نہ ہوا کہ جب اس کے بچے سو کر اٹھیں گے تو اپنی ماں کو اپنے آس پاس نہ پا کر ان پر کیا گزرے گی؟ انہیں ماں کو فراموش کرنے میں کتنی کلفتوں سے گزرنا پڑے گا۔ وہ راتوں کو ممی کہہ کر پکاریں گے تو ممی کو نہ پا کر وہ روتے ہوئے نڈھال ہو کر سونے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اسے ان پر ترس نہ آیا رحم نہ آیا تو میں اور آپ اس کے کیا لگتے ہیں۔ اس کا ہم سے روایتی رشتہ تھا وہ اپنے خون سے دغا کر گئی۔ پھر بھی آپ کو اس کی فطرت کی سمجھ کیوں نہیں آرہی۔ آپ ہر پل اس کے انتظار میں نظریں دروازے پر جمائے بیٹھی ہیں۔ اُسے بھول جائیں۔ اگر وہ اتنی وفادار ہوتی تو آج تین بچوں کا ہی خیال کر لیتی۔ اب آپ کو مضبوط ہونا پڑے گا۔ اگر وہ مصالحت کی کوشش بھی کرے تو اُسے نظر انداز کر دیں۔ مجھے ایسی دغا باز بیوی اور بے حس ماں نہیں چاہیے۔ میں اپنے فیصلے پر آج بھی قائم ہوں۔''

وہ نخوت سے بولا۔

''تم نہیں بدلو گے۔'' وہ لمبی آہ بھر کر بولی۔ ''اپنی غلطی مان جاؤ گے تو شوہر کیسے کہلاؤ گے۔ اُسے واپس لانے کی کوشش کرو۔ اُسے نہ تو آسمان نے نگلا ہے نہ ہی زمین نے ہڑپ کیا ہے۔ اُسے ڈھونڈنے کی سعی تو کرو۔ حیات آباد جاؤ۔ آگے پیچھے اُس کی فرینڈز سے معلوم کرو۔ تم نے تو حد ہی کر دی ہے۔ فرشتے تو تین بچوں کی ماں ہو کر بھی بیچاری بے وقعت اور بے حیثیت ہی رہی۔ ویسے آپس کی بات ہے تم اُس کے قابل نہیں تھے۔ مجھ سے ہی غلطی سرزد ہوگئی۔ اب اس گناہ کا ازالہ کیسے کر سکتی ہوں؟''

''ممی آپ اس کی چالبازی کو نہیں سمجھ سکتیں۔ بہت معصوم ہیں آپ اپنے دِل پر جاتی ہیں ناں۔ کیا یہ طریقہ ہے ان معصوم بچوں پر ظلم کر کے مجھے اذیت دینے کا۔ اُس نے بچوں کا سہارا لے کر مجھے بلیک میل کیا ہے ممی۔ کیا سمجھتی ہے کہ ایسا کرنے سے اس کے پاؤں پڑ جاؤں گا۔'' وہ تنک کر بولا۔

''تم نے اس کا جینا حرام جو کر رکھا تھا۔ بیچاری مرتی کیا نہ کرتی؟'' وہ افسردگی سے بولی۔

''ممی حرام اور حلال کو آج تک میں نے یکجا ہوتے' پھلتے پھولتے اور خوشحال ہوتے نہیں دیکھا۔ حلال کی راہ اختیار کرنا خاصا مشکل ہے۔ ان راہوں پر تو نوکیلے پتھر اور خاردار جھاڑیاں قدم نہیں اٹھانے دیتیں۔ مگر باہمت لوگ اس سفر سے باز نہیں آتے۔ ان کے وجود کا ہر حصہ لہولہان ہو

جاتا ہے' مگر ان کی منزل مقصود انہیں انگور' زیتون' انجیر کے باغات اور شہد و دودھ کی نہروں کے ہمراہ خوش آمدید ضرور کہتی ہے۔ ان بہنوں میں یہ دنیاوی تکلیف اٹھانے کی ہمت ہی نہ تھی۔ حرام کا حسین و جمیل' دلکش اور خوشنما رستہ جو کہ شیطان کی آماجگاہ کی جانب جاتا تھا' جہاں گہری خندق میں ہر دم آگ کے بھڑکتے ہوئے آگ کے شعلے انہیں ویلکم کہنے کو بے تاب تھے۔ ان کا اپنا انتخاب تھا۔ ممی! دوزخ اور جنت کا فیصلہ تو اسی دنیا میں اپنے اعمال کی وجہ سے ہی ہو جایا کرتا ہے۔ اس انجام کے لئے صدیوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ چند سال یا چند مہینے ہی کافی ہوتے ہیں۔ بانسبت عروج کے' زوال کا شکنجہ بہت مضبوط ہوتا ہے۔ اب یہ نادان اور احمق لڑکیاں زندگی بھر اس سے نکل نہیں پائیں گی اور آپ کی لاڈلی اس میں برابر کی شریک ہے۔" وہ سنجیدگی سے بول رہا تھا۔

"تمہیں خوف خدا ہی نہیں رہا شامیر۔ تم ایسے تو کبھی نہ تھے۔" وہ حیرت سے بولی۔

"میری فرشتے بے گناہ ہے۔ پاک صاف ہے۔ اس کے بارے میں ایسی باتیں کر کے میرا دل مت دکھاؤ۔"

"ممی! ہر معاشرے میں عورت کی دولت اس کی اپنی عزت ہے۔ جسمانی وقار ہے اور ذہنی مضبوطی اور کردار کا کھرا پن ہوتا ہے۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ فرشتے اس معاملے میں غریب و مفلس تھی۔ مجھے یہ اس کی یہ مفلسی قطعاً قبول نہیں ممی۔ میں اس کی قربت میں دلی اطمینان اور روحانی سکون کے غارت ہونے کی مفلسی برداشت نہیں کر سکتا۔" وہ مستحکم لہجے میں بولا۔

"بیٹے مجبوری اور کم مائیگی اونچے گھرانوں کو بھی زیر کرنے میں وقت نہیں لگاتی۔ تم میری التجا پر غور کرو اور فرشتے پر آنکھیں بند کر کے بھروسہ کر لو۔ وہ بہت نیک اور پاکیزہ لڑکی ہے۔ اگر ایسی نہ ہوتی تو بہنوں کو چھوڑ کر اکیلی ہوسٹل میں نہ پڑی ہوتی۔ تمہارے ذہن پر تو شک کا پردہ آ گیا ہے۔ خدا کے لئے اس تاریک پردے کو سرکا کر روشن اور سچل سوچوں کو اندر آنے دو۔ سب درست ہو جائے گا۔" وہ اسے پیار کرتے ہوئے بولیں۔

"اپنے دل کے دریچے کو کھول کر دیکھو وہاں ان معصوم بچوں کی بے گناہ ماں کو ضرور پاؤ گے۔ تمہارے لئے اس سے بہتر ساتھی اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ میری بات مان جاؤ۔ میں تمہاری ماں ہوں تم سے بہتر سوچ سکتی ہوں اور تم سے بہتر فیصلہ کرنے کی سمجھ بوجھ رکھتی ہوں۔"

"اُسی کے ورد' اُسی کی تعریفیں اور اُسی کی یادیں آپ کے گرد و پیش گھوم رہی ہیں۔ انہیں فرشتے کی گود اور اس کی تربیت سے کیا ملے گا؟ فقط مکاری' خفیہ بازی اور چالبازی۔ دس از ناٹ فیئر۔ میں ان پر اتنا بڑا ظلم نہیں کر سکتا۔ میں انہیں فرشتے کی گود تو کیا اس کے سائے سے بھی بچانا چاہتا ہوں۔ ممی میرا ساتھ دیجئے ہمیشہ کی طرح آپ کے تعاون سے تمام حالات سنور جائیں گے۔" وہ خوشامدی لہجے میں بولا اور پاؤں دبانے لگا۔

''اگر تم مجھ سے فرشتے کو واپس لانے کا تعاون چاہتے ہو ناں کیونکہ اُس کے آنے سے ہی حالات سنور سکتے ہیں۔ تم ایک قدم اٹھاؤ میں تمہارے ساتھ دس قدم اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔ میری ایک بات یاد رکھنا کہ میں اس معاملے میں تمہارا ساتھ نہیں دوں گی جس کا انجام تمہاری اور اِن بچوں کی تباہی ہے۔'' وہ مستحکم لہجے میں بولی۔ تو وہ سر جھکا کر گہری سوچ میں پڑ گیا۔

❖ ❖ ❖

''تو مجھے طلاق دے گا۔ تیرا خواب ہے یہ۔ میں تیری ماسی کی دھی ہوں۔ آٹھ جماعتیں پاس ہوں۔ ذرا عقل کر اور سوچ کہ تیری جوہی میں تیری ذات برادری میں کسی لڑکی نے سکول کا منہ بھی دیکھا ہے۔ آج تم جس مقام پر کھڑے ہو ناں میری قربانیوں اور مہربانیوں کی وجہ سے ہے۔ تم بھول گئے ہو وہ دن جب چودھری جی کے منشی بن کر اس کے جوتے سیدھے کیا کرتے تھے۔ اس کی جھوٹن کھا کر بسر اوقات کرتے تھے۔ دھتکار اور پھٹکار تمہارا مقدر تھی۔ کتنے احسان فراموش ہو تم کہ میرے احسانات کو بھول گئے۔ اپنے ذلیل ماضی کو فراموش کر بیٹھے اور اس حرامزدی کے ہو گئے جسے میں اپنوں ہاتھوں سے بیاہ کر لائی تھی۔'' وہ چیخ چیخ کر اسے طعنے و تشنے دیئے جا رہی تھی۔

''تم بھی ذرا سوچو۔ تمہاری برادری میں آج تک کوئی لڑکا بی اے پاس پیدا ہوا ہے۔ جسے کمپیوٹر پر بھی عبور حاصل ہو اور آگے ماسٹرز بھی کر رہا ہو۔'' اس نے مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے مختصراً کہا۔

''بی اے پاس۔ لعنت ایسی پڑھائی پر۔ نقل سے میں بھی بی اے کر سکتی ہوں۔ جعلی ڈگریاں حاصل کرنا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ پر اتنا پڑھ کر منشی کی خوشامد ہرگز نہ کرتی۔ تم نے تو اپنی نقلی ڈگری کی بھی قدر نہ کی۔ میں تمہاری زندگی میں نہ آتی تو تم کنوئیں کے مینڈک ہی رہتے۔ اب چلا ہے مجھے طلاق دینے۔ زمانے کے انوکھے رنگ دیکھ کر تمہارے دیدے پھٹ گئے ہیں۔'' لہجہ زہر آلود تھا۔

''گاؤں کی زندگی کو یاد کر موئے۔''

''تو بکواس بند کر۔ زبان گدی سے نکال کر کتوں کو کھلا دوں گا۔ کیا جعلی ڈگری ہے میری کہاں گئی میری ساری محنت' جھک نہیں ماری میں نے۔''

''تمہیں خاک علم ہے اصل اور نقل کا۔ جو منہ میں آتا ہے بکتی چلی جاتی ہو۔ جاہل' اَن پڑھ کہیں کی۔ تم نے ان رسالوں اور ڈراموں سے جو ٹریننگ لی ہے ان سے بربادی اور تباہی کے سوا اور کچھ نہیں سیکھا تم نے۔ الو کی پٹھی' بدبخت یہ زندگی ڈرامہ نہیں جسے تم اپنے مطابق ڈھالنا چاہتی ہو۔ یہ حقیقی اور سچی زندگی ہے۔ تمہارا اس پر اختیار نہیں ہے۔ میری عرض ہے ایک فرمانبردار بیوی بن کر رہو ورنہ طلاق دینے کے حقوق میرے حصے میں لکھے گئے ہیں۔'' وہ خاصے سخت الفاظ استعمال کر رہا تھا۔

''مجھے بار بار طلاق کی دھمکی مت دو۔ چودھری احمد علی صاحب۔ بھانڈا پھوڑ دیا تو منہ کے بل ایسے گرو گے کہ تمہیں اپنی بتیسی کی کرچیں بھی نہ ملیں گی۔'' وہ منہ چڑاتے ہوئے بولی۔

''اگر میں چودھری احمد علی صاحب ہوں تو تم بھی میری وجہ سے جوہرو سے زارا چودھری بنی اور مسز چودھری کے لقب کی شان تمہارے باپ کی وجہ سے نہیں میری وجہ سے ہے۔ گدھی کہیں کی۔ مجھ سے شکوہ شکایت کرنے سے پہلے ذرا اپنے گریبان میں جھانک لو تاکہ تمہیں اپنا خاندانی ڈھانچہ نظر آ سکے۔ شاید تم افسانوی دنیا سے باہر نکل آؤ۔ اپنی حیثیت پہچان سکو اور اس بے قابو اور زور آور زبان پر گرہ لگا سکو۔ تم سے پیار کر کے میں نے کیا حاصل کیا۔ منوں خاک اور ذلت۔''

وہ زہر خند سے بولا۔ ''کاش میں اپنی عقل استعمال کرتا۔ تمہاری مان کر میں اپنی نظروں سے گر گیا ہوں۔ اب تو تمہارے ڈرامے کے اس گھناؤنے کردار میں دولت کی طمع اور لالچ نے مجھے ایسا جکڑا ہے کہ کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہا کہ رہائی کیسے حاصل کروں؟ میری مانو تم گاؤں واپس چلی جاؤ۔ تمہیں وہیں ماہوار بھیجتا رہوں گا۔ جہاں تم نے اتنی قربانیاں دی ہیں وہاں ایک اور سہی۔ میری مانو مجھے بھی چین وسکون کا سانس لینے دو۔ خود کو بھی خوش رکھو۔'' تھوڑے عرصے کی بات ہے آخر تم نے واپس تو یہاں ہی آنا ہے۔ امید ہے میں جلد ہی تمہیں اپنا گھر بھی خرید دوں گا۔ بھلا تم کیونکر رہو سوتن کے زیر سایہ۔ تمہارے پاس اپنا گھر ہونا چاہئے جورو۔ بالکل ایسا ہی بڑا سا۔'' وہ نرمی سے بولا تو وہ تڑپ اٹھی۔

''تمہارے بغیر مجھے وہ گھر کاٹ کھانے کو دوڑے گا۔ آمو مجھے تمہارے بن نیند کیسے آئے گی؟ دن کیسے بیتے گا؟ آمو میں گاؤں نہیں رہ سکتی۔ مجھے یہاں کی زندگی کی عادت ہوگئی ہے۔ مجھے خود سے دور نہ کرنا آمو۔ ہمیں تو ایک دوسرے سے ایسی محبت ہے جو میاں بیوی میں کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ پھر یہاں میرا اپنا سرکل ہے۔ یہ مجھ پر کرم ہی تو ہے کہ ایک مسلی ہاری کی بیٹی کا اٹھنا بیٹھنا ایسے لوگوں میں ہے جنہیں میں نے فلموں اور ڈراموں میں دیکھا ہے۔ آمو میری باتوں کو ڈرامے کا نام نہ دینا۔ میں دیہاتی ماحول میں رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ ان لوگوں کی جاہلانہ سوچ اور بیوقوفانہ باتیں کیسے برداشت کروں گی۔ ان کی سوچ کے مطابق میں ایک گام بھی نہیں چل سکتی۔ یہ تو مجھ پر بہت بڑا ظلم ہے آمو۔ آج کے بعد ایسی روح فرسا دھمکی سے پہلے سوچ لینا کہ تمہاری جوہرو اب غلامیت کو ایک پل کے لئے برداشت نہیں کر سکتی۔ مر جاؤں تمہیں یاد کرتے کرتے۔ تم جو کہو گے ویسا ہی کروں گی۔ میں زندگی میں وہاں تو جا نہیں سکتی۔ ہاں وہاں میرا جنازہ ہی لے کر جانا۔ آمو اس دن کا انتظار کر لو۔ تمہارے اس رویے اور سلوک کی وجہ سے میں زیادہ دن جی نہیں پاؤں گی۔'' وہ غصے پر قابو پا کر التجائیہ انداز میں بولی۔

''تم بھی ایک بات پلے باندھ لو۔ میرے ساتھ نیچ ذات مسلیوں کی طرح دنگا فساد اور گالی

گلوچ کرنے سے پہلے میرے مرتبے کا لحاظ رکھ کر بات کیا کرو۔ میں تمہارا سرتاج ہوں۔ چودھری احمد علی صاحب۔ خدا کی بندی کچھ ادب آداب' رکھ رکھاؤ زمین ہی سے سیکھ لئے ہوتے کہ مجازی خدا سے بات کرنے کے کیا ڈھنگ اور طریقے ہیں۔ تم نے اور تو بہت کچھ سیکھ لیا مگر یہ گر نہ سیکھا۔'' وہ قدرے نرم پڑ چکا تھا' جو زندگی کی خوشحالی سے وابستہ ہے۔

''مجھے وہ کیا سکھائے گی رانڈ۔ بیوقوف نجانے کس بات پر اکڑتی ہے۔ لگتا ہے کسی شہنشاہ کی ملکہ ہے۔ کس کی غلاظت اٹھائے پھر رہی ہے۔ کچھ خبر ہے اسے۔ ایک دو ٹکے کے مسلی کی۔'' وہ حقارت انگیز لہجے میں بولی۔

''میں کہہ رہا ہوں یہ ٹی وی ڈرامے اور رسالے پڑھنا کم کر دے تاکہ حقیقت اور سچائی کی دنیا میں رہ کر بہترین اور فائدہ مند زندگی گزار سکو اور پشت در پشت چلنے والے مسائل کو یاد رکھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر سکو۔ ہم کیا تھے؟ ذرا یادداشت پر زور ڈالو کہ اب کیا بن گئے ہیں۔ معزز اور معتبر شہری۔'' وہ سمجھانے کے انداز میں بولا۔

''ہاں تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں کونسا انکار کر رہی ہوں اور نہ ہی مجھے یاددھانی کرانے کی ضرورت ہے۔ مجھے ڈراموں اور رسالوں کے طعنے دینا بند کر دو۔ آج ہم جس مقام پر ہیں انہی کی بدولت ہیں۔ وے بھولیا میں نے اتنی عقل اور اونچ نیچ ان سے ہی تو سیکھی ہے۔ تمہیں کتنی بار سمجھاؤں۔ یہ طعنے چھوڑ دو آمو۔'' وہ فخر سے بولی۔

''ورنہ ہم اسی غلاظت کے ڈھیر پر بیٹھے چودھریوں کا بچا کھچا کھا رہے ہوتے۔ میرے شکر گزار بنو۔''

''اب بس کرو وے۔ بہت کچھ سیکھ کر تم نے بہت کچھ پا لیا ہے۔ اب مزید کی گنجائش نہیں۔ پہلے ہی پھٹ رہی ہو۔ اسی کو ہضم کر لو تو بہت ہے۔''

''میرے ساتھ وعدہ کرو کہ تم اس ڈھونگ اور تماشے سے نکل آؤ گی۔ بہت ہو گئی جوہرو۔ اب میں ایکٹنگ سے تنگ آ گیا ہوں۔'' وہ ملائمت سے بولا۔

''آمو اس سے مت روکو میں نے پہننا' اوڑھنا' گھر کا سلیقہ طریقہ' یہ انگلش اور چائینز کھانے اور بیکنگ اس سے ہی تو سیکھا ہے۔ بچوں کی پرورش کے اصول اور طریقے یہ نرسری رائمز کھانے کے آداب اور بولنے کا مہذب طریقہ بھلا کہاں سے سیکھا ہے۔ یہ دونوں میرے استاد ہیں اور میں تیری استاد ہوں۔ ان سے مت روکو آمو۔ تمہاری اور میری زندگی کی روش اور ڈھنگ کو باعزت بنانے کے لئے میں نے جو ڈرامہ کھیلا ہے وہ تمہاری مڈل پاس جوہرو نہ کھیل سکتی۔ یہ زارا چودھری کا ہی کمال ہو سکتا تھا۔'' وہ اپنے بالوں کو درست کرتے ہوئے بولی۔

''چل چھوڑ یہ جھگڑے والی باتیں۔ مدت ہی ہو گئی محبت بھری گفتگو کئے ہوئے۔ میرا دل چاہ

رہا ہے کہ کیوں نہ کوئی دھما کہ خیز فلم دیکھی جائے۔ اس موئی کو گھر ہی رہنے دو جب سے کلموہی تیری زندگی میں آئی ہے میری زندگی پر مانجا پھیر دیا ہے۔"

"اتنی مہذب زبان میں بھی مسلسل ہی لگتی ہو۔ بڑے لوگوں کے منہ سے آج تک تم نے ایسی گالیاں سنی ہیں کیا۔" وہ ایک دم سے تڑپ کر بولا۔

"میں نے پنجابی میں بولی ہیں۔ بڑے لوگ انگریزی میں مدرسٹرایک کر دیتے ہیں۔" وہ قہقہہ لگا کر زرمین کے انداز میں بولی۔ "سویٹ ہارٹ گٹ ریڈی۔ فلم کے بعد ہم ہوٹلنگ کریں گے پھر ہنستے گاتے لہراتے ہوئے واپس گھر آجائیں گے۔ کیوں جانی کیسا لگا آئیڈیا۔"

"ایک دم سے بیہودہ۔ تمو کس کے سہارے چھوڑ کر جاؤ گی۔ ہاشو کو بھی تمہاری ضرورت ہے۔ نجانے تمہاری عقل کہاں چلی گئی ہے؟" وہ جز بز ہو کر بولا۔

زرمین کس مرض کی دوا ہے۔ اپنی اولاد خود سنبھالے۔ میں ان کی ماں نہیں کہ ہر وقت انہی کی پابند رہوں۔" وہ چڑ کر بولی۔

"زرمین اسے نہیں سنبھالے گی۔ آخری مہینہ چل رہا ہے اس کا۔ وہ تمہارا بچہ کوکھ میں اٹھائے پھر رہی ہے۔ اس کی خدمت کرو۔ نہ کہ اذیت پہنچاؤ۔"

وہ خفگی سے بولا۔ "مجھے تمہاری دانشمندی کا اندازہ تو ہو گیا ہے خود بھی جیتے جی مر جاؤ گی۔ مجھے بھی مروا دو گی۔ کہیں کا نہ چھوڑو گی۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ بوریا بستر اٹھاؤ اور یہاں سے چلتی بنو۔ تم تو آنے والے بچے کی بھی جانی دشمن بن جاؤ گی۔ کسی ڈرامے میں ایسا دیکھ لیا تو مجھے ڈر ہے کہ تم باز نہیں آؤ گی۔"

"یہ بھی تمہاری ہی کارگر سوچ تھی کہ زرمین کے بطن سے پیدا ہونے والا بچہ ہی ہمارے مستقبل کو پائیدار اور روشن بنا سکتا ہے۔ جب سے وہ حاملہ ہوئی ہے تم نے آسمان سر پر اٹھا لیا ہے۔ زرمین بھی ہر وقت تمہاری لعن طعن سے تنگ آ گئی ہے اور میں تو اس دن نفل شکرانہ ادا کروں گا جس دن میری تم سے جان چھوٹے گی۔" وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"ہائے ماسی نے یہ نمونہ میرے لئے پیدا کر کے مجھ پر بہت ظلم کیا ہے۔ تیری ماں کی بخشش نہیں ہو گی۔ اللہ تمہاری بہنوں کے منہ کالے کرے۔ اجڑ جائیں وہ۔ پھر تمہیں اس دکھ کی سمجھ آئے گی۔ تمہاری ماں مر گئی ہے کیا یا تمہاری چہیتی بیوی کو موت آ گئی ہے جو یوں سوگ منا رہے ہو۔ سر پکڑے اور کمر باندھے بیٹھے ہو۔"

وہ کاٹ دار لہجے میں بولی۔

"دراصل اولاد کے نشے کا سرور اور تکبر ہی ایسا ہے کہ تم جیسا بزدل اور کمزور مرد دو بیویوں کے درمیان انصاف کا برتاؤ وسلوک کی حدیں کیسے مقرر کر سکتا ہے۔ تم تو بالکل ہی رن مرید ہو گئے ہو۔ مگر

مجھے یہ سب کچھ برداشت کرنا موت کی آواز دینے کے برابر ہے۔تم کیوں بھول گئے ہو کہ اس سوتن کو اپنانے کی کچھ شرائط تھیں۔ وعدے وعید تھے۔تم نے تو نظریں ہی بدل ڈالی ہیں۔''

''ہواؤں کا رخ بدل چکا ہے آمو لو برساتی گرم اور برفانی یخ بستہ ہواؤں کا رخ میری طرف ہے۔ میں تو جہنم میں کھڑی ہوں۔ یہ سب تمہاری وجہ سے ہے۔ مگر تمہیں بھی اسی دوزخ کا رہائشی بنا کر چھوڑوں گی۔'' وہ سر پیٹتے ہوئے بولے جا رہی تھی۔

''لاکھ رسالے پڑھ لو ڈرامے دیکھ لو جاہلوں والی حرکتیں اور باتیں جو تمہیں گھٹی سے ملی ہیں انہیں کیسے بھلا سکتی ہو۔'' وہ کڑواہٹ بھرے لہجے میں بولا۔

''پیٹنا اور چیخنا بند کرو۔ اس سے پہلے کہ تمہارے یہ کمی کمینوں والے تماشے زرمین دیکھے یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ اگر اپنے باپ کی حلال اولاد ہو تو آج ہی یہاں سے رخصت ہو جاؤ۔ میں آفس سے واپس آؤں تو تمہیں اس گھر میں نہ دیکھوں ورنہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرا ہاتھ ہی تم پر نہ اٹھ جائے۔تم جانتی ہو ناں کہ ایک بار شوہر کا ہاتھ اٹھ جائے تو وہ پھر رکتا نہیں۔ یہ جھجک ہی ہوتی ہے بہتر ہے اس کو قائم ہی رہنے دو اور میری بات غور سے سن لو۔ اگر تم نے اس راز کو فاش کیا تو تمہیں طلاق روانہ کر دوں گا۔'' وہ چیخ کر بولا تو وہ بھی کبھی سختی اور کبھی نرمی سے بولنے لگی۔

''میرے احتجاج پر تمہاری لاڈلی زرمین بھی تو تمہاری زندگی سے دفع ہو جائے گی ناں۔ اس لئے مجھے ایسی تڑیاں اور دھمکیاں دے کر ڈرانے کی کوشش مت کرو۔ میں تمہاری طرح بے فیض اور مطلب پرست عورت نہیں ہوں۔ میں نے تم سے پیار کیا ہے۔تمہاری عزت پر حرف نہیں آنے دوں گی۔ دھمکی کی وجہ سے خاموش نہیں رہوں گی۔ میری زبان پر تو تیری محبت کا تالا لگا ہوا ہے۔اُن گزرے ہوئے سالوں کی زنجیر نے میرے قدموں کو جکڑا ہوا ہے جو ہم نے ایک دوسرے کی قربت میں گزارے اور آنے والا بچہ بھی میرا ہے۔تم نے مجھ سے بھی وعدہ کیا تھا ناں۔ بھلا اب مجھے کیسے نکال سکتے ہو؟ دو ٹکے کے کمینے بزدل اور طوطا چشم انسان ہو تم۔''

''تم میں بہت ہمت ہے تو مجھے اٹھا کر باہر پھینک دو۔قسم سے کبھی واپس نہیں آؤں گی۔ جوہرو کی غیرت کو تم بھول گئے ہو۔گاؤں والوں نے ابھی تک یاد رکھی ہو گی۔''

آمو اٹھا اور اسے بازو سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا باہر نکل گیا۔ گیٹ سے باہر دھکا دے کر بولا۔''ذرا اپنے رسالے سے غیرت اور اَنا کا سبق ضرور سیکھ لینا اور کبھی اِدھر کا رُخ کرنے کی کوشش مت کرنا۔ آئی ہے مجھے تڑیاں دینے والی میری بلی مجھے ہی میاؤں۔'' وہ خود پر قابو پانے کی خاطر لان میں چہل قدمی کرنے لگا۔ آناً فاناً اس نے جوہرو کو اپنی زندگی سے کیا نکالا پل بھر میں وہ ذہن کے کسی گوشے میں جا چھپی۔ اس نے نرگس کے پھولوں کو سونگھتے ہوئے گلدستہ بنایا اور گھر کے اندر آ گیا۔ کمرے میں زرمین کو اس وقت جاگتے دیکھ کر گھبرا سا گیا۔ اسے گلدستہ پیش کرتے ہوئے فکر مندی سے بولا۔

''زرمین تمہاری طبیعت ٹھیک تو ہے۔''

''وہی تو ٹھیک نہیں۔'' وہ ذرا سا مسکرائی۔

''یعنی خوشخبری دروازے پر دستک دے رہی ہے۔'' وہ قریب آ کر بولا تو وہ بمشکل بیڈ سے نیچے اتری اور ہونٹوں کو دانتوں تلے دبا کر فتح مندی کے انداز میں بولی۔

''دستک سن کر دروازہ میں نے کھول دیا ہے احمد۔ بہت جلد تم باپ کے مدبر اور شاہانہ رشتے سے ہمکنار ہونے والے ہو۔''

❖ ❖ ❖

جوں جوں وقت بیت رہا تھا آمو نے محسوس کیا کہ وہ دن بدن جوہرو پر ہونے والی زیادتی اور بے انصافی کی آگ میں جھلستا جا رہا ہے۔ زرمین نے اسے تندرست و توانا بیٹا پیدا کر کے دیا تھا۔ دولت بھی ہر طرح کی ضروریات زندگی پوری کرنے کو کافی تھی۔ اس کی پرموش بھی قابل مسرت تھی۔ حسین عورت کی قربت بھی قابل تحسین تھی مگر وہ اس فسوں میں بھی باہوش وحواس اپنے بچپن کے ساتھی کا متلاشی رہتا۔ آخر اس میں ضمیر نام کا جیتا جاگتا احساس تو موجود تھا ناں۔ جو وقتی طور پر اس نشے میں مدہوش ہوا تھا۔ بیدار ہونے پر اس نے اسے جی بھر کر کوسا تھا۔ گالی گلوچ اور لعنت و ملامت سے اسے احساس جرم سے وابستہ کیا تھا۔ وہ سوچنے پر مجبور ہو گیا اور ہر وقت کھویا کھویا رہنے لگا کہ جس کی بدولت آج اس کا شمار باعزت و باوقار لوگوں میں ہونے لگا تھا وہی ساتھی صبر کا گھونٹ پی کر اس کے لبوں سے زہریلا' کڑوا اور جہنم کا پیپ اور گندے خون سے بھرا ہوا پیالہ لگا کر اسے دہکتے ہوئے انگاروں پر ہمیشہ کے لئے جھلنے اور تڑپنے کا سامان کر گیا تھا۔ آج اس ساتھی کے بغیر ایسی دولت کا حصول اسے بالکل بے معنی اور لایعنی لگنے لگا تھا۔ انسان کے پاس جب ہوس و لالچ سے اکٹھی کی ہوئی دولت وافر مقدار میں آ جاتی ہے تو کچھ پا لینے کی جستجو اور خواہش کی لذت کو گنوا کر حاصل کردہ دنیاوی آسائشات کی وقعت کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔ آج وہ بھی اسی سوچ میں غرقاں تھا کہ بن مانگے اور بغیر کسی حیل و حجت کے نعمتوں کے حاصل میں نہ تو مزا ہے اور خوشی بھی لاحاصل ہی ہے۔ میں نے اس عذاب کے لئے اتنے پاپڑ کیوں بیلے تھے؟ اپنی زندگی گزارنے کا سامان تو بہت محدود تھا۔ دو وقت کی روٹی' چند کپڑے اور رہنے کے لئے صرف ایک کمرہ' باقی کا محل بھی اس کا اپنا نہیں۔ وہ دوسروں کے لئے بنایا جاتا ہے۔ دوسروں کے آرام اور اپنے اسٹیٹس کو منوانے کے لئے جہنم کا سودا کر کے انسان شاداں و فرحاں کیسے رہ سکتا ہے؟ مجھے اپنے بازوؤں پر تیرنا آتا تھا۔ اپنی محنت اور صبر و تحمل سے اپنی اس تمنا بیکراں سمندر کو عبور کر کے ایک دن اس کے کنارے پر ضرور پہنچ جاتا۔ یہی میرا ایمان تھا۔ پھر ایک رات میں کروڑ پتی بننے کے خواب میں میں نے جوہرو کی لامتناہی غلط سوچوں کا ساتھ کیوں دیا؟ بلکہ اسے اصلی ڈگر پر لے آتا۔ ایک شوہر ہونے کے ناطے اسے سرتاپا بدل سکتا تھا۔

مگر میں بھی لالچ میں آ گیا۔ ورنہ آج ہم دونوں کے درمیان نہ زرمین ہوتی اور نہ ہی یہ بچہ حائل ہوتا۔ بچے کے بغیر بھی ہم دونوں کی زندگی میں بے شمار رنگ ہوتے۔ جو ہمارے اپنے ہوتے۔ مگر بدقسمتی سے ہم دونوں ہی بہت حریص نکلے۔ تمہیں تو اپنے کیئے کی سزا بہت جلد سنا دی گئی۔ میں اپنے ناقابل معافی جرم کی سزا سننے کی ہمت نہیں رکھتا۔ وہ سزا تو بہت عبرت ناک ہوگی۔ میری جوہرو واپس آ جاؤ۔ تیرا آمو ہر آہٹ پر تمہاری واپسی کا منتظر ہے۔ ہم سب مل جل کر اسی پیار و محبت کے سہارے رہیں گے جو ہماری سٹرنتھ تھی۔ جس نے ہمیں زمین سے اٹھا کر آکاش کی رفعتوں سے آشنا کرایا تھا۔ ہم اس عزت و نمود کو ابدی اپنی ہم آہنگی سے بنا سکتے ہیں۔ ان کامیابیوں کی لذت صلح جوئی میں ہے۔"

وہ رات بھر بیڈ پر نیم دراز کرب سے سوچتا رہا۔ آنسو بہتے چلے گئے۔

زرمین نے بھی محسوس تو کر ہی لیا تھا کہ احمد بچے کی پیدائش کے فوراً بعد ہی اکھڑا اور بجھا سا رہنے لگا ہے۔ اسے ہر بات پر ڈانٹ دیتا ہے۔ بچے کی طرف سے بھی بالکل لاپروا اور غیر ذمہ دار ہے۔ شاید اسے زارا کی یاد ستانے لگی ہے۔ اس کی ضرورت بچہ تھا جس کی خاطر اس نے قربانی دی تھی اور بچے کا حصول مسرت جس سے وہ بہت دور جا چکی تھی یہ اس کو اولیت دینے لگا ہے۔ جو مجھ میں اور اس گھر میں بھی دلچسپی نہیں رہی۔

صبح اٹھا تو شب بیداری کے اثرات چہرے پر بھی نمایاں تھے۔ لہجہ بھی کاٹ دار ہو چکا تھا۔ اس کے مزاج میں پرلے درجے کا چڑچڑا پن زرمین کو پہلے بھی بہت مضطرب رکھتا تھا۔ آج تو وہ اسے کاٹ کھانے کو تیار تھا۔

"احمد آج ہماری ویڈنگ اینی ورسری ہے۔ اس یادگار دن کی خاطر ہی اپنا موڈ درست کر لو۔ تمہیں ایسی کونسی فکر اندر ہی اندر کھائے جا رہی ہے۔ میں تمہارا ساتھی ہوں مجھ سے شیئر کرنے سے اس کی شدت میں کمی ضرور آئے گی۔" وہ ناشتے کی ٹیبل پر اس کا ہاتھ پکڑ کر پیار بھرے لہجے میں بولی تو آمو نے گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر ایک لمبی آہ بھری۔

"آج میں تمہیں تمہاری پسند کا تحفہ لے کر دوں گی۔ فرمائش کرو۔" وہ اپنائیت سے بولی۔

تو وہ تڑپ اٹھا۔ "میری زندگی کا انمول تحفہ چند نوٹوں کا محتاج نہیں۔ ایسے تحفے تو خزانے لوٹانے سے بھی حاصل نہیں ہوتے۔ میری ایک خواہش پوری کر دینا ورنہ زرمین مجھے مرنے کے بعد لحد میں بھی سکون نصیب نہ ہوگا۔ میں نے زارا پر ظلم ڈھایا ہے۔ وہ تو میرا وہ ساتھی تھی جو میری خوشی پر جان نثار کرنے کو تیار ہو جایا کرتی تھی۔ تم سے شادی اسی قربانی کی کڑی تھی۔ وہ مجھے بے اولاد دیکھ کر تڑپ جایا کرتی تھی، حالانکہ اب تو اسے بھی اولاد کی چاہ نے بے سکون کر ڈالا تھا۔ مگر وہ اپنے دکھ اور محرومی کو فراموش کیئے میرے لئے فکرمند رہنے لگی تھی۔ کس قدر وہ روشن دماغ اور دل کی فراخ تھی۔ اس آسمان کی مانند بلند اور زمین کی مانند کھلی اور کشادہ میری جوہرو لاجواب تھی۔" وہ تڑپ رہا تھا اور

زرمین حیرت و پریشانی اور فکر مندی کے عالم میں اس کے ہر لفظ پر غور وخوض کر رہی تھی۔

''زری جب میں اس عالم فانی سے رخصت ہو جاؤں گا تو میری میت کو میرے گاؤں کی مٹی کے حوالے کر دینا۔ وہ میری قبر پر فاتحہ پڑھ کر میری بخشش کی دعا ضرور مانگے گی۔ افسوس کہ حقیقی، سچا اور بے لوث پیار کرنے والی اس ہستی کو میں فراموش نہیں کر سکا۔ زری میری باتوں کا برا نہ منانا۔ جن دوستوں نے اور ساتھیوں نے مشکل وقت میں بغیر کسی لالچ کے ہمدردانہ سلوک روا رکھا ہو انہیں بھلانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ مجھے معاف کر دینا زری میں تمہیں خوشیاں نہیں دے سکا۔''

''تمہارا ساتھ ہی میری خوشی ہے احمد۔ جب سے میری زندگی میں آئے ہو دل سے تمام وسوسے اور اندیشے ہی نکل گئے ہیں۔'' وہ بھرائی آواز میں بولی۔

''زری زارا میرے بغیر ایک پل نہیں رہ سکتی تھی۔ اس کی غیرت و اَنا کو جو دھچکا لگا ہے اس نے تو اسے موت کے حوالے کر دیا ہوگا۔ اگر وہ زندہ ہوتی تو مجھے ملنے ضرور آتی۔'' وہ بچوں کی طرح رونے لگا۔ ''میری جوہرو مر گئی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جھولی پھیلا کر انصاف کی فریادیں کر رہی ہوگی۔ میری ناخوشی اسی ظلم کا نتیجہ ہے۔ میری زارا سچے اور کھرے جہاں چلی گئی۔ مجھے اکیلا چھوڑ کر۔''

''احمد اگر ہماری سانسوں کے ٹوٹنے کا تسلسل دکھ سے وابستہ ہوتا تو اس دنیا کا ہر دکھیارا اور غمزدہ انسان ابدی نیند سو چکا ہوتا۔ مگر ایسا نہیں ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت ڈھیٹ اور سخت جان بنایا ہے۔ وہ ہر پل اپنے غمزدہ سانس کو اپنے وجود میں واپس لاتا ہے اور ہر طرح کے نشیب و فراز سے مقابلہ کرنے کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے۔ یہ اس کی فطرت ہے کہ وہ کسی حال میں مرنا نہیں چاہتا۔ میری مثال تمہارے سامنے ہے۔ کیا ڈھیر سارے دکھوں نے مجھے ختم کر ڈالا ہے۔'' وہ رنجیدہ سی ہو کر بولے جا رہی تھی۔

''تم زارا کی فکر نہ کرو وہ اپنے والدین میں بے پناہ خوش ہوگی۔ تمہارا رشتہ والدین سے آگے تو نہیں ہے ناں۔ یہ تو کلمی رشتہ ہے۔ ٹوٹنے لگے تو تین لفظوں سے ایسا ٹوٹے کہ کبھی جڑ نہ پائے۔''

''سانس کے تسلسل کو زندگی کا نام دینا بے انصافی ہے۔ زری انسان کی زندگی تو اس کے تن من دھن کی کامرانیوں اور شادمانیوں میں چھپی ہوتی ہے۔ جوہرو کو ایسی ہی موت لاحق ہوئی ہوگی کیونکہ زندگی نے اس کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ زرمین میرے مرنے کے بعد اسے میری معافی کی عرضداشت پہنچانے میں کنجوسی نہ برتنا۔ میرا حال دل بیان ضرور کر دینا۔ اسے میرے پیار اور یادوں کی تڑپ بتانے میں گریز نہ کرنا۔ اسے بتانا کہ اس کا آمو اس کے جانے کے بعد کتنا بے سکون اور خاموش ہو گیا تھا۔ اس کے دل میں ہر وقت اس کے نام کی ہوک دھڑکن بنا کرتی تھی۔ زری مجھے اس کے دکھوں اور آہوں نے بے بس کر ڈالا ہے۔ مجھے اپنے پچھتاوؤں پر اختیار نہیں ہے کہ اس کیفیت

سے نکل آؤں۔ میری غلطیوں اور کوتاہیوں کو تم معاف کر دینا۔ انسان حد درجے کا عاقبت نااندیش کا پتلا تھا اور آج بھی تمہارا اور جوہرہ کا گناہگار ہوں۔" لہجے میں بے پناہ دکھ تھا۔

"دل دکھانے والی باتیں مت کرو احمد علی۔ تمہارے بعد میرا کون ہوگا؟ مجھے محسوس ہونے لگا ہے کہ میں اپنی قسمت میں ابدی سہارا لکھوا کر لائی ہی نہیں۔ ہر سہارا وقتی اور عارضی رہا۔ جیسے دھوپ کا سایہ۔ ایسا میرے ساتھ ہی کیوں ہو رہا ہے۔ احمد کیا میں بہت گناہگار ہوں۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے معاف نہیں فرمایا جو میری آزمائش ختم ہونے میں نہیں آ رہی۔ احمد خدارا اپنے ذہن سے تمام غلط سوچیں نکال کر زندگی کی رنگینیوں کی طرف پلٹ آؤ۔" وہ بے بسی سے بولی۔

"تم مجھے مزید پریشان مت کرو۔ دو کشتیوں کا سوار کبھی بھی مطمئن نہیں ہوتا۔ ایک کشتی کو بیچ منجدھار چھوڑ کر دوسری کشتی کو اپنی منزل کی طرف بڑھانے کی کوشش میں بھی بے سکونی' بے چینی اور پچھتاوا اس کی نیندیں حرام کر دیتا ہے کیونکہ بھنور میں غوطہ زن کشتی میں بھی تو قارون کا خزانہ محفوظ تھا۔ جو انمول اور بیش بہا تھا۔ جسے موجوں کی شوریدگی میں سونپ کر خوشی و اطمینان کیسے مل سکتا ہے۔ میں ایسا ہی نامراد سوار ہوں۔" وہ لاچارگی سے سر جھکائے بیٹھا تھا۔

"مجھے دنیاوی اور دینوی تعلیم سے روشناس کرانے والی میری جوہرہ ہی تو تھی ورنہ میں تو اناڑی ہی رہتا۔"

"یہ تو سچ ہے کہ زارا ہماری زندگی میں مشعل کا کام دیتی رہی۔ ہماری زندگی میں اس کا کردار ہمیشہ قابل آفرین رہا۔ آہ وہ کیا گئی تاریکی سنسناتی اور نحوست نے ہمارے گھر کے ماحول میں ڈیرے جما لئے ہیں۔ کاش اسے گھر سے نکالتے وقت تم نے مجھ سے مشورہ ہی لے لیا ہوتا۔ تم سے بہت جلد بازی میں جو گھناؤنا اور قابل مذمت فعل سرزد ہوا ہے وہ ناقابل معافی ہے۔ عورت گھر کے اندر شوہر کی ہر زیادتی اور ظلم کو روتے دھوتے بھی برداشت کر لیتی ہے اور عزت دار عورت کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دیتی مگر جب اس کا خاوند جو کہ اس کا تحفظ ہے اس کا قابل فخر محافظ ہے وہی اسے بازو سے پکڑ کر ننگے پاؤں اور برہنہ سر کے کھلے آسمان کے نیچے دھکیل کر اپنے دل کے دروازے بند کر لے' اس کے پیار کی اس سے بڑی انسلٹ اور کیا ہو سکتی ہے؟ ذرا سوچو کہ وہ تمہارے پاس واپس کیسے آ سکتی تھی؟ کیا اس میں عزت نفس اور نسوانی وقار کی کمی تھی جو تم نے یہ حرکت کر ڈالی۔ عورت تو شوہر کے اس سلوک و رویے کے بعد اس کا منہ دیکھنے کی روادار نہیں رہتی۔ تم نے اس کا انتظار کر کے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ ایسی خوش فہمیوں سے باہر نکل آؤ۔ اب پھر سے انجانے میں نئی غلطی نہ کر بیٹھنا۔ جس دن تم مجھے اور اپنے اس معصوم بچے کو اس دنیا کے رحم و کرم پر چھوڑ کر اچانک ہی فرار ہو گئے تو میں تمہیں ڈھونڈتی ہوئی تمہارے پیچھے نہیں آؤں گی۔ ہرگز ایسا نہیں کروں گی۔"

وہ مستحکم انداز میں بولی۔ "عورت کی اپنی بھی آن بان اور عزت نفس تو ہوتی ہے ناں جس سے

تم انکار نہیں کر سکتے۔"

"میں عورت کی فطرت کو سمجھنے سے قاصر ہی رہا۔ زری میں کتنا ناسمجھ ہوں۔ جس نے میرے لئے تخت و تاج کے سپنے دیکھے' انہیں خوش آئند تعبیر دینے کی کاوش کی۔ میں نے اسے ہی ہتک آمیز طریقے سے اپنی زندگی سے نکال دیا۔ وہ مجھے کبھی بھی معاف نہیں کرے گی۔" وہ پچھتاوے میں ہاتھ مل رہا تھا۔

چائے بناتے ہوئے وہ سوچ جار ہی تھی۔ توقف کے بعد تلخی سے بولی۔ "اس لئے تو مجھے تم پر یقین و اعتماد نہیں رہا کہ تم کسی وقت بھی ہم دونوں کو چھوڑ کر بآسانی ہم سے اپنا دامن چھڑانے کی ہمت و جرأت کر سکتے ہو۔ میرا تم سے رشتہ خونی بھی نہیں اور طے بھی ضروریات اور میری غرض کے مطابق ہوا تھا۔ میں نے تو تمہارے لئے کچھ بھی نہیں کیا بلکہ مجھ پر تمہارے اور زارا کے لاتعداد احسانات ہیں۔ میرے گھر کو آباد تم دونوں نے کیا ہے۔ مجھے زندگی کے دلنشیں رنگوں میں واپس لانے والے بھی آپ دونوں ہیں۔ جس نے تمہارے لئے قربانیاں دیں تم نے اسے یہ اجر دیا۔ یہ قدر کی۔ تم پر اعتماد کرنا اور پیار کی توقع رکھنا سراسر نادانی ہے۔ اگر آج بھی وہ یہاں موجود ہوتی تو اس گھر کے ماحول میں فرق ہوتا۔ وہ اس بچے کو دیکھ کر نہال ہو ہو جاتی۔ اس کا تمام غصہ پیار کی ممتا میں ڈھل جاتا۔ اس کی پیاس بھی بجھتی اور تمہاری بھوک بھی مٹتی رہتی۔ ہم تینوں کے درمیان پلنے والا یہ بچہ بڑا ہو کر کس قدر مکمل اور بھرپور شخصیت کا مالک انسان ہوتا۔ جس پر ہمیں فخر ہوتا۔" یہ سن کر آمو کے لبوں پر ہلکی سی ہنسی پھیل گئی۔

"ہاں احمد علی ایسے ہی ہوتا۔ میں کئی بار سوچ چکی ہوں یہ بچہ اپنے نانا کا نام روشن کرتا۔ ان کی روح کو کس قدر سکون نصیب ہوتا۔ ان کی دعا میرے ساتھ ہوتی۔"

تو آمو نے بے بسی و لاچارگی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

❖ ❖ ❖

''بیٹا! میاں بیوی کی ناراضگی طول پکڑ جائے تو پھر اس کا انجام تباہی و بربادی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ امید ہے تمہارا غصہ ٹھنڈا پڑ چکا ہو گا۔ جذبات پر بھی تمہاری حسین فطرت غالب آ چکی ہو گی۔'' می نے پیار سے بھرپور لہجے میں کہا تو شامیر خاموش رہا تو می نے پھر نرمی سے کہا۔

''وہ پلوشہ کے پاس ہی ہو گی۔ بیٹا اس ویک اینڈ پر ہم سب اسے لینے جا سکتے ہیں۔ اگر تمہارا دل اجازت دیتا ہے۔ میں اپنی مرضی تم پر مسلط نہیں کرنا چاہتی کیونکہ آخر کار نبھاہ تو تم دونوں کا ہے ناں۔''

''می دل کی مانتا تو وہ کب کی یہاں موجود ہوتی۔ ذہن اجازت نہیں دے رہا۔ می قلب اور ذہن کے رستے ایک ہیں نہ ہی ان کی منزل ایک ہے۔ دونوں کے سوچنے کے انداز میں فرق ہے۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔'' وہ سوچتے ہوئے اضطراری کیفیت میں بولا۔

''بیٹا کبھی کبھار دل کی مان لینا بھی فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔ ذہن تو منطقی ہوتا ہے۔ دنیا میں ہر قدم منطق اور دلائل کے پیش نظر نہیں اٹھایا جاتا۔ وقتاً فوقتاً ذہن کے ساتھ قید خانے سے رہائی بھی ضروری ہوتی ہے ورنہ انسان نارمل نہیں رہتا۔ قلب و ذہن کا ملاپ ہی آگہی ہے۔ دونوں کا تعلق تمہارے وجود سے ہے۔ وہی انسان عقلمند کہلاتا ہے جو دونوں کو یکجا کر کے فیصلہ کرے۔ بیٹا مانا کہ دل کے فیصلے جذباتی اور ذہن کے فیصلے آگہی میں لپٹے ہوتے ہیں۔ پھر بھی میرا مشورہ مانو جس فیصلے میں تمہیں فائدہ نظر آتا ہے وہ کر ڈالو اور پھر ذہن میں منفی سوچ کی گنجائش نہ رکھو۔ تمہارے پاپا کل آ رہے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں معاملہ مزید ہی بگڑ نہ جائے کیونکہ ان سے مجھے بگاڑ کی امید ہے۔ آج تک کبھی میری سنی ہو تو کہوں کہ اس بار میری چل جائے گی۔'' وہ نرمی گرمی میں سمجھانے لگی۔

''اس لئے ہمارے پاس فیصلہ کرنے کا یہی وقت ہے کیونکہ مسئلہ ابھی صرف تمہارے اور میرے درمیان ہے۔ میں تم پر ایسا حکم اپنی مرضی اور پسند مسلط نہیں کرنا چاہتی کیونکہ اب بچے نہیں رہے۔ تین بچوں کے باپ ہو۔ خاصے سمجھدار اور عقلمند ہو۔ افسوس کا مقام ہے کہ پھر بھی تم اتنے مہینوں

سے ذہنی ردو کد میں مبتلا رہ کر اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر اڑے ہوئے ہو۔ میری جان اب دل کی سرگوشی کو سننے اور سمجھنے کی کوشش کرو۔ جیسے فرشتے سے شادی کرتے وقت دل کی صدا پر تم نے سرتسلیم خم کرلیا تھا۔ اسی طرح آج بھی دل کی بات کو اہمیت دے ڈالو۔ آخر بار سمجھانا میرا فرض تھا۔ آگے بیٹا تم جانو اور تمہارا کام۔'' وہ حتمی فیصلہ سنا کر خاموش ہوگئی اور شامیر سر جھکائے گہری سوچ میں چلا گیا۔

اگلی صبح شامیر پاپا کو ریسیو کرنے ایئرپورٹ چلا گیا۔ می بھی ان کو خوش آمدید کہنے کی تیاریوں میں مصروف ہوگئی۔ ان کی پسند کا ناشتہ اپنے ہاتھوں سے تیار کیا۔ ڈائننگ ٹیبل کے بجائے ناشتے کے برتن ٹرالی پر نہایت قرینے سے سجائے۔ سرعت سے لان میں نکل کر دیسی لال گلاب کی ادھ کھلی کلی کو سونگھتے ہوئے اندر آگئی۔ اسے گلدان میں سجا کر ٹرالی پر رکھا۔ آج میاں چار مہینوں بعد اپنے گھر واپس آرہے تھے۔ اس کی خوشی دیدنی تھی۔ آج ناشتہ بھی سٹڈی میں ہی پیش کر کے اپنی خوشی کا اظہار کرنا بھی تو ضروری ہو گیا تھا۔ حالانکہ وہ اکثر منتوں پر اتر آیا کرتے تھے کہ انہیں ناشتہ لنچ اور ڈنر سٹڈی میں ہی مل جائے تو وہ بہت لطف اندوز بھی ہوں گے اور شکرگزار

مگر وہ مان کے نہ دیتی تھی۔ اسے ڈائننگ ٹیبل پر سب کے ساتھ مل کر کھانا ناول کرنا بہت پسند تھا۔ اس لئے وہ ہمیشہ اپنی پسند کو فوقیت دیا کرتی تھی۔

ان ضروری کاموں سے فارغ ہو کر وہ کمرے میں تیار ہونے کی غرض سے پہنچی تو یہ دیکھ کر چیخ اٹھی۔ ''بدتمیز یہ کیا کر رہے ہو۔'' پوتا صاحب تکئے پر بیٹھے شان بے نیازی سے اس کی نیل پالش کھول کر اپنے چہرے، ٹانگوں اور بازوؤں نقش و نگار بنا کر خوش و خرم دکھائی دے رہے تھے اور بیڈ شیٹ جو کہ نئی ہی بچھائی گئی تھی۔ اس کے ظلم کا مکمل طور پر نشانہ بن چکی تھی۔ اس کے چیخنے سے نیچے گدے پر سوئی ہوئی پوتی بھی جاگ کر فل والیم میں رونے لگی۔ اس کے شور سے چھ ماہ کی پوتی بھی کاٹ میں ہاتھ پاؤں چلاتے ہوئے چیخنے لگی۔ کمرے کا خاموش اور پرسکون ماحول ایکدم سے شور شرابے اور رونے دھونے کی نذر ہو گیا تھا۔ بچوں کی آیا دس بجے سے پہلے تشریف ہی نہ لاتی تھی۔

جب سے فرشتے گئی تھی شامیر نے بچوں کو ماں کے کمرے میں شفٹ کر دیا تھا۔ حالانکہ می بلاناغہ اپنی تھکاوٹ و اکتاہٹ کا اظہار کیا کرتی تھی۔ جسے شامیر سیریس نہ لیتا تھا۔ آج اسے یہ سوچ کر پریشانی تو لاحق ہو چکی تھی کہ پاپا کے ہوتے ہوئے ایسا کرنا اب تو ناممکن ہے۔ وہ ایک لمحے کے لئے بھی بچوں کی موجودگی اپنے کمرے میں برداشت نہیں کریں گے۔

می نے سب سے چھوٹی پوتی کے منہ میں چوسنی دے کر چپ کرا دیا۔ دوسری پوتی کے ہاتھ میں کھلونا پکڑایا اور پوتے کو دو عدد کس کر چانٹے رسید کرنے کے بعد بولی۔

''فوراً اپنے کمرے چلے جاؤ اور اب مجھے یہاں نظر نہ آنا۔'' وہ روتا بسورتا ہوا اپنے بابا کے کمرے میں چلا گیا اور می بیڈ شیٹ بدلنے لگی۔ ساتھ بڑبڑائے جا رہی تھی۔

"بچے میرے لئے پیدا کئے ہیں جو ہر ذمہ داری میرے کندھوں پر آ گئی ہے۔ بیوی کو منا لے ورنہ میں بھی اس چڑیا گھر سے رہا ہونے کی تیاری کر لوں گی۔ اگر بچے آیا' ڈے کیئر اور ملازموں کے زیر نگرانی پروان چڑھ سکتے تو پھر ماں کی ضرورت اور موجودگی کا کبھی اس شوہر ذات کو احساس تک نہ ہوتا۔ ہماری کب کی چھٹی کر دی ہوتی۔ ہماری ذات اس قدر عظیم اور اہم ہونے کے باوجود بیچاری ٹھہری ہی بے وقعت و بے قیمت۔"

وہ کمرہ ٹھیک کر رہی تھی جب شامیر پاپا کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ ماں کے چہرے پر بیزاری دیکھ کر بے نیاز سا ہو کر بچوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"آج یہ بھی اپنے دادا کو ویلکم کہنے وقت سے پہلے ہی جاگ گئے ہیں۔ حیرت کی بات ہے۔"

"جی جناب! انہوں نے ایسا ہی سوچا ہے۔ اب مہربانی فرمایئے انہیں اپنے کمرے میں لے جایئے کیونکہ پاپا ناشتے کے بعد آرام فرمائیں گے۔" ممی نے آنکھیں نکالتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا تو پاپا نے چونک کر ماں بیٹے کی طرف دیکھا۔

"فرشتے نظر نہیں آ رہی۔ کہاں ہے وہ؟ خیریت تو ہے۔"

"سب خیریت ہے۔" شامیر نے منمنائی آواز میں کہا۔

"آپ ذرا فریش ہو کر سٹڈی میں آ جایئے گرما گرم پراٹھا اور بریانی مصالحہ آپ کا انتظار کر رہا ہے پھر آرام فرمایئے گا۔ تھکاوٹ دور کیجئے گا۔ پھر آپ کو تمام ماجرا سناؤں گی۔"

اور وہ کارٹ کو پش کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی شامیر نے اڑھائی سالہ بچی کو اٹھا لیا اور ماں کے پیچھے باہر نکل گیا۔ اس کے کمرے سے بیٹے کے رونے کی آوازیں اسے بیقرار کرنے لگیں تو ممی نے کارٹ کو کمرے کے اندر دھکیلا اور شامیر کو کنکھیوں سے دیکھتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب چل دی۔۔

"اوہ مائی گاڈ یہ رشتہ طے کرتے وقت میرے جو بھی اعتراضات' اندیشے اور خدشے تھے کہیں درست تو نہیں نکل آئے۔ مگر فرشتے بھی تو بہت خوب ہے۔ پھر کیا مسئلہ ہے؟ جو بھی ہے کچھ گڑبڑ ہے۔ میرے بچوں کے درمیان شیطان تو نہیں آ گیا۔ جو ماحول میں ہی بے چینی اور پریشانی براجمان ہے۔ فرشتے کہاں ہے؟" وہ حیرت سے شامیر کو جاتے ہوئے دیکھ کر بڑبڑائے۔

وہ اپنے بچے' اپنا خاوند اور اس گھر کو یوں چھوڑنے والی بچی تو نہیں تھی۔ پھر کیا ہو گیا؟ مسئلہ کیا ہے؟

ان کا دل بری طرح مضطرب ہو گیا تھا۔

❖ ❖ ❖

دن بدن آمو ڈیپریشن کی طرف تیزی سے جا رہا تھا۔ آفس میں بھی دل نہیں لگتا تھا۔ زرمین

سے بھی دل اچاٹ ہو گیا تھا۔ بچہ بھی اس کی خوشی کا سامان نہ بنتا اور ٹمو اور ہاشو کی طرف سے تو مکمل طور پر بے اعتنائی تھی۔ یہ تو قدرتی امر تھا زرمین نئی مشکل میں گرفتار ہو کر بروقت اپنی عقل کا ماتم کرتی رہتی۔ اسے آمو سے شادی کرنے کا فیصلہ سراسر حماقت لگنے لگا تھا۔ پہلے دو بچوں کی ذمہ داری اس پر لاگو تھی اب تیسرے بچے اور شوہر کی ذمہ داری' تیمارداری اور نگہداشت بھی منہ کھولے کھڑی تھی۔ وہ کئی راتوں سے سو نہ سکی تھی۔ اس مسئلے کا فقط ایک ہی حل ذہن میں سر اٹھا رہا تھا کہ زارا کی واپسی سے گھر کے ماحول میں خوش آئند تبدیلی ضرور رونما ہو گی۔ ہمیشہ سے انسان فیصلہ کرتے وقت اپنی اس سوچ کو اہمیت دینے لگتا ہے جسے وہ اپنے لحاظ اور سمجھ کے مطابق بہترین سمجھتا ہو۔ اس کے تمام روشن پہلو تمام تر تاریکیوں پر بری طرح چھا جاتے ہیں اور فیصلہ کرنا آسان اور سہل ہونے کے ساتھ سو فیصدی درست اور مناسب معلوم ہونے لگتا ہے۔ ایسا ہی فیصلہ زرمین نے کئی راتوں کی بیداری میں کر ڈالا تھا۔ آمو دو ہفتوں سے آفس گیا تھا نہ ہی کمرے سے باہر نکلا تھا۔ احساس جرم ہر رنگ پر حملہ آور ہو کر اسے چھلنی کر رہا تھا۔ اس کے من کے اندر کی توڑ پھوڑ کی شوریدگی نے باہر کے شور شرابے پر غلبہ پا لیا تھا۔ وہ صرف اپنے من میں ابھرنے والی کاٹ دار صداؤں کو سن سکتا تھا۔ زرمین جو بھی سمجھاتی وہ سر سے گزر جاتا اور وہ بے بس و لاچار ہو کر خاموش ہو جاتی۔

شوہر کی خدمات میں بتدریج اضافہ ہو رہا تھا۔ زرمین بھی ایک وفادار و تابعدار بیوی کا رول بہت احسن طریقے سے نبھا رہی تھی۔

''آج کی صبح فیصلہ کن اور بہت پرامید تھی۔ زرمین آمو کو بڑے پیار و ملائمت سے جگا کر نہایت اپنائیت سے بولی۔ ''احمد لوگوں میں مکس اپ ہونے اور کام میں مصروف رہنے کی وجہ سے انسان کا ذہن کسی بھی غلط اور منفی سوچ کی طرف نہیں جاتا۔ آپ ہمت کر کے اٹھیں' تیار ہوں۔ یہ دیکھیں میں نے اپنے ہاتھوں سے اپنی جان کے کپڑے تیار کئے ہیں۔ بوٹ پالش کئے ہیں اور آج ٹائی کی گرہ بھی تمہاری زری ہی لگائے گی۔ موزے بھی وہی پہنائے گی۔ ناشتہ بھی اپنے ہاتھ سے کھلائے گی۔ بس اٹھ جاؤ۔ بہت آرام کر لیا۔ ٹھیک ہونے کے بجائے الٹا خود کو مزید بیمار کر لیا ہے تم نے۔ قسم سے ماٹھی شکل لگ رہی ہے۔ مجھ سے اب تمہاری یہ حالت دیکھی نہیں جاتی۔''

وہ آنکھیں کھول کر اسے محبت بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔ ''زری تم کتنی عظیم ہو اور میں بہت گھٹیا اور کمتر جو تمہاری قدر نہ کر سکا۔ نہ ہی زارا کا شکر گزار ہوا۔ میں بہت برا انسان ہوں۔ تم دونوں مجھے معاف کر دینا۔'' لہجے میں پچھتاوا تھا۔

''تم بہت اچھے اور نیک انسان ہو۔ معمولی سی غلطی کا پہاڑ نہیں بنا لیتے۔ میں اس کا ازالہ سوچ رہی ہوں جان۔ تم فکر نہ کرو۔'' وہ پیار کرتے ہوئے بولی۔

آخرکار اس کی اس توجہ پر اپنی اس شان اور عزت کے فسوں پر کھو کر آفس جانے کے لئے بیڈ

سے اترا اور تیار ہونے باتھ روم کی طرف چل دیا۔ زرمین حیرت سے اسے جاتا ہو دیکھنے لگی کیونکہ اب تو آمو اس کی بات ماننے کو اپنی شان اور مردانگی کے خلاف سمجھنے لگا تھا۔ زرمین نے ٹمو کو آیا کے سپرد کیا۔ ہاشو سکول جا چکا تھا۔ آمو بھی خود ڈرائیو کر کے مسکراتا ہوا آفس کی طرف نکل گیا تو زرمین نے اپنے گول مٹول بیٹے معاذ کو اٹھایا جو اسی کا ریپلیکا تھا۔ آمو کی ہلکی سی جھلک بھی اس میں نہ تھی۔ وہ بھی ڈرائیور کے ساتھ آمو کے بتائے ہوئے ایڈریس کی رہنمائی میں گاؤں کی طرف چل پڑی۔ دل خوشی‘ غمی اور اطمینان و بے سکونی سے ہمکنار تھا اور وہ اسی کی کیفیت میں مبتلا سوچ جا رہی تھی۔ احمد اتنا اہم اور اتنا عظیم سرپرائز دیکھ کر کیسے ری ایکٹ کرے گا۔ خوشی میں بے ہوش تو نہیں ہو جائے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ سرپرائز دینے والے کو چوم لے گا یا سرپرائز کو بانہوں میں بھر لے گا جو بھی ہو گا۔ مجھے منظور ہے۔‘‘ وہ تمام رستے نئے منصوبے بناتی رہی۔ کبھی دل مطمئن ہوتا تو کبھی اداس و مایوس ہو جاتا۔ اسی عالم میں وہ اس کے بتائے ہوئے ایڈریس پر امید و بیم کے خیالات میں ڈوبتی ابھرتی ہوئی چلی جا رہی تھی۔

❖ ❖ ❖

’’اچھا تو یہ ہے ساری کہانی میری بیگم کی زبانی۔ کتنی سچی کتنی انجانی۔‘‘ پاپا نے حالات سن کر اک طویل آہ بھر کر کہا۔ ’’ویری انٹرسٹنگ۔‘‘

’’آپ سے جھوٹ کیوں بولوں گی بھلا؟‘‘ وہ زچ ہوتے ہوئے بولی۔

’’ہاں ہاں تم نے پہلے کبھی جھوٹ بولا ہے جو آج تم سے یہ گناہ سرزد ہو گا۔‘‘ وہ چھیڑتے ہوئے بولے۔ حالانکہ حالات سن کر فکرمند ہو گئے تھے۔ مرد کی یہی خوبی تو عورت کو زیر کر دیتی ہے۔ پریشانیوں میں بھی چراغاں کر لیتا ہے۔

’’بہت بار بولا ہے جھوٹ‘ مصلحتاً کیا کرتی؟ ظالم اور جابر شوہر بیوی کو جھوٹ بولنے پر مجبور کر دیتا ہے کیونکہ وہ سچائی سننے کو تیار جو نہیں ہوتا تو بیوی وہی بولے گی جو وہ سننا چاہے گا اور اس سے ہماری بھی گلو خلاصی ہو جائے گی۔ بتائیے اس میں میرا قصور تو نہ ہوا۔ آپ بے وقوف بن کر جیت جاتے ہیں تو جیتا کریں مجھے کیا؟‘‘ وہ بھی مسکراتے ہوئے ایک دم سے رنجیدہ سی ہو گئی۔

’’مجھ سے نوک جھوک کا ٹائم نہیں ہے یہ۔ بیٹے کی خوشحالی اور آبادی کا مسئلہ بنا ہوا ہے اسے سلجھائیں۔‘‘

’’بیگم بات یہ ہے کہ فرشتے کو تمہیں انفارم کر کے گھر سے باہر قدم نکالنا چاہئے تھا۔ اس معاملے میں وہ سراسر قصوروار ہے۔ جسے کوئی شوہر معاف نہیں کر سکتا۔‘‘ وہ سنجیدگی سے بولے۔

’’تمہیں اب تو میرے انکار کی وجہ سمجھ آ گئی ہو گی۔ یہ جو عقل ہے ناں اگر مارکیٹ سے خریدنے سے مل جاتی تو کروڑوں صرف کر کے تمہارے لئے خرید لاتا۔ کاش اس وقت مجھے تمہارا

تعاون حاصل ہوتا تو آج یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ آپا کی بیٹی بہترین ثابت ہوتی۔ اب محترمہ تین بچے چھوڑ کر نجانے کہاں جا چکی ہے؟ کس حال میں ہے؟ بہن کے پاس جانے سے تو رہی۔ وہ اس مصنری میں ایک دن نہیں گزار سکتی۔ شامیر اس کے پیچھے نہیں جائے گا۔ میں شوہر کی سائیکی جانتا ہوں۔ اب اگر وہ واپس آ بھی گئی تو شامیر اسے کیسے قبول کرے گا۔ مردوں کی سائیکی تم نہیں سمجھ سکتی۔ اگر ایسا ہوتا تو آج یہ جہاں جنت ہوتا۔ تم لوگوں کی کم عقلی کی وجہ سے دوزخ بن چکا ہے۔"

"راز داری کی بات ہے۔ آپ کوشش کر دیکھیں۔ میں نے تو دن رات سمجھانے بجھانے میں ایک کر دیا ہے۔"

"اب یہ مسئلہ آپ کی عدالت میں پیش ہو چکا ہے۔ وعدہ کریں کہ ان بچوں کی خاطر آپ اس سرپھرے کا ساتھ نہیں دیں گے۔ میں جیسا کہوں گی آپ ویسا ہی کریں گے۔" وہ سرگوشی کے انداز میں بولی۔

"یہ شکی مزاج اور پاگل شوہر طلاق نامے کے تمام پیپرز مکمل کر چکا ہے۔ اگر وہ یہاں سے غائب نہ ہوتی تو نجانے ان معصوم بچوں پر کب کی قیامت آ چکی ہوتی۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارے لئے عقل خریدنے کی ضرورت نہیں۔ وہ آل ریڈی تمہاری باندی ہے جو فرشتے کا ساتھ نہ چھوڑا۔ خلاف توقع بہت سمجھداری دکھا دی ہے تم نے اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہونے دی۔" وہ خوش ہو کر مذاقاً بولے۔

"گھر کی مرغی دال برابر نہ ہوتی تو یہ مرد ذات جگہ جگہ کی دال کھا کر مرغی کا سواد نہ ڈھونڈ رہے ہوتے۔ ویسے دیکھا جائے تو حد درجے کے کمزور' لاغر اور مسکین ہوتے ہیں بیچارے جنہیں صنف قوی کہہ کر پکارا جاتا ہے۔" وہ بھی اتنے دنوں بعد دل کھول کر ہنسی تھی ورنہ سر پر بچوں کی ذمہ داری' ہر وقت کی روں روں اور پھر بیٹے کو سمجھا سمجھا کر کھوپڑی کا خالی ہو جانا کم اذیت نہ تھی۔ لیکن وہ صبر و تحمل کا دامن تھامے مستقل مزاجی و ثابت قدمی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ حالانکہ عمر کے اس حصے میں بچوں کو پالنا آسان کام ہرگز نہ تھا۔ وہ گورنس رکھ کر شامیر کو کمفر ٹیبل کرنا نہیں چاہتی تھی۔ ٹوٹی پھوٹی آیا سے ہی رو دھو کر کام نکلوا رہی تھی۔

"ویسے تم عقلمند تو کیا بہت شاطر اور چالباز نکلی۔" وہ ہنستے ہوئے بولے۔

"بس مجھے آپ کی واپسی کا انتظار تھا۔ اب تمام حالات سدھر جائیں گے۔"

"ذرا دیکھئے گا کہ اب اس ناہنجار کی طبیعت ٹھکانے پر آتی ہے یا نہیں کیونکہ آج کے بعد بچے اس کے ساتھ اس کے کمرے میں ہوں گے۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"دیکھئے گا خود منہ سے پھوٹے گا کہ ان کی ماں کو واپس لانے کا۔"

"اگر وہ اپنی ضد پر قائم رہا تو پھر کونسی چال چلو گی۔" وہ بھی آہستگی سے بولے۔

''ہم پھر دونوں بہ نفس نفیس اگلا قدم اٹھانے کا پروگرام بنائیں گے۔ اگر اس نے توں تڑاخ کی تو وہ حربہ استعمال کروں گی جو آپ کی اماں کا تکیہ کلام تھا۔ جس نے تمام عمر آپ کو مجبور و بے بس رکھا تھا اور مجھے مظلومیت سے ہمکنار کئے رکھا۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''وہ حربہ کونسا تھا اور میں بھول کیسے گیا؟'' وہ بھی سنجیدہ ہو گئے جبکہ اماں کی ہر بات ناقابل فراموش تھی ان کے لئے۔

''یہی کہ تمہیں بتیس دھاریں نہ بخشوں گی۔'' وہ طنزیہ لہجے میں بولی تو وہ قہقہہ لگا کر اٹھے۔

''اللہ تعالیٰ نے بھی ماں کو مضبوطی دیتے وقت باپ کے بارے میں کیوں نہ سوچا؟'' وہ شگفتہ لہجے میں بولے۔

''ویسے شکر ہے کہ اس نے آپ کے مدمقابل ہمارے لئے بھی بہت کچھ سوچا۔ چار شادیوں کی کھلم کھلا تمام نعمتیں' آزادیاں اور خودمختاریاں گنوا دیں ناں تو اچھا نہیں ہو گا۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''اسلام کی آمد کے ساتھ ہی جو حقوق ہمیں دیئے گئے ہیں مغرب میں وہ حقوق اب زیر بحث ہیں۔ واہ میرے مالک مرد کو برتری دے کر ہمیں مہارانی اور اس کو ہمارا غلام بنا دیا۔ احسان عظیم ہے ہم پر۔

''آپ کی رسائی ہماری عزت و تحریم کی دھول تک بھی نہیں پہنچ سکتی۔ آپ ہم سے ایک سٹیپ اونچے ہیں تو کیا ہوا؟ یہ فخر اور غرور اب سننے سنانے اور کتابوں تک ہی محدود رہ گیا ہے۔ اسی خوش خیالی میں مگن رہیں آپ۔ وہ دن گئے جناب جب بیوی کھڑے کھڑے طلاق وصول کر کے دربدر ہو جایا کرتی تھی۔ اب وہ ناک سے چنے چبوانے کے تمام ہتھیاروں سے لیس ہو چکی ہے۔ ذرا محتاط رہیئے اور اپنے بیٹے کے نشے کو مدھم کیجئے۔''

''آج کی عورت بے ہمت نہیں۔ وہ اس کی پاک کتاب سے اپنے حقوق کی شناخت کر چکی ہے۔ اب عربی پر گزارہ نہیں۔ اپنی زبان میں سب کچھ سمجھا جانے لگا ہے۔''

''اب یہ تکرار چھوڑو فرشتے کو جلد از جلد واپس لانے کا بندوبست کرو۔ خدا کی قسم تم اپنی عمر سے دس سال بڑی لگنے لگی ہو۔ یہ بچے سنبھالنا بڈھے کھوسٹ لوگوں کا کام نہیں۔ یہ جوانوں کا کام ہے ورنہ بڑھاپے میں بچے پیدا ہو رہے ہوتے۔ ہر کام کے لئے اک وقت اور عمر مقرر کی گئی ہے۔ اپنا نہ سہی میرا ہی خیال کر لو۔ اس بڑھاپے میں مجھے کون بیٹی دے گا۔ یونس کے یہ سال تمہاری رفاقت میں بیت جائیں تو بہتر ہے ناں۔'' وہ مسکرا کر بولے۔

''خدا کا شکر ہے کہ میرے جیتے جی میری قدر تو آئی۔'' وہ مسکرانے لگی۔

''ممی گڑیا نے قے کر دی ہے۔ نجانے اسے تکلیف کیا ہے؟'' روئے جا رہی ہے۔ رات بھر سونے نہیں دیا۔ آپ کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہ لگا۔ آخر خانساماں بیچارہ اس کے رونے کی آواز پر

میرے پاس آ گیا۔ اب ہم دو مردوں کو کیا معلوم کہ اس کی والیوم کو کم کیسے کریں؟'' شامیر تیزی سے بولے جا رہا تھا۔

''بیٹا ابھی تو تمہاری بچوں کے ساتھ پہلی رات تھی۔ تم نے تو ایسی ہی بے حساب راتوں کا سودا کیا ہے۔ گھبراؤ نہیں پیارے رات بھر جاگو اور دن بھر آفس کا کام بھی کرو اور بچے بھی پالو۔'' پاپا نے مضحکہ خیز انداز میں کہا تو وہ سر سے پاؤں تک لرز گیا اور اچھل کر ناگواری سے بولا۔

''پاپا میں بچے کیوں پالوں؟ کیا اس دنیا سے تمام لڑکیاں رخصت ہو گئی ہیں۔ ہمیں آپ کا انتظار تھا اس مسئلے پر آپ غور فرمائیں۔ ہیڈ آف دی فیملی آپ ہیں میں نہیں کہ اکیلے ہی فیصلہ کر لوں۔''

''بھئی میں سوتیلی ماں کے سائے تلے اپنے پوتے اور پوتیوں کو پالنے کے حق میں ہرگز نہیں ہوں۔ اس ظلم سے بہتر ہے کہ انہیں بار بار موت دینے کے بجائے ایک بار کی موت دے کر میٹھی نیند سلا دو۔'' پاپا نے سنجیدگی سے بارعب لہجے میں کہا تو وہ سر جھٹک کر حیرت سے انہیں دیکھتا ہی رہ گیا۔

❖ ❖ ❖

''میڈم اس گاؤں میں آج تک نہ تو چودھری رحیم علی پیدا ہوا ہے' نہ ہی آگے ہونے کے امکان ہیں۔ جس سے پوچھتا ہوں وہ مسکرا کر گزر جاتا ہے۔ مجھے لگتا ہے یہ ایڈریس ہی غلط ہے۔'' ڈرائیور نے ناگواری سے کہا۔

''چودھری احمد علی کو تو ہر کوئی جانتا ہوگا۔ عجیب ہی معمہ ہے مگر باپ کی شناخت بھی تو کوئی نہیں بھولتا جبکہ باپ حیات بھی ہو اور زمیندار بھی نام و نمود والا ہو۔'' وہ حیرت سے بولی۔

''میڈم ہم اس گاؤں کے نمبردار چودھری زین العابدین کی حویلی چلتے ہیں۔ وہاں سے ہمیں معلومات مل سکتی ہیں۔ مجھے تو کئی راہ چلتے لوگوں نے یہی مشورہ دیا ہے کہ ہوسکتا ہے ان کا کوئی دور پار کا رشتے دار کسی دوسرے گاؤں کا رہائشی ہو۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''چلو آخری کوشش کر دیکھتے ہیں۔ ہمیں شام سے پہلے گھر پہنچ جانا چاہئے کیونکہ شوہر کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ جب وہ گھر پہنچے تو بیوی اسے مسکراہٹ سے خوش آمدید کہے۔'' وہ آخری فقرے پر زور دے کر بولی۔

''اچھا تو آپ کے ہاں بھی یہ اصول چلتا ہے۔'' ڈرائیور نے حیرت سے کہا۔

''ہر معاشرے میں کچھ اصولوں اور رسموں و رواجوں میں ہم آہنگی و مطابقت ہوتی ہے کیونکہ انسانی فطرت جو ایک دوسرے سے مشابہت رکھتی ہے۔'' اس نے دل ہی دل میں کہا۔ مگر یہ جواب دینا مناسب نہ لگا۔

دس منٹ بعد ہی گاڑی چودھری زین العابدین کی حویلی کے گیٹ سے باہر کھڑی تھی۔ آنے کا

مدعا بتانے کے تھوڑی دیر بعد زرمین کو بچے سمیت زنان خانے پہنچا دیا گیا اور ڈرائیور سردیوں کی میٹھی دھوپ میں چارپائی پر لیٹتے ہی خراٹے بھرنے لگا۔

زرمین برآمدے میں ہی بچے کا پیمپر چینج کرنے لگی۔ اس کے آس پاس نوکرانیوں کی فوج کھڑی تھی جو اس کی مدد کرنے کو تیار تھی۔

تھوڑی دیر بعد گھر کی مالکن باہر تشریف لائی۔ اس کے ہمراہ اس کی بہوئیں اور بیٹیاں تھیں۔ وہ ایکدم سے اتنے بڑے ہجوم میں گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ اگلے لمحے اس کے گلے میں بانہیں ڈالے ایک خاتون دھاڑیں مار کر رونے لگی۔

''زرمین...... میری زرمین۔''

آواز جانی پہچانی تھی۔ یہ تو فرشتے کی پیار و الفت میں نہائی ہوئی آواز تھی۔ اسے کانوں پر یقین نہ آیا۔ جہان نے فرشتے کو آہستگی سے پرے کیا اور دونوں کو کمرے میں لے گئی۔ دونوں سکتے میں ہراساں و پریشان تھیں۔ کمرے میں پہنچ کر زرمین نے اچٹتی سی نظر فرشتے پر ڈالی۔ ''میری دیدی۔ میں قربان' میں واری صدقے' میں قربان۔'' وہ چیخ اٹھی۔

''دیدی آپ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے میں مٹی کا ذرہ بن گئی۔ آپ نے ہمارے ساتھ بہت برا کیا۔ ہمیں زمانے کے رحم و کرم پر چھوڑ کر پلٹ کر دیکھا نہ حال احوال پوچھنے کی تکلیف گوارہ کی۔ دیدی ہم آپ کے بغیر بکھر گئیں۔''

''تم یہاں گاؤں میں کیسے پہنچ گئی؟'' وہ خوشی و غمی کے ملے جلے جذبات میں شکایت کیے جا رہی تھی اور گلے کے گرد گرفت سخت سے سخت گیر ہوتی جا رہی تھی۔ معاذ بھی اس رش اور شور میں رونے لگا تھا۔ فرشتے نے آگے بڑھ کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ ممتا تڑپ اٹھی تھی۔ اپنے بچے جن کی جدائی اسے گھائل کیے ہوئے تھی۔ بے اختیار یاد آئے اور وہ انہیں آوازیں دینے لگی۔

''مینو میرا عبدالعزیز' حبیبہ گل اور ریشم ہو بہو تمہارے معاذ جیسے ہیں۔ میرے بچو آ جاؤ ماں منتظر ہے تمہاری۔''

❖ ❖ ❖

''اتنا بڑا دھوکہ' یہ ہے اصلیت تم لوگوں کی۔ نومسلم' کمی کمین' ہاری اور دو ٹکے کے مزارع۔'' زرمین نے جہاں کی باتیں سن کر دل میں کہا۔ مگر زبان پر ایک لفظ نہ لائی۔ اس نے اپنی اور آمو کی ہتک کے احساس سے خاموش رہنے میں مصلحت سمجھی تھی۔

''رامے مسلی کا نام رحیم ضرور ہے۔ گاؤں میں نام بگاڑ کر پکارے جاتے ہیں۔ ناموں کے ساتھ القاب و خطابات تو زمینداروں کے مقدر میں ہوتے ہیں۔ جوہرو کا اصل نام زہرہ ہے اور آمو کا اصل نام احمد علی ہے لیکن اس گاؤں اور برادری میں جوہرو اور آمو کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔

ان دونوں کا پیدائشی ہی دماغ بہت اونچا تھا۔ انہوں نے زمیندار خاندان کے کسی گھر میں ملازمت نہیں کی۔ دونوں ہی طبعاً حکمران اور شہنشاہ واقع ہوئے تھے۔ شادی کے کچھ عرصے بعد ہی انہوں نے یہاں کی غلامیت سے چھٹکارا حاصل کرنے کی خاطر اپنوں کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دیا اور ایسے غائب ہوئے کہ پلٹ کر نہ دیکھا۔ ان کے والدین رو رو کر بینائی کھو چکے ہیں۔ ذہنی طور پر مفلوج ہو کر رہ گئے ہیں۔ جب سے جوہرو واپس آئی ہے سب کی طبیعت میں تبدیلی تو آ گئی ہے مگر آمو کو دیکھنے کی بے چینی نے سب کو نڈھال کر ڈالا ہے۔ زرمین ان غریب خاندانوں کی مضبوطی و استقامت ان کی یکجائی ہی تو ہے۔ اس لئے تو ان کے ہاں درجنوں بچے پیدا کرنے کا رواج ہے۔ جہاں نے زرمین کو سمجھاتے ہوئے حیرت سے کہا۔ مگر آپ کو ان کے معاملے میں اتنی دلچسپی کیوں ہے؟ جوہرو سے آپ کا کیا تعلق ہے؟ آپ آمو کو کیسے جانتی ہیں؟

''زارا سے میری بہت گہری دوستی ہے۔ یہ میرے بنگلے کی انیکسی میں کئی سال سے رہائش پذیر ہیں۔ زارا اپنے میاں سے لڑ جھگڑ کر یہاں چلی آئی ہے۔ اس کا میاں اَنا کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے واپس نہیں لے جانا چاہتا حالانکہ ذہنی مریض بن گیا ہے۔ مگر اکڑ نہیں گئی۔ اس لئے تو میں نے سوچا کہ آج اسے واپس اس کے گھر چھوڑ دوں۔ بہت اچھی لڑکی ہے۔ کم بخت یہ بھی تو سر پھری ہے۔ ایگو بہت بڑی ہے۔ میں بہت بھاری ہے۔ سارا مسئلہ ہی یہاں سے شروع ہوا ہے۔ عورت کو تو ذرا دھیمے مزاج کا ہی ہونا چاہئے۔ مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹ ہے۔ الٹی گنگا بہتی ہے اس گھر میں۔ آخر شوہر بھی تو مرد ہے۔ کب تک نان سنس برداشت کرے گا۔ میرا خیال ہے اب دوری اور جدائی نے دونوں کے دماغ درست کر دیئے ہیں۔''

وہ کافی سوچ بچار کے بعد بولی تھی۔ سچائی پر جھوٹ کا نقاب گرا کر اس نے اپنی عزت محفوظ کرنے کی کوشش کی تھی۔

''وہ ضد کی بہت پکی عورت ہے۔ اگر آمو نے اس پر زیادتی کی ہے تو وہ تمہارے ساتھ واپس نہیں جائے گی۔ آمو لینے آئے تو شاید کام بن جائے۔'' جہان نے سنجیدگی سے کہا۔

''جہان جوہرو کو ہر صورت واپس اپنے گھر بھجوا دو۔ یہ گھر اس کا نہیں۔ اس کا اصل گھر اس کی عزت اور آن اس کے خاوند سے ہے۔'' فرشتے تڑپ کر بولی۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ وہ بھی جب سے یہاں آئی ہے۔ اپنی کٹیا سے باہر نظر نہیں آئی۔ ڈرامے دیکھنے اور رسالے پڑھنے میں کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ پیٹ میں آمو کا بچہ اٹھائے پھر رہی ہے۔ اسے اس کی بھی پروا نہیں۔ میں اسے یہاں ہی بلا لیتی ہوں۔ کوشش کر دیکھو۔ شاید وہ مان جائے۔'' جہان نے نوکرانی کو بلند آواز سے بلایا اور جوہرو کو یہاں لانے کا حکم سنا دیا تو زرمین سوچ کر دہل گئی اور بے چینی سے بولی۔

''میں وہاں اکیلے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔ یہاں سب کے سامنے بات کرنا مناسب نہیں۔ پتہ چلے کہ معاملہ سدھرنے کے بجائے مزید بگڑ ہی نہ جائے۔''

''ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔ یہ مسلی ذات اکڑ اور بدلہ لینے پر اتر آئے تو پھر ان کے خاندان کا ہر فرد اندھا اور بہرہ ہو جاتا ہے اور سب ایکا کر بیٹھتے ہیں۔''

جہان نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی تو زرمین سرعت سے نوکرانی کے ساتھ باہر نکل گئی۔

جوہرو ٹوٹی ہوئی چارپائی پر میلے کچیلے کپڑوں اور غلیظ گھونسلا بنے بالوں میں آنکھیں موندھے لیٹی ہوئی تھی۔ بھائیوں کے اَن گنت ناک بہتے ہوئے بچے اس کے آس پاس کھیلنے میں مصروف تھے۔ مٹی میں لت پت ایک دوسرے کے سروں پر مٹی کی مٹھی بھر کر ڈالتے اور خوب شور مچاتے۔ جوہرو کی ماں درخت کے سائے میں زمین پر ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ زرمین کو دیکھ کر نہ تو وہ چونکی نہ ہی اٹھنے کی کوشش کی۔ زرمین حیرت و اشتیاق میں جوہر کے قریب پہنچ کر آہستگی سے گویا ہوئی۔

''زارا! تم نے یہ کیا حالت بنا رکھی ہے۔ پہچاننا مشکل ہو گیا ہے۔ میری طرف دیکھو۔''

جوہرو نے شناسا آواز پر چونک کر آنکھیں کھولیں اور فوراً منہ دوسری طرف پھیر کر دوپٹے سے چہرہ چھپا لیا۔

''زارا! تم لوگوں نے مجھ سے دھوکہ کیوں کیا؟ اپنی حیثیت مجھ سے چھپا کر تم لوگ بہت گھاٹے میں رہے۔ سراسر خسارے میں۔'' وہ تاسف بھرے لہجے میں بولی۔

''دھوکہ ہم نے نہیں تم نے مجھے چالبازی اور مکاری سے آمو کی زندگی سے نکال دیا۔ تم نے میرا شوہر چھین لیا۔ میرا پیار اور میرا مخلص ساتھی۔ میرے راز داں اور ہمدرد دوست کے ساتھ رنگ رلیاں مناتے ہوئے تمہیں شرم کیوں نہ آئی؟ تم نے سہیلی کے روپ میں ناگن کا کردار ادا کیا ہے۔ تم نے ایسا کیوں کیا؟ بولو زری۔''

''مجھے اس سوال کا جواب چاہئے۔ پھر میں تمہارے ہر سوال کا جواب دوں گی۔'' وہ خود اعتمادی سے بولے جا رہی تھی۔

زرمین اس کی دیدہ دلیری اور بے باکی پر حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

''تمہارے پاس میرے کسی سوال کا جواب نہیں ہے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ اب یہاں کیوں آئی ہو؟'' وہ بھنویں چڑھا کر بولی۔ ''میرا تماشا دیکھنے یا اپنا تماشا بنوانے؟ کس مقصد کے لئے آئی ہو بولو۔''

''تمہیں تمہارا شوہر سونپنے آئی ہوں۔ جوہرو تمہارا آمو تمہارے بغیر ادھورا ہے۔ وہ تمہارے بغیر دل کا مریض بن گیا ہے۔ جس دولت کے حصول کی خاطر اس نے مجھے اپنایا تھا اسے اس دولت سے گھن آنے لگی ہے۔ وہ مجھ سے بھی بے پناہ نفرت کرنے لگا ہے۔ زارا مجھ میں نئے انہوں نے اور

نرالے دکھ جھیلنے کی اب ہمت نہیں رہی۔ میں تمہیں واپس آمو کے پاس لے جانا چاہتی ہوں۔ آمو تمہارا نصیب ہے۔ تمہیں ہی مبارک ہو۔ جوہرو کو اسی مٹی میں دفن کر کے ہمیشہ کے لئے میرے ساتھ چلو۔"

"زارا ہماری ویڈنگ اینی ورسری بھی جہنم رسید ہو گئی۔ تمہارے آمو کے آنسوؤں میں ہی بہہ گئی۔ آج میں گزشتہ ویڈنگ اینی ورسری کا آمو کو وہ تحفہ دینا چاہتی ہوں جس کے بغیر اس کی زندگی میں نہ کوئی شوخ و شنگ رنگ ہے' نہ گہما گہمی ہے۔ نہ تھرل ہے۔ نہ آگے بڑھنے کی جستجو ہے' نہ کچھ پا لینے کی خواہش ہے۔"

"اس کی زندگی کے ہر لمحے میں جمود ہے زارا۔ اسے اس کی زندگی واپس بخش دو اور اسے اس بچے کی خوشخبری سنا دو جس کی خاطر تم نے بھی قربانی دے ڈالی تھی۔" وہ نہایت ملائمت سے بولی تو جورو نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ مگر وہ چارپائی پر بھنبھناتی ہوئی مکھیوں کی موجودگی میں کوشش کے باوجود نہ بیٹھ سکی۔ وہیں کھڑی اس کا جائزہ لینے لگی۔

"زرمین ہر انسان اچھا رہنے' پہننے اور کھانے کی جستجو میں ہاتھ پاؤں مارنے کا حقدار ہے۔ ہمارے سینوں میں بھی دل ہیں۔ ان میں لاکھوں خواہشات ہر پل سر ابھارتی ہوتی ہیں۔ کچھ پا لینے کی جستجو میں اکساتی رہتی ہیں۔ ان کو پورا کرنے کے لئے تگ و دو کرنا گناہ نہیں۔ میں نے اپنا جسم بیچ کر اپنے اسٹیٹس کو اعلیٰ نہیں بنایا۔ نہ ہی آمو نے چوری چکاری اور ڈکیتی سے دولت بنانے کی کوشش کی ہے۔ تم سے نکاح کر کے قابل عزت سرکل کو اپنانے کا اور کوئی طریقہ ہمارے سامنے نہ تھا۔" وہ سچ بولتے ہوئے فخریہ لہجے میں بولی۔

"میں تمہیں گناہگار نہیں ٹھہرا رہی۔ میں ایسی ہی خواہشات کی دلدل میں ایک لمبے عرصے تک پھنسی رہی۔ اس لئے میں تمہارے اندر خواہشات و تمناؤں کے تلاطم خیز طوفان سے بخوبی آشنا ہوں۔ تم بہت عظیم ہو۔ بہت مقدس اور پاکیزہ ہو۔ میں تو تمہارے قدموں کی دھول سے بھی بدتر ہوں۔" اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

زرمین نے دل میں سوچا مگر منہ سے کچھ نہ بولی۔ چہرے کے تاثرات دیکھ کر جوہرو چونک سی گئی۔ زرمین کے چہرے پر غصے کی جگہ نرمی نے لے لی تھی اور آنکھیں زبان بن گئی تھیں۔ جن میں پرستائش سی چمک تھی۔ جوہرو کا سر اس کے سامنے جھک گیا اور ہاتھ جوڑ کر بولی۔ "آپی ہمیں معاف کر دیجئے گا۔ ہمیں بھی تو قابل قبول زندگی گزارنے کا پورا حق ہے۔ مگر ہم نے تمہاری دولت ہتھیانے کا کبھی سوچا تک نہیں۔"

"میں تمہاری عزت کرتی ہوں زارا۔ تم سے پیار بھی بے انتہا تھا۔ مگر آج تمہیں دھوکے باز کہنے کی جو جسارت میں نے کی ہے اس کی معافی چاہتی ہوں۔ اس راز کو ہم اچھالیں گے نہیں۔ لوگوں

کو افسانے اور داستانیں بنانے کا موقع نہیں دیں گے۔ زارا تم میرا ساتھ دو گی تو سب کچھ درست ہو جائے گا۔'' وہ اپنائیت بھرے لہجے میں بولی۔

''میں ناچیز تمہارا کیا ساتھ دے سکتی ہوں؟ نہ ہی کوئی مدد کرسکتی ہوں۔'' جوہرد نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

''تم اپنے جیون ساتھی کو زندگی کی رونقوں کی طرف واپس لاسکتی ہو۔ زارا میں اس معاملے میں ناکام رہی۔ تم جیت گئی۔ مجھ پر فتح پالی ہے تم نے۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''آپی سر جھکا کر شکست کو تسلیم کرنے والا انسان کبھی ہارتا نہیں۔ آج تمہاری جیت کا دن ہے۔ تم نے ہمارے جیسے دھوکے باز اور فریبی لوگوں کو تہہ دل سے معاف کر دیا۔ آپی دوسروں کی غلطیوں کو معاف کرنا آسان کام نہیں۔ تمہارے درجات تو بہت بلند ہو گئے اور ہم تمہارے پاؤں کی دھول بن کر رہ گئے۔ مجھے اس ناکامی پر بہت خوشی ہو رہی ہے کہ جسے میں نے رول ماڈل بنا کر پرستش کی تھی وہ اک آئینہ تھی۔ صاف و شفاف' نیک و پاکدامن' میرا انتخاب غلط نہ تھا۔'' وہ اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر احسان مندانہ لہجے میں بولے جا رہی تھی۔

''آپی اپنے سے چھوٹے اور نیچ لوگوں کی صحبت میں بیٹھ کر خود کو بہت اعلیٰ ارفع تصور کیا جاتا ہے۔ خود اعتمادی بتدریج بڑھتی چلی جاتی ہے لیکن اس کے برعکس چھوٹے اور کمی کمین لوگ جب امیروں کی شان و شوکت سے مرعوب ہو کر ان کی محفلوں میں ایڈجسٹ ہونے کی کوشش کرتے ہیں تو دل کا سکون' خود پر بھروسہ اور اعتماد پچھلے دروازے سے رخصت ہو جاتا ہے۔ اب تم بتاؤ کہ مجھ ناچیز اور حقیر سے کیا چاہتی ہو؟''

''تم میرے ساتھ چلو۔ میں تمہارا شوہر تمہیں واپس لوٹانا چاہتی ہوں ہمیشہ کے لئے۔ زارا وہ صرف اور صرف تمہارا ہے۔ میرا اس پر کوئی حق نہیں۔ وہ میرے لئے اجنبی ہے۔'' وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

''دیر نہیں ہونی چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ احمد علی مجھے ڈھونڈتا ہوا میرے ہی قدموں کے نشانات پر نہ چل پڑے۔ اٹھو زارا تیار ہو کر جہاں کے گھر پہنچو۔ جتنی جلدی ہو سکے۔ میں چودھری صاحب کے گھر تمہارا انتظار کروں گی۔''

''ٹھیک ہے ناں۔ انکار مت کرنا تمہیں اس منے کی قسم جس کی خاطر تم نے قربانی دی اور اس اسٹیٹس کی قسم جس کی خاطر تم نے اپنوں کو چھوڑنے کی قربانی دی تھی۔'' جوہرو نے اثبات میں سر ہلایا اور زرمین باہر نکل گئی۔

✣ ✣ ✣

''دیدی زارا تو واپس جانے پر رضامند ہو گئی ہے۔ اب دیدی کو منانے کی باری ہے۔ جہان کا

گھر تمہارا سہارا نہیں ہو سکتا۔ تم میرے ساتھ چلو وہ گھر تمہارا ہے۔''

زرمین نے فرشتے کی تمام سرگزشت سن کر اپنی زندگی کے بیتے ہوئے لمحوں کو حوصلے اور ہمت سے دہرایا اور پھر اسے اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی۔

''مینو تمہاری جلد بازی کی عادت نہ گئی۔ مجھے میری ساس نے اپنے بیٹے کی نظروں سے اوجھل کر کے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ وہ میری بی بی جان بھی ہیں مینو۔ میں انہیں پریشان نہیں کر سکتی۔ کیا سوچیں گی میرے بارے میں۔ اگر آج ان کا ساتھ نہ ہوتا تو میں تباہ و برباد ہو گئی ہوتی۔ میں انہیں ناراض نہیں کر سکتی۔ اس وقت تک یہاں سے ہلوں گی نہیں جب تک ان کی طرف سے یہاں سے کوچ کرنے کا حکم صادر نہیں ہو جاتا۔ مینو شامیر جیسا مرد تم نے اپنی زندگی میں دیکھا ہی نہیں ہو گا۔ نجانے اب کیا ہو گیا ہے کہ دل کو ہی سخت کر بیٹھے ہیں۔ ذرا سی غلطی کی اتنی بڑی سزا کیوں دے ڈالی۔ ان شاء اللہ سب وقتی اور عارضی ہے۔ ابدی تو ہمارا پیار ہی ہے۔'' لہجے میں حد درجے کا اعتماد تھا۔

''دیدی تم ہمیشہ کی طرح آج بھی بہت عقلمندانہ سوچ رکھتی ہو۔ ایسے خیالات کو ہر حال میں زندہ رہنا ہوتا ہے۔ انہیں کبھی موت لاحق نہیں ہوتی کیونکہ ان کا رابطہ اپنی سرشت سے وابستہ رہتا ہے۔'' وہ عقیدت مندی سے بولی۔ ''مجھے تم پر آج بھی بے پناہ فخر ہے دیدی۔ کاش میں اتنی جلد باز نہ ہوتی۔ دیدی میں آپ جیسی کیوں نہیں؟'' وہ تڑپ کر رہ گئی۔

''تمہیں خود پر بھروسہ ہونا چاہئے۔ اللہ سے دعا کرو کہ وہ تمہاری سوچ کو کلیئر کر دے۔ تمام رستوں کو ضوفشاں کر دے تاکہ فیصلہ کرتے وقت کہیں پر تم ڈبل مائنڈڈ ہو کر تاریکی کو منزل نہ بنا لو۔ اگر نیت میں فتور نہیں، ارادوں میں دوسروں کو اذیت دینے کی طلب نہیں تو فیصلہ جو بھی کرو گی تمہارے لئے اور بچوں کے لیے بہتر اور قابل ستائش ہو گا۔''

وہ اسے تسلی دیتے ہوئے بولی۔ اسی اثنا جوہرہ وہاں پہنچ گئی۔ صاف ستھرے کپڑوں اور بالوں کے جوڑے میں وہ پھر زارا کے روپ میں نظر آنے لگی۔ لبوں پر لپ اسٹک کے ہمراہ ہلکی سی مسکان بھی دلفریبی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ زرمین نے گہری نظروں سے اس کا سر تک تجزیہ کیا اور آہستگی سے بولی۔

''خاموشی سے میرے ساتھ نکل چلو۔ ڈرائیور کے سامنے بھی چپ رہنا ورنہ یہی صبح ہماری ذلالت اور رسوائی کے ساتھ طلوع ہو گی۔ یہاں ہمارے حالات کی کسی کو خبر نہیں۔ کریڈٹ تمہیں جاتا ہے زارا۔''

''سچ مچ تم کسی بڑے خاندان سے تعلق رکھتی ہو۔ یہ فطرت، مزاج اور لب ولہجہ ہی تو بڑے پن کا اظہار کرتا ہے۔ تم بے فکر رہو اور اک انجانے کم مائیگی کے احساس خدشے وسوسے اور ڈر وخوف

سے باہر نکل آؤ۔ میں نے تمہیں اور احمد کو صدق دل سے معاف کر دیا ہے۔ کیونکہ میں تمہاری بڑائی اچھائی اور شوہر سے اس حد تک وفاداری اور تابعداری پر تمہیں صد آفرین کہتی ہوں۔'' وہ نہایت نرمی سے بول رہی تھی۔

فرشتے چونک گئی کہ یہ وہی زرمین ہے کہ آج جس کی عفوودرگزر کی قوت بے مثال ہے۔ ورنہ جوہرو اور آمو کی اصلیت کی گاؤں بھر میں ایسی پردہ کشائی کرتی کہ وہ تاحیات اس گاؤں میں قدم رکھنے کے قابل نہ رہتے اور اٹھتے بیٹھتے زرمین کے طعنوں وتشنوں کے شکار رہ کر اپنی زندگی کے دن پورے کرتے۔

جب زرمین جوہرو کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی تو آمو اپنے کمرے میں سو رہا تھا۔ شام گہری ہو رہی تھی کمرے میں گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا۔ کیونکہ گھر میں ابھی تک کسی نے بجلی آن نہ کی تھی۔ ٹمو بھی تاریکی میں اپنے کمرے میں لیٹا ہوا تھا۔ ہاشو اسکول سے آکر سویا ہوا تھا گھر پر کوئی نوکر موجود نہ تھا۔ ہو کا عالم تھا۔ گھر والی گھر نہ تھی۔ نوکروں کی عیاشی تھی۔ اس نے بیل دے کر نوکر بلا لیا اور اسے چائے کا کہہ کر ٹمو کے پاس چلی گئی۔ ماں کو دیکھ کر اس کے چہرے پر ہلکی سے مسکان دوڑ گئی تھی۔ اس نے معاذ کو صوفے پر لٹا کر جی بھر کر پیار کیا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''ٹمو میں اچھی ماں نہیں ہوں۔ تمہیں بھول کر اپنی دنیا میں مگن ہو جاتی ہوں بڑے اور چھوٹے بھیا کے ساتھ مصروف رہتی ہوں۔ ٹمو مجھے معاف کر دو۔ آئندہ ایسے نہیں ہوگا۔ آج سے ٹمو کی ماما ٹمو کے ساتھ سویا کرے گی آج کے بعد کہیں نہیں جائے گی۔'' وہ دیر تک بیٹے کو پیار کرتی رہی اور روتی رہی۔ معاذ کی احتجاجی آواز پر وہ وہاں سے اٹھ کر اس کے قریب ہی قالین پر بیٹھ گئی۔

''میرے اللہ میں ہر انہونے اور غیر متوقع حادثے کی گرفت میں کیوں آجاتی ہوں۔ مانا کہ میں بہت گنہگار ہوں لیکن تیری بندی تو ہوں۔ تو تو خطائیں معاف کر دیتا ہے۔ مجھے اس مسئلے سے بخیر وعافیت نکال لے۔''

وہ سوچ رہی تھی کہ آمو کمرے میں داخل ہوا تو وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔ آمو نے اس کی طرف سرسری نظر دواڑتے ہوئے کہا۔ ''کہاں سے آئی ہو؟ لہجہ روکھا پھیکا تھا۔ تمہیں میری نہ سہی ان دو بچوں کی بھی پروا نہیں رہی۔ کن چکروں میں ہو۔''

''آج گزشتہ ویڈنگ اینی ورسری کا تمہارے لیے تحفہ خریدنے گئی تھی۔ تم نے تو اس خوبصورت دن کی اہمیت کو سمجھا ہی نہیں۔ سوچا کہ میں ہی انی شیٹیو لے لیتی ہوں۔ اس میں کیا فرق پڑتا ہے۔ پہل تم کرو یا میں ایک ہی بات ہے۔''

وہ چہرے پر بمشکل مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے بولی۔

''زری کاش آج میری ڈیتھ اینی ورسری ہوتی وہ میری موت کا دن ہی تو تھا جب میں نے

جوہرو کی زندگی کی رنگینیوں کو تاریکی اور تنہائی میں بدل ڈالا تھا۔ میں بہت اناڑی اور نادان نکلا۔ ہر انسان اپنی فطرت وجبلت کا سچائی کو پیش نظر رکھ کر موازنہ کرے تو اسے کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ میں نے ہمیشہ اپنی فطرت کے خلاف سوچا اور فیصلہ کیا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جوہرو کی اسٹرانگ پرسنلیٹی مجھ پر حاوی ہوگئی اور میں اس کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنا اور پھر تمہارے ہاتھوں تو بکاؤ بن گیا سودے عورتوں کے لگائے جاتے ہیں کبھی مرد بھی منڈیوں میں بکتے دیکھے ہیں تم نے۔ اپنی سمجھ سے کام لے کر فیصلہ کرتا تو آج نہ مجھے گلٹ کچوکے لگاتا۔ نہ ہی ندامت مجھے مرغ بسمل کی طرح تڑپا رہی ہوتی۔"

"تمہیں سکھ دینے کے بجائے میں نے تمہاری زندگی کو بھی دکھوں کی آماجگاہ بنا ڈالا۔ تمہارا تحفظ بننے کے بجائے تمہاری خوشیوں اور سکون کا لٹیرا بن گیا مجھے خود سے نفرت ہوگئی ہے۔ خود سے گھن آنے لگی ہے۔ زرمین! مجھے خود پر اختیار نہیں رہا۔ میں بہت کمزور ہوگیا ہوں۔ بے ہمت اور بے دم پڑ گیا ہوں۔" وہ بولے جا رہا تھا اور زرمین اسے وہیں چھوڑ کر اوپر والے پورشن میں آ گئی۔ جہاں جوہرو اپنے کمرے میں موجود تھی۔

"اچھا سا تیار ہوکر نیچے آجاؤ۔ کھانے کے لیے باہر چلنے کا پروگرام ہے۔" زرمین نے اپنائیت سے کہا اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

"احمد علی تیار ہوجاؤ۔ کیا آج مجھے ڈنر کے لیے باہر نہیں لے جاؤ گے۔ چھوڑو تمام ماضی میں سرزد ہونے والی غلطیوں کو بھول جاؤ اور اٹھو باہر نکلتے ہیں۔" وہ پیار سے بولی۔

"طبیعت ٹھیک نہیں۔ پھر کبھی سہی۔" وہ لاپروائی سے بولا۔

"طبیعت درست کرو۔ احمد اچھی اور مثبت باتیں سوچو۔ سب کچھ بھلا اور خوشگوار لگے گا۔ تم کوشش تو کرو۔ زندگی کا کیا ہے؟ ہر حال میں گزر جاتی ہے تو کیوں نہ اسے ہنس کھیل کر گزار لیں۔" وہ نرمی سے بولی۔

"جوہرو بھی ایسی ہی منطقی باتیں کر کے مجھ سے اپنی بات منوالیا کرتی تھی۔ شائد تمام عورتیں ایک جیسی فطرت کی مالک ہوتی ہیں۔" وہ آہستہ سے بولا اور تیار ہونے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ جب تیار ہوکر باتھ سے باہر نکلا تو کمرے میں زرمین کے بجائے جوہرو کھڑی تھی۔ اس کی پسند کا کالے رنگ کا جوڑا پہنے وہ اس کی منتظر تھی۔

"جوہرو تم۔" وہ اچنبھے اور بے یقینی سے اس کے قریب آکر کھڑا ہوگیا۔

"یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ تم جوہرو ہی ہو ناں۔"

"ہاں میں تمہاری جوہرو۔" وہ مسرت آگیں لہجے میں بولی۔

"احمد علی میں نے مبارک دن کی خوشی میں تمہارا گمشدہ خزانہ تمہیں واپس لوٹا دیا ہے۔ زرا تم

بھی اس تحفے کو بخوشی قبول کرلو۔ احمد علی آج سے تم آزاد ہو۔ جہاں رہنا چاہتے ہو جس کے ساتھ خوش ہو۔ اسی کے ہو جاؤ۔ میری طرف سے تمہیں اجازت ہے۔ ویسا ہی کرو جس سے احساس جرم میں تخفیف ہو سکے۔ مجھے تمہارا ہر فیصلہ منظور ہے۔"

وہ اندر داخل ہو کر خود پر قابو پا کر بولی۔

"جس کی خاطر تم نے مجھے اور میرے اپاہج بچے کو اپنایا تھا میں نے تمہارے اس مقصد کو پورا کرنے کا بھی انتظام کر دیا ہے۔ اس نے آمو کی طرف پچاس لاکھ کا چیک بڑھاتے ہوئے کہا اس سے اپنا گھر خرید لینا۔ ذاتی گھر کی چھت کے نیچے بھوکے پیاسے رہ کر بھی باعزت کہلاؤ گے۔ میری فکر نہ کرنا۔ تم نے میری انگلی پکڑ کر مجھے چلنا سکھایا ہے زارا کی عقل اور سمجھ سے میں نے بہترین سبق سیکھے ہیں۔ اب میں تین بچوں کے ساتھ اکیلی چلنے کی ہمت رکھتی ہوں ہم چار ہیں۔ چند سالوں کی بات ہے دو جوان بیٹے میرا دایاں اور بایاں بازو ہوں گے۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"زرمین! مجھے معاف کر دو۔ میں نے ہر قدم پر تم سے جھوٹ بولا تم تو بہت عظیم عورت ہو۔ میں اس کا اعتراف ہمیشہ سے کرتا آیا ہوں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم اسی چھت کے نیچے مل جل کر رہیں۔" وہ متذبذب ہو کر بولا۔

"نہیں احمد علی! یہ ممکن نہیں۔ مجھے آزاد کر دو کیونکہ بروز قیامت میں اپنے شوہر کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا چاہتی۔ میرا نام جہاں زیب کی بیوی ہونے کے نام سے پکارا جائے تو مجھے فخر ہوگا کیونکہ اس نے مجھے کبھی دھوکہ نہیں دیا۔ غلط بیانی سے کام نہیں لیا۔ اگر اپنے خاندان سے مجھے متعارف نہیں کرایا تھا تو اس کی تمام وجوہات میرے گوش گزار دی تھیں۔ میں آئندہ کی حیات اسی کے نام پر بِتانا چاہتی ہوں۔ زیب نے اپنی تمام جائیداد دونوں بیٹوں کے نام کر دی تھی۔" وہ التجائیہ انداز میں بولی۔

"مجھ پر تمہارا بہت بڑا احسان ہوگا۔ مجھے اپنی قید سے رہا کر دو۔ اب تو تم بھی جوہرو کے وجود میں اپنی نسل کا بیج بو چکے ہو۔"

"یہ میں کیا سن رہا ہوں؟" وہ جوہرو کے پیٹ سے دوپٹہ ہٹا کر خوشی سے بولا۔

"ہاں! یہ سچ ہے مگر معاذ کا کیا ہوگا وہ کس کے پاس رہے گا۔" وہ کاٹ دار لہجے میں بولی۔

"ماں ناجائز بچہ پیدا کرنے کے بعد بھی اسے کوڑے کے بن میں ڈالنے سے انکار کر سکتی ہے تو اک ماں اپنے جائز بچے کو اپنی آغوش کی حدت سے کیونکر محروم کرے گی۔ بچہ میرے جسم کا حصہ ہے۔ اس لیے وہ حصہ میرے نصیب میں لکھ دیا گیا۔ اس پر احمد علی کا اتنا حق ہے جتنا وہ محسوس کرتا ہے۔" زرمین نے خود اعتمادی سے کہا۔

"آمو بولو نا۔ چپ کیوں ہو؟" جوہرو بے چینی سے بولی۔

''زرمین مجھے نہ رقم چاہیے نہ ہی بچہ۔ میں چودھری احمد علی کا مانگا ہوا لبادہ اوڑھ کر زندگی کو خوشیوں اور کامیابیوں سے ہمکنار نہیں کر سکا۔ میں رائے مسلی کا آمو بیٹا اور جوہرو میری ماسی اور تایا کی بیٹی میری بیوی ہے۔ اسی اسٹیٹس میں رہ کر میں اپنی بقیہ زندگی گزارنا چاہتا ہوں اور میرے بچے کو میرا نام دینے کے بجائے ممو کے باپ کا قابل عزت مقام بخش کر مجھ پر احساس عظیم کر دینا میرا خون اور میری نسل تم سے بھی ہمیشہ چلتی رہے گی۔ یہی میری خوش قسمتی ہے کہ میرے بیٹے کا نانا شاہ عبدالعزیز ہے مجھے اور کیا چاہیے؟ اسی کی تو خواہش کی تھی میں نے۔'' وہ فخریہ لہجے میں بولا۔

''آمو تم نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا وہ کیا ہوا؟'' جوہرو تڑپ کر بولی۔

''وعدے ایفا کرنے کے لیے نہیں کیے جاتے تمہارا حقیقی ڈرامہ اس کے بارے میں کیا کہتا ہے؟'' وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

''میں زری کا بچہ اسی کے زیر سایہ پروان چڑھانے کے حق میں ہوں۔ اس پر تمام حقوق اس کی ماں کے ہیں۔ مجھے تمہاری بطن سے اولاد نصیب ہوئی ہے۔ مجھے اور کیا چاہیے۔''

''نہیں آمو! میں معاذ کو لے کر بھاگ جاؤں گی۔'' اور سرگوشی کے انداز میں بولی۔

''یہ مسلیوں کی نسل اور ان کا خون ہے۔ تمام عمر اس دنیا کی جیلوں میں چکی پیسو گی اور اگلی دنیا میں کالے اور ڈراؤنے چہرے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا سامنا کیسے کرو گی۔'' وہ غصے میں بولا۔

''اس بچے کی ماں زرمین ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے۔ سن رہی ہو کہ نہیں۔ تیاری پکڑو۔ بہت تڑپ لیا۔ اپنے گاؤں کی گلیوں کو یاد کر کے ہم آج اور اسی لمحے اپنے گاؤں جائیں گے اپنے والدین سے معافی مانگ کر واپس آئیں گے اسی طرح جیسے ہم نے ایک بیٹھک سے زندگی شروع کی تھی۔''

''شہر واپس آنے کی کیا ضرورت ہے۔ پھر کبھی شہر کا آنے کا خیال بھی دل میں نہ لانا۔ مجھے ایسی زندگی اور اس ماحول سے نفرت ہوگئی ہے ہم دونوں ایک چپاتی بانٹ کر کھالیں گے مگر ایک دوسرے کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

''ہم اسی شہر میں اپنی محنت سے رزق حلال کمائیں گے۔ چاہے وہ کتنا ہی کم کیوں نہ ہو؟ اس میں برکت ہوگی۔ اس کے حصول میں سکون اور فخر ہوگا۔ یہی اصل خوشی اور کامیابی ہے۔ آج میرا ایمان پکا ہوگیا ہے دعا کرو کہ ایک سید زادی کو دھوکہ دینے کی سزا سے وہ ہمیں محفوظ رکھے۔ زرمین ہمیں معاف کر دینا کیونکہ تمہاری معافی ہی ہماری بخشش ہے۔'' آمو نے سر جھکا کر مؤدبانہ انداز میں کہا تو زرمین ڈائری لے کر اس کے سامنے کھڑی ہوگئی۔

''احمد علی تمہاری معافی ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ مجھے آزادی کا ثبوت لکھ دو۔ تمہاری عمر بھر شکر گزار رہوں گی۔ تم دونوں ایک دوسرے کے لیے بنائے گئے تھے۔ میں بیچ میں نجانے کیوں اور کیسے ٹپک

پڑی؟"

آمو نے ڈائری سے ورق پھاڑا اور صوفے پر بیٹھ کر طلاق لکھی اور اسے دے کر پژمردہ لہجے میں بولا۔" تمہارے ساتھ جتنے دنوں کا ساتھ رہا۔ خوب رہا۔ کبھی بھولے گا نہیں اور جو حماقت ہم سے سرزد ہوگئی ہے۔ اس کو راز میں رکھنا۔ مہربانی ہوگی۔ میرا بچہ احساس کمتری کا شکار ہوگیا تو یوں سمجھو کہ آمو کی نسل ہی خراب ہوگئی۔"

زرمین نے اپنی طلاق کی عبارت کو پڑھا اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ آج پھر اس کے سر سے گھسے اور گہرے بادل کا سایہ سرک گیا تھا اور وہ ننگے آسمان کے نیچے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لکھی ہوئی تقدیر پر راضی برضا ہونے کی کوشش کرنے لگی تھی۔

❖ ❖ ❖

شامیر نے گاڑی حویلی کے گیٹ کے سامنے پارک کردی۔ جسم میں گاڑی سے باہر نکلنے کی ہمت ہی نہ تھی کس منہ سے فرشتے کا سامنا کرتا۔ ممی تینوں بچوں کے ساتھ گاڑی میں موجود تھیں۔ انہوں نے اپنی سائیڈ کا دروازہ کھولا اور جھولی میں سوتی ہوئی بچی کو آیا کے ہاتھوں میں دے کر خود باہر نکل آئی۔

ایک نوکرانی نے اسے زنان خانے تک گائیڈ کیا اور شامیر مردان خانے میں بیٹھ گیا۔ شہباز جہان کا بچپن کا منگیتر تایا کا بیٹا تھا۔ اس نے بھی امریکہ سے ایم بی اے کی ڈگری حاصل کی تھی۔ شادی کے بعد جہان کو بھی اپنی جاب چھوڑ کر گاؤں کی زندگی کو اپنانا پڑا تھا۔ گاؤں شہر سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر موجود تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بچے صبح اسکول شہباز کیساتھ ہی نکل جایا کرتے تھے۔ جاب سے واپسی پر باپ کے ساتھ گھر آجاتے۔ جہان نے اپنے سسرال کی خواہش کو اولیت دیتے ہوئے اپنی محل نما حویلی میں خوش وخرم زندگی گزار رہی تھی۔ فرشتے کو پناہ دینے کے بعد ممی کئی بار بچوں کو ملوانے اس کے گھر آتی جاتی رہتی تھی۔ بچے بھی اس ماحول سے مانوس تھے۔ فوراً ماں کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ بچوں نے جب بھی ماں کا ذکر شامیر کے سامنے کیا تھا۔ شامیر نے اسے اگنور کردیا تھا کہ ماں کی یاد میں الٹی سیدھی ہانک رہے ہیں۔

لنچ خاصا پرتکلف تھا۔ گھر کے مردوں نے مردان خانے میں کھانا تناول فرمایا اور تمام خواتین نے مع فرشتے اس کی ساس اور بچوں کے حویلی کے نعمت کدہ میں کھانا کھایا۔ گرین ٹی سے فارغ ہونے کے بعد جانے کا وقت آگیا۔ تو فرشتے کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو چھلک پڑے تھے۔ آج ممی کی مہربانیوں اور دور اندیشیوں کی وجہ سے اس کا گھر تباہی کے دہانے سے ہٹ کر اسے ہمیشہ کی آبادی اور خوشحالی کا سندیسہ سنا رہا تھا۔ فرشتے کی ابھی تک شامیر سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ اسے اس کی شکل دیکھنے کا بے چینی سے انتظار تھا۔ جسے دیکھے بغیر ان گنت دنوں ہفتوں اور مہینوں کا عرصہ کیسے

گزرا تھا؟ یہ وہ ہی جانتی تھی۔

عورت کی قربانی اور وفا کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ فرشتے کو آج اس حقیقت کا شدت سے احساس ہونے لگا تھا۔ وہی ساس جو شامیر پر ہر وقت قابض رہ کر اسے اپنی اہمیت کا احساس دلایا کرتی تھی آج اس کے درد کا مداوا بن گئی۔ فرشتے نے اپنے دل پر جبر کر کے اس کی اس نازیبا حرکت پر احتجاج کرنا تو درکنا کبھی ماتھے پر بل تک نہ ڈالا تھا۔ آج اسے واپسی کے اس ترازو میں خوشی کا پلڑا بھاری اور اس کے صبر و ایثار کا پلڑا بہت ہلکا معلوم ہونے لگا تھا۔

اور ممی کس قدر عظیم خاتون لگ رہی تھیں۔ جنہوں نے بے حد صبر و تحمل کا ثبوت دیتے ہوئے مشکل وقت کا ثابت قدمی سے مقابلہ کیا تھا اور دانشمندی سے حالات کو اس موڑ پر لے آئی تھی کہ شامیر نے ماں کے سامنے ہاتھ جوڑ کر فرشتے کو واپس لانے کی التجا کی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ فرشتے کو واپس لانے والی ممی ہی ہیں۔ وہ تو اس کو منہ تک نہ لگائے گی۔ جس نے اس پر الزامات کے در کھول دیئے تھے۔ اس سے بڑھ کر وہ فرشتے کی اور کیا انسلٹ کرتا۔ آج ندامت اور پچھتاوا اس کے انگ انگ پر سوار تھا۔

دونوں ایک دوسرے کی دید و ملن کے لیے بے تاب تھے۔ وقت کے جان لیوا لمحے گزرنے کا نام نہ لے رہے تھے۔ ممی جونہی جانے کے لیے کھڑی ہوئیں تو فرشتے نے دل ہی دل میں ممی کو سینکڑوں دعائیں دے ڈالیں اور فوراً اس نے جہان اور باقی تمام گھر والوں کا شکریہ ادا کیا۔ سب کے گلے مل کر خدا حافظ کہا اور سب کی ان گنت دعاؤں کے ہمراہ اپنے بچوں اور ممی کے سائے میں باہر نکل گئی۔ شامیر ندامت و پشیمان سے نظریں جھکائے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔

فرشتے نے حسب معمول پچھلا دروازہ پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کے لیے کھولا ہی تھا کہ ممی نے اسے کندھے سے پکڑ کر نہایت ملائمت سے شامیر کے پہلو کی سیٹ کی طرف دھکیل دیا۔ وہ اچنبھے سے مڑی اور ممی کو حیرت و اشتیاق سے دیکھنے لگی کہ شائد ان سے انجانے اور بے دھیانی میں غلطی ہوگئی ہو۔

''ممی! یہ تو آپ کی سیٹ ہے۔''

وہ چونک کر حیرت سے بولی۔

''بیٹا یہ سیٹ تمہاری تھی ہمیشہ سے میں ہی نہ سمجھی۔ کیونکہ بیٹا مجھ سے میری ساس کا سلوک تو ایسا غیر مناسب اور ناقابل برداشت تھا کہ وہاں تک تمہاری سوچ کی رسائی بھی نہیں ہوسکتی۔ ان تمام اذیتوں کو سہتے ہوئے میں نے خود سے عہد کیا تھا کہ میں اپنی بہو کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کروں گی جو میری ساس نے میرے ساتھ روا رکھا تھا۔''

ممی نے اسے پیار کرتے ہوئے کہا اور اسے پکڑ کر سیٹ پر بیٹھا کر گڑیا کو اس کی گود میں ڈال کر

پیچھے بیٹھ گئی۔

گاڑی گاؤں کی کچی سڑک پر دھول اڑاتی ہوئی کھلی اور کشادہ سڑک پر نکل آئی۔ گاڑی میں مکمل طور پر خاموشی تھی۔ گاڑی کے چلتے ہی تینوں بچے غنودگی میں چلے گئے تھے۔ دن بھر کی تھکن سے آیا کا سر بھی لڑھک گیا تو ممی نے نامکمل کہانی کو سنانا چاہا۔

ہاں تو بیٹا تو میں آپ کو دکھا رہی تھی۔ اپنے تلخ ماضی کی ہلکی سی جھلک میں اپنے کئے ہوئے وعدے پر مکمل طور پر قائم نہ رہ سکی۔ تمہیں اپنی بیٹی جان کر تمہاری خوشیوں کا خیال تو رکھتی رہی۔ مگر بیٹے کا دامن نہ چھوڑا۔ یہ نہ سوچا کہ چاہے میں تمہارے قدموں میں دنیا اور آخرت کی تمام آسائشات کیوں نہ ڈھیر کردوں۔ وہ اس وقت تک بے قیمت اور بے وقعت رہیں گی۔ جب تک شریک سفر کا ساتھ نہ ہو تم دونوں کی دوری اور جدائی میری اسی غلطی کا پیش خیمہ تھی۔ میں نے تم دونوں کو ایک دوسرے کی فطرت سمجھنے کے قیمتی وقت پر ڈاکہ ڈال دیا۔ میرے بچے مجھے معاف کردو۔ میں تم دونوں اور ان تین معصوم بچوں کی گنہگار ہوں۔ خصوصاً اس گڑیا سے بھی معافی مانگتی ہوں جس کے ساتھ بہت زیادتی اور بے انصافی ہوگئی۔ چند دنوں کی میری گڑیا ماں کے دودھ اور اپنی ماں کی آغوش سے محروم ہوگئی۔ ممی کی آواز بھرا گئی۔

"ممی! آپ کو گلٹی فیلنگ نہیں ہونی چاہیے ماں جو بھی کرلے اسے سب زیب دیتا ہے۔"
فرشتے نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

"ممی! میرا دل چاہ رہا ہے کہ آپ کے قدموں میں سجدہ ریز ہوجاؤں۔ اگر آپ عقلمندانہ قدم نہ اٹھاتیں تو آج میں فرشتے کو ہمیشہ کے لیے کھوچکا ہوتا۔ غصے اور خفگی میں کئے ہوئے فیصلے خوشیوں اور راحتوں کو نگل لیتے ہیں۔ تھینک یو ممی! آپ مجھے معاف کردیں ممی۔ میں ہی عاقبت نااندیش نکلا"
وہ عقیدت مندانہ لہجے میں بولا۔

"فرشتے آج تم جس گھر میں جارہی ہو وہ تمہارے نام کردیا ہے تمہارے پاپا نے۔ آئندہ تم نہیں شامیر اس گھر سے نکلے گا بیٹا مجھے معاف کردو۔"
ممی کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔

"ممی! آپ مجھے گناہگار کرکے شرمندہ نہ کریں۔ آپ نے تو میری ماں ہونے کا ثبوت دے ڈالا ہے۔ لیکن میں آپ کی بیٹی ثابت نہ ہوسکی۔ کم از کم آپ سے تو اپنے حالات پوشیدہ نہ رکھتی۔ شامیر تو میرا شوہر ہے۔ ان کے سامنے میں خود کو برہنہ کرنے میں سبکی محسوس کرتی رہی' مگر آپ کے ساتھ تو میرا رشتہ ہمدردی اور پیار کا ہے اور آپ کی طرف سے تو بے لوث محبتیں میں نے وصول کی ہیں۔ مگر میں نے اس کا آپ کو اجر نہ دیا۔ آپ کے پیار کی قدر نہ کی۔ مجھ پر جو آزمائش اور امتحان آیا ہے اس کی وجہ میں خود ہوں۔ اس میں شامیر اور آپ کا کوئی قصور نہیں۔"

''ممی! ان سکیورٹی انسان کو بہت کمزور، بزدل اور ڈرپوک بنا دیتی ہے کہ میں سچائی کے بیان کرنے میں بھی ہر وقت مرتی اور جیتی رہی۔ میں چاہتے ہوئے بھی اپنی بے بسی سے پردہ کشائی نہ کر سکی خاموش اور خفیہ رہنے کو فوقیت دیتی رہی۔ اسے بزدلی ہی تو کہتے ہیں۔''

وہ سنجیدگی سے بولتی ہوئی اپنے آنسوؤں پر قابو پاتی رہی اور گڑیا کو اپنے سینے سے چپکائے اسے بوسے دیتی رہی۔

''شامیر ہم پہلے زرمین کے گھر چلیں گے۔ نجانے وہ بیچاری کس حال میں ہوگی؟ تین بچوں کے ساتھ تنہا کیسے رہ رہی ہوگی۔ پلوشہ کو حیات آباد کو چھوڑ کر زرمین کے ساتھ رہنا چاہیے۔ زرمین پلوشہ کی موجودگی میں خوش بھی رہے گی اور پلوشہ کو بھی اپنی اہمیت کا احساس زندگی میں واپس آنے پر مجبور کرے گا اور پھر جس گھر کا دروازہ اللہ تعالیٰ کے نام پر دن رات کھلا رہے گا تو اس گھر میں رہنے والے مکینوں کی عزت جان و مال کی حفاظت کا ذمہ وہ خود اٹھالیتا ہے۔ پلوشہ یہاں رہ کر بھی خدمت خلق سے وابستہ رہ سکتی ہے۔ اپنی افغان قوم کا سہارا بن سکتی ہے۔''

''اور پھر مزے کے بات یہ ہے کہ میری فرشتے کے پہلو میں دائیں بائیں دو بہنیں ہر وقت موجود رہیں گی۔ بیٹا بہن کا رشتہ شہد سے بھی میٹھا اور آب حیات کا کام کرتا ہے۔ دو بہنیں اپنی تمام زندگی ایک دوسرے کی رفاقت میں گزارتے ہوئے کبھی تیسرے کی خواہش نہیں کرتیں۔ یہاں تو تین بہنوں کا ساتھ ہوگا۔ زرتاش کو بھی امریکہ کی ہر اسٹیٹ سے ڈھونڈ نکالو۔ ان بہنوں کو لے کر کابل جاؤ شائد ان کا گھر سلامت ہو اگر اس میں ناکامی ہوئی تو دل برا کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ان کھنڈرات میں بھی ان کے لیے اپنا پن ہوگا۔ اس کی مٹی میں انسیت اور اپنائیت ہوگی اور اپنے والدین اور بھائیوں کی ان گنت صدائیں ہوں گی جو انہیں خوش آمدید کہہ رہی ہوں گی۔ بیتے ہوئے وقت کی بے حساب دلنشین یادیں ان کے پیار سے من کو میراب کریں گی۔ اس کی ہر اینٹ پر ان کے خاندان کی تحریر کردہ تاریخ انہیں فخر سے ہمکنار کر کے سر اٹھا کر جینے کا درس دے گی۔ سن رہے ہو کہ ہم نشین کے منوں میں کھوئے بیٹھے ہو۔''

ممی نے سنجیدگی سے سمجھاتے ہوئے جب گاڑی میں فقط اپنی ہی آواز کو گونجتے ہوئے سنا تو وہ چونکی۔ اور پھر ہنستے ہوئے خوشگوار لہجے میں بولی۔

''ممی آپ کی زبان سے نکلے ہوئے ہر لفظ کی تائید کرتا ہوں۔ آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔'' شامیر نے عقیدت مندانہ لہجے میں کہا۔

''تھینک یو شامیر۔ اللہ تمہاری عمر دراز کرے اور تم ہمیشہ خدمت خلق کے جذبے میں سرشار رہو۔ بیٹا جو چانس اللہ تعالیٰ نے تمہیں انعام کی صورت میں بخشا ہے۔ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے اسے ضائع مت کرنا اپنی ان لاوارث بہنوں کے سربراہ بن جاؤ اور ان کو اپنے پروں کے نیچے

چھپا کر دنیا کی نظروں سے غلاظت اور خباثت چھین کر ان کی آنکھ کے پانی میں عزت واحترام کی آمیزش کر دو۔"

"اگر تم نے ایسا نہ کیا تو یاد رکھو کہ میں تاریخ کو حال میں بدلنے کی ہمت رکھتی ہوں۔" وہ پھر شگفتہ لہجے میں بولی۔

"ممی! میں سمجھا نہیں۔"

شامیر نے حیرت واشتیاق سے کہا۔ فرشتے نے بھی انجانی نظروں سے منہ پھیر کر ساس کی طرف دیکھا۔

"تم تو بدھو ہی رہے۔ تاریخ دہرانے سے ہی اسے جاودانی ملتی ہے۔"

وہ قہقہہ لگا کر بولی۔

"ممی......دہرائیں تو۔" وہ بے تابی سے بولا۔

"یہی کہ اگر تم نے میری بات نہ مانی تو تمہیں بتیس دھاریں نہیں بخشوں گی۔" ممی نے سنجیدگی سے کہا تو گاڑی میں ہنسی کی پھوار نے سب کو سیراب کر ڈالا۔

(تمت بالخیر)

Pakistanipoint Waqar Azeem